مکتبہ بصیرت قرآن
S-T-4 بلاک K، نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی غور وفکر کرنے والا

سُوْرَۃُ الْاَنْعَام — سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف — سُوْرَۃُ الْاَنْفَال

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ — سُوْرَۃُ یُوْنُس — سُوْرَۃُ ھُوْد

جلد ۲

مولانا محمد آصف قاسمی

امیر جامعہ اسلامیہ کینیڈا

مکتبہ بصیرت قرآن

S-T-4 بلاک K، نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان

فہرست

پارہ نمبر ۷ تا ۸

• واذا سمعوا • ولو اننا

سورۃ نمبر ٦

الْاَنْعَامْ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الانعام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ نمبر	6
رکوع	20
آیات	165
الفاظ وکلمات	3100
حروف	12935
مقام نزول	مکہ مکرمہ
60 آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں	

انعام "نعم" کی جمع ہے (یعنی جانور) مویشی، چوپائے جانوروں کو کہا جاتا ہے۔
اس سورۃ کے سولہویں سترہویں رکوع میں بعض جانوروں کے حلال وحرام ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کفار مکہ کے بعض توہمات کو بھی دور کیا گیا ہے جو عرب میں عام تھے۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام "الانعام" رکھا گیا ہے۔

اگر چہ یہ سورۃ مکی کہلاتی ہے مگر اس میں وہ ساٹھ آیتیں بھی شامل ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں بقیہ ایک سو پانچ آیتیں ہجرت سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

اس سورۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سورۃ کی ایک سو پانچ آیتیں ایک ہی رات میں نازل ہوئیں جنہیں اسی رات نبی کریم ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا۔

خصوصیت: یہ سورۃ ایک ہی رات میں ستر ہزار فرشتے لے کر نازل ہوئے۔

متعدد احادیث میں اس سورۃ کے نازل ہونے کی ایک بہت بڑی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس رات یہ سورۃ نازل ہوئی اس رات زمین سے آسمان تک نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ تمام فرشتے اللہ کی حمد وثناء کر رہے تھے۔ ان کی تسبیحات کی گونج سے زمین وآسمان میں ایک عجیب سا سماں تھا۔ اسی دوران ستر ہزار فرشتے اس سورۃ کو لے کر نازل ہوئے۔ وہ اللہ کی تسبیح کر رہے تھے اور اللہ کو سجدے کر رہے تھے۔ فرشتوں کی تسبیح اور سجدوں سے زمین وآسمان منور تھے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ بھی اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے سجدے میں چلے گئے۔ احادیث میں اس سورۃ کی بہت سی فضیلتیں آئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتوں کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے چالیس فرشتوں کو نازل فرمائے گا جو عبادت کریں گے جس کا ثواب اس شخص کو بھی عطا کیا جاتا رہے گا جو اس کی تلاوت کرے گا فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اللہ کی رحمتوں کو اس شخص پر نازل کرتے رہیں گے۔

جو شخص اس سورۃ کو پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے اترتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے۔ شیطان اگر پڑھنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتہ اس گرز سے شیطان کی خبر لیتا ہے اور شیطان اور اس کے درمیان

ستر حجاب (پردے) ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کو پڑھنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ اے میرے بندے تو میرے نور کے سائے میں چل، جنت کے پھلوں سے لذت حاصل کر، حوض کوثر سے پانی پی، اور نہر سلسبیل میں غسل کر تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون توحید و رسالت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دور جہالت میں کفار ایسے توہمات اور فضولیات میں مبتلا تھے جن توہمات کی تردید کی گئی ہے جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ اہل ایمان کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں تسلی اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے ان بنیادی اصولوں کو بیان فرمایا گیا جو انسان کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔

کفار نے بہت سی چیزوں کو خود ہی حرام اور حلال کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقت میں جو چیزیں حرام اور ناجائز ہیں ان پر تو تم غور نہیں کرتے اور دوسری فضول بحثوں میں الجھے ہوئے ہو۔ فرمایا کہ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے (۱) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک قرار دینا۔ (۲) والدین سے بد سلوکی کرنا۔ (۳) مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا حرام ہے کیونکہ رازق تو اللہ ہے۔ (۴) چھپے ہوئے یا ظاہری گناہ کے کام کرنا۔ (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا۔ (۶) یتیم بچے کے مال کو کھا جانا۔ (۷) ماپ تول میں کمی کرنا۔ (۸) وعدے کا پورا نہ کرنا۔ (۹) جب گواہی دینے کا وقت آ جائے تو اس سے پیچھے ہٹ جانا۔ (۱۰) اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے سے ہٹ کر غلط اور گمراہی کے راستے پر چلنا یہ سب ناجائز باتیں ہیں ان سے بچنا ہر صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے۔

سورۃ الانعام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۗ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۗ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ۗ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۳

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اندھیرا اور اجالا بنایا۔ پھر بھی یہ کفار (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ ہاں وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اپنے حکم سے ایک مدت ٹھہرا دی۔ اور پھر دوسری مدت بھی اس کے نزدیک معین اور مقرر ہے۔ مگر تم لوگ شک میں پڑے ہوئے ہو۔ ہاں وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کما رہے ہو اس سے بھی وہ واقف ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۳

جَعَلَ — اس نے بنایا

اَلظُّلُمٰتِ — (ظُلْمَةٌ)۔ اندھیرے

اَلنُّوْرُ — روشنی

يَعْدِلُوْنَ	(عَدْلٌ)۔ برابر کرتے ہیں۔ (شرک کرتے ہیں)
طِيْنٌ	مٹی
قُضِىَ	مقرر کر دیا۔ فیصلہ کر دیا
اَجَلٌ	ایک مدت
مُسَمًّى	مقرر۔ متعین
تَمْتَرُوْنَ	تم شک کرتے ہو
سِرٌّ	بھید۔ چھپی ہوئی چیز
جَهْرٌ	کھلا ہوا۔ ظاہر
تَكْسِبُوْنَ	تم کماتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۳

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کو دیکھنے اس پر غور کرنے اور پھر دل سے تعریف کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ایسا کون ہے جو آسمان وزمین کی ٹھہری ہوئی اور حرکت کرتی ہوئی چیزوں کو دیکھے، اس آنے والی اور جانے والی تاریکیوں اور روشنیوں کو دیکھے، اس سکونی اور گردشی نظام کائنات کو دیکھے کہ یہ سب کچھ انسان کو زندگی اور اسکی نعمتیں بخشنے کے لئے بنے ہیں۔ اور پھر بھی اس کا دل حیرت اور احسان مندی سے عش عش نہ کر اٹھے۔

الحمد کے معنی تعریف کے بھی ہیں اور شکر کے بھی۔ یعنی حسن آفرینش کی قدر و قیمت پہچاننا بھی اور قولی و عملی احسان مندی بھی۔ یعنی معرفت بھی اور بندگی بھی۔

اس آیت نے ان دو سوالوں کا جواب دے دیا ہے جن کی طرف سائنس نے اپنی مصلحت سے اب تک رخ نہیں کیا۔ ہر چیز چاند، سورج، پہاڑ، انسان کے ساتھ چند سوالات لازمی اٹھتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ اسے کس نے بنایا؟ اور کیوں بنایا؟ سائنس اپنے آپ کو کیا اور کیسے میں الجھائے رکھتی ہے۔ 'کون' اور 'کیوں' سے دور بھاگتی ہے۔ تمام سائنس داں جانتے ہیں کہ اگر ہم نے 'کون' اور 'کیوں' میں تحقیق کی تو ہمیں دین اسلام میں داخل ہونا پڑے گا اور یہ ان کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف ہے۔

اسے کس نے بنایا۔ اس کا جواب لفظ اللہ میں ہے۔ اسے کیوں بنایا اس کا جواب لفظ الحمد میں ہے۔ الحمد للہ ہی سے قرآن شروع ہوتا ہے۔ الحمد للہ ہی تمام حقائق کی بنیاد ہے۔

لازم تو یہ تھا کہ انسان یہ سارے نظام کائنات کو اپنے لئے کام کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کا سر خالق و مالک کے سامنے تحسین وتشکر میں جھک جاتا لیکن حیرت کا مقام ہے کہ کفار اور مشرکین غیر اللہ کو معبود ٹھہرا رہے ہیں۔

ذرا انسان یہ تو سمجھے کہ اسے کس نے پیدا کیا، کس چیز (مٹی) سے پیدا کیا، کس نے اس کی زندگی کی مدت مقرر کردی۔ کس نے اس کی موت کی تاریخ مقرر کردی اور پھر موت کے بعد قیامت تک کی مدت مقرر کردی۔ ذرا یہ سمجھئے کہ جو اسے موت دے سکتا ہے وہ مارنے کے بعد جلا بھی سکتا ہے اور جلانے کے بعد جزا و سزا دے سکتا ہے۔

ذرا انسان یہ تو سمجھے کہ وہ جو آسمانوں، زمین اور ہر چیز کو بنا سکتا ہے، ایک نظام میں لگا کر سب کو مختلف حرکتوں اور منزلوں سے گزار سکتا ہے، وہ انسان کی ایک ایک حرکت کو کیوں نہیں دیکھ سکتا خواہ وہ پوشیدہ ہو یا ظاہر۔ اور پھر وہ ہر ایک کا اعمال نامہ کیوں نہیں مرتب کر سکتا۔ مگر جو بدنصیب ہے وہ ابھی تک شک میں پڑا ہے۔ اور مدت عمل گزرتی چلی جارہی ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴ تا ۶

جب کبھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس سے روگردانی ہی کی۔ اب وہ اس حق کو بھی جھٹلا رہے ہیں جو ان کے پاس آیا ہے جس بات کا وہ اب تک مذاق اڑاتے رہے ہیں اس کی خبریں (حقیقت بن کر) ان کے سامنے عنقریب آئی جاتی ہیں۔

کیا ایسے لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی اپنے اپنے دور میں (طاقت اور حکومت کو ہم نے اتنا گہرا اور) مضبوط بنایا تھا جو تمہیں ہم نے نہیں بنایا ہے۔ ان پر ہم نے آسمان سے مسلسل بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے نہریں

جاری کی تھیں۔ لیکن جب وہ گناہ پر گناہ ہی کرتے چلے گئے تو ہم نے انہیں نیست و نابود کر دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴ تا ۶

مَا تَاْتِیُ	نہیں آتی
مُعْرِضِیْنَ	اعراض کرنے والے۔ منہ پھیرنے والے
کَذَّبُوْا	انہوں نے جھٹلایا
اَنْبٰٓؤُا	سچی خبریں
یَسْتَھْزِءُ وْنَ	وہ مذاق کرتے ہیں
اَلَمْ یَرَوْا	کیا انہوں نے نہیں دیکھا
اَھْلَکْنَا	ہم نے ہلاک کر دیا
قَرْنٌ	امتیں۔ جماعتیں
مَکَّنَّا	ہم نے جمایا۔ قوت دی
لَمْ نُمَکِّنْ	ہم نے قوت نہیں دی
اَرْسَلْنَا	ہم نے بھیجا
مِدْرَارٌ	لگا تار برسنا۔ مسلسل
اَنْشَاْنَا	ہم نے پیدا کیا
اٰخَرِیْنَ	دوسرے

تشریح: آیت نمبر ۴ تا ۶

ہر شخص اپنے آپ کو عقلمند سمجھنے اور دوسروں کی نگاہوں میں مہا عاقل دکھانے کیلئے پریشان رہتا ہے۔ اللہ کی طرف سے بڑے بڑے پیغمبر آئے، انہوں نے بڑے بڑے معجزے دکھائے، توحید اور اسلام کے حق میں بڑے بڑے دلائل پیش کئے مگر ان خود ساختہ

عقل مندوں نے ان پر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ اسلام کے اندر آنا ایک فرماں برداری، ایک تنظیم، ایک اوامر ونواہی کے اندر آنا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے عقل مندی اور سرداری کی پوزیشن حاصل کر لی تھی کس طرح اس نظم وضبط کو مان سکتے تھے۔

اب اس وقت مکہ کے کفار ومشرکین کے سامنے قرآن ہے جس نے چیلنج کر رکھا ہے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ بڑے سے بڑے نثر اور نظم والے اس چیلنج کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ ان کے سامنے خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ہستی ہے جنہوں نے ساری زندگی ان ہی کے درمیان گزاری ہے۔ جن کے سارے شب وروز ان کو معلوم ہیں اور انہیں اب تک کوئی بات قابل اعتراض نظر نہیں آئی۔

جنہیں سب لوگ صادق اور امین کہتے ہیں۔ مگر نہ ماننے والے طرح طرح کے بہانے بنا رہے ہیں۔ نا ماننے والوں کے لئے فرمایا گیا کہ بہت جلد قیامت تمہارے سامنے آئی جاتی ہے۔ اگر آج علم وعقل کے ذریعہ یقین نہیں کرتے تو کل آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرلو گے۔ اور اس وقت یقین سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ان آیات کے معنی بعض مفسرین نے یہ بھی لئے ہیں کہ یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ تم اس وقت اسلام اور پیغمبر اسلام کو کمزور اور بے طاقت سمجھ رہے ہو۔ بہت جلد مدنی دور آرہا ہے جب اسلام ایک عظیم طاقت بن کر ابھرے گا نہ صرف یہ کہ مکہ فتح ہو جائے گا بلکہ تم سیاسی اور مذہبی طور پر ناچیز بن کر رہ جاؤ گے۔ قرآن تاریخ کے واقعات کو عبرت اور نصیحت بنا کر پیش کرتا ہے کہ اے مشرکو اور کافرو! آج اپنی سیاسی اور مالی طاقت پر نہ اتراؤ۔ تم سے پہلے بھی بڑی بڑی طاقتیں دنیا میں آئیں اور جب وہ پیغمبر وقت کے سمجھانے کے باوجود گناہوں میں غرق ہوتی چلی گئیں تو آناً فاناً خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ ایک فرعون ہی کو دیکھ لو۔ فراعنہ کے انیس خاندان یکے بعد دیگرے آئے سب نے ملا کر تین ہزار سال سے زیادہ مصر پر حکومت کی۔ اس حکومت مصر کے ذریعہ وہ ایشیا افریقہ اور یورپ پر اثر انداز رہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ایک ہی دن میں یہ عظیم الشان طاقت دریائے نیل میں یوں غرق ہو کر ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ ہو جائے گی کہ کوئی ان کا نام لیوا تک نہ رہے گا۔ فرمایا جارہا ہے کہ پھر تمہاری کیا حیثیت ہے۔

ساتھ ہی ساتھ قرآن نے یہ بھی تہدید کر دی کہ تم مٹ جاؤ گے تو سرزمین عرب بے رونق نہیں ہو جائے گی۔ عاد وثمود اور اہل فرعون آئے اور گئے۔ کیا دنیا ویران ہوگئی؟ نہیں۔ ان کی جگہ لینے کے لئے نئی قومیں وجود میں آگئیں۔ اللہ نے انہیں آزمائش کا موقع دیا۔

جس طرح ایک انسان مرتا ہے تو جگہ خالی نہیں رہتی۔ وہاں دوسرا انسان آجاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک قوم مٹا دی جاتی ہے تو دوسری نئی قوم اس کی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ دنیا کی رونق میں کبھی کمی نہیں آئی۔ کیونکہ اس نظام کائنات کو چلانے والی ایسی ذات ہے کہ جس کو موت نہیں آتی وہ زندہ ہے اور سارے نظام کائنات کو سنبھالنے والی ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

ع ۱ / ۷

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۱۱

اے نبی ﷺ! اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے جسے منکرین ہاتھ سے چھو لیتے ہٹ دھرم کفار یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں اس (نبی ﷺ) پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ (اللہ نے فرمایا کہ) اگر ہم فرشتہ اتار دیتے تو قصہ اچانک طے ہو جاتا۔ پھر انہیں کوئی مہلت نہ ملتی۔

اگر ہم فرشتہ اتار بھی دیتے تو وہ بھی انسانی شکل وصورت میں ہوتا۔ تو جس شک میں وہ آج پڑے ہیں اسی شک میں پھر بھی پڑے رہ جاتے۔ (اے نبی ﷺ! فکر نہ کیجئے) آپ سے پہلے بھی لوگ رسولوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں۔ لیکن پھر مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

کہہ دیجئے کہ اے لوگو! ذرا دنیا میں چلو پھرو اور خود دیکھ لو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہو کر رہا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۱۱

قِرْطَاسٌ — کاغذ

لَمَسُوْا	انہوں نے چھو کر دیکھا
مَلَکٌ	فرشتہ
قُضِیَ الْاَمْرُ	معاملہ کا فیصلہ کر دیا گیا
لَا یُنْظَرُوْنَ	وہ مہلت نہ دیئے جائیں گے
لَبَسْنَا	ہم نے پہنا دیا۔ ڈال دیا
یَلْبِسُوْنَ	وہ شبہ کر رہے ہیں
حَاقَ	گھیر لیا
سَخِرُوْا	انہوں نے مذاق کیا
سِیْرُوْا	چلو پھرو
اُنْظُرُوْا	دیکھو
عَاقِبَۃٌ	انجام
اَلْمُکَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والے

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۱۱

فرمایا گیا کہ یہ ضدی، ہٹ دھرم قسم کے لوگ کیسے کیسے مطالبات اٹھاتے ہیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک اپنی آنکھوں سے یہ نہ دیکھ لوں کہ آپ آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ آپ وہاں سے ایک ایسی کتاب لے کر آگئے ہیں جسے ہم لوگ دیکھ سکیں اور چھو سکیں جس کتاب میں میرا نام لے کر یہ خط ہو کہ اس رسول کی تصدیق کرو۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد اس شخص نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں پھر بھی ایمان نہیں لاؤں گا۔

دوسری مرتبہ یہی عبداللہ بن ابی امیہ اور نضر بن حارث اور نوفل بن خالد مل کر حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا ہم تو آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ آسمان سے ایک کتاب لیکر نہ آجائیں۔ اس کے ساتھ چار فرشتے اتریں جو کہیں کہ واقعی یہ کتاب اللہ کی طرف سے آئی ہے اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہی عبداللہ بن ابی امیہ خود بخود ایمان لائے۔ جہاد میں حصہ لیا اور غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔

ان مطالبات کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔

فرمایا ہے کہ اگر ان کا مطالبہ مان لیا جائے۔ کوئی ایسی کتاب آسمان سے اترے جسے یہ چھو سکیں اور پڑھ سکیں۔ تب بھی یہ ایمان لا کر نہ دیں گے۔ ان کے اندر جو نفس پرستی کا بت بیٹھا ہے وہ پھر کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لے گا۔

اب رہا فرشتہ۔ اگر وہ انسان کی صورت میں بھیجا جائے تو ان کا شک وشبہ اپنی جگہ قائم رہ جائے گا۔ وہ کیسے فرق کر سکیں گے کہ یہ انسان ہے اور یہ فرشتہ ہے۔ اگر فرشتہ کو فرشتہ کی شکل میں بھیجا جائے تو اول کوئی انسان فرشتہ کی شکل میں اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ مارے ہیبت کے اس کا دم نکل جائے گا۔ فرشتہ تو فرشتہ کی صورت میں اسی وقت نظر آتا ہے جب دم کا نکالنا ہی مقصود ہو۔ اور جب عالم سکرات میں تسلیم کیا تو وہ ایمان کہاں؟ ایمان کی مہلت وہیں تک ہے جب ماننے یا نہ ماننے کی دونوں طاقتیں موجود ہوں۔ جب غیب پر یقین کیا جائے جب کہ وہ ابھی غیب ہی ہے۔ جب جان نرخرہ تک پہنچ چکی اس وقت فرشتۂ موت کو سامنے دیکھ کر یقین کیا تو وہ ایمان نہیں ہے۔ جب غیب حضور بن گیا پھر کون ہے جو مان کر نہ دے۔ بڑے سے بڑا کافر بھی ماننے پر مجبور ہے۔

فرعون اور موجودہ زمانے میں اسٹالن نے بھی موت کے وقت اللہ کو مانا تھا۔ مگر اس وقت ماننے سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔

تو اے نبی ﷺ! ان بد دماغوں کو بکنے دیجئے اور مذاق اڑانے دیجئے۔ آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو یہی تجربہ ہو چکا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر اپنے کام میں لگے رہیئے۔ ہاں بطور نصیحت وعبرت ان سے کہیئے کہ زمین کے مختلف علاقوں میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان قوموں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو جھٹلایا اور پیغمبروں کی باتوں پر یقین نہیں کیا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟۔ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اسی نے اپنے اوپر رحم و کرم لازم کرلیا ہے۔ البتہ وہ تمہیں قیامت کے اس دن اکٹھا کرے گا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ ہاں جنہوں نے خود ہی اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ دن اور رات میں جو چیز بھی ٹھہری ہوئی ہے وہ اللہ ہی کی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالوں وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ وہ اللہ جو خود نہیں کھاتا مگر سب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے مجھے حکم ہوا ہے کہ اللہ کی فرماں برداری میں پیش پیش رہوں۔ اور آپ بہرحال مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

عَلٰی نَفْسِہٖ — اپنی ذات پر
لَیَجْمَعَنَّ — البتہ وہ ضرور جمع کرے گا
خَسِرُوْا — نقصان میں پڑ گئے
سَکَنَ — وہ ٹھہرا
اَلَّیْلُ — رات
اَلنَّھَارُ — دن
فَاطِرٌ — پیدا کرنے والا
یُطْعِمُ — وہ کھلاتا ہے
لَا یُطْعَمُ — وہ نہیں کھلایا جاتا۔ یعنی وہ نہیں کھاتا
اُمِرْتُ — مجھے حکم دیا گیا ہے

اَنْ اَكُوْنَ	یہ کہ میں ہوں
اَسْلَمَ	گردن جھکا دی۔ اسلام قبول کیا
لَا تَكُوْنَنَّ	تم ہرگز نہ ہونا

تشریح: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

سارے انسان مانتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ ہی نے بنائی اور اسی کے حکم پر چل رہی ہے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ انسان کا خالق و مالک اللہ ہی ہے۔ اگر ان کفار سے پوچھا جائے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ان تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

جب اس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ بنایا اور سجایا تو پھر اپنی قدرت سے انہیں توڑ پھوڑ بھی سکتا ہے۔ وہ توڑ پھوڑ کا دن قیامت کا دن ہوگا۔ کیا وہ توڑ پھوڑ یوں ہی بے مقصد ہے؟ نہیں۔ اس دن ہر انسان کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔ ایک نیا دور شروع ہوگا۔ جس کا نام آخرت ہے۔ اس حساب و کتاب میں اللہ تعالیٰ سختی سے نہیں بلکہ بہت نرمی سے پیش آئے گا۔ اس نے خود اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ میں بہت رحم و کرم سے پیش آؤں گا۔ مگر کچھ بدنصیب ایسے بھی ہیں جو اس رحم و کرم سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ یہی لوگ کافر، مشرک اور منافق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بے نیازی ہے کہ وہ خود نہیں کھاتا مگر سارے جہان والوں کو ساری مخلوقات کو کھلاتا پلاتا ہے۔ دوسرے تمام معبود خود کھاتے ہیں۔ کھلاتے نہیں یعنی وہ عام انسانوں کی مدد کے محتاج ہیں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم

ع ۲ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵ تا ۲۰

(اے نبی ﷺ!) کہد یجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس دن جس سے عذاب ٹل گیا اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا۔ اور یہی بہت کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ اور اے مخاطب اگر اللہ تجھے کسی تکلیف میں ڈال دے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اگر اللہ تجھ پر کرم کردے تو اسے ہر بات پر قدرت حاصل ہے۔ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے۔ وہی حکمت والا اور علم رکھنے والا ہے۔

ان سے پوچھئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے اعتبار سے کون سی ہے؟۔ آپ کہد یجئے کہ اللہ ہی تو ہے جو تمہارے اور میرے درمیان سب سے بڑا گواہ ہے۔ اسی نے یہ قرآن مجھ پر بطور وحی بھیجا ہے کہ میں تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے خبردار کردوں۔ کیا واقعی تم لوگ یہ مانتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک کار ہیں؟ کہد یجئے جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہرگز ایسی شہادت نہ دوں گا۔

کہہ دیجئے وہی ایک معبود ہے اور جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے قطعی بیزار ہوں۔

ہم نے جن لوگوں کو کتاب دی ہے وہ رسول کو اتنا ہی یقینی پہچانتے ہیں جتنا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود ہی نقصان میں ڈال لیا ہے وہ کبھی مان کر نہ دیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵ تا ۲۰

عَصَيْتُ	میں نے نافرمانی کی

يَصْرِفْ	پھیر دیا گیا۔ ہٹا دیا گیا
يَوْ مَئِذٍ	اس دن
يَمْسَسْكَ	پہنچائے تجھے
كَاشِفٌ	کھولنے والا
اَلْقَاهِرُ	زبردست۔ (اللہ کی ایک صفت ہے)
اَيُّ شَيْءٍ	کونسی چیز
اَكْبَرُ	زیادہ بڑا۔ زیادہ بڑی
اُوْحِيَ	وحی کی گئی
اِلَيَّ	میری طرف
اُنْذِرَ	ڈرایا گیا
مَنْ بَلَغَ	جس کو پہنچا
اُخْرٰى	دوسرے۔ دوسری
اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ	بے شک میں دور ہوں۔ میں بیزار ہوں
يَعْرِفُوْنَ	وہ پہچانتے ہیں
اَبْنَاءُ هُمْ	اپنے بیٹوں کو

تشریح: آیت نمبر ۱۵ تا ۲۰

ان آیات میں عذاب کی ہولناکی کا ذکر ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زبانی یہ کہلوا کر کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو عذاب دوزخ سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جتا دیا کہ ثواب و عذاب کا معیار صرف اور صرف اللہ کی فرماں برداری یا نافرمانی، اسلام یا کفر ہے۔ یہاں کوئی فرزندی، کوئی طرفداری، کوئی رعایت نہیں۔ یہ بھی جتا دیا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ جس دن جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ آیات ۱۵ تا ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کی قہاری اور غفاری کی شان نہایت توازن اور تناسب کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ خوف اور امید قدم بہ قدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیا ہے؟ عذاب کا ٹلنا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

کیونکہ جس سے عذاب ٹل گیا وہ اللہ کی رحمت اور جنت مین داخل ہو جائے گا۔ آیت ۱۷ میں فرمایا گیا ہے اگر اللہ نے عذاب کا فیصلہ کر دیا تو کوئی اور دیوی، دیوتا، فرزند اور مقرب خاص بچانے والا نہیں ہے۔ اگر اس نے ثواب کا فیصلہ کر دیا تو یہ اس کی مہربانی اور قدرت ہے۔ آیت ۱۸ میں اسی بات کو دوسرے انداز میں کہا گیا ہے۔ کہ وہ قادر مطلق بھی ہے اور صاحب حکمت اور صاحب خیر بھی۔ اس سے کوئی راز چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے تحت کرتا ہے۔ اور وہ اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کی تمام طاقتیں رکھتا ہے۔ ان آیات نے خصوصاً آیت ۱۵ نے تمام ایمان والوں میں لرزہ پیدا کر دیا تھا اور وہ خاص طور پر چوکنے ہو گئے تھے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ''اے اللہ! آپ جو دینا چاہیں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس چیز کو آپ نے روک دیا اسے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ اور کسی کوشش والے کی کوشش آپ کے ہاں نفع نہیں دے سکتی''۔ آگے کی آیات کا نزول ایک خاص واقعہ سے ہے۔ مشرکین مکہ کا ایک وفد حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا آپ جو اللہ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟۔ یہود و نصاریٰ میں کوئی شخص بھی آپ کی تصدیق نہیں کرتا۔ اس پر آیات ۱۹ اور ۲۰ نازل ہوئیں۔

اللہ کی گواہی سے مراد قرآن ہے۔ وحی خفی ہے اور وہ معجزات ہیں جو آپ سے صادر ہوئے۔ سب سے بڑی گواہی تو خود قرآن ہے جو آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ اس کے بعد مشرکین مکہ کے وفد کو للکارا گیا کہ کیا واقعی تم لوگ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبودیت میں دوسرے بھی شریک ہیں؟۔

حضور ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ کہہ دیجئے اللہ ایک ہی ہے اور میرا اس شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے جس میں تم لوگ مبتلا ہو۔

اس وفد کا یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ میں کوئی بھی آپ کی تصدیق نہیں کرتا۔ تو اس کا جواب یہ دیا کہ حضور ﷺ کی قطعی پہچان حلیہ اور کمالات کی پیشین گوئیاں توریت اور انجیل میں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ اہل کتاب آپ کو پیغمبر کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی، اسی طرح یہ اہل کتاب آپ کو پیغمبر اسلام کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتے ہیں مگر یہ ان کی دنیاوی مصلحتیں ہیں جو ان کو تصدیق اقرار اور تسلیم سے روک رہی ہیں۔ وہ ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو دوزخ ان کا مقدر ہے۔ آگے کی آیت بھی اسی سلسلے میں ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۱

اوراس سے زیادہ اپنے آپ پرظلم کرنے والا کون ہے جو اللہ پرجھوٹا بہتان باندھتا ہے۔ اور اس کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۱

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ	اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا
لَا يُفْلِحُ	کامیابی نہ پائے گا

تشریح: آیت نمبر ۲۱

گزشتہ آیت میں فرمایا ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی) کہ وہی لوگ ایمان نہیں لائیں گے جو اپنے نفس پرظلم کرنے والے ہیں۔ ایمان نہ لانا۔ اپنے آپ پر سب سے بڑا ظلم کرنا ہے۔ مشرکین مکہ کے وفد کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں اللہ کے بندوں کو شریک کرنا اللہ پر بھی اور اس کے پیغمبروں پر بھی سب سے بڑا الزام ہے۔ چنانچہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ ایک اور جگہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا
ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۲ تا ۲۶

وہ دن جب ہم میدان حشر میں سب کو اکٹھا کریں گے اور پھر مشرکین سے پوچھیں گے کہ وہ شرکاء جن کو تم لوگوں نے گھڑ رکھا تھا کہاں ہیں؟ (ان کے پاس بچنے کا کوئی حیلہ اور بہانہ نہ رہ جائیگا)۔ وہ یہی کہیں گے۔ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہ تھے۔ ذرا دیکھو تو یہ اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور وہ سارے معبود لاپتہ ہو جائیں گے جنہیں انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔

اور ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں (کہ کس بات کو بڑھا گھٹا کر اپنا رنگ دے دیں) اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔ اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے کہ اگر وہ اللہ کی تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

حد یہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس (جھوٹ موٹ بحث کرنے کو) آتے ہیں تو وہ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کر رکھا ہے کہتے ہیں کہ یہ سب پرانی کہانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو اس پیغام حق سے روکتے ہیں اور خود بھی بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ اور یہ اپنی جان کے سوا کسی اور کو ہلاک نہیں کر رہے ہیں مگر اس کو سمجھنے سے محروم ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۲ تا ۲۶

اَيْنَ	کہاں؟
تَزْعُمُوْنَ	تم گھمنڈ رکھتے ہو۔ دعویٰ رکھتے ہو
مَا كُنَّا	ہم نہ تھے
يَسْتَمِعُ	وہ کان لگاتا ہے۔ وہ غور سے سنتا ہے۔
اَكِنَّةٌ	پردہ

اَن یَّفقَھُوۡہُ	یہ کہ وہ اس کو سمجھیں
وَقْرٌ	ڈاٹ۔ بوجھ
اِن یَّرَوۡا	اگر وہ دیکھیں
یُجَادِلُوۡنَ	وہ جھگڑتے ہیں
اَسَاطِیۡرُ	کہانیاں
یَنۡھَوۡنَ	وہ روکتے ہیں
یَنۡئَوۡنَ	وہ خود رکتے ہیں۔ دور بھاگتے ہیں
یُھۡلِکُوۡنَ	وہ ہلاک کرتے ہیں
ما یَشۡعُرُوۡنَ	وہ سمجھتے نہیں ہیں

تشریح: آیت نمبر ۲۲ تا ۲۶

میدان حشر میں سب کو اکٹھا کرنے اور مشرکوں سے پوچھنے کے درمیان ایک کشمکش کا وقفہ ہوگا۔ یہ وقفہ سینکڑوں ہزاروں سال بلکہ زیادہ طویل بھی ہوسکتا ہے۔ مجرموں کے لئے کشمکش کا عالم نفسیاتی طور پر اصلی سزا سے بدتر ہوسکتا ہے وہ بوکھلا کر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے شرک نہیں کیا ہے۔ وہ اس اللہ کے سامنے جھوٹ بولیں گے جس کو ذرہ ذرہ کی نفسیات کا علم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ آزادی عطا کرے گا تاکہ اہل محشر خود دیکھ لیں کہ دیکھو مجرم اپنی جان بچانے کے لئے کتنا دلیرانہ جھوٹ گھڑ سکتے ہیں۔ آپس میں مشورہ کر کے طے کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ سارا کھیل عظیم ترین مجمع کے سامنے ہوگا۔ اس طرح یہ سارا تماشا ان کے خلاف کھلم کھلا شہادت بن جائیگا۔

یہ مشرکین اور کفار۔ ان کے سامنے تلاش حق نہیں۔ تلاش مفاد ہے۔ تلاش جنت نہیں، تلاش مال واقتدار ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی ﷺ یہ آپ کی محفل میں ایمان حاصل کرنے نہیں آتے بلکہ لوگوں کو بھڑکانے آتے ہیں کہ ان پرانے قصے کہانیوں میں کیا رکھا ہے (نعوذ باللہ) اللہ نے ان کو بہرا اندھا اوران کے دلوں کو مردہ بنا ڈالا ہے ان کو شعور نہیں کہ ان حرکتوں کی سزا کیا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ جھوٹ اور قسم میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قسم کی ضرورت جھوٹے ہی کو ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنا فطرت ثانیہ ہے۔ ایک جھوٹ کے لئے بہت سارے جھوٹ تراشنے پڑتے ہیں۔ اور کامیاب جھوٹ تراشنا تقریباً ناممکن ہے۔

رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا وہ عمل کون سا ہے جس سے آدمی دوزخ میں جاتا ہے آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا ہے۔ (مسند احمد) اور معراج میں رسول اللہ نے دیکھا کہ ایک شخص کی دونوں باچھیں چیر دی جاتی ہیں۔ وہ پھر درست ہوجاتی ہیں۔ پھر چیر

دی جاتی ہیں آپ نے جبرائیل امینؑ سے دریافت کیا کہ یہ شخص کس قصور کی سزا بھگت رہا ہے۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جھوٹ انسان کے رزق کو گھٹا دیتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک جھوٹ بالکل نہ چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے۔ اگلی چند آیات بھی جھوٹ کی مذمت ہی سے متعلق ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾

ع ۱۰ ۳ ۹

ترجمہ: آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

کاش آپ دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ اس وقت وہ چلا چلا کر دہائی دیں گے کہ کاش! اگر ہم پھر دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں گے اور ماننے سے انکار بھی نہیں کریں گے بلکہ ہم ایمان لانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔

مگر اب ان کے سامنے وہ بات حقیقت بن کر آ چکی ہوگی جس کو وہ پہلے سے چھپایا کرتے تھے۔ اگر واپس بھیج دیئے جائیں تو پھر بھی وہی کچھ کریں گے جس سے وہ منع کئے جاتے تھے۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر پھر دوبارہ زندہ نہیں ہونا ہے۔ کاش آپ وہ نظارہ دیکھ سکیں جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ وہ پوچھے گا کیا یہ (نئی زندگی اور سزا و جزا) واقعی حقیقت نہ تھی؟ وہ کہیں گے ہمارے رب کی قسم یہ واقعی بات تھی۔ پھر اللہ حکم دے گا کہ اب تم اس کفر کے سبب جو کیا کرتے تھے عذاب کا مزہ چکھو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

وُقِفُوْا — وہ کھڑے کئے گئے

یٰلَیْتَنَا — اے کاش کہ ہم

نُرَدُّ — ہم واپس کئے جائیں گے

بَدَاَ — ظاہر ہو گیا

یُخْفُوْنَ — وہ چھپاتے ہیں

عَادُوْا — وہ پلٹ گئے

نُھُوْا — وہ منع کئے گئے

حَیَاتُنَا — ہماری زندگی

مَبْعُوْثِیْنَ — بھیجے گئے۔ اٹھائے گئے

بَلٰی — جی ہوں۔ کیوں نہیں

ذُوْقُوْا — چکھو

تشریح: آیت نمبر ۲۷ تا ۳۰

جھوٹ کس طرح نا قابل اصلاح حد تک دل کو سیاہ کر دیتا ہے اس کی ایک بہت بڑی مثال ان آیات میں دی گئی ہے کفار و مشرکین و منافقین جن کی فطرت ہر دم جھوٹ بولنے پر پختہ ہو چکی ہے۔ جب قیامت میں دوزخ کی آگ کے سامنے جھونکے جانے کو کھڑے کئے جائیں گے تو چلا چلا کر یہ وعدہ کریں گے کہ اگر ہم پھر واپس دنیا میں بھیج دئے جائیں تو کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان کا راستہ اختیار کریں گے۔ دوزخ کی آگ سامنے دیکھ کر کون ہے جو اس حقیقت کو نہ مانے گا۔ کون ہے جس کا دل مارے خوف کے

پگھل نہ جائے گا، کون ہے جو کفر کے راستے سے پلٹ نہ جائے گا اگر پھر موقع ملے، مگر وہ جو عالم الغیب ہے جو تمام باتوں کو جانتا ہے گواہی دے رہا ہے کہ اس وقت بھی یہ لوگ جو کچھ وعدہ کر رہے ہیں سرتاپا جھوٹ بک رہے ہیں۔ اگر پھر واپس دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی کچھ کریں گے جو اب تک کرتے آئے ہیں۔

یہ جو ان کی ہائے وائے اور چیخ وپکار ہے وہ صرف سزا سے بچ نکلنے کے لئے ہے۔ ورنہ ان کے پیچھے کوئی سچائی نہیں ہے۔ جب جھوٹ کی عادت جڑ پکڑ لیتی ہے تو پھر کہاں چھوٹتی ہے۔ لیکن پھر انہیں واپس نہیں بھیجا جائیگا۔ ہاں جہنم میں ڈالنے سے پہلے ان سے پوچھا جائیگا کیا تم مر کر زندہ نہیں ہوئے؟ کیا جنت ودوزخ جزا وسزا حقیقت نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک بے شک۔ کہا جائے گا مگر تم تو دنیا میں یہ سب مانتے نہیں تھے۔

تم کہا کرتے تھے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا کی زندگی ہے تو اب اس کے بدلے میں ہماری سزا بھگتو اور اس طرح ان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائیگا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۲

وہ لوگ کتنے بھاری نقصان میں پڑ گئے جو اللہ سے ملاقات پر یقین نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب ان پر اچانک وہ گھڑی آ پہنچے گی تو اس وقت وہ حسرت وافسوس سے پکاریں گے ہائے افسوس ہم سے اس معاملہ میں کیسی کوتاہی ہوگئی۔ اور وہ (گناہوں کا) بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

دنیا کی زندگانی ایک کھیل تماشا ہے اور اہل تقویٰ کے لئے آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱ تا ۳۲

لِقَاءٌ ملاقات۔ ملنا

اَلسَّاعَةُ گھڑی۔ قیامت

بَغْتَةٌ اچانک

يٰحَسْرَتَنَا اے ہماری حسرت۔ ہائے افسوس

مَا فَرَّطْنَا ہم نے کمی نہ کی

يَحْمِلُوْنَ وہ اٹھاتے ہیں

اَوْزَارٌ (وِزْرٌ)۔ بوجھ

ظُهُوْرٌ (ظَهْرٌ)۔ پیٹھ

سَاءَ برا کیا

يَزِرُوْنَ وہ بوجھ اٹھا رہے ہیں

اَلدَّارُ گھر

تشریح: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۲

اس دنیا کے انقلابات اس بات پر گواہ ہیں کہ اس دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص کل یہاں ڈکٹیٹر اعظم بنا ہوا تھا آج اسے انقلاب نے یا موت نے کہاں لا کر پھینک دیا۔ جو فقیر تھا وہ امیر بن گیا۔ جو امیر تھا وہ فقیر بن گیا۔ اس زندگی کے عیش کو عیش سمجھنا، دولت کو دولت سمجھنا، اقتدار کو اقتدار سمجھنا اور اسی کھیل کود میں لگے رہنا کیا یہ زبردست بیہوشی اور قاتل نشہ نہیں ہے۔ موت، اچانک آ پکڑے گی اور قیامت؟ وہ بھی اچانک آ کھڑی ہوگی۔ پھر قیامت کے دن کا مالک جزا و سزا کا فیصلہ سنا دے گا۔

اس وقت وہ لوگ جو آئندہ زندگی، قیامت کا دن اور اللہ کی پیشی میں حاضر ہونے کا یقین نہ رکھتے تھے۔ حسرت و افسوس سے ہاتھ ملیں گے کہ ہم کتنی غفلت میں پڑے رہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ وہ قیامت کے میدان میں کھڑے ہونگے اپنے اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے جو ان کی کمر توڑ رہا ہوگا۔ دنیا میں جن مجرموں کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں وہ کتنی مشکل سے ایک ایک قدم اٹھا سکتے ہیں اس سے بھی لاکھوں اور کروڑوں گنا مشکل ان گنہ گاروں کو پڑے گی جو آخرت کے منکر ہیں۔

یہ زندگی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔اسی زندگی کے ذریعہ ہم اللہ کی تمام اخروی نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں جو کچھ کرنا ہے موت سے پہلے کرلیا جائے اور موت وہ اچانک آ جائے گی۔ایسا نہ ہو کہ اس وقت حسرت وافسوس مقدر بن جائے۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّٰلِمِينَ بِآيَٰتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝٣٣ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَىٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِي الْمُرْسَلِينَ ۝٣٤ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَٰهِلِينَ ۝٣٥ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝٣٦

النصف

ترجمہ: آیت نمبر ۳۳ تا ۳۶

(اے نبی ﷺ!) ہم جانتے ہیں کہ:

وہ باتیں جو یہ لوگ کرتے ہیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ یہ ظالم خود اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ مگر جتنا کچھ بھی وہ جھٹلائے گئے اور جتنا کچھ بھی انہیں تکلیف دی گئی وہ صبر ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور گذشتہ رسولوں کی کچھ خبریں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔

اور اگر ان لوگوں کی بے رخی آپ پر گراں گزرتی ہے (تو انہیں تسلی دینے کے لئے) آپ

اپنی طاقت لگا کر زمین میں سرنگ ڈھونڈ لیجئے یا آسمان تک سیڑھی لگا کر ان کے لئے کوئی معجزہ لے آئیے۔ بات یہ ہے اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو راہ ہدایت پر لے آتا۔ اس لئے آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ ہوں۔ دعوت حق کو وہی مانتے ہیں جو سمجھ کر سنتے ہیں (رہے یہ مردہ دل)۔ اللہ انہیں جب دوبارہ زندگی دے گا تو وہ اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۳ تا ۳۶

لَیَحْزُنُکَ	البتہ وہ تجھے رنجیدہ کرتے ہیں
یَجْحَدُوْنَ	وہ انکار کرتے ہیں
کُذِّبَتْ	جھٹلائی گئی۔ (جھٹلائے گئے)
اُوْذُوْا	تکلیف دیئے گئے
لَا مُبَدِّلَ	بدلنے والا نہیں ہے
کَلِمٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی باتیں
کَبُرَ	(ناگوار گزرنا)۔ بڑا ہے
اِسْتَطَعْتَ	تیری طاقت ہے
تَبْتَغِیْ	تو تلاش کرتا ہے
نَفَقٌ	کوئی سرنگ
سُلَّمٌ	سیڑھی
یَسْتَجِیْبُ	وہ جواب دیتا ہے۔ قبول کرتا ہے
یَسْمَعُوْنَ	وہ سنتے ہیں
اَلْمَوْتٰی	مردے
یَبْعَثُ	وہ اٹھاتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۳۳ تا ۳۶

یہ آیات وہ تصویر پیش کر رہی ہیں جو اہل کفر کی ہٹ دھرمی اور کج بحثی سے خود رسول اللہ کے دل پر گزر رہی تھی۔ یہ

بھی پیش کر رہی ہیں کہ آپ کیا چاہتے تھے۔ مگر اللہ کی تکوینی اسکیم کیا تھی۔ اور وہ کس طرح اپنی مصلحت سمجھا رہا تھا۔ آپ تو یہ چاہتے تھے کہ ہر کافر ایمان لے آئے اور اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔ آپ اس کے فائدے کے متلاشی تھے مگر وہ بدبخت آپ کو اور قرآن کو جھٹلاتے تھے اور طرح طرح کی کٹھ حجتی کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کی تمام کوششوں کے باوجود وہ جہنم جانے پر تلے ہوئے تھے۔

آپ کے قلب مبارک کو سخت اذیت اور تکلیف پہنچ رہی تھی۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ یہ ظالم نادان آپ کو نہیں جھٹلا رہے ہیں۔ یہ تو اللہ کو جھٹلا رہے ہیں۔

ابوجہل نے میدان بدر میں اخنس بن شریق سے کہا تھا کہ محمد ﷺ کو نہیں جھٹلاتا وہ تو سچے آدمی ہیں۔ آج تک ایک جھوٹ نہیں بولا۔ میں تو قرآن کو اس لئے نہیں مانتا کہ سارے عہدے بنی قصی میں جمع ہو گئے ہیں۔ سقایہ بھی بیت اللہ کی حفاظت بھی اور اب نبوت بھی اسی خاندان کے حصے میں آ گئی ہے۔

ایک روایت ناجیہ ابن کعب سے منقول ہے کہ ابوجہل نے خود ایک مرتبہ حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ہمیں آپ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں اور نہ ہم آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں ہم اس دین کو جھٹلاتے ہیں جسے آپ لے کر آئے ہیں۔

کفار اسی منطقی تضاد کا شکار تھے۔ اگر رسول اللہ سچے تھے تو جو کچھ آپ پیش فرما رہے تھے اسے بھی سچ ہونا چاہئے تھا۔ اگر سب کچھ جو آپ پیش فرما رہے تھے وہ غلط تھا تو پھر آپ سچے نہ تھے۔ (نعوذ باللہ)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دو نصیحتیں کی ہیں۔ اول یہ کہ کفار کی حرکتوں پر صبر کیجئے جس طرح آپ سے پہلے پیغمبروں نے صبر کیا جن کے کچھ حالات سے آپ وحی کے ذریعہ واقف ہو چکے ہیں۔ وہ ہلا ہلا مارے گئے۔ وہ چیخ اٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟۔ وہ آ کر رہی کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ تھا جو سچ ہو کر رہا۔ دوسری نصیحت جو فرمائی ہے وہ یہ کہ مشرکین اور کفار آپ سے نئے نئے معجزات طلب کر رہے ہیں۔ اور آپ کی دلی خواہش ہے کہ کاش یہ معجزات آ جائیں تا کہ وہ دین کی سچائیوں کو مان لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ پر ان کفار کی بے رخی ایسی ہی ناگوار گذر رہی ہے تو جایئے زمین میں سرنگ کھود کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر ان کے لئے کوئی معجزہ لے آیئے۔ جو ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہماری مصلحت کیا ہے؟ جو نہیں مانتا نہ مانے۔ وہ قیامت کے دن اپنا حشر دیکھ لے گا۔ اگر ہم چاہتے تو نبی اور کتاب کے بغیر ہی سب کو راہ ہدایت پر لے آتے۔ مگر ہم نے جو اتنے پیغمبر بھیجے اور اتنی کتابیں نازل کیں کس لئے؟ کفار کے مقابلے میں مومنوں کی ایک تحریک برباد کرنے کے لئے؟ مومنوں کو آزمائش میں ڈالنے کے لئے؟ ان کی ہمتوں، صلاحیتوں اور سیرتوں کو مانجھنے کے لئے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم نے جو آزادی فکر اور آزادی عقیدہ و عمل عطا کیا ہے تو اسی لئے کہ دیکھیں کون ادھر آتا ہے اور کون ادھر جاتا ہے۔ اللہ کی مدد یوں نہیں آ جاتی اسکی چند شرطیں ہیں یعنی جب

(۱) تبلیغ کا پورا حق ادا ہو جائے۔

(۲) نیک اور صالح طبیعتیں کھنچ کر ادھر آ جائیں اور ان کی تنظیم بن جائے۔

(۳) تحریک کے ذریعہ مومنین صالحین کی کڑی آزمائش کی جائے۔

چنانچہ اے نبی ﷺ! ہماری مدد بھی اپنے وقت پر آئے گی۔ حیرت میں ڈال دینے والے معجزات دکھا کر کچی اور پھلنے والی طبیعتوں کو ذرا اوپر کے لئے مائل کر لینا آسان ہے لیکن یہ ہماری مصلحت اور منشا نہیں ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اللہ کے نبی کی سیرت اور زندگی دیکھ کر غیب پر ایمان لائیں۔ ان ہی لوگوں کے لئے آخرت کی نجات ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾

ع ۱۱ ۴ ۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۱

وہ منکر کہتے ہیں کہ اس پر (نبی ﷺ پر) اس کے رب کی طرف سے کیوں کوئی معجزہ نازل نہیں ہوا۔ کہہ دیجئے اللہ کو معجزہ بھیجنے کی ہر طرح قدرت ہے لیکن (فرمائش کرنے والوں میں) اکثریت نادانوں کی ہے۔

زمین پر چلنے والا جانور ہو یا دونوں بازوؤں سے ہوا میں اڑنے والا پرندہ، سب تم انسانوں ہی کی طرح اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہم نے کوئی بات لکھنے میں نہیں چھوڑی پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔

وہ لوگ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے ہیں اور اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اللہ جس کو چاہے بھٹکنے دے اور جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگادے۔

ذرا پوچھ کر دیکھئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے یا اچانک قیامت ہی آجائے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو۔ (ہر مصیبت میں) تم اسی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو جس مصیبت کے سلسلے میں پکارتے ہو وہ اسے دور کردیتا ہے اس وقت تم ان سب (معبودوں) کو بھول جاتے ہو جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۷ تا ۴۱

نُزِّلَ	نازل کیا گیا
دَآ بَّةٌ	زمین میں رینگ کر چلنے والے جاندار
طَائِرٌ	پرندہ
جَنَاحَيْهِ	(جَنَاحٌ)۔ پر۔ اڑنے کے بازو
أُمَمٌ	امتیں۔ جماعتیں
أَمْثَالُكُم	تم جیسے
مَنْ يَّشَاءِ اللّٰهُ	جسے اللہ چاہتا ہے
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو
يَكْشِفَ	وہ کھول دے گا۔ کھولتا ہے
تَنْسَوْنَ	تم بھول جاتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۱

ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ جو کفار اور مشرکین نئے نئے معجزات اور نشانیوں کی فرمائشیں کررہے ہیں، یہ ایمان لانے کی خاطر نہیں بلکہ بات ٹالنے اور بہانے تراشنے کی خاطر ہے اگر ان کی فرمائش پوری کردی جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اسکے بعد یہ مزید فرمائشیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کو معجزہ اور نشانی بھیجنے کی ہر طرح قدرت ہے جیسا کہ وہ اپنے معجزے بھیجتا رہا ہے لیکن مزید معجزہ بھیجنا اس کی تکوینی مصلحت نہیں ہے۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ جو لوگ مزید معجزہ کی فرمائش کررہے ہیں اگر وہ پوری کردی جائے اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو شدید ترین سزادی جائیگی۔

یہاں یہ کہا جارہا ہے کہ یہ فرمائش کرنے والے اکثر و بیشتر نادان، احمق، اور جاہل ہیں۔ ان کے کہنے پر اللہ تعالیٰ اپنی بات بدلنے والا نہیں ہے۔ یہ ایمان لانا چاہیں تو بہت سارے معجزے موجود ہیں۔ قرآن ہے۔ خود نبی ﷺ کی سیرت پاک اور اعلیٰ کردار ہے۔ صحابہ کرام کی سیرت و کردار ہے۔ قرآنی پیشن گوئیاں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کے چاروں طرف جو جاندار اور بے جان چیزیں ہیں یہ سب قدرت کے معجزات ہی تو ہیں۔ کس طرح وجود میں لائی گئی ہیں؟ کس طرح زندہ رکھی جارہی ہیں؟ کس قانون اور نظام کے تحت جکڑی ہوئی ہیں؟ کون سا مقصد حیات پورا کررہی ہیں؟ کون رزق دے رہا ہے؟ کون اڑا رہا ہے یا تیرا رہا ہے یا چلا رہا ہے؟ ان میں سے ایک ایک چیز پر اگر غور کیا جائے تو اللہ کی شان صاف نظر آجاتی ہے۔

سائنس اللہ کی قدرت پر تحقیق کرتی ہے۔ ہر ہر قدم پر اس کو ہزاروں معجزات نظر آتے ہیں لیکن کافر غور کرنے سے دور بھاگتا ہے کہ آخر انہیں اس طرح کس نے بنایا اور کیوں بنایا۔ اسی لئے بیشتر سائنس دان ایمان سے محروم رہتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ وہ پہلا شخص جس نے چاند پر قدم رکھا یعنی نیل آرم اسٹرانگ، اپنے خلائی سفر سے واپسی کے بعد یہی سوچنے لگا کہ خلائیات اور طبیعات کے وہ اصول کس نے بنائے جن کی بنیاد پر یہ سفر کامیاب ہوسکا اور کیوں بنائے ہیں؟ اس سوچ نے اس کے دل کو ایمان سے لبریز کردیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔ لیکن اس سفر میں اسے اور دوسرے خلابازوں کو بھیجنے والے ہزاروں سائنس داں، انجینئر، میکانک کافر کے کافر ہی رہ گئے چونکہ انہوں نے اس پہلو سے غور نہیں کیا۔ یہی حال مکہ کے ان کفار اور جاہلین کا تھا۔ وہ "کون اور کیوں" پر غور کرتے تو قدم قدم پر معجزات ہی معجزات پالیتے۔ انفس و آفاق ہی کی کیا خصوصیت ہے، انسان خود اپنی جسمانی، ذہنی، عقلی، مشینریوں پر غور کرے تو اللہ کو پاسکتا ہے۔

اوپر کی مثال وضاحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیل آرم اسٹرانگ کو ایمان کی توفیق بخشی، بقیہ سب کو اندھیروں میں بھٹکتے

ہوئے چھوڑ دیا۔

حضور ﷺ کے زمانے میں بہت سے لوگوں نے ان ہی فطرتی اور قدرتی معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول کیا۔ کچھ وہ بھی تھے جن پر کوئی آفت اور مصیبت ٹوٹی اور مدد کے لئے ان کے دلوں نے اللہ ہی کو پکارا۔ کتنے کٹر سے کٹر منافق اور کافر بیماری میں، خصوصاً موت کی بیماری میں، اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکارتے۔ عکرمہ بن ابی جہل ایک جہاز پر تھے کہ شدید طوفان آ گیا۔ سارے مسافروں نے اللہ ہی کو پکارا۔ جب جہاز سلامتی سے ساحل پر آ گیا تو حضرت عکرمہ سیدھے رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور تمام زندگی جہاد کرتے رہے۔

ایسی مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ایمان کی چنگاری ہر دل میں موجود ہے لیکن دنیا کے مفادات اور اندھی تقلید سے بجھی سی رہتی ہے۔ صرف ذرا اس کو ہوا دینے کی ضرورت ہے پھر وہی چنگاری شعلہ بن جایا کرتی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے۔ ان قوموں کو مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ گڑگڑاتے ہوئے ہمارے سامنے عاجزی کریں۔ لیکن جب ہماری طرف سے ان پر آفتیں نازل ہوئیں تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی؟ لیکن ان کے دل تو

اور سخت ہو گئے اور شیطان نے انہیں فریب دیا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو بہت اچھا کر رہے ہو۔
جب انہوں نے ہماری نصیحتوں کو بھلا دیا، پھر ہم نے ہر طرح خوش حالیوں کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ یہاں تک کہ ہماری عنایات میں گم ہو کر وہ خوب مست ہو گئے۔ اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اب ان کے سامنے نا امیدی ہی نا امیدی تھی۔ اس طرح ہم نے ظالموں کی جماعت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ بے شک ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو کائنات کا پالنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵

اَلْبَأْسَآءُ	(بَأْسٌ)۔ سختیاں
یَتَضَرَّعُوْنَ	وہ عاجزی کرتے ہیں
قَسَتْ	سخت ہو گئے
زَیَّنَ	خوبصورت ہو گئے
نَسُوْا	وہ بھول گئے
فَتَحْنَا	ہم نے کھول دیا
اَبْوَابٌ	دروازے
فَرِحُوْا	وہ خوش ہو گئے
اُوْتُوْآ	دیئے گئے
اَخَذْنَا	ہم نے پکڑ لیا
مُبْلِسُوْنَ	مایوس ہو جانے والے
قُطِعَ	کاٹ دیا گیا
دَابِرُ الْقَوْمِ	قوم کی جڑ

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵

اللہ کی طرف سے انسانی فرد یا جماعت کی آزمائش دو طرح سے ہوتی ہے۔ مصیبتوں کے ذریعہ یا عیش عشرت کے ذریعہ۔ مصیبت کے وقت اس کے سامنے دو راستے کھلے ہوتے ہیں یا تو اللہ کے سامنے روئے، عاجزی کرے، گڑگڑائے، توبہ کرے، معافی مانگے، یہی وہ راستہ ہے جدھر اللہ کے رسول اور انبیاء بلاتے ہیں۔ دوسرا یہ راستہ ہے کہ ہٹ دھرمی دکھائے، بغاوت کرے، ضد اور سرکشی سے گردن اکڑائے۔ دل اور سخت کرلے۔ یہی وہ راستہ ہے جسے شیطان ان کی نگاہوں میں حسین اور دلکش بنا کر پیش کرتا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہی عاقلانہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب کسی کو بلا وجہ گھمنڈ ہو جائے کہ میں عقل مند ہوں، سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔

دوسرا امتحان زیادہ خطرناک ہے امام احمد حنبلؒ جب قید اور کوڑوں کی سزاؤں سے کامیاب گزر گئے تب ان پر شاہی عنایات کی بارش ہونے لگی۔ اس وقت انہوں نے یہی کہا کہ یہ تو زیادہ شدید امتحان ہے۔

یہ دوسرا امتحان یوں زیادہ خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فرد یا اس قوم کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کے لئے اپنی بخششوں کا دروازہ اور زیادہ کھول دیتا ہے۔ وہ قوم عنایات میں گم ہو کر بدمست ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک دن اللہ کا عذاب اچانک پکڑ لیتا ہے۔ تاریخ انسانی ایسے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے۔

جن اہم ترین سوالات کا جواب دینے سے سائنس آج تک کترا رہی ہے اور نہ جانے کب تک کتراتی رہے گی۔ اسلام نے ان کا بہترین جواب چودہ سو سال پہلے ہی دیدیا ہے۔

یہ کائنات بے شمار لاتعداد چھوٹی بڑی ''کائناتوں'' پر مشتمل ہے۔ یہ ذیلی کائناتیں ایک دوسرے سے ربط ضبط، سبب اور نتیجہ کے رشتوں میں بندھی ہوئی ہیں اور اس طرح ایک مکمل نظام ہیں۔ خواہ وہ رشتے ہمیں نظر آئیں یا نہ آئیں۔

یہ دنیائیں زمان و مکان کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ہر تبدیلی اپنی جگہ ایک کائنات ہے اب چار سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کیا بنایا؟ اپنے تمام اجسام، تمام باہمی حرکات، رابطے ضابطے، اور تمام تبدیلیوں کے ساتھ ایک مکمل نظام بنا دیا۔

(۲) کس نے بنایا؟ اللہ نے

(۳) کیوں بنایا؟ ربوبیت کے لئے۔ اس میں دعوت غور و فکر کے ساتھ تمام سائنس کے پہلو آ جاتے ہیں۔

(۴) کیسا بنایا؟ تعریف ہی تعریف، دعوت مطالعہ و مشاہدہ کے ساتھ تمام آرٹس کے پہلو آ جاتے ہیں۔ یہ چار لفظی آیت جواب دیتی ہے کیا، کون، کیوں اور کیسا۔

یہاں پر جو یہ آیت آئی ہے تو کہنا یہ ہے کہ یہ آزمائشیں کبھی سختیوں کے ذریعہ، کبھی آسائشوں کے ذریعہ آتی ہیں اسی طرح

پیغمبروں کی نصیحتیں، یہ شیطان کا طلسم وفریب، یہ انعامات اور یہ سزائیں دنیا میں اور آخرت میں۔ یہ سب اللہ کے نظام کا حصہ ہے۔ دنیا کا نظام اسی طرح چلایا جارہا ہے۔ اور اجمالی طور پر بہت خوب چلایا جارہا ہے۔ تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۶ تا ۴۷

(اے نبی ﷺ) ذرا پوچھ کر دیکھئے تو سہی کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس دلا سکے؟ دیکھئے ہم کس طرح دلائل لا رہے ہیں۔ پھر بھی وہ کترا جاتے ہیں۔ ذرا پوچھ کر دیکھئے تو سہی اگر اچانک تم پر اللہ کا ظاہر یا پوشیدہ عذاب آجائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟

لغات القرآن آیت نمبر ۴۶ تا ۴۷

سَمْعُكُمْ تمہارے سننے کی طاقت

اَبْصَارُكُمْ تمہارے دیکھنے کی طاقت

خَتَمَ اس نے مہر لگا دی

مَنْ اِلٰهٌ کون معبود ہے؟

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ جو اس کو لے آئے گا

نُصَرِّفُ ہم بدل بدل کر لاتے ہیں

يَصْدِفُوْنَ وہ منہ پھیرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۴۶ تا ۴۷

ظاہری معنی یہ ہیں۔ اگر اللہ تمہیں بہرا یا اندھا یا دیوانہ بنادے۔ باطنی معنی یہ ہیں۔ تمام جسمانی صحت کے باوجود اگر کان نصیحت نہ پکڑیں، اگر آنکھیں عبرت نہ پکڑیں، اگر دل اور دماغ ذہن وفکر سے محروم ہو جائیں۔ پھر؟

تمام میڈیکل سائنس کے باجود یہ گارنٹی نہیں ہے کہ بہرے کی سماعت، اندھے کی بصارت اور دیوانے کی عقل واپس آ جائے۔ علاج ایک تدبیر ہے لیکن علاج میں اثر دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ اور بلا علاج شفا دینے والا بھی وہی ہے۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہ کی تاریخ گواہ ہے کہ صرف گناہ گار ہی ہلاک ہوئے ہیں اور اہل ایمان بچا لئے گئے ہیں۔

اب اگر اللہ تمہیں چھوٹا عذاب دینا چاہے یا بڑا عذاب دینا چاہے تو دوسرا کون ہے جو اس سے انہیں بچا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکتا ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۹ ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

اور ہم پیغمبروں کو صرف اسی لئے بھیجتے ہیں کہ نیکوں کو خوشخبری سنائیں اور بروں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس لئے جو ایمان لے آیا اور اپنی اصلاح کرلی اس کے لئے نہ کوئی بات ڈ

رکی ہے نہ کوئی بات افسوس کی۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ اپنے گناہوں کے سبب سزا بھگت کر رہیں گے۔

اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یا عالم الغیب ہوں اور میں تم لوگوں سے یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف ان احکام کی پابندی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

مُبَشِّرِيْنَ	خوش خبری دینے والے
مُنْذِرِيْنَ	ڈرانے والے۔ آگاہ کرنے والے
يَمَسُّهُمْ	وہ ان کو چھوئے گی۔ پہنچے گی
لَا اَقُوْلُ	میں نہیں کہتا
اَعْلَمُ الْغَيْبَ	میں غیب جانتا ہوں
اَتَّبِعُ	میں پیروی کرتا ہوں۔ پیچھے چلتا ہوں
يَسْتَوِىْ	برابر ہے
اَلْاَعْمٰى	اندھا
اَلْبَصِيْرُ	دیکھنے والا

تشریح: آیت نمبر ۴۸ تا ۵۰

ان آیات میں منصب رسالت کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے۔ پیغمبر کا کام اسی قدر ہے کہ ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دیں اور دوسروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ ایمان کی سرحد محض دعوے پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے بڑھ کر وحی جلی اور وحی خفی کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ اب جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور وحی الٰہی کی پابندی کرتے ہیں۔

موت کے بعد انہیں کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہیں ہے۔ نہ انہیں کوئی حسرت وافسوس ہوگا۔ لیکن جولوگ اللہ کی آیات کو جھٹلائیں گے وہ اپنا برا انجام اچھی طرح سوچ لیں۔

منصب رسالت کو واضح کرنے کیلئے کہا گیا ہے کہ نبی دولتوں اور خزانوں کا مالک نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کی طرح ہرگز عالم الغیب نہیں ہوتا اگرچہ پیغام الٰہی میں کچھ پیشن گوئیاں شامل ہوسکتی ہیں۔ وہ فرشتہ نہیں ہوتا بلکہ سرتاپا انسان ہوتا ہے۔ ہاں اس پر اللہ کا پیغام نازل ہوتا ہے جس کی وہ خود بھی اطاعت کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اطاعت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ بات کچھ اسی زمانے میں نہ تھی بلکہ آج بھی ہے کہ نادان عوام الناس نیک اور پارسا بزرگوں کی طرف سے طرح طرح کے خوش عقیدے رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ بھلا وہ بھی کوئی نیک آدمی یا پیغمبر ہوسکتا ہے جو پریشان حال ہو۔ گھر والوں کو فاقے سے رکھے۔ اور ضرورت پڑنے پر دوسروں سے قرض بھی لے۔ بزرگ یا پیغمبر تو وہ ہونا چاہئے کہ جو مٹی کو چھوئے تو سونا بنادے جن کو حکم دے تو صحن میں نوٹوں کے پلندے لگ جائیں۔ بھلا وہ کیسا پیغمبر ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، کس تجارت میں فائدہ ہوگا کس میں نقصان۔ اور کون کب مرے گا۔ ان کے گمان کے مطابق جب کہ معمولی سے معمولی، نجومی، فال گیر اور کاہن یہ سب کچھ فوراً بتا سکتے ہیں۔ بھلا وہ بھی کوئی پیغمبر ہے جو انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ضروریات زندگی رکھتا ہے، کھاتا ہے، سوتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے اور سڑکوں پر چلتا پھرتا ہے۔ اسے تو فرشتہ یا کم از کم جادو والا جن ہونا چاہئے تھا۔ یہ اور اسی طرح کی ہزاروں باتیں وہ کیا کرتے تھے۔

ان آیات میں حضور ﷺ کی زبانی کہلوا دیا گیا ہے کہ مجھ سے غلط امیدیں نہ باندھی جائیں۔ میرا کام اللہ کا پیغام وصول کرنا ہے اور پہنچا دینا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے ہر ایک کو اپنے انجام کی خبر ہونی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر پر وحی نازل ہوتی ہے۔ وحی سے اسے ایک خاص علم، ایک خاص عقل ایک خاص روشنی ملتی ہے، وہی آنکھ والا ہوتا ہے، وہی دانا و بینا ہے۔ بقیہ سب اس کے مقابلے میں ان جیسی بصارت نہیں رکھتے۔

اس لئے فرمایا کہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا جس کو اللہ نے وحی کی روشنی اور علم عطا کیا ہے وہ اس کے برابر ہوسکتا ہے جو زندگی بھر اندھیروں میں بھٹکتا رہا ہو؟

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

٤٠

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

ع ٦ ٥ ١٢

ترجمہ: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۵

اور اے نبی ﷺ! آپ اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جب وہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا نہ سفارشی۔ شاید کہ وہ اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہوں۔ ان لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ ان کو اپنے سے دور نہ کیجئے۔ وہ جو کچھ کریں گے اس کے حساب کا بوجھ آپ پر نہیں ہے۔ جو آپ کریں گے اس کے حساب کا بوجھ ان پر نہیں ہے۔ اس لئے اگر آپ انہیں دور کریں گے تو آپ کا شمار بے انصافوں میں ہو جائیگا۔

اور اسی طرح ہم نے چند لوگوں کے ذریعہ چند لوگوں کو آزمایا ہے تا کہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم سب میں منتخب کر کے اللہ نے ان پر فضل و کرم کیا ہے''؟۔

ہاں کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا؟

جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لا چکے ہیں تو آپ ان سے کہئے کہ تم پر سلامتی ہو آپ کے رب نے رحمت کرنا اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے۔ تم میں سے جو کوئی

نادانی میں آ کر گناہ کر بیٹھے۔ پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ مغفرت کرنے والا بھی ہے اور رحمت کرنے والا بھی۔

اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مجرم کون لوگ ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۱ تا ۵۵

اَنْذِرْ	تو ڈرا دے
يَخَافُوْنَ	وہ خوف رکھتے ہیں
اَنْ يُّحْشَرُوْا	یہ کہ وہ جمع کیے جائیں گے
شَفِيْعٌ	سفارشی
لَاتَطْرُدُ	تو نہ نکال
يَدْعُوْنَ	وہ پکارتے ہیں
اَلْغَدٰوةِ	صبح کے وقت
اَلْعَشِيِّ	شام کے وقت۔ رات کے وقت
وَجْهٌ	ذات۔ چہرہ
مَا عَلَيْكَ	تیرے اوپر ذمہ داری نہیں ہے
فَتَنَّا	ہم نے آزمایا
مَنَّ اللّٰهُ	اللہ نے احسان کیا
كَتَبَ	لکھ لیا گیا
سُوْٓءًا	برائی۔ گناہ
بِجَهَالَةٍ	نادانی سے۔ ناواقفیت میں
تَسْتَبِيْنَ	ظاہر ہو جانا۔ کھل جانا
سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ	مجرموں کا راستہ

تشریح: آیت نمبر ۵۱ تا ۵۵

ان آیات میں تبلیغ کے پانچ بنیادی اصول بتائے گئے ہیں۔

(۱) تبلیغ تو ان لوگوں کو بھی کرنی ہے جو کٹر کافر ہیں اور کسی طرح بات مان کر نہیں دیتے۔ مگر مبلغ کو چاہئے کہ زیادہ وقت اور محنت ان لوگوں پر لگائے جو قیامت کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔ جو شخص قیامت کا خوف رکھے گا وہ لازماً توحید پر، رسالت پر، فرشتوں پر، کتب الٰہیہ پر، سزا و جزا پر ایمان رکھے گا۔

تبلیغ صاحب ایمان کو صاحب تقویٰ بناتی ہے۔ تقویٰ کا راستہ جہاد اور ایسے مجاہدین پیدا کرنا ہے جو اسلام کی سچائیوں کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے آپ سے دور کرنا نہیں ہے جو ایمان لا چکے اور دن رات اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ان کی دل جوئی کرنا ہے۔

(۲) امیر لوگ کافروں کی وجہ سے غریب مومنوں کی دل شکنی نہ کریں۔

(۳) اپنے حلقہ اثر میں السلام علیکم پھیلانا، ملنا جلنا اور سماجی تعلقات رکھنا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم سلام کو پھیلاؤ۔

(۴) غلطیوں اور قصوروں کو معاف کرنا کہ اللہ بھی مغفرت والا اور رحمت والا ہے بشرطیکہ گناہ گار توبہ کرلے اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلے۔

(۵) اسلام کے پیغام کو کھول کر بیان کرنا۔ معنی و مطلب کو ذہن نشین کرانا اور مجرموں پر منطق اور پیغام پہنچانے کے حق کو ادا کرنا۔ ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ کے چند امیر کبیر سردار ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہا ہم لوگ آپ کے بھتیجے کی محفل میں بیٹھنا اور باتیں سننا چاہتے ہیں مگر وہاں وہ لوگ بیٹھے رہتے ہیں جو غریب اور مفلس ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ تو کبھی ہمارے غلام تھے۔ تم اپنے بھتیجے سے کہو کہ جب ہم لوگ آئیں تو ان مفلسوں کو اپنی محفل سے نکال دیا کریں۔ تاکہ ہم بیٹھ کر باتیں سن سکیں۔ جب یہ بات ابو طالب نے حضور ﷺ کو سنائی تو وہاں پر حضرت عمر بھی موجود تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ آپ یہ بھی کر کے دیکھئے۔ یہ مومنین تو اپنے لوگ ہیں۔ برا نہیں مانیں گے۔ اور اس طرح ممکن ہے اللہ کا پیغام کسی کافر سردار کے دل میں اثر کر جائے۔ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی جس میں سختی سے حضور ﷺ کو اس بات سے منع کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی رائے کی غلطی دیکھ کر سخت پریشان اور پشیمان ہوئے۔ ان کی تسلی کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں کہ اللہ نے رحمت کرنا اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے تم میں سے جو کوئی نادانی میں آکر گناہ کر بیٹھے۔ پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ بھی مغفرت اور رحمت سے پیش آئے گا۔

ان آیات نے ایک بات کی خاص وضاحت کردی ہے۔ وہ یہ کہ دولت وریاست اور ایمان وتقویٰ کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہر پیغمبر کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ ایمان لانے والے مخلصین اور مجاہدین میں اولین اور سابقین کا درجہ اکثر وبیشتر غریبوں کو حاصل رہا ہے۔ اور اکثر وبیشتر دولت ودینار رحمت نہیں زحمت ثابت ہوئی ہے اس نے لوگوں کو اللہ سے غافل کر دیا ہے۔ اس نے نخوت اور شان غرور پیدا کی ہے۔ اس نے اللہ کی راہ میں مال، وقت اور جان کی قربانی سے روکا ہے۔

دولت مند کفار کی طرف سے اسی قسم کی خواہش حضرت نوحؑ کی خدمت میں بھی پیش کی گئی تھی کہ آپ ان ارذل لوگوں کو نکال دیجئے تو پھر ہم لوگ آ کر بیٹھیں گے۔ اس کا جواب حضرت نوحؑ نے یہ دیا تھا کہ مجھے کیا معلوم کہ کون ارذل کون اشرف ہے اس کا تعلق ایمان سے ہے اور ایمان کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ کچھ یہی جواب ان آیات میں حضور ﷺ کی زبانی بھی دلوایا گیا ہے کہ جو وہ کریں گے ان کے حساب کا بوجھ آپ پر نہیں ہے۔ اور جو آپ کریں گے اس کے حساب کا بوجھ ان پر نہیں ہے۔

ان آیات میں توبہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ممکن ہے اس کا تعلق حضرت عمر کے واقعہ سے ہو لیکن اس کے لب ولہجہ کا عموم ہر زمان ومکان کو محیط ہے۔ اگر کوئی بھی شخص بغاوت میں آ کر نہیں بلکہ نادانی، حماقت یا غفلت یا وقتی لغزش میں آ کر کوئی گناہ صغیرہ کرے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے کیونکہ رحمت کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

ان آیات میں حضور نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ کسی شخص سے مجلسی یا سماجی دوری نہ برتیں خواہ وہ وقتی ہو یا سیاسی ہو صرف اس بنیاد پر کہ وہ غریب ہے۔ بلکہ تمام امیر وغریب مومنین سے تعلقات کو شیریں اور شیریں تر بنائیں جس کا اولین مظاہرہ السلام علیکم ہے کہ ہم تم سے کوئی ضد نہیں رکھتے اور ہم تمہاری سلامتی کے لئے دعا گو ہیں یہاں بھی اور وہاں بھی۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

(اے نبی ﷺ!) صاف صاف کہہ دیجئے کہ ان چیزوں کی عبادت و بندگی سے مجھے منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات پر نہیں چل سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانے والوں میں شامل نہ رہوں گا۔ کہہ دیجئے میرے رب کی طرف سے میرے پاس روشن دلیل پہنچ چکی ہے جس پر میں قائم ہوں۔ جسے تم نے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز کی تم جلدی مچا رہے ہو میرے پاس وہ نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اس نے وہ بات جتا دی جو حق تھی۔ اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہہ دیجئے اگر میرے اختیار میں وہ چیز ہوتی جس کے آنے کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا قصہ طے ہو چکا ہوتا۔ اور تمام ظالموں کو اللہ خوب جانتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

نُهِيتُ	میں روکا گیا ہوں
اَنْ اَعْبُدَ	یہ کہ میں عبادت و بندگی کروں
لَاۤ اَتَّبِعُ	میں پیروی نہ کروں گا
قَدْ ضَلَلْتُ	یقیناً میں بہک جاؤں گا
عِنْدِیْ	میرے پاس
تَسْتَعْجِلُوْنَ	تم جلدی مچاتے ہو۔ جلدی کرتے ہو
اَلْحُكْمُ	حکم۔ فیصلہ
يَقُصُّ	وہ بیان کرتا ہے
اَلْفٰصِلِيْنَ	فیصلہ کرنے والے۔ جدا کرنے والے
لَوْ اَنَّ عِنْدِیْ	اگر بے شک میرے پاس ہوتا
لَقُضِیَ الْاَمْرُ	البتہ معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا

تشریح: آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

آیت ۵۶ میں بتایا گیا ہے کہ شرک کیا ہے؟

(۱) اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش کرنا۔

(۲) شیطانی ہوا و ہوس کے پیچھے بھاگنا۔

(۳) ہدایت کی راہ چھوڑ کر گمراہی کے گڑھے میں گر پڑنا۔

آیت ۵۷ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

(۱) اللہ کی طرف سے روشن دلیل یعنی وحی جلی اور وحی خفی

(۲) اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔

(۳) حق یعنی سچی بات، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی۔

(۴) قیامت کے دن صرف اللہ ہی فیصلہ فرمائیں گے۔

آیت نمبر ۵۸ میں کفر اور نبوت کے مقامات کا فرق واضح کیا گیا ہے کفر کہتا ہے اگر تم سچے ہو تو ابھی فوراً عذاب لے آؤ۔ نبوت کا جواب ہے "عذاب لے آنا ابھی یا کبھی میرے اختیار میں نہیں ہے مگر ایک دن عذاب آئے گا۔ اللہ ایک ایک گنہ گار کو پہچانتا ہے۔ توحید اور شرک کے درمیان کوئی مفاہمت کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔ گرونانک کے سکھ مذہب نے سمجھوتہ کی بڑی کوشش کی ہے۔ گرنتھ صاحب اور ان کی دوسری کتابوں میں معبود کہیں ایک ہے اور کہیں ایک سے زیادہ اور کہیں ایک سے بہت زیادہ۔ یہ تو ذات کا معاملہ ہوا۔ رہیں صفات، تو ان میں اس سے بھی زیادہ پیچیدگی اور معمہ ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ دین بد دین اور لادین سب کے ماننے والے موجود ہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۹

اور اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں وہ غیب جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ

خشکی میں ہے اور جو کچھ تری میں ہے وہ ہر چیز سے واقف ہے اور کوئی پتہ زمین پر نہیں گرتا مگر اسے معلوم ہوتا ہے۔ اور کوئی دانہ بھی جو زمین کی گہرائیوں میں، اور خشکی پر موجود ہے۔ وہ روشن کتاب میں درج ہوتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۹

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ	غیب کی کنجیاں۔ غیب کے خزانے
مَا تَسْقُطُ	نہیں گرتی۔ نہیں گرتا
وَرَقَةٍ	پتہ
حَبَّةٍ	دانہ
رَطْبٍ	تر
يَابِسٍ	خشک

تشریح: آیت نمبر ۵۹

مفتح یعنی میم پر زبر ڈال کر اور مفتح یعنی میم پر زیر ڈال کر مفتح کے معنی خزانہ اور مفتح کے معنی چابی، لفظ مفاتیح جمع مفتح کی بھی اور مفتح کی بھی اور دونوں کا مطلب ایک ہے۔ لفظ غیب کے دو معنی ہیں۔ اول وہ چیزیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں لیکن اپنے وقت پر آئیں گی۔ دوسرے وہ چیزیں جو وجود میں آ چکی ہیں لیکن اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ چیزیں جو وجود میں آ چکی ہیں یا جو اپنے وقت پر اپنی کسی مخلوق کو دے گا اور وہ بھی اتنی ہی جتنی اس کی مصلحت اجازت دے دوسرے وہ چیزیں جو وجود میں آ چکی ہیں یا جو اپنے وقت پر وجود میں آئیں گی جن کی معلومات اللہ کسی مخلوق کو نہیں دے گا۔

وحی کے ذریعہ نبی کو غیب کی چند معلومات دی جاتی ہیں۔ بزرگان دین کو کشف و کرامات کے ذریعہ چند معلومات دی جاتی ہیں۔ سائنس دان، اہل ایجاد، شعراء، حکماء وغیرہ کو یہ معلومات مشاہدہ کے ذریعہ دی جاتی ہیں۔

اور عام انسانوں کو یہ معلومات حواس خمسہ کے ذریعہ دی جاتی ہیں۔ غیر نبی کے لئے جب وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس کے معنی الہام کے ہیں۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ ہم نے انسان پر فجور اور تقویٰ دونوں راہیں الہام کر دی ہیں۔

یہ کہہ کر کہ "اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں"۔ کسی بند اور محفوظ خزانہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چابی والا جب چاہتا ہے

اور جتنا چاہتا ہے اندر سے باہر اور باہر سے اندر چیز کو لے آتا ہے۔ اسکی مثال وہ بشارتیں، وہ پیش گوئیاں اور وہ معلومات ہیں جو صرف پیغمبر اسلام ﷺ کو بذریعہ وحی جلی یا وحی خفی دی گئیں اور دوسرے انسانوں کو بذریعہ قرآن و حدیث دی گئیں۔ ان میں قبر و قیامت کی معلومات بھی شامل ہیں۔

یہ کہہ کر اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں شرک کی جڑیں کاٹ دی گئی ہیں اللہ کے سوا کوئی علام الغیوب نہیں ہے بلکہ نبی کے پاس بھی وہی معلومات ہیں اور اتنی ہی معلومات ہیں جو اسے وقتاً فوقتاً عطا کی گئی ہیں اور بس۔ اب اگر کوئی نجومی، فال گیر یا مست ملنگ غیب بتانے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

رہیں وہ پیشن گوئیاں جو قیافہ، قرینہ، سائنس یا خصوصی آلات کے بل پر کی جاتی ہیں تو ان کا تعلق غیب سے نہیں ہے بلکہ حواس، مطالعہ اور مشاہدہ سے ہے۔ مگر وہ بھی کبھی صحیح اور کبھی غلط نکلتی ہیں۔ اس لئے وہ یقینی نہیں ہیں اور جب بات عقل و دانش یا سائنسی آلات پر آ گئی تو وہ غیب نہ رہی۔

اس آیت نے غیب کی تعریف انتہائی جامع و مانع طور پر کردی ہے ''وہ راز جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا'' اور جب کوئی راز یا اس کا ایک حصہ کسی غیر کی طرف منتقل کر دیا جائے تو وہ غیب نہیں رہتا۔ وہ وحی یا الہام یا عام مشاہدہ بن جاتا ہے۔

غیب بے شمار بے اندازہ بے قیاس ہے اس کے مقابلے میں مشاہدہ ایک مختصر، پتلی، تنگ، کمزور اور بے حقیقت جھلی ہے۔ غیب وسیع بھی ہے اور گہرا بھی۔ مشاہدہ زمان و مکان میں محدود ہے اور ہر شخص کا اپنا اپنا مشاہدہ اپنے اپنے طرز کے مطابق ہے۔ اسی بات کو اس آیت میں اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکیوں میں ہے اور جو کچھ پانیوں میں ہے'' کیا اس سے زیادہ وسیع و عریض اور عمیق و دبیز تصور ممکن ہے؟ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ ہماری یہ دنیا اور نہ جانے کتنی دوسری دنیائیں خشکیوں اور پانیوں سے بنی ہیں اور ہماری اس دنیا کی ہر چیز کا تعلق خشکی سے ہے یا پانی سے۔ انسانی جسم نوے فی صد سیال ہے یعنی بہنے والے مادہ پر مشتمل ہے۔

ہر چیز مختلف حالتوں اور منزلوں سے گزرتی ہے۔ اللہ کا علم غیب نہ صرف ہر چیز پر محیط ہے بلکہ اس کی ہر حالت اور ہر منزل پر بھی۔ یہ آیت آگے چل کر رہنمائی کرتی ہے ''کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے معلوم ہوتا ہے۔ اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی گہرائیوں میں۔ اور نہیں ہے کوئی خشک اور نہیں ہے کوئی تر جو ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو۔''

کون سا پتہ کس درخت میں ہے۔ کہاں ہے، کب نکلا، کس حال میں ہے، کب گرے گا، پھر گر کر کیا کیا بنے گا۔ کس غلہ کا کون سا دانہ کس زمین میں ہے۔ کتنی گہرائی میں ہے، کیا بن رہا ہے یا نہیں بن رہا ہے۔ کس منزل میں ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق زمین سے ہے یا ہوا سے ہے یا پانی سے ہے کس منزل میں ہے۔ اس کا ماضی کیا تھا۔ حال کیا ہے، مستقبل کیا ہوگا، یہ سب اسے معلوم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا علم صرف ظنی یا تخمینی نہیں بلکہ یقینی ہے۔ اور ہر ایک شئے کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

ع ۷/۵ ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۶۰

اور وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں رات کو سلا دیتا ہے اور جو کچھ تم نے دن بھر میں کیا ہے اسے وہ جانتا ہے پھر وہ تمہیں دن میں جگا دیتا ہے تا کہ تمہاری زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو جائے۔ پھر تمہیں اسی کی طرف واپس جانا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۰

یَتَوَفّٰی	وہ لے لیتا ہے۔ وہ وفات دیتا ہے
جَرَحْتُمْ	تم نے عمل کیا
لِیُقْضٰی	تا کہ فیصلہ کر دیا جائے

تشریح: آیت نمبر ۶۰

جاگ اور نیند، کام اور آرام، دن اور رات، زندگی اور موت کا ایک سلسلہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے تا کہ انسان ان تبدیلیوں اور انقلابات سے عبرت حاصل کر سکے۔ وہ لوگ جو آئندہ زندگی پر یقین نہیں کرتے ہیں وہ اس پر غور کریں کہ کس طرح نیند انہیں ہر روز آ دبوچتی ہے۔ نیند ان پر قابو پا لیتی ہے۔ وہ نیند پر قابو نہیں پا سکتے۔ اسی طرح موت ان پر قابو پا لے گی۔ اور وہ موت پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ کس طرح وہ ہر نیند کے بعد جاگ اٹھتے ہیں۔ اسی طرح وہ موت کی نیند کے بعد بھی جاگ اٹھیں گے اور حساب و کتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اور قیامت کے دن جب دوسرا صور پھونکا جائے گا، سارے مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ پہلا جملہ جو وہ کہیں گے یہی ہوگا ''ہمیں کس نے نیند سے جگا دیا''

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۲

وہ اپنے بندوں پر تمام قدرتیں رکھتا ہے۔ اسی نے ان پر نگہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ پہنچتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ اور (اس کام میں) وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب اپنے حقیقی مالک یعنی اللہ کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ سن رکھو کہ فیصلہ اسی کا ہے۔ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۲

حَفَظَةً نگہبان۔ نگراں

لَا يُفَرِّطُوْنَ وہ کمی نہیں کرتے ہیں

رُدُّوْا وہ لوٹائے گئے

اَسْرَعُ وہ جلدی کرتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۲

کوئی اللہ کی گرفت سے چھوٹ کر بھاگ نہیں سکتا۔ نہ آج نہ کل۔ نہ موجودہ زندگی میں نہ آئندہ زندگی میں۔ جب تک اللہ کا حکم ہے فرشتے انسانی جان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ اور جس جان کی وہ حفاظت کرتے رہے تھے دوسرا حکم الٰہی آتے ہی

اسے نکالنے میں ذرا دیر نہیں لگاتے۔ اور کام یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ یہی فرشتے قیامت کے دن اسے گھیر کر لائیں گے اور سزا و جزا کے لئے مالک حقیقی کے پاس حاضر کر دیں گے۔

فرمایا۔ '' مولٰھم الحق ''۔ مولیٰ کا لفظ قدرت اور رحمت دونوں کو سمیٹتا ہے۔ اس کے انصاف میں قوت قاہرہ بھی ہوگی۔ اور رحمت فاضلہ بھی اور اس کا انصاف بالکل حق پر مبنی ہوگا۔ دیکھا یہ جائے گا کس نے حق کا راستہ اختیار کیا، کس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے؟ فرمایا گیا '' الا لہ الحکم ''۔ اس کا مطلب یہ ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ فیصلہ اور حکم اسی کا ہے اس سے اوپر کوئی اپیل نہیں۔ کوئی نظر ثانی نہیں۔

ارشاد ہے۔ '' اسرع الحاسبین ''۔ اس کے دو معنی ہیں۔ وقت تیز رفتار ہے۔ بہت جلد تم اس کے سامنے حساب و کتاب کے لئے پیش ہونے والے ہو۔

دوسرے قیامت کے دن لاتعداد بے شمار انسانوں کے حساب بہت جلد نمٹا دیئے جائیں گے اور ذرا دیر نہیں لگے گی اس کے ہاں لال فیتہ نہیں ہے بلکہ اس کی قدرت یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی کام کو کرنا چاہتا ہے اسے کُن کا اشارہ ہوتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حساب و کتاب میں بھی کوئی دیر نہ ہوگی بلکہ ہر انسان کا پورا پورا حساب کتاب بہت جلد لیا جائے گا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٣ تا ٦٤

ذرا پوچھئے وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر کی آفات سے بچا کر نکال لاتا ہے جب تم گڑگڑا کر یا دل ہی دل میں اس سے دعائیں مانگتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس آفت سے بچالے تو ہم ضرور احسان مانیں گے۔ کہہ دیجئے وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے بچالیتا ہے۔ پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۳ تا ۶۴

يُنَجِّيْكُمْ تمہیں نجات دیتا ہے

خُفْيَةً آہستہ۔ چپکے چپکے

اَنْجٰنَا ہمیں بچالیا

كَرْبٍ سختی

تشریح: آیت نمبر ۶۳ تا ۶۴

سفر ہو یا حضر۔ جسمانی بیماری ہو یا ذہنی الجھن، مال ومنال کا نقصان ہو یا اہل وعیال کا، انفرادی مصیبت ہو یا قومی۔ بہر حال یہ عام مشاہدہ ہے کہ آفت کے وقت جب ظاہری تدبیروں سے کام نہیں چلتا تو انسان کے ہاتھ اس مالک کائنات کے سامنے دعا کو اٹھ جاتے ہیں۔ خواہ وہ چلا چلا کر اور آنسو بہا کر سر پٹک کر مانگے یا دل ہی دل میں اندر ہی اندر۔ بڑے سے بڑا کافر اور بڑے سے بڑا مشرک خوب جانتا ہے کہ آفتوں سے نجات دینے والا وہی ایک اللہ ہے۔ وہ دعا مانگتا ہے یا منت مانتا ہے تو بس اسی سے۔ نہ کسی دیوتا سے، نہ کسی فرعون سے، نہ کسی اللہ کے کسی مقرب سے (بہت سے مذاہب میں چاند اور سورج معبود ہیں یا معبود کے بیٹے کہلاتے ہیں (نعوذ باللہ)۔

مصیبت جتنی سخت ہو انسان اتنا ہی شین قاف باندھتا ہے، اتنا ہی عاجزی سے ہاتھ لمبے کرتا ہے۔ اتنا ہی زور دار معاہدے کرتا ہے کہ اے اللہ۔ اگر تو ہمیں اس آفت سے بچالے تو ہم ضرور تیرا احسان مانیں گے اور تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔ جب اللہ اس کی مشکل کشائی کر دیتا ہے تو وہ پھر واپس اپنے پرانے مذہب کی طرف لوٹ جاتا ہے کسی اور کو مشکل کشا بنا لیتا ہے۔ پھر بتوں کی پوجا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر تثلیث کے عقیدے زور پکڑ لیتے ہیں۔ پھر بادشاہ کی عظمتوں کی بندگی شروع ہو جاتی ہے۔

مکہ کے مشرکین کا بھی یہی حال تھا بار بار وہ آفتوں میں پھنستے اپنے تمام بتوں کو چھوڑ کر خوب گڑ گڑا کر اللہ سے دعائیں کرتے اور وفاداری کی قسمیں کھاتے، خوب روتے اور چلاتے لیکن جب آفت ٹل جاتی تو کیسی احسان مندی، کیسی شکر گزاری، پھر دین آباء کی طرف پلٹ جاتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٥ تا ٦٧

(اے نبی ﷺ!) آپ صاف صاف سمجھا دیجئے کہ تمہیں عذاب دینے کی قدرت وطاقت صرف اسی کے پاس ہے۔ وہ چاہے تو عذاب تمہارے اوپر سے لے آئے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے لے آئے یا تمہیں فرقے فرقے کر کے یا آپس میں لڑائی کی تلخی چکھادے۔ دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح مختلف پہلوؤں سے واضح کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں۔ اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلا دیا جو حق اور سچائی ہے۔ کہد یجئے کہ میں تم سے زبردستی منوانے نہیں آیا۔ ہر خبر کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٥ تا ٦٧

يَلْبِسَ	وہ پہناتا ہے۔ وہ گڈمڈ کرتا ہے
شِيَعٌ	فرقے
يُذِيْقَ	وہ چکھاتا ہے
يَفْقَهُوْنَ	وہ سمجھتے ہیں
لَسْتُ	میں نہیں ہوں

وَكِيْلٍ	کام بنانے والا
مُسْتَقَرٌّ	ٹھکانا

تشریح: آیت نمبر ۶۵ تا ۶۷

گذشتہ دو آیات میں ذکر تھا کہ خشکی اور سمندر کی آفتوں سے صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ اب آیات ۶۵ اور ۶۶ میں ذکر ہے کہ وہی ایک اللہ تمہارے اوپر آفت لا سکتا ہے۔ یعنی آفت سے بچانے والا بھی وہی ہے اور آفت لانے والا بھی وہی ہے۔

یہاں خاص طور سے تین طرح کے عذابوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک وہ جو اوپر سے آئے دوسرے وہ جو نیچے سے آئے۔ تیسرے باہمی فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ سے پھوٹ ڈلوادے۔

اوپر سے عذاب آنے کی مثالیں قوم عاد، قوم لوط، ابرہہ وغیرہ کی ہیں۔ بنی اسرائیل پر خون اور مینڈک برسائے گئے۔ قوم نوح پر اوپر سے بے تحاشا بارش اتاری گئی اور نیچے زمین سے پانی ابلنے لگا۔ آج کل اوپر اور نیچے سے بیک وقت عذاب کا خطرہ ایٹم بم، ہائڈروجن بم، نپ تھالن بم وغیرہ ہے جو اوپر سے بھی آگ برسائیں گے اور نیچے بھی زلزلہ پیدا کریں گے۔ جاپان میں ۱۹۴۵ء میں یہی ہوا۔

نیچے سے عذاب آنے کی مثالیں فرعون، قارون، عاد ثانی وغیرہ کی ہیں۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباس مجاہدؒ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ اوپر کا عذاب وہ بھی ہے جب حکمران، ظالم، خائن اور بے ایمان ہو جائیں، نیچے کا عذاب یہ ہے کہ جب ماتحت عملہ، گھر کے ملازمین وغیرہ کام چور، غدار، خائن اور حرام خور ہو جائیں۔ اس طرح انتظام بگڑ جاتا ہے۔ خواہ نظام ملک کا ہو یا کسی ایک گھر یا خاندان کا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کی تائید چند احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ شعب الایمان بیہقی میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم پر اسی قسم کے حکام مسلط ہوں گے جس قسم کے تمہارے اعمال ہوں گے۔

اسی مفہوم کا ایک مشہور عربی مقولہ ہے۔ **اعمالکم عمالکم**.

مشکوٰۃ شریف بحوالہ حلیہ ابی نعیم حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تمام بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں۔ تمام بادشاہوں کے دل میری مٹھی میں ہیں۔ جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں اور حکام کے قلوب میں ان کی شفقت و رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل ان پر سخت کر دیتا ہوں۔ وہ ہر طرح برائی سے انکے ساتھ پیش آتے ہیں۔

اس لئے تم حکام اور امرا کو برا کہنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اپنے اعمال کی اصلاح میں لگ جاؤ تا کہ میں تمہارے کام درست کردوں"۔ اسی طرح ابو داؤد اور نسائی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی امیر اور حاکم کا بھلا چاہتا ہے تو اس کو اچھا وزیر اور اچھا کارکن دے دیتا ہے۔ کہ اگر امیر سے کچھ بھول ہو جائے تو وہ اس کو یاد دلا دے۔ اور جب امیر صحیح کام کرے تو وہ اس کی مدد کرے۔ جب کسی حاکم یا امیر کیلئے برائی مقدر ہوتی ہے تو برے لوگوں کو اس کی وزارت اور امارت دے دی جاتی ہے۔

قرآن کریم (النساء۔۵۹) میں فرمان الٰہی ہے۔"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور پھر ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں۔ ہاں اگر تمہارے درمیان (یعنی راعی اور رعایا کے درمیان) کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو"

حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے۔ بہترین جہاد سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ آیت زیر تفسیر میں عذاب الٰہی کی تیسری قسم یوں مذکور ہے۔"اویلبسکم شیعاً"۔ یعنی تم فرقہ فرقہ میں بٹ کر آپس میں لڑنے لگ جاؤ گے۔ اسی لئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

"تم میرے بعد پھر ان لوگوں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ الٰہی میری امت پر کسی دشمن کو مسلط نہ فرما جو سب کو تباہ و برباد کردے۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ لیکن جب آپ نے یہ دعا کرنی چاہی کہ میری امت کو فرقہ وارانہ فسادات سے بچا تو آپ کو اس دعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے ہمارا گزر مسجد بنی معاویہ پر ہوا تو حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ہم نے بھی دو رکعت ادا کی۔ اس کے بعد آپ دعا میں مشغول ہو گئے۔ دعاؤں سے فارغ ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔

(۱) میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیجئے گا۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی۔

(۲) عرض کیا الٰہی میری امت کو قحط اور بھوک کے ذریعہ ہلاک نہ کیجئے گا۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔

(۳) اور میں نے عرض کیا الٰہی میری امت باہمی جنگ سے تباہ نہ ہو جائے۔ مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔ (مظہری بحوالہ بغوی)

ان روایات سے ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں پر اللہ کا عذاب آیا تو فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں آئے گا۔ یہ فرقے مذہبی بھی ہو سکتے ہیں اور سیاسی بھی۔ وہ قومیں جو مسلمانوں کی دشمن ہیں۔ مسلمانوں کو باہم لڑا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہیں اور کر رہی ہیں ہمیں ان سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

یاد رہے اختلاف کی دو شکلیں ہیں۔ وہ اختلاف جو اسلام کے بنیادی عقیدے میں ہے جو شرک و منافقت یا مادی لالچ اور ظلم کی بدولت ہے۔ وہ عذاب الٰہی ہے لیکن وہ اختلاف رائے جو اصول اجتہاد کے ماتحت تفصیلی مسائل میں ہے جیسا کہ صحابہ و تابعین سے اب تک ہوتا چلا آیا ہے۔ جس میں فریقین کی نیت درست اور ان کی حجت قرآن وسنت و اجماع ہے وہ رحمت ہے۔ ممکن ہے کسی سے اجتہادی غلطی ہوگئی ہو لیکن اگر غلطی اور اختلاف کا راستہ بند کر دیا جائے تو اجتہاد اور فکر و فیصلہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور علم و عقل کی ترقی رک جائے گی۔

یہ اختلاف فطری ہے۔ جہاں دو اہل عقل و فکر ہوں گے وہاں اختلاف قدرتی بات ہے۔ مگر یہ اختلاف دیانت اور خلوص پر مبنی ہوگا۔ کوئی کسی کو زبان کی چاشنی کے لئے برا بھلا نہ کہے گا۔

ہاں تنقید حق ہے۔ وہ بھی حدود کے اندر۔

اسی اختلاف کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

آیت نمبر ۶۷ بہت واضح ہے نبی کا کام تبلیغ ہے۔ اور بس۔ وہ زبردستی مومن نہیں بنا سکتا۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ کسی کے دل میں ایمان اتار دے۔ وہ لوگ جو آج تبلیغ سے نہیں مان رہے ہیں۔ کل عذاب جہنم دیکھ کر مان جائیں گے مگر وقت گذرنے کے بعد ان کا مان جانا بے فائدہ ہوگا۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۶۹ وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝۷۰

۸ ع ۱۰ ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ٦٨ تا ٧٠

(اور اے نبی ﷺ) جب آپ دیکھیں کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی (عیب جوئی) کررہے ہیں تو ان سے اس وقت تک دور رہیے جب تک وہ کسی اور گفتگو میں نہ لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد فوراً ظالموں کی جماعت سے اٹھ جائیے۔

اور جو لوگ پرہیز گار ہیں ان پر ان نکتہ چینی کرنے والوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ پرہیز گاروں کے ذمے نیک نصیحت کرنا ہے۔ شاید وہ بھی اللہ سے ڈرنے والے بن جائیں اور وہ لوگ جو اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنائے بیٹھے ہیں انہیں ان کے حال پر رہنے دیجئے جنہیں دنیا کے مزے نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے مگر اس قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے رہیئے تاکہ ان کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کرتے چلے آرہے ہیں اس میں پھنس نہ جائیں۔ وہ عذاب جس میں گرفتار ہو جانے کے بعد مجرم کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ سفارش کرنے والا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائیگا خواہ وہ اپنا سب کچھ اس میں جھونک دے۔

یہ لوگ ہیں جو اپنی بری کمائی کے عذاب میں گرفتار کئے گئے ہیں۔ اب ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے۔ ان نافرمانیوں کی سزا دردناک عذاب ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٨ تا ٧٠

يَخُوضُونَ	وہ مشغول ہوتے ہیں۔ گھستے ہیں
يُنسِيَنَّكَ	وہ تجھے بھلا دے
لَا تَقْعُدْ	تو نہ بیٹھ
بَعْدَ الذِّكْرٰى	یاد آنے کے بعد
ذِكْرٰى	نصیحت۔ یاد دہانی
ذَرْ	چھوڑ دے
غَرَّتْ	دھوکے میں ڈال دیا
اَنْ تُبْسَلَ	یہ کہ پکڑا جائے

كَسَبَتْ کمایا

تشریح: آیت نمبر ۶۸ تا ۷۰

دوزخ کا راستہ اختیار کرنے والوں کی خاص پہچان یہ ہے کہ وہ دین اسلام پر، قرآن پر، حدیث پر، سیرت پر اس انداز سے تنقید کرتے ہیں گویا وہی بہتر سمجھتے ہیں، علم وعقل کا جدید میزان و پیمان ان ہی کے پاس ہے اور نعوذ باللہ یہ بیچارے مسلمان بڑے احمق ہیں جو ایمان واسلام کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔

ان آیات کے مخاطب اول اگر چہ حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ہیں لیکن بلالحاظ زمان ومکان یہ خطاب عام ہے ان آیات کے ذریعہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اے مسلمانو!

(۱) کبھی ایسی محفل میں نہ بیٹھو جہاں بدتمیز بد عقل بدزبان کفار مشرکین یا منافقین بیٹھے دین اسلام پر زبان درازیاں کر رہے ہوں۔ ہاں جب وہ کوئی اور گفتگو میں لگ جائیں تو شرکت میں مضائقہ نہیں۔

(۲) اگر تم پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے ہو اور اس قسم کی بے ہودہ گفتگو چھڑ گئی ہو اور روکنے کے باوجود رک نہ رہی ہو تو تم فوراً وہاں سے اٹھ جاؤ۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ بحث اور مناظرہ کر کے محفل کی فضا کو اور زیادہ گرم کر دیا جائے۔ تمہاری ہر منطق اور ہر دلیل کے باوجود سننے والوں کو غلط انا پکڑ لے اور وہ، میں نہ مانوں، کی ضد میں آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ تبادلہ خیالات اچھی چیز ہے لیکن موزوں فضا کا ہونا بھی ضروری ہے۔

محفل سے اٹھ جانے کی اچھی شکل یہ بھی ہے کہ اگر بیٹھے رہنا ضروری ہے تو آدمی اس طرح بیٹھ جائے کہ گویا اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر شیطان کے بھلاوے میں آکر تم بھول چوک سے بیٹھے ہو تو جیسے ہی یاد آجائے، فوراً رخصت ہو جاؤ۔

(۳) ہوشیاری سے تبلیغ ونصیحت کا موقع نکال لینا چاہئے۔ گمراہوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا بھی تو کوئی عقل مندی نہیں ہے اس کے لئے اگر ان کی محفلوں میں جانا پڑے تو مضائقہ نہیں۔ انہیں قیامت اور اللہ کے عذاب سے ڈراؤ۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"میری امت سے خطاء اور نسیان (بھول چوک) اور اس کام کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے جو کسی نے زبردستی اس سے کرایا ہو"۔

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ دشمنان اسلام سے بالکل قطع تعلق غلط ہے۔ ان سے مناسب طریقہ پر میل ملاقات رکھنا چاہیئے۔ بشرط ضرورت اور بغرض نصیحت۔ والدین اور استادوں کو چاہئے کہ اپنے لڑکوں لڑکیوں کو غلط صحبت میں نہ جانے دیں کہ غلط ماحول ان کو تباہ کر سکتا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

آپ کہہ دیجئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کران سے امیدیں باندھیں جو ہمیں نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں راہ ہدایت پر ڈال دیا ہے۔ کیا ہم حیران وسرگرداں اس شخص کی طرح جنگل میں بھٹکتے پھریں جسے شیطان نے باؤلا کردیا ہو۔ حالانکہ اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ ہماری طرف آجاؤ۔

کہہ دیجئے کہ راستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرماں بردار رہیں۔ نماز قائم کریں اور اسی سے ڈرتے رہیں اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور (جس وقت قیامت کو حکم دے گا کہ) ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا کہنا حق ہے۔ جس وقت صور پھونکا جائیگا اس دن بھی صرف اسی کی سلطنت ہو گی وہی پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے وہ بڑی حکمت والا ہے۔ اور خبر رکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

نَدْعُوْا	ہم پکارتے ہیں
اَعْقَابِ	(عِقب)۔ ایڑیاں
اِسْتَهْوَتْ	بہکادیا
حَيْرَانَ	حیران وپریشان
يَدْعُوْنَ	وہ پکارتے ہیں
لِنُسْلِمَ	تا کہ ہم مان لیں
يُنْفَخُ	وہ پھونکتا ہے
اَلصُّوْرِ	نرسنگا۔ (قیامت میں نرسنگے کی آواز)

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

غیر اللہ وہ ہے جو کوئی نفع اور کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اتنی بات تو سب ہی جانتے ہیں۔ پھر غیر اللہ کی پوجا کیوں ہوتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ کی بندگی صرف ظاہری اور رسمی ہوتی ہے کوئی ان کی قلبی عبادت نہیں کرتا۔ یہ ظاہری پرستش بھی ایک ہی غرض سے ہے۔ ایک سیاسی سماج قائم کرنا اور قائم رکھنا۔ اگر بت کی پوجا نہ ہو تو ہندو دھرم بکھر جائیگا۔ اگر آگ کی پوجا نہ ہو تو پارسی مذہب ختم ہو جائیگا۔ اگر صلیب کی پوجا نہ ہو تو عیسائی مذہب۔ اگر نسل پرستی نہ ہو تو یہودی۔ اگر جھوٹے نبی کو نہ مانا جائے تو قادیانی، اگر چاند اور سورج کی پوجا نہ ہو تو چینی مذاہب، اگر درختوں، سانپوں، جانوروں اور دریا و سمندر کی پوجا نہ ہو تو بہت سے چھوٹے بڑے مذاہب ہوا میں اڑ جائیں گے۔ مشرکین مکہ بھی سیاسی اور سماجی مقاصد ہی کے لئے بتوں کی رسمی پوجا کرتے تھے۔ اگر بتوں کا کاروبار نہ ہوتا تو مشرکین ایک جماعت نہ بنتے، ان کی تجارت نہ ہوتی، ان کی سرداری نہ رہتی، ان کے تقدس کا ڈھونگ ختم ہو جاتا۔

سیاسی اور سماجی مقاصد کے علاوہ، غیر اللہ کی پرستش در حقیقت نفس کی پرستش ہے۔ غیر اللہ کے پاس نہ نفع ہے نہ نقصان، نہ کتاب، نہ قانون، نہ پیغمبر نہ حکم نہ منع ۔ ہندومت، وغیرہ میں عام اجازت ہے کہ ہر ہندو جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے جو چاہے عقیدہ رکھے یا نہ رکھے صرف اپنے آپ کو ہندو مانے اور بس۔

اگر یہ عقیدے اور عمل کی آزادی کی کشش نہ ہوتی تو آج دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا اسلام میں عقیدے اور عمل کی آزادی کی سرحدیں متعین ہیں۔ غیر اسلام میں لامحدود ہیں۔ اسلام میں آخرت دنیا پر، روح مادہ پر اور عقیدہ عمل پر حاوی ہے لیکن دوسرے مذہبوں میں اس کے برعکس ہے۔

کفر صاف صاف اللہ کو نہیں مانتا لیکن مشرک چالاک ہے۔ وہ اللہ کو صرف زبانی مانتا ہے عملی طور پر وہ ان معبودوں کے احکامات مانتا ہے جنہیں اس نے خود تصنیف کیا ہے ان کا معبود بندے کی تخلیق ہے۔ ان کے معبود کی کتاب بھی بندے کی تصنیف ہے۔ اب کفر ہو یا شرک، اللہ سے بغاوت کی یہ دو شکلیں ہیں۔

رہے منافقین۔ تو ان کا الگ کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ صرف جی حضوری میں، خواہ کفر کے کیمپ میں، خواہ شرک کے کیمپ میں، منافقین کا الگ کوئی مذہب نہیں ہے، کوئی پارٹی نہیں ہے، کوئی قیادت نہیں ہے۔

اب کافر ہو، مشرک ہو، منافق ہو، سب مفاد پرست، مال پرست اور اقتدار پرست ہیں، بالفاظ دیگر وہ دنیا پرست ہیں۔ ان کے پاس چونکہ کوئی اللہ نہیں، کوئی محفوظ دین نہیں، کوئی اصول وعقیدہ نہیں، اس لئے وہ خیالات کے جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔

اس آیت میں مشرک کی طرف خاص اشارہ ہے۔ ذرا پوچھئے کہ ہم ان غیر اللہ سے امیدیں باندھیں جو ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور ان غیر اللہ سے ڈریں جو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس آیت میں مرتد کی طرف بھی خاص اشارہ ہے۔ کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں جب کہ اللہ ہمیں راہ ہدایت پر ڈال چکا اور اس حیران وسرگرداں گم گشتہ کی طرح بن جائیں جسے شیطان نے خبطی اور باؤلا بنادیا ہو۔

ان آیات نے پھر زور دیا ہے کہ ہدایت اور رہنمائی تو صرف اللہ کی ہے۔ مومن وہ ہے جو اس کی رہنمائی پر چلے۔ نماز قائم کرے اور اللہ سے زیادہ سے زیادہ محبت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ان آیات نے پھر قیامت پر زور دیا ہے۔ قیامت کا آنا اللہ کی عین حکمت اور دانائی ہے۔ یہ جو کہا ہے "وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے" تو اس کے تین مطالب ہیں۔

(۱) یہ کائنات محض شوق اور تماشے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے کہ جب تک جی چاہا رکھا پھر جب جی چاہا توڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بنانے اور چلانے میں بھی وہی مصلحت اور حکمت ہے جو قیامت لانے میں ہے۔

(۲) یہ کائنات حق اور راستی کے ٹھوس اصولوں پر بنائی گئی ہے اور چلائی جا رہی ہے یہاں باطل پنپ نہیں سکتا۔ فوری فائدہ فانی فائدہ ہے۔

(۳) اللہ نے یہ کائنات بنائی ہے۔ اس لئے اسے ہی حق ہے کہ اپنا دین چلائے۔ اطاعت و بغاوت کے لئے جزا و سزا مقرر کرے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ ءَازَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا ءَالِهَةً ۖ إِنِّىٓ أَرَىٰكَ وَقَوْمَكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۴

یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا۔ کیا تو بتوں کو معبود کا درجہ دیتا ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۴

اَصْنَامًا	(صَنَمٌ) بت	ضَلٰلٍ	گمراہی

تشریح: آیت نمبر ۷۴

قرآن نے پچھلی آیات میں مشرکین مکہ کو ہر طرح سمجھایا۔ علم، خبر، عقل، نصیحت، بشارت، تہدید سارے طریقے آزما دیکھے۔ اب ایک تاریخی مثال پیش کی جا رہی ہے کہ مثال کبھی کبھی خوب کام کر جاتی ہے۔ چونکہ اہل عرب مناظرہ کے بہت دلدادہ تھے اس لئے وہ مناظرہ پیش کیا جا رہا ہے کہ گھر سے اور کنبہ کے سب سے بڑے بزرگ سے تبلیغ کا کام شروع کرنا عین سنت ابراہیمیؑ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعات کو تاریخ نے محفوظ نہیں رکھا۔ ہاں ادھر ادھر منتشر غیر یقینی واقعات مل جاتے ہیں۔ یہ تو قرآن ہی ہے جس نے انبیاء کرام سے متعلق تمام ضروری تفصیلات مہیا کی ہیں۔ قصہ کہانی کے لئے نہیں۔ بلکہ نصیحت اور سبق کے لئے۔ اور صرف ان ہی پہلوؤں کو لیا ہے جو نصیحت اور امثال کیلئے ضروری ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعات کا انتخاب یوں ہے کہ وہ بہت سے پیغمبروں کے مورث اعلیٰ تھے۔ یہودی، عیسائی اور

مسلمان سب ان کو یکساں واجب الاحترام مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ بھی ان کو واجب الاحترام مانتے تھے۔ شرک کے خلاف انہوں نے کس طرح جہاد کیا اور کیسی کیسی آزمائشوں سے گزرے اس کے لئے ان کی زندگی ایک مثال ہے۔

مندرجہ بالا آیت ظاہر کرتی ہے کہ نسل یا عہدہ یا قومیت کوئی چیز نہیں ورنہ حضرت ابراہیمؑ آزر سے اختلاف نہ کرتے جو ان کا باپ بھی تھا اور ملک کا معزز ترین آدمی بھی۔ اصل چیز ایمان ہے۔

یہ آیت اللہ کا دین دوسروں تک پہنچانے کے ایک طریقہ کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہے۔ یعنی ابتدا ایسے سوال سے کرنا چاہئے جو ہلکا پھلکا ہو لیکن نفس معاملہ پر چوٹ کر جائے۔ اور بات کی تہہ تک پہنچنے میں ہیر پھیر اور فضول گفتگو سے پرہیز کرے۔

ملکی اور قومی معاملات کے اندر ہر شخص کا دل دھڑکتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ آیات سے ظاہر ہے، تبلیغ کے لئے حکمت ضروری ہے۔ ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ ملکی قومی ٹھوس روزمرہ اور نازک احساسات کے معاملات کی طرف مشاہدے اور غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ اس طرح دعوت دی جائے کہ ہر چون و چرا کا جواب اسلام کے حق میں نکلے۔ ہدف کا دل خود پکار اٹھے کہ لبیک۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر خاندان کا بڑا بزرگ غلط راستے پر ہو تو اسے طریقے سے دین کی دعوت دینا ادب واحترام کے خلاف نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کی نگاہ میں قومیت کا مقام کیا ہے؟ اسلام عالمگیر ملت اور اخوت ہے قومیت چند مصلحتوں کی خاطر اپنی انفرادیت برقرار رکھ سکتی ہے مگر عالمگیر ملت اور اخوت کے اندر ضم ہو کر۔

یہاں جو حضرت ابراہیمؑ نے کہا ہے ''میں دیکھتا ہوں تو اور تیری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے آپ کو کافرانہ اور مشرکانہ قومیت سے الگ کر لیا حالانکہ نسلی طور پر اور وطنی طور پر وہ اسی قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ کہہ کر انہوں نے دو قومی نظریہ پیش کر دیا اور بتا دیا کہ اسلام نسل اور وطن کو نہیں مانتا۔ صرف نظریہ کو مانتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۵ تا ۷۹

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اس پر رات کا اندھیرا چھا گیا، اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ اس نے کہا یہ میرا رب ہے؟۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگا میں ڈوبنے والوں کو دل نہیں دیتا۔ پھر جب اس نے چمکتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟۔ مگر جب وہ بھی نگاہوں سے غائب ہو گیا تو کہنے لگے اگر میرا رب مجھ کو راہ ہدایت نہ دکھاتا تو میں گمراہوں میں شامل ہو جاتا۔ پھر جب سورج کو چمکتا دمکتا دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب؟۔ یہ تو سب میں بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! میرا کوئی واسطہ بندگی ان چیزوں سے نہیں جنہیں تم معبودیت میں شریک سمجھ رہے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ اس ایک ہستی کی طرف مخصوص کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کا نظام بنایا۔ اور میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۵ تا ۷۹

نُرِیْ	ہم دکھائیں گے
مَلَكُوْت	نظام کائنات
اَلْمُوْقِنِیْن	یقین کرنے والے
جَنَّ	چھا گیا

رَاٰ	اس نے دیکھا
کَوْکَبًا	ستارہ
وَجَّھْتُ	میں نے چہرہ کرلیا۔ میں نے رخ کرلیا
فَطَرَ	اس نے بنایا۔ اس نے پیدا کیا
حَنِیْفًا	سب سے الگ۔ صرف اللہ کی عبادت کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۷۵ تا ۷۹

ستارے، چاند اور سورج۔ ان کے باری باری آنے اور غروب ہونے کا انداز کوئی انوکھا یا نیا نہیں ہے۔ ہر شخص ہر شب وروز دیکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہزاروں بار دیکھا ہوگا۔ مگر ایک خاص وقت پر ہی یہ کھٹک کیوں؟

اس کا ایک جواب تو شروع آیت ہی میں دیدیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے تاکہ ان کے یقین وایمان میں اضافہ در اضافہ ہوجائے۔ یہ تو فطرت کا روزمرہ کا معمول ہے لیکن ایک بار وہ عجائبات بن کر آئے یعنی انہوں نے دیکھنے والے کے دل میں ایک خاص کھٹک پیدا کی اور اسے غور وفکر کی دعوت دی۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک بات جو ہر روز لگاتار پیدا ہو رہی ہے اچانک کسی موقع پر خاص کھٹک پیدا کردے۔ یہی کھٹک نیوٹن کے دل میں ایک دن سیب کے گرنے سے پیدا ہوئی۔ یہی کھٹک جیمس واٹ کے دل میں کیتلی سے بھاپ نکلتا دیکھ کر پیدا ہوئی۔ یہی کھٹک ہنری فورڈ کے دل میں پیٹرول اور پانی کو ملتے دیکھ کر پیدا ہوئی۔

دوسرا اہم جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ یہ سب دیکھ رہے تھے اور علی الاعلان بول رہے تھے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ شرک والوں کو منطقی دلائل سے قائل کرنے کے لئے۔

ایک اور تکنیک جو ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے حکم اور ڈانٹ کے لب ولہجہ میں نہیں کہا کہ تم لوگ شرک چھوڑ و توحید میں آجاؤ۔ بلکہ عقل وتدبر کے ساتھ صرف اپنی مثال پیش کی کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس اللہ واحد کی طرف کرلیا ہے جو تمام مظاہر فطرت کا خالق اور مالک ہے۔ جس کے حکم پر ستارے چاند سورج نکلتے اور ڈوبتے ہیں۔

وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡـئًا ‌ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ‌ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا‌ ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ‌ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‌ۘ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ‌ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۸۳﴾

وقف لازم

ع ۹ / ۱۲ / ۱۵

ترجمہ: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۳

اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا تم لوگ مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ اس نے مجھے راہ ہدایت کی توفیق بخشی ہے۔ میں تمہارے بنائے ہوئے معبودوں سے نہیں ڈرتا۔ مگر ہاں میرا پروردگار ہی کچھ چاہے تو اور بات ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ پہلے ہی میرے رب کے علم (اور ارادے) میں ہے۔ پھر کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ آخر میں تمہارے خود سے گھڑے ہوئے معبودوں سے کیوں ڈروں؟ جب کہ تم اللہ کی شان میں شرک کرنے سے نہیں ڈرتے۔ جس کی کوئی سند اس نے نہیں اتاری ہے بتاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کو اطمینان قلب کا حق پہنچتا ہے؟ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو؟ اطمینان قلب! وہ تو ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو راہ حق پر چل رہے ہیں جنہوں نے ایمان پالیا اور جنہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی۔ تو یہ تھی ہماری مضبوط دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے میں سکھائی تھی ہم جس کے چاہتے

ہیں درجات کو بلند کر دیتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ تمہارا رب ہی علم رکھتا ہے اور حکمت بھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۰ تا ۸۳

حَاجَّ	جھگڑا کیا
اَتُحَآجُّوْنِّیْ	کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو
هَدٰنِ	اس نے مجھے ہدایت دی۔ (یہاں "ی" گر گئی)
كَيْفَ اَخَافُ	میں کیوں ڈروں
لَمْ يُنَزِّلْ	نازل نہیں کی گئی
سُلْطَان	دلیل۔ وجہ۔ سبب
اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ	دونوں جماعتوں میں سے کونسی؟
اَحَقُّ	زیادہ حق دار ہے
لَمْ يَلْبِسُوْا	انہوں نے نہیں ملایا
نَرْفَعُ	ہم بلند کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۳

ہر نظام کسی عقیدے پر قائم ہوتا ہے۔ اگر وہ عقیدہ ہی ہل جائے تو یوں سمجھ لیا جائے کہ کسی عمارت کے نیچے سے بنیادی پتھر کھینچ لیا گیا۔ نمرودی نظام میں بہت سے مصنوعی معبود تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت خود بادشاہ وقت نمرود کی تھی۔ (یہ بادشاہ کا نام نہیں ہے بلکہ فرعون کی طرح کا لقب ہے۔) معبودیت کا عقیدہ اگر مسمار ہو جائے تو اس کے اقتدار کا محل مٹی کے گھروندے کی طرح زمین پر آ رہتا ہے۔ نمرود کو معبود کے مقام پر رکھنے سے ہزاروں ہزار وزیروں، افسروں، پنڈتوں، پروہتوں اور دوسرے عقیدہ فروشوں کا مالی اور مادی مفاد وابستہ تھا۔ پھر ان کے پیچھے جاہل، احمق روایت پرست عوام جوق در جوق تھے جو لگی بندھی لکیر کے فقیر نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ وہ سب کے سب کس طرح ٹھنڈے پیٹوں حضرت ابراہیمؑ کے عقیدہ توحید کو برداشت کر لیتے۔

اسلام زندگی کے ہر موڑ پر اپنے اوامر ونواہی لے کر آتا ہے جو وقت کے نمرودوں کے اوامر ونواہی سے ٹکراتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کوئی ایسا فکر وعقیدہ لے کر آتے جس میں صرف پوجا پاٹ کی رسومات ہوتیں لیکن اوامر ونواہی نہ ہوتے، جس کی ساری دلچسپی اندرون کلیسا وبت خانہ سے ہوتی، قومی اور بین الاقوامی، سیاسی، جنگی، مالی، تجارتی مسائل سے نہ ہوتی تو اہل نمرود کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کرتے۔ لیکن وہ تو ایسا دین لے کر آئے تھے جس میں ساری زندگی کو اللہ کے لئے وقف کر دینے کی بات تھی جس میں مصلحتوں پر سمجھوتے نہیں ہوتے۔ اس لئے اگر نمرود والے اٹھ کھڑے نہ ہوتے تو کیا کرتے۔

اسلام کی تبلیغ اور وہ بھی ایک پیغمبر کی قیادت میں مختلف تحریکی منزلوں سے گذرتی ہے۔ آیت نمبر ۸۰ میں پہلی منزل کا ذکر ہے۔ یہ منزل افہام وتفہیم، دلائل ومباحث، مناظرہ اور مکالمہ کی منزل تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو اندازہ تھا کہ حکومت اور سوسائٹی اپنے مفاد کے لئے میری تحریک کے خلاف شمشیر وسنان لے کر اٹھ کھڑی ہوگی۔ (جو آتش نمرود کے معاملے میں صحیح ثابت ہوا)۔ اسی لئے آپ نے فرمایا "جاؤ۔ میں تمہارے بنائے ہوئے معبودوں سے نہیں ڈرتا۔ مجھ پر کوئی تکلیف نہیں آ سکتی البتہ اگر میرا رب چاہے تو اور بات ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ پہلے ہی سے میرے رب کے علم اور ارادے میں ہے"۔

آپ نے اللہ پر مکمل اعتماد کیا چنانچہ اپنے سکون قلبی کا اظہار جس طرح کیا اس میں دعوت اور منطق پوری شان سے جلوہ گر ہے۔ فرمایا۔ "آخر میں تمہارے من گھڑت معبودوں سے کیوں ڈروں؟۔ جب کہ تم اللہ کی شان میں شرک کرنے سے نہیں ڈرتے جس کی تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل نہیں ہے۔

ایمان جس کی آخری منزل تقویٰ ہے صرف اللہ ہی سے تمام امیدیں وابستہ کر لینے اور صرف اللہ ہی سے خوف کھانے کا نام ہے۔ جنت کی امید اور جہنم کا خوف۔ جیسے جیسے ایمان ترقی کرتا جائے گا، سکون قلبی بھی ترقی کرتا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے سکون قلبی کا دائمی نسخہ بتا دیا ہے "اطمینان قلب! وہ تو ان ہی کے لئے ہے جو راہ حق پر ہیں، جنہوں نے ایمان پالیا اور جنہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی۔

آپ نے فریق مخالف کو للکارا بھی۔ "بتاؤ، ہم دونوں فریقوں میں کس کو اطمینان قلب کا زیادہ حق پہنچتا ہے۔ تمہارے دل اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ صرف اہل ایمان ہی ہیں۔

آیت نمبر ۸۲ میں لفظ ظلم آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا کہ یہاں پر 'ظلم' سے مراد شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے متعلق فرمایا کہ "یہ تھی ہماری مضبوط دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو اسکی قوم کے مقابلے میں سکھائی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔

رہتی دنیا تک اس طریقہ تبلیغ کو، اس سنت ابراہیمی کو، ہر مبلغ کے لئے قرآن کریم نے اپنے صفحات میں درج کر دیا ہے۔ وہ کون سا مبلغ ہے جو اطمینان قلب سے مسلح ہے۔ جو بادشاہ وقت کے خلاف اللہ کا پیغام لے کر اٹھتا ہے، جو آنے والے خطرات کا

صحیح اندازہ کرتا ہے اور پھر بھی ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے کہ" جاؤ میں تمہارے بنائے ہوئے معبودوں سے نہیں ڈرتا۔ جب تک میرا پروردگار نہ چاہے اس وقت تک مجھ پر کوئی تکلیف نہیں آ سکتی۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے میرے رب کے حکم وارادہ میں ہے"

یقیناً وہ مبلغ نہیں ہے جو پیغام حق سے زیادہ اپنی ناک کو عزیز رکھتا ہے۔ جو صرف بے ضرر اور بے خطر باتیں پیش کرتا ہے کہ شیخ بھی خوش رہے شیطان بھی بیزار نہ ہو، جس کی راہ میں نمرود، ابوجہل اور ابولہب نہیں آتے، جو قرآن پڑھتا ہے اور مثالوں سے کوئی عملی سبق نہیں لیتا۔ اگر تبلیغ حق اور جہاد سے بچ کر جنت کا کوئی اور راستہ ہوتا تو تمام پیغمبر اور ان کے ماننے والے وہی راستہ اختیار کرتے۔ اپنی جان جوکھوں میں ڈالنا کیا ضروری تھا۔ مگر پھر اللہ کے ہاں رتبے کیسے بلند ہوتے۔ آگے کی آیات ان ہی باتوں کی وضاحت کرتی ہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَائِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۖ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

پھر ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد عطا کی اور ان میں سے ہر ایک کو راہ

ہدایت دکھائی۔ وہی راہ ہدایت جو ہم نے ان سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی اور پھر اس کی نسل میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی ہدایت عطا کی۔ اسی طرح ہم بڑھ چڑھ کر کام کرنے والوں کو انعام دیا کرتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور الیاسؑ کو بھی راہ ہدایت دکھائی۔ یہ سب کے سب (اللہ کے) پسندیدہ بندوں میں تھے۔ اور راہ ہدایت اسماعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی دکھائی اور ان سب کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی۔ اور (اتنا ہی نہیں) ہم نے ان کے باپ دادا، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سوں کو نوازا اور انہیں اپنی خدمت کے لئے چن لیا اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستہ پر چلاتا ہے اگر کہیں ان لوگوں نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان کے سارے اعمال برباد ہو کر رہ جاتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

وَهَبْنَا	ہم نے عطا کیا
نَجْزِیْ	ہم بدلہ دیتے ہیں
فَضَّلْنَا	ہم نے بڑائی دی
اِجْتَبَيْنَا	ہم نے منتخب کرلیا۔ چن لیا
حَبِطَ	ضائع ہو گیا

تشریح: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے بھروسے دل کے اطمینان سے مسلح ہو کر شرک کی طاقتوں کے خلاف توحید کا پرچم لے کر جس محنت، قربانی اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انعامات کے علاوہ انہیں پیغمبروں کا جدامجد بنا دیا۔ یہاں پر جن سترہ پیغمبروں کے نام لئے گئے ہیں ان میں ایک حضرت نوحؑ خود حضرت ابراہیمؑ کے جدامجد تھے۔ پیغمبر ہونا، پیغمبر کا باپ دادا وغیرہ ہونا، پیغمبر کا بیٹا (بیٹی) پوتا (پوتی) نواسا (نواسی)، بھانجا (بھانجی)، بھتیجا (بھتیجی) بھائی (بہن) وغیرہ ہونا بڑی نعمت ہے بشرطیکہ وہ خود راہ

ہدایت پر ہوں۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ کی اتنی تعظیم اور تکریم ہر قوم میں پائی جاتی ہے خواہ وہ یہودی ہوں، عیسائی ہوں یا مسلمان ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ عام انسان تو الگ رہے اگر کہیں پیغمبروں میں سے (نعوذ باللہ) کسی نے ذرہ برابر بھی شرک کیا ہوتا تو ان کے نیک کاموں کا اجر ملیامیٹ ہو جاتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مشرک ہزار نیک کام بھی کرے اسے اجر نہیں ملے گا ہاں مشرک کے برے کاموں کی سزا اس کو ضرور مل کر رہے گی۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

ع ۱۰ ۸ ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۸۹ تا ۹۰

یہ لوگ تھے جنہیں ہم نے آسمانی کتاب، حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ لہٰذا (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ اس پیغام حق کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں تو ہم نے بہت سے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کا اقرار کرنے والے ہیں (اے نبی ﷺ) جن انبیاء کا نام لیا گیا ہے وہی اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔ تو آپ بھی ان کی روش پر چلئے آپ کہہ دیجئے میں تم سے پیغام پہنچانے کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ یہ تو دنیا جہان والوں کے لئے عام نصیحت ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۹ تا ۹۰

وَكَّلْنَا	ہم نے سپرد کر دیا
اِقْتَدِهْ	تو اس کی پیروی کر
لَا اَسْئَلُ	میں سوال نہیں کرتا۔ میں نہیں مانگتا
اَجْرٌ	اجرت بدلہ۔ معاوضہ

تشریح: آیت نمبر ۸۹ تا ۹۰

یہاں انبیاء علیہم السلام کو جو نعمتیں عطا کی گئی تھیں ان میں کتاب، حکم اور نبوت کا نام، خاص طور پر لیا گیا ہے۔ کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کا ہدایت نامہ، لکھا لکھایا، تاکہ نسلاً بعد نسل تلاوت اور تعمیل ہوتی رہے۔ دوسرے حکم یعنی اس ہدایت نامہ کا صحیح فہم اور اس صحیح فہم کو انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کی صلاحیت تفصیلات میں قوت فیصلہ، تیسرے نبوت یعنی اللہ کی طرف سے منصب قیادت تحریک۔

فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! آپ کو بھی کتاب، حکم اور نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ آپ بھی ان ہی کے طریقے پر چلئے۔ جنہیں ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اگر یہ کفار و مشرکین پیغام حق کو نہیں مانتے تو صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی حق خدمت نہیں مانگتا نہ میں تمہیں راہ راست پر زبردستی لانے کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں۔ میں تو قرآن مجید پیش کر رہا ہوں۔ جو کھلی ہوئی کتاب ہے جسے ہر شخص پڑھ سکتا ہے اب جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی نہ چاہے وہ نہ مانے۔

آیت ۹۰ آ جانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ ان معاملات میں جس پر وحی نہیں آئی تھی۔ گذشتہ پیغمبروں ہی کے نقش قدم کی پیروی کرتے تھے۔ یہ بات واضح رہے کہ شریعت میں عقائد اور بنیادی احکامات میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں مسائل حیات کی بابت جزئیات میں کہیں کہیں اپنے اپنے زمان و مکان کے مطابق فرق ضرور ہے مگر اس سے نفس پیغام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَ لَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۱ تا ۹۲

اور منکرین نے اللہ کی وہ قدر نہ پہچانی جو اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

آپ ان سے پوچھئے وہ کتاب جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے وہ کس نے نازل کی تھی۔ جس میں لوگوں کے لئے نور بھی تھا اور ہدایت بھی۔ جسے تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ کچھ تو لوگوں کو دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا لیتے ہو۔ وہ کتاب جس نے تمہیں وہ علم دیا تھا جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آبا و اجداد جانتے تھے۔

آپ فرما دیجئے کہ یہ کتاب اللہ نے نازل کی ہے۔ بس آپ ان کو چھوڑ دیجئے تاکہ وہ اپنی ہٹ دھرمیوں سے شوق کرتے رہیں۔

یہ قرآن بھی ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو اس سے پہلے نازل کی گئی ہیں تاکہ آپ ان اہل مکہ اور ان بستی والوں کو جو اس کے اطراف کے رہنے والے ہیں ڈرا دیں اور جو لوگ آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں۔ یہی لوگ نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۱ تا ۹۲

مَا قَدَرُوْ	انہوں نے قدر نہ کی
حَقَّ قَدْرِہٖ	جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا
بَشَرٌ	انسان
قَرَاطِيْسُ	(قِرْطَاسٌ)۔ پرزے پرزے
عُلِّمْتُمْ	تمہیں سکھایا گیا
خَوْضٌ	بے ہودہ مشغلہ

يَلْعَبُوْنَ	وہ کھیلتے ہیں
اُمُّ الْقُرٰى	بستیوں کی ماں (شہر مکہ مکرمہ)
حَوْلٌ	اردگرد۔ آس پاس
يُحَافِظُوْنَ	وہ حفاظت کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۹۱ تا ۹۲

جیسا کہ آج کل بھی بہت سے مستشرقین، خودساختہ محققین اور عاقلین یہ کہتے ہوئے نہیں جھجکتے کہ قرآن خود نبی ﷺ کی تصنیف ہے (نعوذ باللہ) اسی طرح ان دنوں بھی کسی یہودی نے اٹھ کر پکار دیا کہ اللہ کسی بشر پر اپنا کلام نازل نہیں کرتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ قرآن خود نبی ﷺ کی تصنیف ہے۔ جسے وہ اللہ کے نام سے مشہور کر رہے ہیں۔ (ثم نعوذ باللہ)

اس کا جواب آیت ۹۱ میں دیا گیا ہے۔

جس نے یہ کہا اس نے نہیں پہچانا کہ یہ کائنات اپنے تمام ساز وسامان کے ساتھ، اس میں یہ زمین اور اس زمین پر یہ اشرف المخلوقات یعنی انسان۔ یہ سب چیزیں کس لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اس نے نہیں پہچانا کہ اس دنیا میں انسان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے اسے ایک ہدایت نامہ اور ایک تفسیر وتشریح کرنے والے یعنی صاحب قرآن اور نبی ﷺ کی ضرورت پڑیگی۔ اس نے نہیں جانا کہ جس اللہ نے اتنی بڑی خلقت بنائی اور چلائی، جس نے انسان کو خلافت الہیہ کا عظیم ترین فریضہ سپرد کیا، وہ لازماً ہدایت نامہ اور ہدایت کار بھیج کر رہے گا اور انہیں گمراہی میں حیران وسرگرداں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑ دے گا۔ اس ہدایت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے وحی بردار فرشتہ اور وحی بردار نبی کی ضرورت ہوگی۔

جس اللہ نے تمام مادی ضروریات اک اک کر کے فراہم کردی ہیں، آخر کیوں وہ ذہنی، دماغی اور روحانی ضروریات فراہم نہ کرے گا۔ جس شخص نے اتنا بڑا جھوٹ بکا اس نے نہ صرف ہمارے رسول کی توہین کی بلکہ خود خالق کائنات کی بھی توہین کی۔ اس نے اللہ کی قدرت کو نہیں مانا کہ وہ بشر پر اپنا کلام نازل کرسکتا ہے، اس نے فرشتے کو نہیں مانا کہ وہ وحی الٰہی پہنچا سکتا ہے۔ اس نے نبی ﷺ کو نہیں مانا کہ وہ وحی الٰہی وصول کرسکتا ہے، اس نے کار نبوت کو نہیں مانا کہ وہ اس کی تبلیغ کرسکتا ہے۔ اس نے اللہ پر الزام لگایا کہ اس نے جھوٹے نبی کو بھیجا اور حضور پر نور ﷺ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنی تصنیف کو اللہ کی تصنیف بتا کر پیش کر رہے ہیں (ثم نعوذ باللہ)۔ وہ اللہ کا بھی منکر ہے، قرآن کا بھی منکر ہے اور نبی ﷺ کا بھی منکر ہے اور فرشتے کا بھی منکر ہے۔

اس آیت میں اس بات کو واضح طور سے فرمادیا گیا کہ یہودی ہو کر یہ تو مانتے ہیں کہ ان کے نبی حضرت موسیٰؑ پر ایک کتاب توریت نازل ہوئی تھی جو دل کے لئے روشنی تھی اور ہاتھ پاؤں کے لئے رہنمائی۔ فرمایا جارہا ہے کہ آج بھی یہودیوں کے پیشواؤں کے پاس توریت موجود ہے۔ جس کے اوراق انہوں نے الگ الگ کررکھے ہیں تاکہ عوام کو صرف وہ اوراق دکھاسکیں جن سے ان کی پیشوائی کا کاروبار مجروح نہ ہوتا ہو، اور وہ سارے اوراق چھپالیں جو ان کے مفاد کی پرورش نہیں کرتے۔ یہ تمہارے پیشوا نسلاً بعد نسل توریت کو سنبھال کر کیوں رکھے ہوئے ہیں کیونکہ یہ کتاب وہ علم دیتی ہے جو کسی اور ذریعہ سے انہیں حاصل نہیں ہوسکتا تھا اور جس کی بدولت وہ عالم اور فاضل بنے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ تمہارے نبی حضرت موسیٰؑ پر توریت اتری تھی یا نہیں۔ وہ ضرور کہیں گے کہ ہاں۔ پوچھئے کہ وہ کار نبوت انجام دیتے تھے یا نہیں؟ وہ ضرور کہیں گے کہ ہاں۔ پھر کہیئے کہ اسی طرح قرآن ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نبی بھی تھے اور بشر بھی۔ اسی طرح میں نبی بھی ہوں اور بشر بھی۔

حضور ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہ جواب دے کر آپ بحث میں مت الجھئے۔ ظاہر ہے کہ جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں وہ اپنی انا کی خاطر کچھ نہ کچھ دماغ تراشی ضرور دکھائیں گے۔ فرمایا جارہا ہے کہ آپ انہیں اپنا شوق پورا کرنے دیجئے۔ یہ بات کچھ ان ہی دنوں محدود نہ تھی۔ آج بھی چین، روس، امریکہ، کے سائنسدان اور مفکرین انکار نبوت پر بلکہ انکار الٰہیت پر اپنا ذہنی شوق پورا کر رہے ہیں۔ مغربی سائنس انکار کا ہم معنی بن کر رہ گئی ہے۔

گذشتہ دنوں پاکستان کے ایک چوٹی کے سائنسدان کا مضمون اخبار میں چھپا تھا کہ فرشتہ کوئی چیز نہیں ہے۔ میں فرشتہ کو نہیں مانتا جب اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے آں جہانی باپ کی روح کون لے گیا تو وہ چوٹی کا سائنسداں اس کا جواب نہ دے سکا۔

حضور ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے زبور، توریت اور انجیل تھیں۔ اب آپ اس قرآن کو تمام دنیا میں پھیلائیے مگر شروع کیجئے مکہ مکرمہ سے۔ یہ قرآن اگلے آسمانی صحیفوں کی بھی تصدیق کرتا ہے چنانچہ کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ جس کتاب کو چاہا مانا اور جس کو چاہا نہ مانا۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ اس بات کے ثبوت میں کہ بشر کو نبی بنا کر اس پر کلام الٰہی نازل ہوا ہے، چار شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی توریت کی مثال جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی جنہیں تمام بنی اسرائیل والے مانتے ہیں۔ دوسرے توریت اور قرآن ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ اصل الاصول اور مبادیات میں کوئی فرق نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ توریت کو مانا جائے اور قرآن کو نہ مانا جائے۔ تیسرے یہ کہ یہ کتاب بڑی خیر و برکت والی ہے یہ اہل تقویٰ کے لئے سراسر ہدایت ہے۔ چوتھے اس کتاب کا مقصد بھی وہی ہے جو دوسری آسمانی کتابوں کا رہا ہے۔ یعنی لوگوں کو آخرت سمجھانا، چونکانا اور ہوشیار کرنا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۳

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑتا ہے یا دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے جب کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو یا وہ دعویٰ کرے کہ میں بھی نازل شدہ وحی کی طرح اپنی نازل شدہ چیز پیش کرسکوں گا۔

اے نبی ﷺ! کاش اپنے آپ پر ظلم کرنے والے لوگوں کو آپ اس حالت میں دیکھ سکتے جبکہ وہ موت کی سختیوں میں پڑے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر انہیں ڈانٹ رہے ہوں گے کہ چلو ادھر نکالو اپنی جان۔ آج تمہیں اس ناحق بکواس کے عوض جو تم اللہ پر تہمت دھرا کرتے تھے۔ اور اس کی آیات کے مقابلے میں بڑی رعونت دکھایا کرتے تھے ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۳

اُوْحِیَ — وحی کی گئی

سَاُنْزِلُ — بہت جلد اتاروں گا

غَمَراتُ الْمَوْتِ — (غَمْرَة)۔ موت کی سختیاں

بَاسِطُوْا	کھولنے والے۔ پھیلانے والے
اَخْرِجُوْا	نکالو
تُجْزَوْنَ	تم بدلہ دیئے جاؤ گے
اَلْهُوْنِ	ذلت
تَسْتَكْبِرُوْنَ	تم تکبر کرتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۹۳

کفر جب شدید ہو جائے تو کتنی شکلیں اختیار کر سکتا ہے (۱) یہ کہنا کہ اللہ اپنا کلام بشر پر نازل نہیں کرتا خواہ وہ نبی ہو (۲) یہ دعویٰ کرنا کہ میں نبی ہوں جبکہ وہ نبی نہ ہو (۳) یہ دعویٰ کرنا کہ میں بھی قرآن جیسی کتاب تصنیف کر سکتا ہوں۔ پہلی قسم پر تو بحث ہو چکی۔ رہی دوسری اور تیسری قسم۔ تو قرآن کی یہ آیت خبردار کر رہی ہے کہ ایسے شدید کفار بھی دور نہیں۔ حضور ﷺ کے وصال کے وقت جھوٹے مدعیان نبوت بڑے زور شور سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر جھوٹا نبی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ قرآن جیسی کتاب میں بھی پیش کر سکتا ہوں۔ مسلیمہ، نضر، عبداللہ وغیرہ اسی قسم کے کفار تھے۔

وہ عذاب جو انہیں موت کے بعد ملے گا وہ اپنی جگہ پر ہے۔ یہاں پر ذکر اس عذاب کا ہے جو انہیں سکرات موت کے وقت ہوگا موت کے فرشتے زور اور زبردستی سے ان کی روحیں قبض کریں گے ڈانٹ ڈانٹ کر کہیں گے کہ اب چلو اس عظیم عذاب کی طرف جو تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم نے جو اللہ کے مقابلے میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی اس کی پوری پوری سزا دی جائیگی۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴

اور ہم کہیں گے کہ تم ہمارے پاس ویسے ہی اکیلے تن تنہا آ گئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ سارا ساز وسامان بھی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو ہم نے تمہیں دیا تھا۔ اور (کیا بات ہے کہ) ہم تمہارے ساتھ ان سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کا تمہیں گھمنڈ تھا کہ تمہارے کام بنانے میں (میرے ساتھ) ان کا بھی ساجھا ہے۔ اب نہ تم ان کے ساتھ نہ وہ تمہارے ساتھ۔ وہ بے یار ومددگار چھوڑ گئے جن پر تم ناز کیا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۴

فُرَادٰی	تنہا
تَرَکْتُمْ	تم نے چھوڑا
خَوَّلْنَا	ہم نے دیا
وَرَآءَ	پیچھے
ظُهُوْرٌ	(ظَهر)۔ پیٹھ
شُفَعَآءُ	(شَفِیْعٌ)۔ سفارشی
زَعَمْتُمْ	تم نے گھمنڈ کیا
تَزْعُمُوْنَ	تم دعویٰ کرتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۹۴

یہ قیامت کے مناظر میں سے ایک ہے جب مشرکین اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اللہ فرمائے گا کہ آج تم اکیلے تن تنہا آئے ہو بالکل جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ نہ آج تمہارا زرق برق لباس ہے۔ نہ وہ عمارتیں سواریاں حشم وخدم، نہ وہ دولت نہ وہ شوکت جن کے بل بوتے پر تمہاری گردن اکڑی رہا کرتی تھی۔ اور تم ہماری آیات پر بحث وتکرار کا طوفان اٹھادیا کرتے تھے۔ آج تم خالی ہاتھ ہو کچھ ساتھ نہ لاسکے۔

اور کہاں ہیں آج وہ جھوٹے معبود جنہیں تم اختیارات میں ہمارا شریک سمجھتے تھے جن پر تمہیں گھمنڈ تھا کہ سفارش کر کے تمہیں میری سزا سے بچالیں گے۔ جنہیں تم پوجتے تھے گویا وہ بھی تمہیں پیدا کرنے میں زندہ رکھنے میں، موت اور قبر و قیامت میں کچھ دخل رکھتے ہیں۔ لاؤ دکھاؤ کہاں ہیں وہ؟ کل جن پر تم ناز کرتے تھے آج وہ کہاں گئے تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "ہر وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بندگی کو پسند کیا اس کا حشر اپنی بندگی کرنے والوں کے ساتھ ہی ہوگا" اس سے مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ وہ ہستیاں جنہوں نے اپنی بندگی کرائی، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لیکن وہ ہستیاں جنہوں نے اپنی بندگی نہیں کرائی اور اس سلسلہ میں بے گناہ ہیں اگرچہ کچھ لوگ اپنی طرف سے بلا اجازت ان کی پرستش کرتے رہے۔ (جیسے حضرت عیسیٰؑ) وہ بے قصور ٹھہرائے جائیں گے کیونکہ وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۵ تا ۹۸

بے شک اللہ وہ ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھوڑ کر نکالتا ہے، جو بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے پھر تم کیوں بہکے جا رہے ہو؟ وہی (پردہ ظلمات سے) مسلسل صبح پر صبح نکالنے والا ہے۔ اسی نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی

ہے۔اسی نے سورج اور چاند کو ایک حساب سے مقرر کر دیا ہے۔اس نظام کا بنانے اور چلانے والا وہی ہے جو تمام طاقت اور تمام علم رکھتا ہے۔وہی ہے جس نے ستاروں کو چراغ راہ بنایا تا کہ تم زمین اور سمندر کی لق ودق پہنائیوں میں راستہ پاسکو۔علم والوں کیلئے ہم نے وضاحت سے اپنی نشانیاں بیان کر دی ہیں اور وہی ہے جس نے تم سب کو ایک شخص واحد سے پیدا کیا۔پھر تمہاری زندگی اور تمہاری موت کی جگہ طے کر دی ہے۔بے شک سوچنے سمجھنے والوں کے لئے ہم نے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۵ تا ۹۸

فَالِقٌ	تنہا
اَلْحَبُّ	تم نے چھوڑا
اَلنَّوٰی	ہم نے دیا
اَلْحَیُّ	زندہ
اَلْمَیِّتُ	مردہ
اَلْاِصْبَاحُ	صبح
سَکَنَ	سکون
تَقْدِیْرٌ	اندازہ
اَلنُّجُوْمُ	(نَجم)۔ستارہ
مُسْتَوْدَعٌ	سپرد کرنے کی جگہ

تشریح: آیت نمبر ۹۵ تا ۹۸

ان آیات میں اور ان کے بعد آنے والی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو مٹانے کے لئے انسان کو بصارت اور بصیرت کی دعوت دی ہے۔وہ معاملات فطرت جو دن رات مستقل طور پر ہوتے رہتے ہیں،عموماً انسان انہیں نظر انداز کر جاتا ہے۔

اگر دیکھتا بھی ہے تو صرف ظاہر کو۔ اگر متاثر ہوتا ہے تو ان کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ ان مظاہر فطرت کے پیچھے حقیقی خالق و مالک کون ہے۔؟

عام طور پر جو چیزیں پوجی جاتی ہیں وہ ہیں غذائی نباتات اور کائنات کی چھوٹی بڑی چیزیں یعنی غلہ اور پھل، سورج، چاند ستارے اور باپ ماں اولاد اور مردے۔ ہندوستان میں تلسی، سورج مکھی، کنول، کٹھل، برگد وغیرہ بھی عام طور پر پوجے جاتے ہیں کفر کا کون سا مذہب ہے جس میں چاند سورج اور ستاروں کو دیوتا اور دیوی قرار نہ دیا گیا ہو یہاں تک کہ قدیم ایران، ہندوستان، چین، قدیم مصر وغیرہ میں تو بادشاہوں کو سورج کا بیٹا یا چاند کا بیٹا تک کہا جاتا تھا اور ان کی پوجا ہوتی تھی۔ ہندوؤں میں تری مورتی کا تیسرا ممبر دیوتا وشنو ہے جو تناسل اور پیدائش کا قلم دان رکھتا ہے۔ اس لئے والدین اور اولاد کی بھی پوجا ہوتی ہے۔ اگرچہ ہندوؤں میں، یونانیوں میں، آتش پرستوں وغیرہ میں موت کا دیوتا ہے لیکن مردہ پرستی کا جو ریکارڈ چین کے بدھ مذہب، کنفیوشس مذہب اور تاؤ مذہب نے قائم کیا ہے وہ تو حیرت ناک ہے شاید کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ زمین کی گہرائیوں میں حقیر دانہ تخم کو یہ صلاحیت عطا کرنا کہ زمین کو پھاڑ کر کونپل نکالے، گٹھلیوں کو پھاڑ کر اندر سے سر نکالے اور پھر رفتہ رفتہ کھیت اور باغ بنا دے۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک ہر ہر منزل پر وہ دانہ اللہ تعالیٰ کے اشارے کا محتاج ہے۔ اسی کے حکم سے وہ پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، پھلتا اور پھولتا ہے ان بے حقیقت چیزوں کو پوجنے والوں سے فرمایا گیا ہے کہ تم گھاس پھوس پتے، پھل، پھول، اور درخت کی پوجا کر رہے ہو۔ تمہیں تو اس طاقت کی عبادت کرنی چاہئے جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔

وہی اللہ ہے جو اپنی قدرت اور حکمت سے جاندار مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے اور بے جان انڈے سے جاندار مرغی، یہ جتنے انسان چرندے پرندے درندے جیتے، جاگتے، چلتے، پھرتے نظر آ رہے ہیں ابتدائی منزل میں بے جان نطفہ تھے اور آئندہ جتنے جاندار آئیں گے بے جان نطفوں سے آئیں گے زمین پر اور پانی میں یہی اصول کام کر رہا ہے۔ کسی جاندار یا بے جان میں طاقت نہیں ہے کہ وہ اولاد پیدا کرے۔ اس سلسلہ تناسل کے پیچھے صرف ایک اللہ ہی کی طاقت اور حکمت کارفرما ہے۔

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور قائم رہے گی۔ روشنی، اندھیرا، دن رات، سورج، چاند اور ستاروں کا ایک خاص نظام الاوقات ہے اور ان کے راستوں میں وہ پابندی ہے جو زندگی کو ممکن بلکہ مزیدار بناتی ہے۔ اگر کبھی ذرا سا بال برابر فرق ہو جائے تو دنیا کا نظام بگڑ جائے۔ یہ ستارے کچھ روشنی تو زیادہ نہیں دیتے لیکن یہ سمندروں اور صحراؤں میں جب کہ انسان بھٹک جاتا ہے کہ کدھر جاؤں اور کدھر نہ جاؤں اس وقت یہ راستہ بتاتے ہیں۔ یہ سارا نظام فلک کون چلا رہا ہے؟

یہاں پر روشنی اور اندھیرے دن اور رات کا تذکرہ آیا ہے یہ اسکیم کس نے بنائی اور عمل کس نے کیا۔ جس طرح کام کے

لئے دن ضروری ہے اسی طرح آرام کیلئے رات ضروری ہے۔ یہ ان کا باقاعدہ آنا اور جانا، صحیح مدت کے لئے آنا اور صحیح مدت کے لئے جانا، صحیح درجہ حرارت بڑھانا اور گھٹانا تاکہ نہ صرف زندگی چلے، بلکہ کام بھی ہوتا رہے۔ اور ساتھ ساتھ آرام بھی ہوتا رہے۔ یہ کس کی قدرت، حکمت اور رحمت ہے؟۔

کیا یہ اللہ کی حکمت نہیں ہے کہ ایک ہی جوڑے آدمؑ وحوا سے اتنے اربوں اور کھربوں انسان بنادئے اور وہ بنتے ہی چلے جارہے ہیں۔ اور جس طرح پیدائش اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح موت بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح اس نے اک اک شخص کی پیدائش کا وقت اور مقام مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح اس نے اک اک شخص کی روزی کا وقت اور مقام بھی اور پھر موت کا وقت اور مقام بھی مقرر کر رکھا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو فوراً یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائیگی کہ ان سارے اور دوسرے کاموں میں اللہ کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن ان سچائیوں کے باوجود بھی انسان بہک کر دوسرے جھوٹے معبودوں کی طرف لپکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾

ع ١٢ ٦ ١٨

ترجمہ: آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۲

اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کے نباتات اگائے اور ہرے بھرے کھیت اور باغات پیدا کئے۔ پھر ان میں سے (خوشے اور) پھل جو باہم اوپر تلے گتھے ہوئے ہوتے ہیں اور کھجور کے گابھے پھلوں کے جھکے ہوئے گچھوں والے جو لٹکے ہوئے ہیں اور اسی سے انگوروں اور زیتون اور اناروں کے باغات پیدا کئے۔ جن کے پھل باہم ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر باہم مختلف بھی۔

ان درختوں کے پھلوں کو پھر ان کے پھلنے پھولنے کی کیفیتوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھو۔ ان میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اور یہ لوگ جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ اللہ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ مارے جہالت کے اس کے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کا افسانہ گھڑتے ہیں۔ وہ تو اس سے پاک ہے اور ان کی تمام افسانہ تراشیوں سے بلند و بالا ہے۔ وہ تو تمام آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جب اس کا جوڑا ہی نہیں پھر اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟

وہی تو ہے جس نے تمام چیزیں بنائی ہیں اور ہر چیز کا اسکو مکمل علم حاصل ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے تم اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۲

نَبَاتَ — سرسبزی۔ نباتات

خَضِرًا — سبز چیز

مُتَرَاكِبٌ — تہہ در تہہ۔ ایک پر ایک چڑھا ہوا

النَّخْلُ	کھجور
طَلْعٌ	گچھا۔گابھا
قِنْوَانٌ	خوشے
دَانِيَةٌ	نیچے جھکے ہوئے
اَعْنَابٌ	(عِنَب)۔انگور
الرُّمَّانُ	انار
مُشْتَبِهٌ	ایک دوسرے سے ملتے جلتے
ثَمَرٌ	پھل۔نتیجہ
يَنْعِهٖ	اس کا پکنا
خَرَقُوْا	انہوں نے گھڑ رکھے ہیں
بَنِيْنَ	(اِبْن)۔بیٹے
بَنٰتٌ	(بنت)۔بیٹیاں
سُبْحَانَهٗ	اس کی ذات پاک ہے۔وہ بے عیب ہے
يَصِفُوْنَ	وہ بیان کرتے ہیں
بَدِيْعُ	نیا نکالنے والا۔پیدا کرنے والا
وَلَدٌ	بیٹا
صَاحِبَةٌ	بیوی
ذٰلِكُمْ	یہی۔ان ہی میں
خَالِقٌ	پیدا کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۲

مختلف زاویوں سے ان آیات کے مطالب لئے جاسکتے ہیں مگر ایک بات واضح ہے۔ اس میں ان مذاہب کے اعتقاد کی تردید ہے جن میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں بتوں کی دیو مالا مرتب کر دی گئی ہے۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے کوئی دریا کا، کوئی دولت کا، کوئی جنگ میں جیتنے کا، کوئی اولاد عطا کرنے کا، کوئی ہوا کا، کوئی روشنی کا، کوئی پانی کا، کوئی صحت وغیرہ کا۔ کہنا یہ ہے کہ اللہ ہی آسمان کا بھی خالق ہے، بارش کا بھی، نباتات کا بھی، موسم بہار کا بھی اور ہر چیز کا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر علم وفہم رکھنے والے کو اس طرف دعوت دی ہے کہ صرف بارش برسانے میں کتنی چیزوں کی ضرورت ہے۔ بخارات اور بھاپ بنانے اور اٹھانے کے لئے سمندر کی، سورج کی، ہواؤں کی، فضاؤں کی پھر بادل بنانے کی طاقتوں کی، پانی کے قطرے پکڑے رکھنے کی طاقتوں کی، پھر قطرے قطرے برسانے کی، پھر نیچے مٹی کی، دریاؤں کی کہ انہیں واپس سمندر میں پہنچا دیا جائے۔ اور پھر یہ فیصلہ کہ کہاں بارش ہوتی ہے، کتنی ہوتی ہے اور کیسی ہوتی ہے۔

ایک پھل کو دیکھئے۔ بیج سے پھل بننے تک اسے کتنی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر ہر منزل پر اس کی خبر گیری کس نے کی ہے۔ ایک ہی مٹی، ایک ہی پانی، ایک ہی گرمی، ایک ہی سردی مگر پھل مختلف۔ کوئی انگور کوئی زیتون کوئی انار۔ اور پھر ایک ہی درخت کے اناروں کو دیکھئے تو رنگ مختلف، مزہ مختلف، وزن مختلف، بظاہر سب یکساں۔ اتنے قسم قسم کے پھل، اتنے مزے، اتنے رنگ۔ اتنے طبی اور کیمیاوی فائدے۔

غضب تو یہ تھا کہ شرک کرنے والوں نے اپنے بنائے ہوئے اصنام میں محکمہ جات بھی تقسیم کرنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر نئے نئے افسانے تراشے۔ انہوں نے اللہ کی ذات میں بھی بیوی بچے لگا دیئے۔ یہ جو عظیم الشان قدرتیں دیکھیں تو سمجھ لیا یہ سب جنوں کا کرتب ہے۔ چنانچہ جنوں کو بھی اللہ کی ذات اور صفات اور الوہیت میں حصہ دے ڈالا۔ لیکن اللہ ان سب واہیات و خرافات سے پاک ہے۔

وہی رب العالمین ہے۔ وہی لاشریک لہ۔ وہی ہر ایک کی ضرورت پوری کرتا رہا ہے اور پوری کرتا رہے گا۔ چنانچہ معبود ہونے کا حق صرف اسی کو ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۴

نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں مگر وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ باریک سے باریک شئے کو دیکھتا ہے اور ذرہ ذرہ کی خبر رکھتا ہے۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دیکھنے اور بوجھنے کی نشانیاں آگئیں۔ تو جس نے ان نشانیوں کو دیکھا اور بوجھا تو اپنے ہی فائدے کے لئے۔ اور جو اندھا رہا تو ذمہ داری اسی پر ہے (اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے) کہ میں تم پر کوئی نگراں نہیں ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۴

لَا تُدْرِکُ	نہیں پاسکتی
اَلْاَبْصَارُ	آنکھیں
یُدْرِکُ	وہ پالیتا ہے
بَصَائِرُ	(بَصِیْرَۃ)۔ نشانیاں
عَمِیَ	جو اندھا بن گیا
حَفِیْظٌ	نگراں۔ نگہبان۔ دیکھ بھال کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۴

تمام مخلوق کی نگاہیں مل کر، تمام خوردبین اور دوربین مل کر بھی اگر کوشش کریں تب بھی وہ نظر نہیں آسکتا۔ ''اے برتر از گمان و قیاس و خیال و وہم''۔ تمام آنکھوں کی مجموعی طاقتوں سے بھی وہ اتنا عظیم ہے، یا اتنا مخفی ہے، یا اتنا غیر مرئی ہے، یا اتنا غیر محسوس ہے، یا اتنا نزدیک یا دور ہے، یا اتنا بلند ہے یا اتنا عمیق ہے کہ اس کو آنکھیں پا نہیں سکتیں۔ آنکھیں صرف ٹھوس یا سیال یا ایک خاص کیفیت کی اشیاء کو پاسکتی ہیں اور وہ بھی ایک خاص فاصلہ پر۔ نہ بہت زیادہ قریب نہ بہت زیادہ دور اور وہ ان سب حدبندیوں سے ورے ہی ورے ہے۔

یہاں پر لفظ ''ادراک'' بھی آتا ہے۔ یعنی محض دیکھ لینا ہی شرط نہیں ہے بلکہ سمجھ لینا بھی شرط ہے کہ یہ کیا ہے کس حالت میں ہے اس کے نقشے کیا ہیں۔ وہ دیکھنا ہی کیا جس سے پردۂ دماغ پر تصویر نہ بنے خواہ ہزار مبہم ہی سہی۔ نگاہیں ٹہر نہیں سکتیں، فوکس ڈال نہیں سکتیں گرفت میں لا نہیں سکتیں چونکہ اس کا جسم نہیں، وہ کسی ایک جگہ ٹھہرا ہوا یا چلتا ہوا نہیں، وہ محدود نہیں۔ اور جب بصارت اس کے آگے ہار ہار جاتی ہے تو ادراک، اس کو دیکھنا اور آنکھوں کی طاقت سے سمجھنا ناممکن ہے۔

بے شک قیامت کے دن اللہ نظر آئے گا مگر صرف اس کا ایک خفیف رخ۔ اس وقت بھی ساری مخلوقات کی نگاہیں مل کر اس کا سراپا نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے جمال وجلال کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ صرف ایک جلوہ نظر آئے گا۔ دنیا میں حضرت موسیٰ ایک ہی تجلی میں بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ آخرت میں لوگ بے ہوش نہ ہوں گے چونکہ انہیں اتنی طاقت عطا کی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا جہان کے سارے انسان اور جنات اور فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ اپنی نگاہوں سے نہیں کر سکتے (روایت ابوسعید خدریؓ)

خالق کی ذات وصفات لامحدود ہیں۔ مخلوقات کی بصارت، بصیرت، حواس اور قوت ادراک سب محدود ہیں۔ بھلا محدود میں لامحدود کیوں کر سما سکتا ہے۔

تمام عقلا، علماء اور صوفیا کا متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ اس فانی زندگی میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ وادراک ناممکن ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کو جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا تو پھر ہم جیسوں کی کیا مجال ہے۔ رسول کریم ﷺ کو معراج کے موقع پر جو زیارت نصیب ہوئی اس کا تعلق اس دنیا سے نہ تھا۔ اور ہمارا ذہن وفکر اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آپ نے اللہ کے نور کا کس حد تک مشاہدہ فرمایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں'' اس کا تعلق صرف اسی دنیا سے ہے۔ کیونکہ خود قرآن ایک جگہ کہتا ہے ''قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے۔''

یہ بشارت صرف اہل ایمان کے لئے ہے۔ کیونکہ قرآن ایک جگہ کہتا ہے ''کفار اس دن اپنے رب کی زیارت سے محروم ہوں گے۔''

مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی زیارت عرصہ محشر میں بھی ہوگی اور جنت پہنچ کر وہاں بھی۔ اہلِ جنت کے لئے ساری نعمتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیبؓ کی روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب اہلِ ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جو نعمتیں تمہیں جنت میں مل چکی ہیں ان سے زائد اور کچھ چاہیئے تو بتاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں۔ یہ لوگ عرض کریں گے یا اللہ آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا اس سے زیادہ ہم اور کیا چاہ سکتے ہیں۔ اس وقت حجاب درمیان سے اٹھادیا جائے گا اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور یہ نعمت جنت کی تمام دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔"

صحیح بخاری میں اک حدیث ہے کہ حضور پرنور ﷺ ایک رات چاندنی میں اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے چاند کی طرف نظر کی اور فرمایا تم اپنے رب کو اسی طرح کھلی آنکھوں سے دیکھو گے جس طرح اس وقت اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔"

حضرت ابن عمرؓ کی اک روایت ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائے گا ان کو ہر صبح وشام دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

مختصر یہ کہ اس دنیا میں اللہ کا نظارا ناممکن ہے۔ آخرت میں بھی اتنا ہی کچھ نظر آئے گا جتنی اجازت ہوگی۔ بصارت اور قوت ادراک دونوں اجازت کی حد سے ایک قدم آگے نہ بڑھ سکیں گی۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۷

ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ جاہل و نادان لوگ کہنے لگیں کہ آپ نے یہ باتیں کس سے پڑھی ہیں؟ اور دانش منداس سے روشنی حاصل کریں۔ (اے نبی ﷺ!) آپ اس کی اطاعت کرتے رہیں جو وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف آتی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور شرک کرنے والوں کی طرف دھیان نہ دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔ نہ تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنایا ہے اور نہ آپ ان پر کارساز (مختار) ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۵تا۱۰۷

دَرَسْتَ تونے (کسی سے) پڑھا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۷

توحید ورسالت پرواضح دلائل پچھلی آیات میں پیش کیے گئے۔ ان میں بصارت اور بصیرت دونوں کو جھنجوڑا گیا جس کے نتیجے میں لوگوں کی دو واضح قسمیں سامنے آئیں۔ ایک وہ جو دین اسلام سے متاثر ہوئے اور کفر وشرک چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن وہ ضدی ہٹ دھرم برخود غلط طبقہ جسے نہ ماننا تھا نہ مانا اور نہ ماننے کا جو بہانہ ڈھونڈا وہ بھی بھونڈا یعنی اے نبی ﷺ! یہ قرآن جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ یہ وحی الٰہی نہیں ہے۔ یہ تو آپ ﷺ کسی سے سن کر اور سیکھ کر لائے ہیں، اور ہم لوگوں پر رعب ڈال رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

مگر وہ یہ بتانے سے معذور رہے کہ وہ کون سنانے والا اور سکھانے والا ہے۔ اگر کوئی ایسا ہے تو پھر کس نے دوسرے لوگوں کو روکا ہے کہ وہ بھی جا کر سنیں اور سیکھیں۔ سنانے اور سکھانے کا شبہ ایک یا دو یہودیوں پر کیا گیا مگر وہ جلد ہی مر گئے۔ پھر بھی حضور ﷺ کی زبان مبارک پر وحی کا سلسلہ قائم رہا اور اسی آن بان شان سے۔ اس کے بعد حضور ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور وہاں بھی وحی کا سلسلہ قائم رہا اور اسی اہتمام سے۔ اس طرح اس شبہ کی بنیاد ہی نہ رہی۔ مگر جنہیں ضد پر اٹل رہنا تھا وہ پھر بھی سیدھے نہ ہوئے۔

ان آنکھ والوں اور عقل والوں نے دیکھا نہ سمجھا کہ یہ وہ ہدایت کا سامان ہے، یہ وہ غیب اور مشاہدہ کی باتیں ہیں جنہیں آج تک کوئی فلاسفر سقراط بقراط پیش نہ کر سکا۔ اور ایک امّی محض کی زبان سے۔ وہ جس نے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی اس قسم کا کلام پیش نہ کیا تھا۔ ایسا فصیح و بلیغ کلام جس میں قیامت تک آنے والے جن و بشر کو بار بار چیلنج کیا گیا کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسا کلام لے آئیں۔ اور اس دوبارہ چیلنج کے ساتھ کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہ کر سکو گے۔ اور واقعی وہ ایسا نہ کر سکے۔ مگر جو بدنصیب تھا وہ بدنصیب ازلی رہا۔

قرآن کا خطاب اب نبی ﷺ کی طرف پلٹتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ماننے والے اپنے طور پر وحی الٰہی کی

پیروی کرتے رہیں۔ آپ ﷺ توحید کا پیغام سناتے رہیں۔ یہاں تک کہ مومن ہونے والے مومن ہو جائیں گے اور کافر و مشرک رہنے والے کافر و مشرک ہی رہیں گے۔ آپ ﷺ تو محض ایک پیغام بر ہیں۔ آپ داروغہ بنا کر مسلط نہیں کر دیئے گئے ہیں کہ زبردستی سب کو مومن بناتے پھریں۔ ان کے اعمال کا حساب آپ ﷺ سے نہیں لیا جائے گا۔

ان آیات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر اللہ چاہتا تو تکوینی طور پر سب کو مومن بنا دیتا۔ نہ رسول کی ضرورت ہوتی نہ قرآن کی۔ نہ قیامت کی نہ پل صراط کی۔ نہ جنت کی نہ جہنم کی۔ ایک مشینی میکانیکی عمل ہوتا جس طرح جانوروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر قلب و ذہن کا امتحان کس طرح ہوتا اور ابلیس کی ضرورت کیا پڑتی۔ پھر کون رسالت پر ایمان لاتا یا نہ لاتا۔ پھر کون توحید کو پکڑتا اور کون گمراہی کو۔ اگر سب کو کن فیکون کے تحت پیدائشی مستحکم مومن بنا دیا جاتا تو پھر اس سارے تکلف و اہتمام کی تکلیف کیوں مول لی جاتی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۸

اور (اے ایمان والو!) ان کو گالی نہ دو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مارے جہالت کے یہ لوگ جواباً اللہ کی شان میں حد سے گذر کر بے ادبی کرنے لگ جائیں۔ دیکھو اسی طرح ہم نے ہر فرقے کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس ہی واپس پہنچنا ہے۔ تب وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۸

لَا تَسُبُّوْا — تم گالیاں نہ دو۔ کسی کو برا نہ کہو

عَدْوً	بے ادبی۔ دشمنی
زَيَّنَّا	ہم نے خوبصورت بنا دیا

تشریح: آیت نمبر ۱۰۸

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے سرداروں کا ایک وفد ابو طالب کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ حضور ﷺ بھی تشریف لائے۔ وفد نے ابو طالب سے کہا یہ آپ کے بھتیجے ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں۔ انہیں سمجھائیے۔ ورنہ ہم ان کو اور اس ہستی کو بھی جس کا رسول یہ اپنے آپ کو بتاتے ہیں جواباً برا بھلا کہنے لگیں گے۔

ابو طالب نے سمجھایا کہ بھتیجے! تم کیوں بتوں پر تنقید کرتے ہو۔ کیوں اس قوم کی دشمنی مول لیتے ہو؟ یہ لوگ تمہیں دولت اور بادشاہت دینے کو تیار ہیں۔

آپ نے جو کچھ جواب میں فرمایا اس کا ماحصل یہ ہے کہ میرا کلمہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اس کلمہ سے باز نہیں آؤنگا۔

وفد بپھر گیا اور واپس چلا گیا۔ ایک تلخ فضا پیدا ہوگئی تھی اور ممکن تھا کہ مومنوں اور مشرکوں کے درمیان گالیوں کا تبادلہ شروع ہو جاتا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ کی بلندی تمیز و شرافت سے تو یہ امید نہیں ہے کہ زبان پر گالی لاتے۔ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کبھی گالی نہیں دی۔ ہاں یہ خطرہ عام مسلمانوں سے تھا۔ اس لئے آیت کا رخ نبی کی طرف نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کی طرف ہے۔

اس آیت سے چند اصولی مسائل نکل آئے ہیں مثلاً

(۱) گالی اور تنقید میں کیا فرق ہے۔ گالی مبالغہ ہے، جوش انتقام، دشمنی، نفرت وغیرہ کی بدولت ہے۔ ادب تمیز شرافت کی سرحد سے آگے ہے۔ اس کا مقصد دل کا بخار نکالنا ہے اور بس۔

لیکن تنقید حقیقت کو پیش کرتی ہے (مگر تنقید کی بھی حدیں مقرر ہیں)۔ اس کا مقصد تعمیری اور اصلاحی ہے۔ اس کے الفاظ نپے تلے ہوتے ہیں۔ تنقید شوق کے تحت نہیں بلکہ ضرورت کے تحت ہے۔ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم میں لفظ رجیم گالی نہیں ہے۔ تنقید ہے۔ حقیقت واقعہ ہے۔

(۲) اگر کوئی کام اپنی ذات میں نہ صرف جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہے مگر اس کے کرنے سے فتنہ اٹھنے کا احتمال ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کام کے کرنے سے زیادہ بھلائی اور کم برائی ہے یا زیادہ برائی اور کم بھلائی۔ اگر زیادہ برائی اور کم بھلائی کا احتمال ہے تو اس کام کو چھوڑ دینا چاہیئے یا اس وقت چھوڑ دینا چاہیئے۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" یعنی مصلحت کے تحت سچ بات کو چھپانا یا نرم کر دینا بہتر ہے اس بے کھٹکے راست گفتاری سے جو فتنہ اٹھا دے۔

(۳) لیکن اگر مسئلہ ہے شعائر اسلام کا یعنی اللہ، رسول، عبادت، قرآن، حدیث فقہ، تاریخ، تعلیم اور تہذیب۔ تو فرائض بہر حال انجام دیئے جائیں گے اور اسلام کے لئے تبلیغ بھی ہوگی سیاست بھی ہوگی اور حسب ضرورت جہاد فی سبیل اللہ بھی ہوگا۔ لیکن عقل و تدبر کا تقاضا ہے کہ فتنہ کم سے کم اٹھے۔ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی سلامت رہے اور مخالف کو گالیاں دے کر دل کی بھڑاس نہ نکالی جائے۔

فتنہ کے ڈر سے صرف وہی کام چھوڑا جا سکتا ہے جو شعائر اسلام میں سے نہیں ہے یا جو ملی ضرورت نہیں ہے۔ شعائر اسلام کی عظمت کرنے سے اگر فتنہ پیدا ہو جائے یا احتمال ہو تو اس کا علاج دوسرے ذریعہ سے کیا جائے گا۔ اور عمل میں کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

بتوں پر تنقید جائز ہے بلکہ ضرورت ہے۔ لیکن گالی دینے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کو بھی گالی دینے کی اجازت نہیں ہے۔ بددعا کی اجازت ہے لیکن لعنت کی اجازت نہیں ہے۔ مظلوم ظالم پر لعنت نہیں بھیج سکتا البتہ وہ قرآن کی آیت پڑھ سکتا ہے۔ لعنت اللہ علی الظلمین۔

رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے۔ صحابہؓ نے پوچھا ایسا کون ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی اور کے ماں باپ کو گالی دینا گویا اپنے ہی ماں باپ کو گالی دینا ہے کیوں کہ وہ جواب میں تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا۔

رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ شریف کو از سر نو اسی بنیاد اور نقشہ پر اٹھوائیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھوڑا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ ارادہ ترک کر دیا کہ فساد کا خطرہ تھا۔

ابو طالب کے واقعہ میں حضور نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ آفتاب و ماہتاب بھی پیش کر دیں تو میں کلمہ توحید و رسالت نہیں چھوڑوں گا (یعنی حسب ضرورت بتوں پر تنقید کرتا رہوں گا) تو اس کا تعلق شعائر اسلام سے ہے۔ یہ آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا۔ یہی مقام ہے بے خوفی کا، استقلال کا اور توکل علی اللہ کا۔

بعض مذاہب اور فرقوں کو عادت پڑی ہوئی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو یا ان کے صحابہ کرامؓ کو خواہ مخواہ برا کہتے ہیں۔ اگر ہم ان کو افہام و تفہیم سے بات سمجھا سکیں تو کیا کہنا۔ لیکن اگر نہ کر سکیں تو جواباً ان کے بزرگوں کو برا نہ کہیں۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر جماعت کو اس کے اعمال حسین اور نفیس نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے ان کو دشنام طرازی اچھی لگتی ہو۔ بہر حال سب کو اللہ کے پاس اپنے اپنے حساب و کتاب کے لئے واپس جانا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ
اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا
بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى
وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ
عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ
وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۳

یہ لوگ اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی اور معجزہ ہمیں دکھایا جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ نشانی اور معجزات تو اللہ کے پاس

ہیں۔اور (اے ایمان والو!) تمہیں کیا خبر ہے کہ جب وہ نشانی آ جائے گی تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے جس طرح پہلی مرتبہ نشانیوں کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑے رکھیں گے۔

اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑا کر دیں تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے۔ان میں بڑی تعداد نادانوں کی ہے۔اور اسی طرح ہم نے شرارت پسند انسانوں اور سرکش جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو وہ فریب دینے کے لئے ایک دوسرے کو بناوٹی باتیں سکھاتے ہیں۔اور اگر (اے نبی ﷺ!) آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسا کام نہ کرتے۔اس لئے آپ ان کو اور انکی افتراء پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور اور ہم نے ان کو اس لئے چھوڑ رکھا ہے تا کہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان ہی فریب آمیز سازشوں میں لگے رہیں اور وہ ان ہی برے کاموں کے مشغلوں کو پسند کرتے رہیں جس میں وہ آج تک مبتلا رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۳

اَقْسَمُوْا	انہوں نے قسم کھائی
جَهْدَ اَيْمَان	زبردست قسمیں۔مضبوط قسمیں
مَا يُشْعِرُكُمْ	تم نہیں سمجھتے
نُقَلِّبُ	ہم پلٹ دیں گے
اَفْئِدَةٌ	(فُوَادٌ)۔دل
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
يَعْمَهُوْنَ	وہ سرگرداں ہیں۔وہ بہک رہے ہیں
كَلِمَ	باتیں کیں۔کلام کیا

اَلْاِنْسُ	انسان
زُخْرُفٌ	ظاہر۔ چمکدار چیز۔ بناوٹی
غُرُوْرٌ	دھوکہ
لِتَصْغٰی	تا کہ جھکیں
لِيَرْضَوْهُ	تا کہ وہ اس کو پسند کرلیں
لِيَقْتَرِفُوْا	تا کہ وہ کرتے رہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۳

پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ کفار و مشرکین، نشانیوں، معجزوں کے باوجود ایمان نہ لائے۔ اب ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی سیاہ ضمیری میں ایک نیا روپ بدلا ہے یعنی حضور ﷺ سے نئے معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ اگر آپ ﷺ ''کوہ صفا'' کو سونے کا بنا دیں تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اس پر انہوں نے بڑی تاکید کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں۔

جناب رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی بھی خواہش تھی کہ یہ معجزہ رونما ہو جائے تا کہ گمراہ لوگوں کو نجات کا راستہ مل جائے۔ آپ ﷺ دعا کو ہاتھ اٹھانے والے تھے کہ حضرت جبرئیل یہ وحی لے کر نازل ہوئے۔

ان آیات نے حضور ﷺ پر اور تمام مسلمانوں پر یہ حقیقت حال کھول کر رکھ دی کہ ان کا یہ نیا مطالبہ ہر قسم کی سخت سے سخت قسم کے باوجود دھوکا اور فریب ہے۔ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کوہ صفا کو سونے کا بنا دینا تو کیا۔ اگر فرشتے ظاہر ہو کر ان سے کلام کرنے لگیں۔ اگر مردے قبر سے نکل کر اٹھ کھڑے ہوں بلکہ اگر سارے مردے زندہ ہو کر ان کے سامنے آ کھڑے ہوں۔ تب بھی یہ اپنے مکر اور چال میں ویسے ہی لگے رہیں گے جیسے اب تک لگے رہے ہیں۔ اس لئے ان کو سمجھانے کے لئے یہ جواب دید یجئے کہ معجزہ دکھانا نبی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ اختیار سراسر اللہ کے پاس ہے۔ اس طرح ان کے پرفریب مطالبے کی اخلاقی اعتبار سے نفی کر دی جائے بلکہ ان آیات کی تبلیغ کے ذریعہ ان کے ڈھول کا پول کھول دیا جائے۔ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ یہاں فریب اور سازش چل نہیں سکتی۔ اور اللہ تو دلوں کے اندر کا راز تک جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہم نے اسی طرح ہمیشہ شرارت پسند انسانوں اور سرکش جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب کی بناوٹی باتیں سکھاتے ہیں۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا کام نہ کرتے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ (اے نبی ﷺ!) کار نبوت آسان نہیں ہے۔ بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس میں سو فیصد

ایمان، لگن، قربانی، محنت، خلوص، تبلیغ، عقل وتدبیر، حکمت وقیادت، صبر واستقامت، جہاد وقتال کی ضرورت ہے۔ پیغام حق کو لے کر آگے بڑھنا ہے۔ جس کے نتیجہ میں دوست کم اور دشمن زیادہ ہوں گے اور دشمن بھی وہ جن کے ہاتھ میں ملک ومال، حکومت، فوج، جیل اور پھانسی خانہ سب کچھ ہے آپ کی تحریک کا وار جن بادشاہوں، امیروں، وزیروں، ساہوکاروں، تاجروں، خوشامدیوں، نادانوں، اندھی تقلید پرستوں اور دنیا پرستوں پر پڑے گا وہ سب کے سب ایک محاذ بنا کر مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ ﷺ کی اس تحریک کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو شیاطین جن وانس کے اس عظیم محاذ سے ٹکرانا ہوگا۔

اگر اللہ چاہتا تو تکوینی طور پر ان تمام دشمنان اسلام کو پیدائشی صاحب ایمان بنا دیتا یا آپ ﷺ کے لئے نرم چارہ بنا دیتا کہ ادھر آپ ﷺ نے دو چار معجزے دکھلائے دو چار تبلیغیں کیں، جنت اور جہنم کی زبانی تصویر کھینچی اور وہ فوج در فوج آپ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور آپ ﷺ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے کامیابی کے قلعہ میں پرچم لہراتے ہوئے داخل ہو جائیں گے۔

مگر یہ اس کی مصلحت نہیں ہے۔ یہاں ہر ابراہیمؑ کو نمرود سے، ہر موسیٰؑ کو فرعون سے، ہر عیسیٰؑ کو یہود سے دو دو ہاتھ کرنے ہی پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مخالفت میں بھی بہت بھاری جتھا کھڑا ہو رہا ہے۔ اس کی مصلحت نہیں ہے کہ سراسر معجزہ پر معجزہ دکھا کر کافروں کو رام کر دیا جائے۔ معجزوں کی اپنی اہمیت ہے لیکن ان کی بھی ایک حد ہے اور وہ حد گذر چکی۔

اب پیغام حق کے دلائل کو دیکھ کر جو شخص حق وصداقت کی بات مانتا ہے وہ مانے ورنہ اپنے لئے جہنم میں ٹھکانا بنالے۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ کرنے والا بنالوں؟ جب کہ پوری تفصیل سے آسمانی کتاب اس نے تم لوگوں کی طرف نازل کی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے (آپ ﷺ سے پہلے) کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن برحق ہے اور آپ ﷺ کے رب ہی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

آپ ﷺ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے حرف آخر ہے۔ کوئی اس کے کلام میں ردوبدل کرنے والا نہیں ہے۔ وہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ نے ان بہت سارے لوگوں کی بات مان لی جو دنیا میں بستے ہیں تو وہ آپ ﷺ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ اس طرف چلتے ہیں جدھر ان کا وہم وگمان اور اندازہ لے جائے اور وہ شک وقیاس میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

بے شک آپ ﷺ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہک گیا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کون راہ ہدایت پر ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

اَبْتَغِىْ	میں تلاش کرتا ہوں
حَكَمٌ	انصاف کرنے والا
تَمَّتْ	پوری ہوئی
صِدْقٌ	سچائی
عَدْلٌ	حق وانصاف
اِنْ تُطِعْ	اگر تو پیروی کرے گا
اَلظَّنُّ	گمان۔خیال
يَخْرُصُوْنَ	اندازے کے تیر چلاتے ہیں۔ اٹکل کے تیر چلاتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

چند لفظوں میں قرآن کے برحق ہونے کے بہترین دلائل سے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے نصیحتیں بھی ہیں، خوف سزا

بھی اور وعدہ جزا بھی۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے منہ مانگے معجزات عطا کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ کوئی بھی معجزہ انہیں دکھا دیا جائے۔

اگر منہ مانگا معجزہ انہیں دکھا دیا جائے اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں تو اللہ کا عذاب فوراً انہیں گھیر لے گا۔ اس لئے رحمتہ للعالمین ﷺ نے انہیں ان ہی معجزات میں غور وفکر کی دعوت دی جو دکھائے جا چکے ہیں۔ ان میں ایک عظیم معجزہ یہ قرآن بھی ہے۔ یہاں قرآن پاک کے نہ صرف کتاب الٰہی بلکہ روشن معجزہ ہونے پر چھ دلائل ہیں اور ہر دلیل دل تک پہنچنے والی ہے بشرطیکہ دل صالح ہو۔

(۱) یہ کتاب اللہ کی ہے۔ جس کا ثبوت وہ للکار ہے جو اس نے عرب وعجم کے تمام اہل فصاحت اور اہل بلاغت کو دے کر رہتی دنیا تک کے لئے چیلنج بنا دیا ہے کہ ہے کوئی جو اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسا کلام پیش کر سکے۔ اور پھر یہ بھی للکار دیا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے اور قیامت تک نہ کر سکو گے۔ اور ابھی تک کوئی اس للکار کا جواب نہ دے سکا۔

اور پھر یہ کتاب ایک امی محض کی زبان سے نکلی ہے جس نے نہ صرف یہ آیات دنیا کو سنائیں بلکہ انہیں اللہ کے حکم سے مختلف سورتوں میں تنظیم وترتیب کی لڑی میں پرو دیا اور کتاب کی شکل میں پیش کیا تا کہ تلاوت، تفہیم، تحقیق اور تعمیل میں کام آئے۔ اور قیامت تک باقی رہے اور تر وتازہ رہے۔

(۲) یہ کتاب مفصل ہے۔ یعنی تمام ضروری باتیں درج ہیں۔ کوئی تشنگی نہیں چھوڑی۔ یہ تعلیم وہدایت ہے۔ نہ صرف موجودہ نسل اور موجودہ اہل عرب کے لئے بلکہ موجودہ اور آئندہ تمام مکان وزمان اور نسلوں کے لئے۔ اگر انسانی تصنیف ہوتی تو ایک یا دو ممالک ایک یا دو نسلوں کے مسائل سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور وہ بھی تشنہ ہوتی۔

(۳) حضرت داؤدؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر جو کتابیں سینکڑوں یا ہزاروں سال پہلے نازل کی گئی تھیں ان میں آنے والے قرآن اور آنے والے نبی ﷺ کی خبر ہے۔ نبی ﷺ اور قرآن لازم وملزوم ہیں۔ چنانچہ جتنے اہل کتاب ہیں وہ نبی ﷺ اور قرآن کے منتظر رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے پیشواؤں نے خود غرضی کے تحت توریت، زبور اور انجیل کے وہ مضامین چھپا لئے ہیں جن میں آخری نبی ﷺ اور آخری کتاب کی پیشین گوئی موجود ہے۔

قرآن خود کسی آنے والے صاحب کتاب نبی کی پیشن گوئی نہیں کرتا بلکہ خود حضور ﷺ کو خاتم النبین قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد وحی اور نبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔

(۴) یہ کتاب نہ صرف آخری ہے بلکہ کامل بھی ہے۔ فرمایا ہے ''آپ ﷺ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے حرف آخر ہے۔'' قرآن کے کل مضامین دو قسم کے ہیں۔ ایک حصہ وہ جس میں تاریخ عالم کے عبرت آموز حالات وواقعات، نیک اعمال پر جنت اور برے اعمال پر وعید جہنم درج ہیں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے اور اوامر ونواہی، قوانین اور اصل الاصول بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کے متعلق یہاں دو صفتیں بیان کی ہیں۔ صدقاً وعدلاً۔ صدق کا تعلق پہلی قسم سے ہے یعنی جتنے حالات وواقعات، وعدے اور وعید بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل سچے ہیں اور کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ عدل کا تعلق احکام سے بھی ہے دنیاوی عدل وانصاف سے بھی ہے، حقوق العباد اور حقوق اللہ سے بھی ہے اور

قیامت کے دن سے بھی ہے۔عدل کے ایک معنی اور بھی ہیں یعنی اعتدال، تناسب، توازن۔نفس انسانی کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق جتنی چھوٹ اور آمادگی ملنی چاہیئے اتنی ہی دی گئی ہے۔اور جتنی پابندی عائد ہونی چاہیئے اتنی ہی پابندی عائد کی گئی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن دونوں صفات صدق اور عدل میں بھی کامل، اکمل اور حرف آخر ہے۔اور جب یہ حرف آخر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن رہتی دنیا تک کے لئے آیا ہے۔ ہر قوم، ہر ملک اور ہر نسل کے لئے۔اور آیت ۱۱۵ کا لفظ ''تمت'' اس پر مہر الٰہی ہے۔اسی کی وضاحت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کوئی اللہ کے کلام میں ردوبدل کرنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔دوسرے الفاظ میں اللہ کے کلام میں کوئی بال برابر بھی غلطی بلکہ غلطی کا شائبہ نہیں ہے

تیسرے یہ کہ اللہ کا کلام بے مثل ہے۔کوئی جوڑ پیوند ملاوٹ، گھٹاؤ بڑھاؤ ایک لحہ کے لئے برداشت نہیں کرسکتا۔کسی مخلوق میں طاقت نہیں کہ اس کی ہمت بھی کر سکے۔اس کی حفاظت کا ذمہ باری تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے۔چوتھے یہ کہ یہ کلام کامل بلکہ اکمل ہے۔جس میں کسی کمی یا زیادتی کا امکان سرے سے ہے ہی نہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ع ۱۴ / ۱۱ / ۱

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۱

اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے

اور جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس کے کھانے میں تمہیں کیا عذر ہے حالانکہ اللہ نے کھول کر بتا دیا ہے کہ اس نے تم پر کیا کیا حرام کر دیا ہے۔ سوائے اس کے کہ تم ان کے کھانے کے لئے مجبور ہو جاؤ۔

اور بہت سارے لوگ جو علم و عقل نہیں رکھتے محض نفسانی خواہشات کے پیچھے خود بھی بہک رہے ہیں اور تمہیں بھی فریب دے رہے ہیں۔ تمہارا رب ان حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے بچتے رہو۔ وہ لوگ جو گناہ پر گناہ سمیٹ رہے ہیں جلد ہی اپنے کرتوتوں کی سزا پائیں گے۔

اور اس جانور سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ایسا کرنا فسق (نافرمانی) ہے۔ بے شک شیاطین (جن وانس) اپنے ہم ساز اور ہم راہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالتے رہے ہیں تا کہ وہ تم سے فضول بحثیں کرتے پھریں۔ اور اگر تم ان کے فریب میں آ گئے تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۱

اَلَّا تَاكُلُوْا	یہ کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام لیا گیا ہے
اِضْطُرِرْتُمْ	تم مجبور ہو جاؤ۔ مجبور کر دیئے گئے
اَلْمُعْتَدِيْنَ	زیادتی کرنے والے
ذَرُوْا	چھوڑ دو
ظَاهِرُ الْاِثْمِ	ظاہری گناہ۔ کھلا ہوا گناہ
سَيُجْزَوْنَ	جلد ہی بدلہ دیئے جائیں گے
فِسْقٌ	گناہ
لِيُجَادِلُوْ	تا کہ وہ جھگڑا کریں

تشریح: آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۱

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عرب کے جہلا کو اسلام کے خلاف بھڑکانے کے لئے علمائے یہود جس قسم کے

سوالات سکھایا کرتے تھے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ واہ واہ یہ کیا بات ہے جس جانور کو اللہ مار دے وہ تو حرام ہو جائے اور جس جانور کو انسان ذبح کردے وہ حلال ہو جائے۔

بعض صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ شبہ عرض کیا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی باتوں کا نوٹس نہ لیجئے جو علم و عقل نہیں رکھتے، محض نفسانی خواہشات کے پیچھے خود بھی بہک رہے ہیں اور اہل ایمان کو بھی بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ کا رب ان حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

یہ جو مومنوں سے فرمایا ہے کہ تم ظاہری گناہ اور باطنی گناہ دونوں سے بچنے کی کوشش کرو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کے ہتھکنڈوں میں آ کر کہیں تم خود ہی مرتد نہ ہو جانا یا خلوص قلب کو مجروح نہ کر لینا۔ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا، ان شیاطین جن وانس کا ہتھکنڈا یہی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو مومن بن چکے ہیں یا مومن بننے والے ہیں وسوسے ڈالیں اور شکوک وشبہات پیدا کریں تا کہ وہ انہیں بحث میں الجھا کر ان کی راہ کھوٹی کر دیں۔

سخت تنبیہ کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو اہلِ ایمان ان مشرکوں کے دام فریب میں آ گئے ان کا شمار مشرکوں ہی میں ہوگا۔ بات صاف صاف ہے۔ جو حکم قرآن وحدیث (وحی جلی یا وحی خفی) میں آ گیا وہ اٹل ہے، وہ واجب التعمیل ہے، اس کی اطاعت جنت ہے، عدم اطاعت جہنم ہے۔ حلال وحرام گوشت کا حکم اس سے پہلے سورۂ مائدہ میں بھی آ چکا ہے۔ حرام کے حلال ہونے پر حالت اضطرار میں جو چھوٹ دی گئی ہے اس کا ذکر بھی سورۂ مائدہ میں آ چکا ہے۔ اس کے بعد کسی کو اس مسئلہ پر عقل کے گھوڑے دوڑانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایمان یقین کامل کا نام ہے خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ہاں اگر یقین کامل کے ساتھ جستجوئے حق ہے، تو ان کے اس سوال کی طرف توجہ کی جائے گی مگر یہ ضروری نہیں ہے۔

حرام میں وہ جانور شامل ہے جو ذبح کے بغیر قتل کیا گیا ہو یا جس کے ذبح پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (یعنی مسنونہ کلمات نہ پڑھے گئے ہوں) ذبح کا تعلق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ قربانی سے ہے۔ مسنونہ کلمات کے ذریعہ ذبح کرنے والا اللہ سے معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی اور اپنے اہلِ وعیال کی جان پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کرے گا اور یہ جانور کی قربانی بطور نشانی ہے۔ مسنونہ کلمات کا جان بوجھ کر نہ پڑھنا گویا یہ معاہدہ نہ کرنا ہے۔ بغیر معاہدہ یہ گوشت حرام ہے امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مسنونہ کلمات (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) یا اللہ اکبر سہواً چھوٹ جائیں تو ذبیحہ حلال ہے۔ اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے تو حرام ہے۔ (شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو)

اسلام ظاہر اور باطن دونوں پر زور دیتا ہے۔ صرف ظاہر یا صرف باطن دونوں غلط البتہ جہاں انسانی آنکھیں باطن کو نہیں دیکھ سکتی ہیں تو ظاہر کافی ہے۔ باطن کا معاملہ اللہ جانتا ہے یہاں قربانی پر ظاہراً کلمات مسنونہ پڑھنا کافی ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۲

بھلا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندگی عطا کی اور اسے وہ روشنی عطا کی جس کی بدولت وہ لوگوں کے درمیان (زندگی کی) راہیں طے کرتا ہے۔ کہیں وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اور کسی طرح وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ اسی طرح کافروں کی نگاہ میں ان کے کام خوشنما بنادیئے گئے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۲

اَحْيَيْنَا ہم نے زندہ کردیا

يَمْشِيْ چلتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۲۲

قرآن کس چیز کو زندگی کہتا ہے؟

انسان اور ہر چیز فلکیات، فضائیات، حیوانات، نباتات، جمادات، آبیات، بخارات، متحرکات کی زندگی کا تعلق بس اسی دنیا سے ہے۔ ان کا مقصد زندگی جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔

انسان کی زندگی اور مقصد زندگی کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی ہے۔ اس کے پاس دو زندگیاں ہیں۔ فانی زندگی کھیتی ہے۔ لافانی زندگی اس کا پھل۔

انسان جب تک اپنا فریضہ زندگی ادا کررہا ہے جس کا تعلق سراسر اس دنیا سے ہے وہ زندہ ہے ورنہ وہ مردہ۔ انسان جب

تک اپنا فریضۂ زندگی ادا کر رہا ہے (جس کا تعلق اس دنیا کے ذریعہ آخرت سے ہے) وہ زندہ ہے ورنہ مردہ۔ وہ لوگ جو صرف اسی دنیا کے لئے بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے ہیں وہ اسلام کی نظر میں مردہ ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ مردہ تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن یہ مردہ دل خود بھی بہکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکا رہے ہیں۔

ارسطو جو بابائے سائنس کہا جاتا ہے اس کی عقل کی انتہا کہاں تک ہے۔ کہتا ہے کہ انسان ذی عقل حیوان ہے۔ یعنی ہے تو وہ حیوان ہی لیکن اس کے پاس ایک عقل بھی ہے۔ اسلام اس ذی عقل حیوان کو اٹھاتا ہے اور بلند ترین خلیفۃ اللہ فی الارض کا درجہ عطا کرتا ہے اور اس کی موجودہ زندگی کا تعلق آئندہ زندگی سے جوڑ دیتا ہے کہ اگر وہ اپنا فرض منصبی انجام دیتا ہے تو جنت میں ورنہ جہنم میں جائے گا۔

یہ انسان اپنی عقل سے حیوانیت ہی کا کام لے گا اگر اس کے پاس وہ خاص روشنی نہ ہو جس کا نام ایمان ہے۔ اس آیت میں ایمان کو روشنی سے اور بے ایمانی کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تمام انسان کسی نہ کسی طرح کی روشنی کے محتاج ہیں اور روشنی کے بغیر کوئی صحیح قدم نہیں اٹھا سکتے، تو آخرت کے کام کے لئے بھی ہمیں اک خاص روشنی کی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح سورج چاند بجلی اور آگ کا انتظام کر دیا ہے اسی طرح وحی جلی اور وحی خفی کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اور جس طرح وہ سورج چاند کا محافظ ہے اسی طرح وحی جلی اور وحی خفی کا بھی رہتی دنیا تک محافظ ہے۔

''ایک وہ شخص جو پہلے مردہ یعنی کافر تھا، اللہ نے اسے دونوں عالم کے لئے زندہ کر دیا یعنی اسے حلقۂ اسلام میں لے آیا اور اس نے اس کو نور ایمان عطا کر دیا جس کی مدد سے وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہیں طے کر رہا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو گھپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے اس کی حیوانیت اسے کفر سے باہر نکلنے نہیں دیتی اور اس کے اعمال کو خوش نما بنا کر پیش کر رہی ہے۔ بھلا یہ دو طرح کے انسان کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ بھلا بینا اور اندھا برابر ہو سکتے ہیں؟''

چراغ سے صرف چراغ والا ہی فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ جہاں تک اس کی روشنی جاتی ہے ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح مومن کے ایمان سے ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے۔ اب رہے وہ بدنصیب جو کفر کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اور اسی میں مست ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کے اعمال انہیں خوش نما بنا کر دکھا رہا ہے اور وہ خود عقلمندی کے چکر میں مبتلا ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۳

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں مجرموں کے کرتا دھرتا بنا دیئے ہیں کہ وہاں مکروفریب کا جال پھیلاتے رہیں۔ وہ اپنے مکروفریب کے جال میں خود ہی پھنس رہے ہیں مگر ان کو ذرا خبر نہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۳

قَرْيَةٌ	بستی۔ شہر
اَكٰبِرُ	بڑے
مُجْرِمِىُ	(مُجْرِمِيْنَ)۔ جرم کرنے والے
مَا يَمْكُرُوْنَ	وہ شرارت نہیں کرتے

تشریح: آیت نمبر ۱۲۳

یہ آیت ایک بہت بڑی حقیقت پیش کر رہی ہے۔ ہر فرد جماعت اور تنظیم کا محتاج ہے اسی طرح ہر جماعت ایک رہنما کی محتاج ہے۔ عوام تو خواص کے پیچھے چلتے ہیں ہر بھیڑ بکری اسی راستہ پر چلتی ہے جو اس کی قطار کی سب سے آگے والے نے مقرر کر دی ہے۔ معاملہ خواہ نیکی پھیلانے کا ہو یا بدی پھیلانے کا، اصول یہی ہے۔ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ باطل منظم ہے۔ وہ اس گر کو پہچان گیا ہے۔ اب اگر حق منظم نہ ہو تو باطل کو شکست نہیں دے سکتا۔ اس نکتے کو اسلام کے وہ علم بردار خوب سمجھ لیں جو صرف انفرادی نجی عبادتوں میں غرق ہیں لیکن اجتماعی عوامی عبادتوں، تبلیغ حق، تنظیم اور جہاد سے دور بھاگتے ہیں۔ جنت اللہ کے داموں نہیں، اپنے داموں خریدنا چاہتے ہیں۔

یہ آیت کہہ رہی ہے کہ کفر ہر قریہ میں نہ صرف ایک تنظیم بلکہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے ''اکبر مجرمیھا'' کے الفاظ تنظیم کی طرف اور ''لیمکروا فیھا'' کے الفاظ تحریک کی طرف روشن ترین اشارہ کر رہے ہیں۔ رسولِ مقبول ﷺ نے کافروں کی تنظیم کا علاج مومنوں کی تنظیم سے اور کافروں کی تحریک کا علاج مومنوں کی تحریک سے کیا ہے۔ ہجرت نہیں ہو سکتی تھی۔ جنگ بدر اور احد نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر چہ آپ اللہ کا پیغام پہنچانے میں صحابہ کرامؓ یا کسی کے محتاج نہ تھے لیکن بظاہر یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مدینہ کی سلطنت نہیں چل سکتی تھی اگر آپ ﷺ کے پیچھے تنظیم و تحریک نہ ہوتی، اگر ایک حکم دینے والا اور بقیہ حکم لینے والے نہ ہوتے۔

اور یہ سب نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔

ہر نبی کی مخالفت میں افراد نہیں اٹھے ہیں بلکہ جماعتیں اٹھی ہیں جو اپنے اپنے سرغنوں کے ماتحت کام کر رہی تھیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور ہر اس شخص کے ساتھ ہوگا جو اسلام کا کام کرنے کے لئے میدان عمل میں آئے گا۔

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ

اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۴

جب ان کے پاس ہماری کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔

وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ مجرمین اپنے کرتوتوں کے باعث اللہ کے حضور سخت ذلت اور سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۴

حَتّٰى نُؤْتٰى	جب تک (ہمیں) نہ دیا جائے
حَيْثُ يَجْعَلُ	جیسے وہ ڈالتا ہے۔ جیسے وہ بناتا ہے
رِسٰلَتَهٗ	اپنا پیغام
صِغَارٌ	ذلت۔ رسوائی

تشریح: آیت نمبر ۱۲۴

حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ بنو مخزوم کے سردار ابو جہل نے ایک بار کہا کہ بنو عبد مناف (یعنی نبی کریم ﷺ کے خاندان) سے ہم کسی محاذ میں پیچھے نہیں رہے۔ لیکن اب وہ یوں کہتے ہیں کہ تم اب شرافت و بزرگی میں ہمارا مقابلہ یوں نہیں کر سکتے کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی آ گیا ہے جس پر وحی الہٰی آتی ہے۔ اس نے کہا جب تک ہمارے پاس بھی وحی نہ آ جائے اور ہم بھی نبوت میں برابر نہ ہو جائیں اس وقت تک ہم کسی بات کو نہ مانیں گے۔

ایک اور جگہ لکھا ہے ابو جہل نے کہا ہم اسے اللہ کا کلام نہیں مانیں گے جب تک فرشتہ ہمارے پاس نہ آئے اور تصدیق نہ کر دے کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کا انتخاب اللہ خود کرتا ہے۔ وہ اللہ علیم ہے اور حکیم ہے۔ یہ کوئی دنیاوی عہدہ نہیں ہے کہ درخواست دینے سے مل جائے یا مجاہدہ و ریاضت کرنے سے مل جائے۔ یہ کسی قوم یا قبیلہ کو عزت بخشنے کے لئے نہیں دیا جاتا۔ نہ اس انتخاب کے پیچھے کوئی سیاسی مصلحت ہوتی ہے۔ یہ عہدہ کسبی اور نسبی نہیں ہے۔

یہی حال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ بھی تھا۔ دنیا میں تشریف آوری اور دنیا سے جانے کے درمیان تمام عمر آپ کی الگ شان رہی اگرچہ نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی تھی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۷

پھر جس کو اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے دل کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا جکڑتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف

زبردستی کھنچا چلا جارہا ہے۔ اسی طرح اللہ گندگی کے عذاب میں ان سب کو ڈالتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

آپ کے رب کی طرف سے یہ استقامت کا راستہ ہے۔ ہم نے اس کے نشانات راہ کو ان لوگوں کے لئے واضح کر دیا ہے جو غور کرتے ہیں۔ ان ہی کے لئے اپنے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہ ان کے اعمال میں ان کا مددگار ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۷

یُرِدِ اللّٰہُ	اللہ چاہتا ہے
یَشْرَحُ	وہ کھولتا ہے
صَدْرَہٗ	اس کا سینہ۔ اس کا دل
اَنْ یُّضِلَّہٗ	یہ کہ وہ اس کو گمراہ کردے
ضَیِّقٌ	تنگ
حَرَجٌ	بھینچا ہوا
کَاَنَّمَا	گویا کہ۔ جیسے کہ
یَصَّعَّدُ	(اونچائی پر) چڑھتا ہے
اَلرِّجْسُ	گندگی۔ عذاب
دَارُالسَّلٰمِ	سلامتی کا گھر

تشریح: آیت نمبر ۱۲۵ تا ۱۲۷

اسلام کے لئے انشراح صدر ہو جانا یعنی سینہ کھل جانا سراسر توفیق الٰہی سے ہے۔ یہ بھی نہ نسبی ہے نہ کسبی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے لئے دعا فرمائی تھی۔ اے رب میرا سینہ کھول دے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو بطور نعمت خاص کہا گیا۔ کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے انشراح صدر کی تفسیر دریافت کی۔ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک روشنی ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے (یہ روشنی ایمان کی ہے)۔ مومن کو خود بخود حق سے محبت بڑھتی جاتی ہے اور باطل سے نفرت۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا اس کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا

مومن فانی لذتوں سے گھبراتا ہے اور لافانی لذتوں کے لئے بیقرار رہتا ہے۔ وہ موت کی تیاری موت سے پہلے کرنے لگتا ہے۔

صراط مستقیم، کا ترجمہ عام طور پر سیدھا راستہ کیا گیا ہے یعنی وہ راستہ جس میں کسی منزل میں یہ سوال نہ اٹھے کہ اب کدھر جاؤں۔ ایک طرف نور ایمانی یعنی شرح صدر ہے جو خود ہی راہی بھی ہے اور رہنما بھی۔ اور دوسری طرف نشانات راہ ہیں۔ گویا ہر منزل پر آگے کی منزل خود بخود واضح ہوتی جاتی ہے۔ حق پکارتا ہے۔ ادھر آؤ۔ میں یہاں ہوں۔

لیکن اک بہتر ترجمہ ہے۔ استقامت کا راستہ۔ اسلام کا راستہ بڑے خارزاروں اور آزمائشوں سے گذرتا ہے۔ یہاں قدم قدم پر حالات مختلف شکلیں دھار کر آتے ہیں کہیں رشوت ہے کہیں فریب ہے۔ کہیں خوف۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہاں وہی پاؤں دھرے جو ہمت اور استقامت سے مسلح ہو۔ بہک نہ جائے، پھسل نہ جائے، گر نہ جائے، ٹوٹ نہ جائے، طاقت کے پہاڑ سے ٹکرائے۔ شیر کے منہ میں پنجہ ڈالے۔ آگ کے سمندر میں بے خطر کود پڑے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا سلیقہ جانتا ہو۔ استقامت، مضبوطی ارادہ، ہمت، شجاعت، قیادت، تدبیر، محنت، لگن، اور مگن، مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اپنا پرچم لہراتے ہوئے ترقی، پیش قدمی، خوش رفتاری۔ ان کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہوسکتی۔ اور پھر قدم قدم پر یہ تمنا یہ تڑپ کہ اے اللہ ہمیں وہ رستہ دکھا دیجئے جس میں آپ کی نصرت قدم چومتی ہے۔ وہ عقائد وہ ایمان وہ غیر متزلزل اعمال عطا فرمایئے جو اس دارلاخرت کی طرف لے جائیں جس پر آپ کی طرف سے سلامتی ہے۔

صراط مستقیم شکوک وشبہات کا راستہ نہیں ہے۔ شرح صدر کے قطعاً معنی یقین کامل کے ہیں۔ اور جب یہ کیفیت پیدا ہوگی تو راستہ بھی صاف نظر آئے گا اور دل بھی بے دھڑک آتش نمرود میں کود پڑے گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا الَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّى بَعْضَ الظَّٰلِمِينَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾ يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ

ع ۱۵ / ۸ / ۲

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۸ تا ۱۳۲

اور وہ دن جب کہ اللہ تعالیٰ حشر میں ان سب کو جمع کرے گا (اور جنوں سے فرمائے گا'' اے قوم جنات! تم نے تو لوگوں میں سے بہت سوں کو اپنا تابع بنالیا تھا۔ اور اس وقت انسانوں میں سے وہ جوان کے ساتھ کام میں شریک رہے تھے پکاریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں قوموں نے ایک دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے یہاں تک کہ ہم آج اس مقرر مدت پر پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لئے مقدر کر دیا تھا۔ اللہ فرمائے گا۔ تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس میں تم سب ہمیشہ ہمیشہ رہو گے مگر ہاں جسے اللہ بچانا چاہے بے شک آپ کا پروردگار علم و حکمت دونوں پر حاوی ہے۔ اور ہم اسی طرح (جن وانس کے) ظالموں کو ایک ساتھ ملا دیں گے چونکہ وہ اعمال میں مشترک تھے۔ فرمایا جائے گا کہ اے گروہ انس و جن کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں ہماری آیات سنایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن سے ڈراتے تھے، جو تم اب دیکھ ہی رہے ہو؟ '' کہیں گے'' کہ ہاں ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔'' اور وہ خود ہی اقرار کرنے لگیں گے کہ وہ اہلِ کفر میں سے تھے۔ اے نبی ﷺ یہ رسولوں کا بھیجنا اس لئے ہے کہ آپ کے پروردگار کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ کسی بستی والوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے تباہ و برباد کر دے اور ان (قریہ والوں) کو احکام الٰہی کی خبر ہی نہ ہو۔

اور اعمال کے لحاظ سے جسے وہ کرتے ہیں سب انسانوں کے لئے درجے مقرر ہیں اور آپ کا پروردگار ان کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۸ تا ۱۳۲

یٰمَعْشَرُ	اے جماعت۔اے گروہ
اِسْتَکْثَرْتُمْ	تم نے بہت کچھ حاصل کرلیا
اِسْتَمْتَعَ	نفع اٹھایا۔فائدہ اٹھایا
بَلَغْنَا	ہمیں پہنچا
اَجَّلْتَ	تو نے مقرر کیا تھا
مَثْوٰی	ٹھکانا
نُوَلِّیْ	ہم دوست بناتے ہیں
اَلَمْ یَأْتِکُمْ	کیا تمہارے پاس نہیں آئے
یَقُصُّوْنَ	بیان کرتے ہیں
یُنْذِرُوْنَ	وہ ڈراتے ہیں
لِقَآءَ	ملاقات۔ملنا
غَرَّتْ	دھوکے میں ڈال دیا
لَمْ یَکُنْ	نہیں ہے
مُھْلِکُ الْقُرٰی	بستیوں کو ہلاک کرنے والا
اَھْلُھَا	اس کے رہنے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۲۸ تا ۱۳۲

ان آیات میں اس وقت کی منظر کشی کی گئی ہے جب میدان حشر میں قوم جن اور قوم انس میں سے سارے گنہ گار ایک طرف جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قوم جن کے گناہ گاروں کو کہے گا کہ تم نے تو قوم انسان کی کثیر تعداد کو اپنے اشاروں پر نچایا تھا۔اس لئے ان کے گناہوں کا وبال بھی تمہارے ہی سر ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان طنزیہ انداز میں ابلیس کے لئے کہا گیا ہے جو قوم جن میں سے تھا اور جس نے انسانوں کے جم غفیر کو بھٹکانے اور بہکانے میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔اس آیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابلیس نے پہلا وار اپنے ہم قوم جنوں ہی پر کیا اور ان ہی میں سے شیاطین کی ایک زبردست کھیپ تیار کی۔ان شیاطین جن کو اپنا ایجنٹ اور کار پرداز بنا کر انسانوں میں بھیجا۔ان شیاطین جن کو یہ سہولت تھی کہ وہ بھیس بدل سکتے تھے بلکہ انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر اپنا کام کر سکتے تھے۔اور اس طرح شیاطین انس کی کھیپ تیار کرتے تھے۔ان دونوں اقسام کے خناسوں کا سب سے بڑا ہتھکنڈا یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے جیسا کہ قرآن کی آخری سورۃ میں ذکر ہے۔یہ وسوسے بالاقساط ڈالے

جاتے تھے۔ پہلے ہلکا اور مختصر۔ پھر رفتہ رفتہ زیادہ گہرا اور پائیدار۔

دوسرے شیاطین انس ہیں جیسا کہ سورۂ یٰسین میں مذکور ہے۔ اے بنی آدم! کیا ہم نے تمہیں نصیحت نہیں کردی تھی کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا۔ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

جواب میں وہ ان الفاظ میں اپنے قصوروں کا اعتراف کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں یعنی شیاطین جن اور شیاطین انس نے ایک دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ بہکانے والے جنوں نے بھٹکنے والے انسانوں کو خوب گمراہ کیا۔ لیکن شیاطین انس نے کس طرح شیاطین جن کو استعمال کیا؟

جواب یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا میں دو طرح کے عوامل اور اسباب ہوا کرتے ہیں ایک ظاہر۔ دوسرے پوشیدہ۔ ایک وہ جو نظر آتے ہیں، جن کے بنانے بگاڑنے میں انسان کا دخل ہے۔ دوسرے وہ جو نظر نہیں آتے، جن کے بنانے بگاڑنے میں انسانوں کا دخل نہیں ہوتا۔ ظاہر اور پوشیدہ دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور مل جل کر کام کرتے ہیں۔ یہاں شیاطین جن سے پوشیدہ عوامل کی طرف اشارہ ہے۔ قیامت کے دن زمین و آسمان کی ہر چیز گواہی دینے لگ جائے گی جیسا کہ سورۂ زلزال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور جیسا کہ سورۂ یٰسین میں ذکر ہے اللہ ان کی زبانوں کو بند کر کے جسم کے تمام اعضاء کو بولنے کی قوت دے دے گا اور وہ سب شہادتیں دینے لگ جائیں گے۔ تب جا کر کہیں یہ ڈھیٹ جھوٹے مکار مجرمین نرم پڑیں گے۔

مجرمین نہ صرف اقرار جرم کریں گے بلکہ اپنی گمراہی کی واحد اصلی اور بنیادی وجہ بھی بیان کریں گے کہ ہم دنیا کی عشرتوں اور زینتوں پر ریجھ گئے تھے۔ ہم نے انہیں اپنا سب کچھ سمجھ رکھا تھا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جنوں میں بھی رسول آئے ہیں؟ علمائے تفسیر و حدیث میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ رسول ہمیشہ انسانوں میں سے آئے ہیں۔ ان میں سے بعض جنوں کے لئے بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے جنوں ہی میں سے افراد کو منتخب کیا ہے کہ اپنی قوم میں تبلیغ کریں۔ یا جیسا کہ سورۂ جن میں مذکور ہے، خود نیک جنوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ کا کلام سنا اور اپنی قوم تک پہنچایا۔ یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ انسانوں، جنوں بلکہ تمام ذی عقل مخلوقات کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ علماء کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں انسانوں سے پہلے جنوں کی آبادی تھی۔ ان میں تبلیغ کے لئے جن رسول آیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت آدم کے آنے کے ساتھ ہی جن رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، یہ دونوں اقوال متضاد نہیں ہیں۔

اس مضمون کی آخری آیت کا مقصد و منشا یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول اس لئے بھیجے ہیں تاکہ کسی بھی بستی کے رہنے والے احکام الٰہی سے بے خبر رہ کر جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ باقی رہے گا۔ کیونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد اب کسی طرح کے رسول اور کسی طرح کے نبی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قادیانیوں نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ختم نبوت پر پوری طرح ایمان رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ
كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ
لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي
مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۵

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۵

اور آپ کا پروردگار بے نیاز بھی ہے اور رحم و کرم والا بھی۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنادے۔ جس طرح تمہاری موجودہ نسل کو پہلی نسل کے بعد اٹھایا گیا ہے۔ تم سے جس (انصاف کے دن) کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا آنا یقینی ہے۔ اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے اے میری قوم! تم اپنے طور پر کام کرتے رہو۔ میں بھی اپنے طور پر کام کرتا رہوں گا۔ جلد ہی تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کو آخرت کا گھر ملتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں کو کبھی فلاح و کامیابی حاصل نہ ہوگی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۵

اَلْغَنِيُّ	بے نیاز۔ بے پرواہ
يَسْتَخْلِفُ	وہ قائم مقام بنا دیتا ہے

ذُرِّيَّةٌ	اولاد
تُوْعَدُوْنَ	وعدہ کئے گئے ہیں
مَكَانَتِكُمْ	اپنی جگہ
عَاقِبَةٌ	انجام

تشریح: آیت نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۵

اللہ رحمت والا ہے یعنی کسی کو سزا دینے میں اسے کوئی لطف نہیں آتا۔ اسے تو انعام واکرام دینے میں لطف آتا ہے اس کی رحمت کا تقاضا یہی ہے۔ تمہاری خوشی سے خوش ہے۔ تمہاری تکلیف سے ناخوش ہے۔ کیا تم اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو؟ جس جسم وجان کو اتنی محبتوں سے عنایت کیا اور اتنی محبتوں اور شفقتوں سے عمر کی مختلف منزلوں سے گذارا۔ کیا وہ اسے دوزخ میں ڈال کر خوش ہوسکتا ہے؟ مگر سزا۔ وہ بھی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ اس کے بغیر انصاف کہاں ممکن ہے۔

فرمایا جارہا ہے کہ اے لوگو! یہ جو مال ودولت، صحت واقتدار اس نے دے رکھا ہے، اس پر مت پھولو۔ فرد ہو یا جماعت، بڑی سے بڑی ہستی اور بڑی سے بڑی قوم اس صفحہ دنیا سے ایسی ملیا میٹ ہوگئی کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ وہ جگہ خالی نہ رہی۔ دوسری ہستیوں نے اور دوسری قوموں نے ان کی جگہ لے لی۔ کیا تم پیدائش اور موت کے نظام کو نہیں دیکھتے کہ تمہارے آباواجداد آج کہاں ہیں۔ کل وہ تھے۔ آج تم ہو۔ اسی طرح کل کوئی اور ہوگا۔

فرمایا ”جان رکھو کہ ظالموں کو کبھی فلاح حاصل نہ ہوگی“۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں ظالم صرف وہ نہیں جو کسی اور پر ظلم کرے۔ ظالم وہ بھی ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، جو کفر وشرک اور فسق وفجور کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق بنادے۔ جو کوئی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے وہ لپیٹ میں بہت سارے دوسرے لوگوں کو بھی لے لیتا ہے۔

فلاح دنیاوی بھی ہے اور اخروی بھی۔ اخروی تو خیر، ابھی پردہ غیب میں ہے۔ لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ظالم اپنے کیفر کردار کو اسی زندگی میں پہنچ جاتا ہے۔ عذاب الٰہی کی ایک قسم دنیا میں یہ بھی ہے کہ دولت ونعمت، صحت واقتدار کی زیادتی کردی اور وہ مزید گناہوں میں غرق ہوگیا یا زوال میں آگیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ظالم کے لئے قیامت کے دن ظلم، سخت اندھیرا بنے گا" (متفق علیہ)

اوس بن شرجیلؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا "جوشخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اس کو قوت پہنچائے گا یہ سمجھ کر کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا"

آپ ﷺ ہی کی ایک طویل حدیث ہے جس کا مطلب ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں گی اگر اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو مظلوموں کی برائیاں اس کے سر پر دھر دی جائیں گی۔ پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص کسی ظالم کے ظلم میں اس کی مدد کرتا ہے تو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے کو ظالم کے اوپر مسلط کر دیتا ہے تا کہ ظالم کو یہاں بھی سزا مل جائے۔

اور تاریخ بلکہ جدید تاریخ اس پر گواہ ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۶

اور یہ لوگ اللہ کے لئے ایک حصہ خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے مقرر کرتے ہیں۔ پھر اپنے ذہن اور ظن سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے بنائے ہوئے معبودوں کا حصہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو حصہ ان کے بنائے ہوئے شرکاء کا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا۔ اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کے بنائے ہوئے شرکاء کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۶

ذَرَاَ	اس نے پھیلایا
اَلْحَرْثُ	کھیتی
اَلْاَنْعَامُ	مویشی
نَصِیْبٌ	حصہ
لَا یَصِلُ	نہیں پہنچتا ہے
یَحْکُمُوْنَ	وہ فیصلہ کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۳۶

مشرکین عرب کھیتی اور باغ کی پیداوار اور مویشیوں میں سے ہر سال چند حصے الگ کر لیتے۔ ایک حصہ اپنے گھریلو استعمال کے لئے۔ ایک حصہ بت خانہ کے پجاریوں اور نگہبانوں کے لئے۔ ایک حصہ اللہ کے لئے جو غربا اور مساکین پر خرچ کرتے۔ حصوں کی تقسیم کے بعد بھی وہ اللہ کے حصے میں سے تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کاٹتے رہتے اور اپنے یا پجاریوں کے حصے میں ملا دیا کرتے تھے۔ نیز اگر کسی وقت اتفاق سے اللہ کے لئے مختص کئے ہوئے حصوں میں سے کوئی حصہ اپنے یا بتوں کے حصے میں مل جاتا تو اس کو اسی طرح ملا رہنے دیتے اور اس کے لئے یہ جواز ڈھونڈتے کہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے اس کے حصوں میں سے اگر کوئی حصہ کم ہو جائے گا تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

فرمایا جا رہا ہے کہ سارے کا سارا حق اللہ کا ہے۔ کوئی شریک نہیں۔ تقسیم کا حق اسی کو پہنچتا ہے۔ شارع وہی ہے۔ گھر، دفتر، دکان وغیرہ کے لئے جو وقت اور توجہ کا حصہ ہے۔ وہ اسی کی شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ کسی کو خود ہی شارع بن جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور لطف یہ کہ انہوں نے معبودانِ باطل ٹھہرا رکھے ہیں اور ان کے نام پر پجاریوں اور پروہتوں کو نذر و نیاز دے دیتے ہیں۔ اس کے بعد جو وہ نیم دلی سے تھوڑا بہت خیرات پر خرچ کرتے ہیں وہ کوئی نیکی نہیں ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾
وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖۗ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ
نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ
لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ
بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ
خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ
قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۰

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کو (ان کی نظروں میں) بہت خوبصورت بنا رکھا ہے تا کہ وہ ان کو برباد کر دیں اور دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اے نبی ﷺ آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں نظر انداز کر دیجئے۔

۱۶ ع ۱۲ ۲

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور یہ کھیتی ممنوع ہیں۔ ان کو کوئی نہ کھائے مگر جس کو ہم اپنی مرضی سے چاہیں۔ پھر کچھ جانوروں کی پیٹھ پر چڑھنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور کچھ جانور ہیں جن پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ ڈھونگ ہے اور اللہ انہیں ان بہتان طرازیوں کی سزا دے گا جو وہ بہتان باندھتے ہیں۔

اور وہ کہتے ہیں کہ ان (مخصوص) جانوروں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تو صرف ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کا کھانا ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ مگر جو بچہ مردہ پیدا ہو تو اس کے کھانے میں مرد عورت شرکت کر سکتے ہیں۔ اللہ انہیں ان باتوں پر سزا دے گا جو انہوں نے گھڑ رکھی ہیں۔ وہ صرف حکمت والا ہی نہیں ہے بلکہ سب کچھ جاننے بوجھنے والا بھی ہے۔

بے شک وہ احمق اور نادان لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ پر بہتان باندھ کر اس کے دیئے ہوئے رزق کو (جس پر جی چاہا) حرام ٹھہرا دیا۔ وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں وہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہرگز ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۰

لِيُرْدُوْ	تا کہ وہ برباد کریں
لِيَلْبِسُوْا	تا کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ کر دیں
حِجْرٌ	ممنوع ہے
لَا يَطْعَمُ	نہیں کھاتا
حُرِّمَتْ	حرام کردی گئی
بُطُوْنٌ	(بَطْنٌ)۔ پیٹ
خَالِصَةٌ	خالص۔ محض
لِذُكُوْرِنَا	ہمارے مردوں کے لئے ہے

مُحَرَّمٌ	حرام کردیا گیا
اَزْوَاجِنَا	ہماری بیوں (پر حرام ہے)۔
مَيْتَةٌ	مردار
وَصْفِهِمْ	ان کی باتیں بنانا
سَفْهًا	بے وقوفی۔نادانی

تشریح: آیت نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۰

انسانوں میں جو چالاک طبقہ ہے وہ بلا محنت امیر اور امیر تر بننے کے لئے پنڈت، پروہت، پادری، مجاور، آستانہ دار اور تکیہ دار بن جاتا ہے۔وہ بتوں کو، صلیبوں کو، قبروں کو اور خلوتوں کو تقدس کا رنگ دے کر اپنی آمدنی کا ذریعہ بنالیتا ہے۔اور یہ جاہل نادان عوام اس کا شکار بنتے ہیں۔ان کو شکار بنانے کے لئے کھلم کھلا یا پوشیدہ معبودانِ باطل گھڑے جاتے ہیں۔ان کی طرف سے افسانے تراشے جاتے ہیں ان کے نام پر کتابیں لکھی جاتی ہیں یا تحریف کی جاتی ہیں، ان کے نام پر قاعدے اور قوانین بنتے ہیں، حلال وحرام طے کئے جاتے ہیں، نذر نیاز، چڑھاوا، مستقل ٹیکس عائد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ ان خود ساختہ معبودوں کے اجارہ داروں نے عرب کے جاہل احمق مشرکین کو جو اصول و آئین دیئے تھے، ان میں سے چند یہ تھے:

(۱) جیسا کہ اس سے پہلی آیات میں گزر چکا ہے، کھیت اور مویشی کی پیداوار میں سے اللہ کا اور بتوں کا حسب مرضی حصہ لگانا۔آہستہ آہستہ مختلف بہانے سے اللہ کے حصہ میں سے کاٹ کاٹ کر بتوں یعنی پجاریوں کے حصہ میں اضافہ کرنا۔

(۲) داماد بنانے کو بے عزتی سمجھنا اور اس لئے بیٹیوں کو شیر خوارگی میں ہی قتل کر دینا۔چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو اس خطرے کے پیش نظر قتل کر دینا کہ بڑی ہو کر کہیں آوارگی کرنے نہ لگ جائیں۔یا کوئی دشمن قبیلہ لڑائی میں انہیں چھین کر نہ لے جائے۔

(۳) بیٹوں اور بیٹیوں کو بچپن ہی میں اس لئے قتل کر دینا کہ بڑے ہونے تک کون پالے پوسے گا۔کون اپنی روٹی میں ان کو شریک کرے گا۔کون ان کا علاج، کپڑے وغیرہ کے چکر میں پڑے گا (آج کل مغرب میں یہ عام ذہن اور عام رواج ہے۔چنانچہ اولادیں قتل کر دی جاتی ہیں، یا سڑک پر پھینک دی جاتی ہیں، یا یتیم خانہ، گرجا، فوج وغیرہ کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔

اور ان اولادوں کی کھیپ در کھیپ تیار ہوگئی ہے جن کو اپنے والدین اور گھر کا پتہ نہیں۔ آوارگی، لاقانونیت اور جرائم میں ان ہی لاوارث جوانوں کا ہاتھ زیادہ ہے۔ اب تو نوکری کی درخواست میں یا ویسے بھی کسی سے ماں باپ کا نام ونشان پوچھنا خلاف تہذیب ہوگیا ہے۔ ضرورت پڑی تو باپ کا فرضی نام تصنیف کرلیا گیا جو ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے)۔

(۴) کھیت کی پیداوار کو مخصوص کرنا۔ وہ کہتے تھے کہ اس کھیت کی پیداوار ہماری اجازت کے بغیر کوئی نہیں کھا سکتا۔ اس جانور کا گوشت صرف مرد کھا سکتے ہیں اور اس کا دودھ صرف مرد پی سکتے ہیں۔ اگر ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اسے صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں۔ اگر مردہ بچہ نکلے تو عورتیں بھی کھا سکتی ہیں۔ اس جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔ نہ دودھ نکالتے وقت، نہ سوار ہوتے وقت، نہ ذبح کرنے کے وقت۔ اس جانور پر کوئی چڑھ نہیں سکتا۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام چار قسم کے جانوروں کی تعظیم کو عبادت سمجھا جاتا تھا اور یہ جانور بت خانہ کی خدمت کے لئے وقف ہوتے تھے۔

(۵) بچوں کو قتل کر کے معبودوں پر بھینٹ چڑھانا۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ قتل اولاد کو مشرکین عبادت اور نیک کام سمجھ رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ خاندانی، اخلاقی، ذہنی، قومی اور ہر طرح کی خودکشی ہے۔ اہل عرب تلوار سے قتل کرتے تھے لیکن جدید اہل مغرب برتھ کنٹرول سے قتل کرتے ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم کے دوران فرانس میں آبادی اتنی گھٹ گئی کہ فوج اور دوسرے شعبوں کے لئے مردان کار نہیں ملتے تھے۔ مجبوراً حکومت نے انعام واکرام کے ذریعہ عورتوں کو اولاد پیدا کرنے اور پرورش کرنے کی ترغیب وتحریص دلائی اور اس سلسلہ کے سارے اخراجات حکومت نے اپنے ذمہ لے لئے۔ امریکہ کو ویت نام میں جو تلخ تجربہ ہوا اس کی وجہ یہی تھی کہ سفید فام سپاہیوں کا کال پڑ گیا۔ اور جبری بھرتی کا قانون بھی اس کال کو دور نہ کرسکا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اصل چیز سپاہی اور اس کا ولولہ ہے، بم اور راکٹ نہیں۔

ان آیات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان پجاریوں، راہبوں، مجاوروں اور اجارہ داروں نے اپنے کھانے کمانے کے لئے جو اس قسم کے اصول وآئین اور رسم ورواج بنا دیئے ہیں، تو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اصل دین کیا ہے اور شیطانی ملاوٹ کیا۔ ہر نسل تحریف در تحریف کرتی رہی ہے۔ شرک کے ان ٹھیکہ داروں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پیش کردہ دین کا وہ حلیہ بگاڑا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ جب انہیں ضرورت ہوئی نئے عقیدے، نئے اعمال، نئے رسوم لے آئے۔ اس لئے ہر صاحب عقل پہچان لے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے۔

تو وہ لوگ جو ان مذہبی ٹھیکہ داروں کے دام فریب میں آگئے، جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اہل حق کا حق مارتے رہے۔ جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال من مانی ٹھہراتے رہے، جو اولاد کشی کے ذریعہ خودکشی کرتے رہے، اوندھے منہ ضلالت کے گڑھے میں گر پڑے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو اسقدر گرا لیا ہے کہ راہ ہدایت کی کوئی تلقین ان کے کام نہیں آسکتی۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ

جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۱ تا ۱۴۲

(اللہ) وہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ پیدا کئے۔ وہ بھی جو مچانوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو مچانوں پر نہیں چڑھائے جاتے۔ اور نخلستان اور کھیتیاں جن سے انواع واقسام کی غذائیں حاصل ہوتی ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور پھر الگ الگ بھی۔ ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل دینے لگیں۔ اور ان کے (شرعی) حقوق ادا کرو جب انہیں کاٹو مگر فضول خرچی نہ کرو۔ بے جا خرچ کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اور اسی نے مویشی بنائے وہ بھی جو بوجھ اور سواری اٹھانے کے کام آتے ہیں (اور وہ بھی جن کو گوشت کھانے میں اور کھال بچھانے میں استعمال کیا جاتا ہے)۔ جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۱ تا ۱۴۲

مَعْرُوْشٰتٌ — اونچے چڑھائے ہوئے

اَلنَّخلُ	کھجور
اَلزَّرُعُ	کھیتی
اُکُلُ	پھل
اَلرُّمَّانُ	انار
مُتَشَابِهًا	مشابہ۔ایک دوسرے سے ملتے جلتے
اَثمَرَ	وہ پھل لے آیا
حَقَّه'	اس کا حق
حَصَادٌ	پکی کھیتی۔ پکے پھل
لاَ تُسرِفُوا	حد سے نہ بڑھو۔فضول خرچی نہ کرو
لاَ یُحِبُّ	وہ پسند نہیں کرتا
اَلْمُسرِفِينَ	فضول خرچی کرنے والے
حَمُولَةٌ	جس جانور پر بوجھ لادا جاتا ہے
فَرُشٌ	زمین سے لگے چھوٹے قد کے جانور
خُطُوَاتٌ	(خُطوَاتٌ)۔قدم

تشریح: آیت نمبر ۱۴۱ تا ۱۴۲

اس سے پہلے ذکر تھا کہ کس طرح عرب کے کفار و مشرکین نے اناج، پھل، دودھ، مویشی اور تمام غذائیات کے متعلق اپنے لئے حرام و حلال کے اصول بنا رکھے تھے تاکہ مردوں اور بت خانے والوں کو زیادہ سے زیادہ حصہ ملے اور وہ اجارہ دار بنے بیٹھے رہیں جسے چاہیں جتنا دیں اور جسے چاہیں کم دیں یا بالکل نہ دیں۔

ان آیات میں زور اس بات پر ہے کہ ملک اللہ کا، پیداوار اور پیدائش اسی کی ہے۔اس لئے حکم بھی اسی کا چلے گا، شریعت اسی کی نافذ ہوگی، حلال و حرام کا قانون اسی کا ہے۔اس کے علاوہ شکر و احسان کا تقاضا بھی یہی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے احسان شناسی، فکر، بصارت، بصیرت، نمک خواری، حق بندگی کی طرف پکارا ہے کہ آؤ موازنہ کرو اور مقابلہ کرو۔تمہارے جھوٹے معبودوں نے تمہاری کون سی خدمت کی ہے جن کے چوکیدار اور پہرہ دار تمہیں احمق بنا بنا کے سب کچھ

لوٹ رہے ہیں۔ آؤ دیکھو ذرا سوچو کہ اللہ نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔

یہ کھیتی، یہ اناج جس سے تمہاری جان بنتی ہے۔ اس کی کتنی قسمیں ہیں، کتنے مزے ہیں۔ کتنی شکلیں ہیں، کتنے خواص ہیں۔ یہ پھل جن سے تاکستان بھی بنتے ہیں اور نخلستان بھی، یہ بیلیں، یہ لٹیں جو مچانوں پر چڑھنے والے یا نہ چڑھانے والے، یہ تمہارے باغ اور خانہ باغ کی یہ سبزیاں، یہ ترکاریاں۔ وہ پھل جو سائز میں یا رنگ میں یا مزے میں یا خواص میں باہم مشابہ ہیں۔ اور وہ پھل جو اپنی الگ جنس، قوم یا خاندان رکھتے ہیں۔ وہ زیتون جو لکڑی بھی ہے، خوشبو بھی، کچا پھل بھی، پکا پھل بھی، روغن بھی، غذا بھی اور مزا بھی، دوا بھی اور شفا بھی۔ وہ انار جو کلی سے لے کر دانہ اور دانہ سے لے کر درخت تک حسن ورنگ، لطف وصحت ہے۔ دیکھو کس طرح اندر پیکنگ کر کے پھر ڈبہ بند ہوا بند محفوظ کر کے اتنی بلندیوں پر لٹکا دیا کہ جہاں تمہارا ہاتھ بھی سہولت سے پہنچ سکے۔ جو ہر روز تازہ تازہ ملتا ہے۔

اسی طرح اس نے کتنے قسم کے جانور بنائے۔ اونچے بھی اور نیچے بھی جنہیں تم بار برداری غذا الباس فرش اور نہ جانے کتنے دوسرے استعمال میں لاتے ہو۔ ہر ملک کی آب وہوا اور ضروریات زندگی کے لئے خاص موزوں جانور۔ پالتو بھی اور وحشی بھی۔ انتہا یہ کہ سانپ کے زہر اور گدھے کے دودھ سے کچھ بیماریوں کا علاج بھی ہوتا ہے۔

یہاں اس کے بے شماران گنت احسانات میں صرف غلے، پھل، سبزیاں، گوشت اور دودھ یعنی غذاؤں کا ذکر ہے۔ جنہیں یہ کفار ومشرکین غلط تقسیم کر کے کسی کو بدہضمی کی ڈکاریں بخش رہے ہیں اور کسی کو باسی روٹی کے لئے بھی بھوکوں مار رہے ہیں۔ مال اس کا، احسان اس کا پھر تم وہ من مانی کیوں کر رہے ہو۔

اس کا حکم ہے کہ کھاؤ اور کھلاؤ لیکن برباد نہ کرو۔ فرمایا کہ اہل کنبہ، اہل قرابت، اہل ضرورت کو کھلاؤ۔ کھانے اور کھلانے ہی کے لئے یہ چیزیں بنائی گئی ہیں۔ جس دن کھیتی کاٹو، جس دن پھل توڑو، خیرات کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور حقدار کو اس کا حق دو، پھر گھر لاؤ، پکاؤ، کھاؤ، اہل کنبہ میں، اہل قرابت میں، اہل محلہ میں، مرد عورت، آقا غلام میں تفریق نہ کرو۔ کھاؤ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔ شرک کفر اور شیطان والوں کے چکمہ میں مت آؤ۔

یہاں ''واتو حقه یوم حصاده'' سے بہت سے مفسرین نے جن میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ پیش پیش ہیں یہ معنی لئے ہیں کہ نہ صرف اہل حق اور اہل ضرورت کو دیا جائے زمین کی زکوٰۃ اور عشر بھی ادا کی جائے۔ زکوٰۃ اور عشر کتنا ہے، اس معاملے میں یہ آیت خاموش ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں تفصیلات طے کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ تفصیلات مدنی زندگی میں طے کی گئی ہیں۔ بہر حال ذہنوں کو تیار کرنے کے لئے یہ اشارہ ابھی سے کر دیا گیا ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ع ۱۷ ٤

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۳ تا ۱۴۴

اسی نے پیدا کئے آٹھ نر و مادہ۔ بھیڑ میں سے دو نر اور مادہ اور بکری میں سے دو نر اور مادہ۔

(اے نبی ﷺ!) ان سے پوچھئے اللہ نے ان کے نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ کو۔ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں؟ اگر تم سچے ہو تو ذرا سند لا کر بتا دو۔

اور اسی نے پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ پوچھئے اللہ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان کے دونوں مادہ کو۔ یا وہ بچے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے یہ حکم دیا تھا؟

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے تا کہ بلا علم (بلا عقل، بلا تحقیق) لوگوں کو گمراہ کرتا پھرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۳ تا ۱۴۴

ثَمٰنِيَةٌ — آٹھ

اَزْوَاجٌ	جوڑے
اَلضَّانُ	بھیڑ
اِثْنَیْنِ	دو
اَلْمَعْزُ	بکری
ءَ آلذَّکَرَیْنِ	کیا دونر
اِشْتَمَلَتْ	لپٹی ہے۔
اَرْحَامٌ	(رَحْمٌ)۔ بچہ دان
نَبِّئُوْنِیْ	مجھے بتاؤ
اَلْاِبِلِ	اونٹ
اَلْبَقَرِ	گائے
وَصّٰکُمْ	اس نے تمہیں وصیت کی۔ حکم دیا

تشریح: آیت نمبر ۱۴۳ تا ۱۴۴

مشرکوں کی طرف بیان کا رخ ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ جو تم نے اونچے جانوروں اور نیچے جانوروں کے بارے میں خود ساختہ اصول اور قانون بنائے ہیں کہ کسی کا نر حرام کر دیا ہے کسی کا مادہ حرام کر دیا ہے، کسی کے پیٹ کے بچے کے متعلق طے کر لیا ہے کہ اگر زندہ نکلے تو مردوں کے لئے جائز اور عورتوں کے لئے منع۔ اگر مردہ نکلے تو مرد عورت دونوں کے لئے جائز۔ یہ سارے خرافات تم نے کہاں سے گھڑ لئے ہیں۔ کیا تمہارے پاس اس کی سند ہے۔ اگر سند نہیں ہے تو تم یقیناً ان تمام باتوں میں جھوٹے ہو۔

کیا اللہ نے حکم دیا ہے؟ کیا قرآن میں ہے؟ کیا حدیث میں ہے؟ نہیں۔ تو پھر کیا تم وہاں پر موجود تھے۔ جب اللہ یہ حکم دے رہا تھا؟ پھر یہ جھوٹی تہمت اللہ پر؟ بلا علم؟ بلا ثبوت؟ اور جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے گا وہ اپنے ہی حق میں ظلم کرے گا۔ اور وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۵

اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ جو وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں تو کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں کی گئی ہے مگر مردار۔ بہتا ہوا خون۔ سور کا گوشت کہ جو بالکل ناپاک ہے یا وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو کہ وہ فسق ہے۔ البتہ اگر کوئی سخت مجبوری کی حالت میں کھا لے۔ نہ تو اس کا ارادہ نافرمانی کا ہو نہ وہ حد ضرورت سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہو تو بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۵

لَا اَجِدُ	میں نہیں پاتا
مُحَرَّمًا	حرام کیا گیا
طَاعِمٌ	کھانے والا
دَمًا مَّسْفُوْحًا	بہتا ہوا خون
اُهِلَّ	پکارا گیا۔ لیا گیا
غَيْرَ بَاغٍ	نافرمانی کا ارادہ نہ ہو
لَا عَادٍ	زیادتی کا ارادہ نہ ہو

تشریح: آیت نمبر ۱۴۵

یہ اسلام کا احسان ہے جس نے حرام اشیاء کی فہرست دے دی اور بقیہ تمام نعمتوں کو ہر مرد وزن کے لئے حلال کر دیا۔ اور وہ فہرست بھی مختصر ترین ہے۔ اور یہ حرام کی قید بھی انسان کی ذہنی اور جسمانی حفاظت کے لئے ہے۔

یہاں پر حرام کی فہرست میں چار اشیاء بتائی گئی ہیں۔

(۱) مردار

(۲) خون جو جسم سے باہر نکل گیا ہو یا نکلنے والا ہو۔

(۳) سور کا گوشت، ہڈی چربی اور اس کی ہر چیز کیونکہ وہ تمام کا تمام ناپاک ہے اور نجس عین ہے۔

(۴) اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور۔

زکوۃ، حج، عقیقہ، عدت وغیرہ کی طرح ذبح خالص اسلامی لفظ ہے اور اسلامی طریقہ ہے۔ غیر اسلام میں جانور مارے اور کاٹے جاتے ہیں لیکن ذبح نہیں کئے جاتے۔ دوسرے یہ کہ جانور کے حلق پر چھری چلاتے وقت غیر مسلم اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اللہ کا نام یعنی کلمات مسنونہ پڑھنا ظاہری شہادت ہے کہ اس ذبح کے پیچھے وہ جذبہ قربانی ہے جو سنت ابراہیمی کا تقاضہ ہے۔ ذبح کرنے والا اگر مسلمان بھی ہو اور قصداً یہ کلمات نہ پڑھے تو گوشت حرام ہے۔

قرآن میں حلال حرام پر بحث تین اور مقامات میں آئی ہے۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳ میں یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ سورہ مائدہ آیت ۳ میں یہی مضمون ہے مگر ذرا وضاحت سے۔ سورہ نحل آیت ۱۱۵ میں بھی یہی بات دہرائی گئی ہے۔ وحی جلی سے یہی چار چیزیں حرام ہیں لیکن وحی خفی یعنی حدیث رسول ﷺ نے بعض دوسرے جانوروں کو بھی منع فرمایا ہے یا ان پر کراہیت ظاہر کی ہے۔ جن پر کراہیت ظاہر کی وہ حرام کے قریب ہیں۔ مختلف آئمہ مذاہب نے اس مسئلہ پر اپنی اجتہادی رائے دی ہے اور مسئلہ کی زیادہ سے زیادہ وضاحت کی بھرپور کوشش کی ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ
ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ
اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ

بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۶ تا ۱۴۷

اور اہل یہود پر ہم نے ناخن والے سارے جانور حرام کر دیئے تھے۔ اور گائے اور بکرے کی چربی بھی سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ یا ان کی آنتوں سے یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ سزا ہم نے ان کی بغاوت پر دی تھی۔ اور ہم بے شک سچ بولنے والے ہیں۔ اب اگر وہ آپ ﷺ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے تمہارے رب کی رحمت وسیع ہے۔ مگر اس کا عذاب گناہ گاروں سے ٹلنے والا نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۶ تا ۱۴۷

ذِیْ ظُفُرٍ	ناخن والا جانور
شُحُوْمٌ	چربیاں
حَمَلَتْ	اٹھائے ہے
اَلْحَوَایَا	(حَوِيَّةٌ)۔ انتڑیاں
اِخْتَلَطَ	مل گیا
عَظْمٌ	ہڈی
جَزَيْنَا	ہم نے بدلہ دیا
بِبَغْيِهِمْ	ان کی نافرمانی کی وجہ سے
ذُوْرَحْمَةٍ	رحمت والا
وَاسِعَةٌ	وسعت والا۔ گنجائش والا

لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ اس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا

تشریح: آیت نمبر ۱۴۶ تا ۱۴۷

جن کافروں اور مشرکوں نے وحی جلی یا وحی خفی کی سند کے بغیر چند غذائیں اپنے اوپر حرام کرلی تھیں ان کو نصیحت ہے کہ:
یہ جو کچھ تم نے خود بخود کرلیا (یعنی حلال کو حرام کر بیٹھے یا اس کے برعکس) یہ بھی اللہ کا عذاب ہے۔ تم نے جو قرآن و حدیث سے بغاوت کی ہے اور آپ اپنے شارع بن گئے یہ اسی کی سزا ہے۔ اللہ کی سزا کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم سے اپنی کچھ نعمتیں چھین لے اور تم ہی اپنے آپ حلال کو حرام کر بیٹھو۔
سورہ نساء آیت ۱۶۰ میں آیا ہے بنی اسرائیل کے جرائم کی بنا پر ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کردیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں۔
حرام کا حکم اگر قرآن یا حدیث کے ذریعے آئے تو رحمت ہے۔ لیکن اگر کسی اور ذریعے سے آئے اور لوگ خود بخود اپنے شوق سے کچھ نعمتوں کا دروازہ اپنے آپ پر بند کرلیں تو یہ درپردہ سزائے الٰہی ہے۔
یہاں بتایا جارہا ہے کہ یہود پر جو پابندیاں لگی تھیں وہ ان کی بغاوت کی سزا تھی۔
آگے فرمایا ہے کہ اے مجرمو! اب بھی اگر تم باغیانہ روش سے باز آجاؤ تو اللہ کی رحمت وسیع و بسیط ہے۔ لیکن اگر ضد پر اکڑے رہے تو عذاب تمہارا مقدر ہے۔

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ
کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ
قُلْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ
اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ

الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۤءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاۤءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۤءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۸ ع ۵

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۵۰

(جھوٹ موٹ بحث اور کٹھ حجتی کے لئے) یہ مشرکین ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا کبھی شرک نہ کرتے اور نہ ہم کسی حلال کو حرام ٹھہرا لیتے۔ (فرمایا کہ) ان سے پہلی نسل نے بھی اسی طرح جھوٹے بہانے گھڑے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔

(اے نبی ﷺ!) ذرا ان سے پوچھیے کیا تمہارے پاس واقعی کوئی علم ہے جسے تم پیش کر سکو؟ تم تو اٹکل پر چل رہے ہو۔ تم تو گمان وخیال پر بھاگ رہے ہو۔

(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ نظر وعقل سے بھری منطق تو اللہ ہی نے پیش کر دی ہے۔ بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو راہ ہدایت پر لے آتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے ان گواہوں کو لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ لہذا اگر کچھ لوگ ایسی بات کہنے لگ جائیں تب بھی آپ ان کا اعتبار نہ کریں۔ اور نہ ان لوگوں کی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلیں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ جو آخرت پر ایمان نہیں لائے۔ جنہوں نے پروردگار کے برابر اپنے معبود بنا رکھے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۵۰

ذَاقُوْا انہوں نے چکھ لیا

اَلْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ حد کو پہنچی ہوئی بات جس میں شک نہ ہو

هَلُمَّ لاؤ

يَعْدِلُوْنَ وہ برابر کرتے ہیں۔ (شرک کرتے ہیں)

تشریح: آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۵۰

ہر طرف سے مجبور ہو کر، اپنے حق میں ہر دلیل کی راہ بند پا کر، پھر بھی ضد اور ہٹ دھرمی پر اکڑ کر، یہ مشرکین بحث کا آخری حربہ استعمال کریں گے۔ کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد جو کچھ کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں وہ جبر و تقدیر کے تحت ہے۔ یعنی اللہ کی مرضی یہی ہے۔ وہی اگر چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ حرام کھاتے۔ اس لئے الزام ہم پر نہیں کاتب تقدیر پر ہے۔ نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے ان سے کہہ دیجئے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ کفر و ایمان، ضلالت اور ہدایت کے درمیان کسی ایک راہ کا انتخاب کرنا تمہارے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ جبر کا نہیں، اختیار کا معاملہ ہے۔ تمہیں پوری آزادی دی گئی ہے کہ شرک و کفر کی طرف جاؤ یا اسلام و ایمان کی طرف۔ تم چور کو سزا دیتے ہو۔ کیوں؟ اگر وہ کہے کہ صاحب۔ میں مجبور تھا۔ چوری کرنا تو میری تقدیر میں لکھا تھا۔ میں چوری نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ کیا تم اسے چھوڑ دو گے؟ نہیں۔ تم جانتے ہو کہ چوری کرنا نہ کرنا سراسر اس کے اختیار میں ہے۔

فرمایا اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ یہ وہ بہانہ ہے جو تم سے پہلے تمہارے مشرک باپ دادا بھی کرتے رہے۔ لیکن اس بہانے سے ان کی گردن عذاب سے نہ بچ سکی۔ اور تمہاری گردن بھی اس بہانے عذاب سے نہ بچ سکے گی۔ کہہ دیجئے بے شک اگر اللہ چاہتا تو کوئی کافر منافق مشرک گناہ گار نہ ہوتا۔ سب فرشتوں کی طرح نسیان و عصیان سے دھلے دھلائے صاف و شفاف ہوتے۔ مگر اللہ کی یہ مشیت نہ تھی۔ بے شک جبر و تقدیر اپنی جگہ ہے مگر مصلحت الٰہی نے اس کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ اس کے آگے ذاتی اختیار و فیصلہ کا مقام آتا ہے اور تم سے اسی کا حساب ہو گا جو تمہارے ذاتی اختیار اور فیصلہ کے اندر ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم حقیقت ہے؟ یا دلیل و حجت ہے؟ یا کوئی گواہ ہے۔ آپ کی للکار کے جواب میں ان مشرکین سے بعید نہیں کہ چند جھوٹے گواہ محض بات بنانے کے لئے کھڑے کر دیں۔ اگر کوئی اتنا ڈھیٹ اور اڑیل نکل بھی آئے تو آپ ان کے رعب میں نہ آئیں۔ اس ڈھٹائی اور جھوٹ پر اصرار محض اس لئے ہو گا کہ وہ آپ کو اپنی طرف ڈھلکا لیں۔ یہ للکار اور یہ بحث اس لئے ہے کہ بات پوری ہو جائے اور شاید کوئی متلاشی حقیقت نکل آئے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳

(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجئے آؤ میں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کن چیزوں کو حرام (یا حلال) کیا ہے

(۱) کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ۔

(۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

(۳) مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق پہنچاتے ہیں۔ انہیں بھی پہنچائیں گے۔

(۴) فواحش اور بے حیائی کے پاس بھی نہ جاؤ۔ خواہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ۔

(۵) جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ۔

(۶) اس کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ۔ ہاں مگر ایسے طریقے سے جو نیک اور ایمان داری کا راستہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سن تمیز کو پہنچ جائے (یعنی بالغ ہو جائے)۔

(۷) اور کانٹے اور ترازو (ماپ تول) کو انصاف سے سیدھا رکھو۔ ہم کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔

(۸) اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ اللہ نے یہ تاکیدی احکامات تمہیں دیئے ہیں تاکہ تم دھیان دو۔

(۱۰) یہ ہے ہمارا بتایا ہوا سیدھا راستہ اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے دور بھٹکا دیں گے۔ یہ ہیں وہ تاکیدی احکامات جو اللہ نے تمہیں دیئے ہیں تاکہ تم اللہ کا تقویٰ حاصل کر سکو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳

تَعَالَوْا	آؤ
اَتْلُ	میں تلاوت کرتا ہوں۔ پڑھتا ہوں
اَلَّا تُشْرِكُوْا	یہ کہ تم شریک نہ کرو
اِحْسَانٌ	اچھا معاملہ۔ حسن سلوک
لَا تَقْتُلُوْا	تم قتل نہ کرو
اِمْلَاقٌ	(مِلْقٌ)۔ مفلسی کا خوف
نَرْزُقُ	ہم رزق دیتے ہیں
اِيَّاهُمْ	ان کو بھی

لاتَقرَبُوا	تم قریب نہ جاؤ
اَلفَوَاحِش	(فَاحِشَۃٌ)۔ بے حیائی کے کام
ظَھَرَ	ظاہر ہے۔ ظاہر ہوا
بَطَنَ	وہ جو چھپا ہوا ہے
وَصّٰکُم	وہ تمہیں وصیت کرتا ہے
اَحسَنُ	بہترین طریقہ
حَتّٰی یَبلُغَ	جب تک نہ پہنچ جائے
اَشُدَّہٗ	اپنی طاقت کو (بالغ نہ ہو جائے)
اَوفُوا	پورا کرو
اَلکَیلُ	ماپ
اَلمِیزَانُ	تول
بِالقِسطِ	انصاف کے ساتھ
لَا نُکَلِّفُ	ہم ذمہ داری نہیں ڈالتے
وُسعَھَا	جو اس کی طاقت ہو
اِعدِلُوا	عدل وانصاف کرو
وَلَو کَانَ	اگرچہ ہو
ذَاقُربٰی	رشتہ دار
اَلسُّبُلُ	(سَبِیلٌ)۔ راستہ
فَتَفَرَّقَ	پھر وہ جدا کردے گا

تشریح: آیت نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳

تین آیات میں دس احکامات بیان فرمائے گئے ہیں جو آئین اسلامی کی بنیاد ہیں۔

(۱) حکم ہے کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ:

ذات میں شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی یا بیوی سمجھ لیا جائے۔ صفات میں شرک یہ ہے کہ کسی کو عالم الغیب۔ انبیاء

کے علاوہ کسی کو معصوم اور خطاؤں سے پاک سمجھنا یا کسی کو شارع، سمیع الدعا، قاسم، مالک روز انصاف، مالک حیات وموت، شافی، رازق، خالق، فاطر، رب العلمین، رحمٰن رحیم، حی القیوم وغیرہ وغیرہ سمجھنا۔ اللہ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ کرنا، کسی سے خوف کھانا، کسی کی پرستش بندگی، تعظیم اور ایسی محبت پیش کرنا جس پر ساری محبتیں قربان ہو جائیں۔ کسی کو قاضی حاجات اور دافع مشکلات سمجھنا، کسی کے حکم کو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم پر ترجیح دینا۔ قرآن وحدیث کے سوا کسی اور کتاب کو معیار ومیزان سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

شرک جلی یہ ہے کہ جب عقیدہ بھی ہو اور عمل بھی۔ شرک خفی یہ ہے کہ عقیدہ ہو، عمل نہ ہو یا عمل ہو، عقیدہ نہ ہو۔ شرک خفی چونکہ نیم شعوری یا لاشعوری ہوتا ہے اس لئے اس میں زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

(۲) والدین کے ساتھ احسان کا سلوک کرو:

والدین یعنی ماں باپ، سگے یا سوتیلے مومن یا کافر ہوں ضمنی طور پر باپ اور ماں کے تمام رشتہ دار والدین میں سسر اور ساس شامل ہیں۔ سگے یا سوتیلے۔ ضمنی طور پر سسر اور ساس کے تمام رشتے دار بیوی بھی سسر اور ساس کی رشتہ دار ہے۔ اور اس کے بچے بھی۔ خواہ پہلے شوہر سے ہوں۔

احسان یعنی حق سے زیادہ دینا۔ معیار میں اور مقدار میں۔ بخشش۔ بخشائش بغیر واپسی کی امید رکھے ہوئے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ فرمایا نماز وقت پر پڑھنا۔ پھر پوچھا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ پھر پوچھا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ ذلیل ہو گیا۔ ذلیل ہو گیا۔ ذلیل ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کون ذلیل ہو گیا۔ فرمایا وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو ان کے بڑھاپے میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے تین قسم کے لوگوں پر لعنت کی ہے۔ وہ جس نے ماہ رمضان کو پایا اور بلا عذر شرعی روزے نہ رکھے۔ دوسرے وہ شخص جس نے ماں باپ کی خدمت نہ کی۔ تیسرے وہ جس نے آپ کا نام نامی سنا یا پڑھا یا کہا اور درود شریف نہ پڑھا۔

(۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے:

سورہ بنی اسرائیل میں اولاد کا ذکر مقدم فرمایا۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی''۔ معصوم اور کمزور بچوں کو رزق پہنچانا ضرور مقصود ہے۔ چونکہ یہ رزق بڑوں کی وساطت ہی سے پہنچے گا، اس لئے بڑوں کو بھی رزق پہنچتا ہے۔

یہاں حقوق والدین کے بعد اولاد کے حقوق پر زور دیا گیا ہے۔ قتل اولاد کی دو قسمیں ہیں، قتل جسمانی جیسا کہ جاہلیت میں عرب کیا کرتے تھے۔ قتل ذہنی یعنی غلط اور غیر اسلامی تعلیم وتربیت دینا یا آوارہ چھوڑ دینا جیسا کہ آج کل عام ہو رہا ہے۔ قتل ذہنی

میں خواہش کا خاص کردار ہے۔

(۴) بے حیائی اور بے شرمی کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ:

اگرچہ خواہش سے خاص مراد جنسی بدکاری اور اس کے آلات ترغیب و تحریص ہیں لیکن اس لفظ میں وہ تمام گناہ شامل ہیں جن کے اثرات دور و نزدیک اور نسل در نسل پہنچتے ہیں۔ گناہ کرنے سے دو ہی چیزیں روکتی ہیں اللہ کا خوف اور پھر لوگوں کا خوف۔ اللہ دیکھ رہا ہے مگر ہم اسے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ رہے لوگ تو وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں ہم انہیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ جنہیں اللہ کا خوف نہیں روکتا ہے، لوگوں کا خوف روک دیتا ہے۔ لوگوں کے خوف کو شریعت میں 'حیا' کہا گیا ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ حیا نصف ایمان ہے۔ حیا عصمت کے قلعہ کی فصیل اور دیوار ہے۔

یہ ٹوٹی تو سب کچھ ٹوٹ گیا۔ مغرب نے رکاوٹ سمجھ کر حیا کی دیوار کو سب سے پہلے ڈھا دیا ہے۔ چنانچہ اب شراب و شباب کھلے عام ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ حیا کی صفت سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ یعنی حیا تمام صفتوں کا سرچشمہ ہے۔ جس میں حیا ہوگی وہ برائیوں کے قریب بھی نہ پھٹکے گا۔ یہاں بے حیائی کی ہر ترغیب و تحریص سے بھی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، خواہ ظاہر، خواہ پوشیدہ، خواہ نزدیک خواہ دور۔

(۵) اور ہر جان کو اللہ نے واجب الاحترام ٹھہرایا ہے کسی کو ہلاک یا ناحق قتل نہ کیا جائے۔

ہر انسانی جان قابل تعظیم و احترام ہے اس قدر کہ ایک شخص کا قتل کرنا گویا دنیا کے تمام لوگوں کا قتل کرنا ہے۔ اس لئے قتل ناحق شدید ترین گناہوں میں سے ایک ہے۔

''حق کے ساتھ قتل''، یعنی وہ قتل جس کی اجازت قرآن و سنت نے بطور سزا دے دی ہے بلکہ حکم دے دیا ہے۔ قرآن کے مطابق جو شخص واجب القتل ہے وہ (۱) قاتل ہے اور جس کو اسلامی عدالت نے تفتیش و تحقیق اور انصاف کا ہر تقاضا پورا کرنے کے بعد بطور سزا ہلاک کرنے کا حکم دے دیا ہو۔ اور وہ متعین ذریعہ سے ہلاک کیا جائے۔ (۲) دین حق کے قیام کی مخالفت میں ہتھیار اٹھالے اور جس سے مہلک حملہ کا خطرہ یقینی ہو۔ (۳) اسلامی نظام حکومت کو الٹنے کی کوشش کرے یا دارالاسلام کی حدود میں مسلح بدامنی پھیلائے۔

حدیث کے مطابق وہ شخص بھی واجب القتل ہے جو (۴) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے (اس کو رجم کیا جائے گا) (۵) مرتد ہو جائے اور جماعت مسلمین سے خروج کرے۔

ناحق قتل حرام ہے خواہ مسلم کا ہو خواہ ذمی کا۔

ان پانچ نصیحتوں کے بعد قرآن نے فرمایا ہے'' (اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے) یہ تاکیدی احکامات ہیں تاکہ تم عقل و فہم سے کام لو۔

(٦) یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ مگر بہترین طریقے سے۔ یہاں تک کہ وہ سن

بلوغ کو پہنچ جائے:

سورہ نساء کی دوسری آیت میں ہے ''یتیموں کے مال ان کو واپس کر دو۔ اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

اسی سورہ کی چھٹی آیت میں ہے (اے سرپرستو!) خبردار۔ حد انصاف سے بڑھ کر اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی نہ کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر حق کا مطالبہ کریں گے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔''

(۷) اور ماپ تول میں پورا پورا انصاف کرو۔

ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بوجھ رکھتے ہیں جتنا وہ اٹھا سکے۔ خرید و فروخت زندگی کا کاروبار ہے۔ کسی قسم کی بدنیتی اور بے ایمانی دھوکا اور ظلم ممنوع ہے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم اسی میں جہنم واصل ہوئی۔

سورہ رحمٰن میں مذکور ہے ''اسی نے آسمان کو ٹھیک ٹھیک اونچا کیا اور توازن قائم کیا۔ چنانچہ توازن قائم کرنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور ماپ تول میں دونوں پلڑے انصاف کے ساتھ برابر رکھو۔ اور ماپ تول کو خراب نہ کرو۔''

یہ آسمان زمین اور سارا نظام کائنات قانون توازن وعدل پر قائم ہے۔ چنانچہ کاروبار زندگی میں کوئی فریق اپنے حق سے زیادہ لینے کی ناجائز کوشش نہ کرے۔ ترازو، پلڑے اور وزن ٹھیک ٹھیک رکھے۔ ڈنڈی نہ ماری جائے۔ صرف تجارت میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر معاملے، مقدمے میں یہی حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر ایک بیچنے والے کو کہا ''تو لو اور جھکتا ہوا تو لو۔''

جب کسی کا حق آپ کے ذمہ ہوتا تو آپ حق سے زیادہ ادا کرنا پسند فرماتے تھے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جو بیچنے کے وقت بھی نرم ہو کہ حق سے زیادہ دے اور خریدنے کے وقت بھی نرم ہو کہ حق سے زیادہ نہ لے۔ بلکہ کچھ معمولی کمی بھی ہو تو راضی ہو جائے۔''

(۸) اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ اس کی زد تمہارے قرابت دار پر کیوں نہ پڑتی ہو۔

گواہی میں، مقدمہ میں، سیاست میں، عام گفتگو میں، معاملہ کرتے وقت، رشتہ کرتے وقت، بیچتے اور خریدتے ہوئے، سربراہ خاندان یا سربراہ سلطنت کے فرائض ادا کرتے ہوئے، دوستی میں، دشمنی میں، صلح و جنگ میں، دفتر میں، دکان میں، سڑک پر، محفل میں، پڑوسی کے ساتھ، اجنبی کے ساتھ، وہی بات زبان سے نکالی جائے جس سے کسی کی عزت کا، دولت کا، خوشی کا یا پروگرام کا ناحق نقصان نہ ہوتا ہو۔ حق کے ساتھ بشرط ضرورت نقصان ہو جائے تو ہو جائے۔ خواہ تمہارا اپنا ہی نقصان ہو جائے۔ جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، سازش نہ کرو یہ اصول نجی سطح پر جتنا ضروری ہے، اس سے بہت زیادہ ضروری اجتماعی، سماجی، اور سیاسی سطح پر ہے، سورہ مائدہ میں آیت ۲

میں فرمایا ہے۔ ''دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا گرم نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضور ﷺ کا قول نقل ہے۔ ''جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے''

(۹) اور جو عہد اللہ سے باندھا ہے اسے پورا کرو۔

تم نے ''الست بربکم'' کے جواب میں ''بلیٰ'' کہا ہے۔

تم نے ''اشھدان لا الہ الا اللہ'' کہا ہے یعنی میں صرف اللہ ہی کا حکم مانوں گا خواہ اس راستہ میں میری جان بھی چلی جائے۔

تم نے ''اشھدان محمد رسول اللہ'' کہا ہے۔ یعنی میں رسالت محمدی پر ایمان رکھتا ہوں اور اللہ کے احکام و فرامین کو اسی طرح بجالاؤں گا۔ جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔

تم نے ''ایاک نعبد وایاک نستعین'' کہا ہے۔ یعنی میں اپنی تمام خدمات، تمام امیدیں اور تمام خوف اللہ اور صرف اللہ سے وابستہ رکھوں گا۔

تم نے میدان حج میں کہا ہے ''اللھم لبیک'' یعنی اے اللہ! میں تمام دوسرے علائق سے کٹ کر تیری خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اب جو حکم سرکار ہو۔

تم صبح و شام اللہ سے عہد کرتے رہتے ہو۔ اذان میں، نماز میں، روزہ میں، زکوۃ میں، حج میں، قربانی میں، شادی بیاہ میں، جینے مرنے میں۔

یہ جو تم اللہ کے بندوں سے عہد کرتے ہو، یہ بھی اللہ ہی سے عہد ہے کیوں کہ وہی تو نگہبان ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷ میں فرمایا ہے ''فاسق وہ ہے جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں۔'' حقیقت میں یہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں''۔ اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے۔ یہ نواں حکم تمام احکام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں اس نویں حکم کے بعد فرمایا ہے۔ یہ سارے احکام تاکیدی ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔

(۱۰) یہ دین محمدی ﷺ میرا سیدھا راستہ ہے، اس راہ پر چلو، دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور بھٹکا دیں گی۔

یہ دسواں حکم قرآن و حدیث کا خلاصہ ہے جو اپنے اندر سب کچھ سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ سورہ فاتحہ کے آخری نصف کا اعادہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ یہ تاکیدی احکام تمہیں اللہ نے دیئے ہیں تاکہ تم اس کی قربت اور محبت حاصل کرسکو۔

ان دس احکامات کے بیان کرنے میں تینوں جگہ لفظ وصیت فرمایا ہے جو تاکیدی حکم کے معنی رکھتا ہے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ع ۱۹ / ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۸

پھر ہم نے موسیٰؑ کو وہ کتاب عطا کی جو اچھے لوگوں کے لئے تکمیل نعمت تھی جس میں ہر ضروری بات کی تفصیل تھی، جو ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی جنہیں اپنے رب سے رو برو ہونے کا یقین تھا۔ اسی طرح ہم نے موجودہ خیر و برکت والی کتاب نازل کی ہے لہٰذا اس پر عمل

کرو۔ پرہیزگار بنو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

اب تم نہیں کہہ سکتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو فرقوں کے لئے اتاری گئی تھی اور ہمیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا پڑھتے پڑھاتے تھے۔ یا یہ کہنے لگ جاؤ کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ تعمیل حکم کرتے۔ لو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یہ کتاب دلیل روشن، ہدایت اور رحمت بن کر آگئی ہے۔ اب اس سے زیادہ (اپنے حق میں) ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے کترائے ہم ان کو سزا دیں گے جو ہماری آیات سے کتراتے ہیں۔ اس سے منہ موڑنے اور کترانے کے سبب بہت بڑا عذاب آ کر رہے گا۔

(اب ایمان لانے کی راہ میں کون سی رکاوٹ ہے؟) کیا یہ لوگ راہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے سامنے فرشتے آ کھڑے ہوں یا خود تمہارا رب آ جائے یا پھر تمہارے رب کی چند کھلی ہوئی نشانیاں نمودار ہو جائیں۔ یاد رکھو (جس دن فرشتہ نظر آ جائے گا یا غیب کی نشانیاں سامنے آ جائیں گی) پھر جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا جس نے ایمان کے دعوے کی تصدیق اعمال خیر سے نہیں کی تھی۔ اس کا پلٹنا کسی کام نہ آئے گا۔

(اے نبی ﷺ!) صاف کہہ دیجئے کہ تم لوگ بھی وقت کا انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۸

تَمَامًا	مکمل
طَائِفَتَيْنِ	(طائفۃ)۔ دو جماعتیں۔ دو فرقے
صَدَفَ	اس نے انکار کیا
اِنْتَظِرُوْا	تم انتظار کرو

تشریح: آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۸

فرمان الٰہی کا رخ اہل عرب کفار و مشرکین کی طرف ہے۔ فرمایا کہ

تمہیں جو بہانہ ڈھونڈنے، بھاگنے کا چور دروازہ تلاش کرنے اور کسی نہ کسی طرح چھوٹ نکلنے کی عادت ہے۔ تو ممکن تھا تم

یہ بہانہ کرتے۔ کہ توریت اور انجیل تو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے نازل کی گئی تھیں۔ ہمیں کیا خبر وہ کیا پڑھتے پڑھاتے تھے۔ ہم تو کلام الٰہی سے بے بہرہ رہے۔ اس لئے ہم بے قصور ہیں۔ تمہیں جو بڑھ بڑھ کے جھوٹے دعوے کرنے کی عادت ہے، بعید نہ تھا تم یہ کہتے۔ اگر ہم لوگوں کے لئے کلام الٰہی اترتا تو ہم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں سے بھی بڑھ کر تعمیل حکم کرتے۔

لو اب یہ کلام الٰہی (قرآن پاک) تم ہی لوگوں کے درمیان نازل ہو رہا ہے۔ تمہاری ہی زبان میں، تم ہی میں سے ایک شخص کے اوپر۔ اب تو تمام ممکن بہانوں کے رخنے بند ہو گئے۔ اب تمہارے پاس کوئی حجت نہیں رہی جسے تم قیامت کے دن پیش کر سکو، یہ قرآن برکتوں والی کتاب ہے۔ اس کی دلیلیں روشن ہیں۔ (اتمام حجت میں، اتمام نعمت میں) اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی راہ پر چل نکلو۔

جس طرح بنی اسرائیل کو کتاب مقدس دی گئی تھی تا کہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیشی پر ایمان لائیں۔ اسی طرح یہ کتاب مقدس تم کو دی جا رہی ہے۔ کہ رب کے سامنے اپنی پیشی پر ایمان لاؤ۔ یقین کامل کر لو کہ قیامت آئے گی، تمہیں اپنے رب کے سامنے حساب و کتاب کے لئے حاضر ہونا ہی ہے اور جزا و سزا پانا ہی ہے۔ اے انکار کرنے والو اور راہ حق سے کترانے والو! تمہارے سامنے اب دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ مطالعہ کی بھی کہ خود قرآن پڑھ کے سمجھو۔ اور مشاہدہ کی بھی۔ کہ ان کی زندگیوں کو دیکھو جو ایمان لا کر بالکل پلٹ گئے ہیں۔

کیا تم یہ اصرار کر رہے ہو کہ غیب کی نشانیاں تمہارے سامنے آ جائیں، یا کوئی فرشتہ یا خود حق تعالیٰ تمہاری نظروں کے سامنے آ موجود ہوں تو سن لو جب موت آئے گی غیب کی نشانیاں بھی سامنے آ جائیں گی فرشتہ بھی آ موجود ہوگا اور تم قیامت کے دن حق تعالیٰ کو بھی دیکھ لو گے۔ مگر جب موت کا فرشتہ نظر آ جائے گا تو ہزار چیخو پکارو دہائی دو کہ ہم ایمان لائے۔ ایمان لائے مگر سب بے کار۔ اس وقت کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ اب بھی وقت ہے۔ جب تک سانس تب تک آس۔ اب بھی ایمان لے آؤ۔ اب بھی اپنے دعویٰ ایمان کی تصدیق اعمال خیر سے کر لو۔ نہیں کرتے؟ تو وقت کا انتظار کرو۔ وقت خود ہی اس کا فیصلہ کر دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقے فرقے کر ڈالا اور گروہ در گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی بتا دے گا۔ ان کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ جو اللہ کے حضور ایک نیکی لے کر آئیگا تو دس گنا اجر پائے گا۔ اور جو ایک برائی لے کر آئے گا وہ اس کی سزا برابر ہی پائے گا۔ اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

فَرَّقُوْا	جنہوں نے فرقے بنا دیئے
اَمْرُھُمْ	ان کا معاملہ
عَشْرُ اَمْثَالِ	دس کے برابر

تشریح: آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

"دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا" تفرقہ اسی کا نام ہے۔ تفرقہ اور اختلاف میں فرق ہے۔ تفرقہ بنیادی ایمانی عقیدوں اور اصولوں میں الگ راستہ نکال دینا اور اختلاف کے معنی ہیں علمی اور فقہی تفصیلات اور جزئیات میں اجتہاد کرنا۔ اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر غلطی اور اختلاف کا دروازہ بند کر دیا جائے تو عقل کی ترقی کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ مگر اجتہاد وہی کر سکتا ہے جس کے پاس قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ خلوص ہو، علم ہو، عقل ہو، بصیرت ہو اور اعمال صالحہ ہوں۔

جس تفرقہ کی یہاں مذمت کی گئی ہے وہ عدم خلوص اور عدم علم وبصیرت کی بنا پر کوئی شخص اپنی مذہبی یا سیاسی لیڈر شپ کے لئے نئی اختراع کر دے۔ عقیدت میں کمی کرے۔ کسی نبی یا صحابی کی شان میں بے ادبی کرے۔ جیسا کہ یہودیوں نے کیا۔ یا عقیدت میں مبالغہ کرے۔ کسی کو اللہ کا بیٹا یا اوتار بنا ڈالے جیسا کہ عیسائیوں یا ہندوؤں نے کیا۔ کسی غیر نبی کا درجہ نبی سے بڑھا دے یا شرک توحید یا شرک نبوت کرے۔ عقائد میں اوہام وقیاسات اور لادینی فلسفہ ملا کر بدعت طرازی کرے۔ خود ساختہ قوانین وآئین بنائے۔ اہم کو غیر اہم کر دے اور غیر اہم کو اہم۔ اس طرح جدت بگھارے۔

برصغیر پاک وہند میں خصوصاً ۱۸۵۷ء کے بعد اس قسم کے چند غلط فرقے ابھرے ہیں یا انگریزوں کی طرف سے

ابھارے گئے ہیں جن میں سب کی کوشش بلیغ یہی رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی شان نبوت کو گھٹایا جائے ملاوٹ، بدعت یا جدت کے ذریعہ اور انگریزوں کی خاطر دین اسلام میں سے جہاد کی اہمیت کو پیچھے ہٹا کر کسی اور چیز کی اہمیت بڑھا دی جائے۔ مسلمانوں کو جہاد سے دور رکھ کر کسی اور چیز میں ساری عمر پھنسا دیا جائے۔ ''شیخ بھی خوش رہے انگریز بھی بیزار نہ ہو''۔

یہاں پر نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تمہیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا ہے جنہوں نے اپنے دین کو توڑ پھوڑ کر فرقے فرقے کر ڈالا۔ ان الفاظ میں پہچان بتائی گئی ہے کہ کون سا فرقہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔ جن فرقوں سے رسول ﷺ کو واسطہ نہیں رکھا یہ وہ فرقے ہیں جنہوں نے رسول ﷺ سے واسطہ نہیں رکھا۔ ان کی شان کو گھٹا کر یا بڑھا کر مسلمانوں کی توجہ کسی اور طرف موڑ دی۔ حدیث اور جہاد کی قیمت گھٹا دی۔ جسے حضرت محمد ﷺ لائے تھے۔ وہ تلوار کند کر دی جس کی زد دشمنان اسلام پر پڑتی تھی۔

رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میری امت کو بھی وہی حالات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے۔ میری امت کے لوگ بھی ان ہی بداعمالیوں میں مبتلا ہوں گے جن بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہو گئے۔ جس طرح ان کے بہتر فرقے بن گئے، اسی طرح میری امت میں بھی تہتر فرقے بن جائیں گے۔ جن میں سے ایک فرقے کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے''۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے۔ فرمایا ''ما انا علیہ واصحابی''۔ یعنی وہ جماعت جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلے گی وہ نجات پائے گی۔ (ترمذی۔ ابوداؤد ابن عمرؓ) یہی مضمون حضرت ابوہریرہؓ سے بھی منقول ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے بروایت عرباض بن ساریہ نقل کیا ہے۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلافات دیکھیں گے۔ اس لئے تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور اسی کے مطابق ہر کام میں عمل کرو۔ نئے نئے طریقوں سے بچتے رہو کیوں کہ دین میں پیدا کی ہوئی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہو گیا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ (رواہ ابوداؤد۔ احمد)

اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہر کام میں قرآن و حدیث اور اس کے بعد اجماع صحابہؓ اور اس کے بعد اجماع امت پر چلے۔ جدت اور بدعت والوں سے بچے۔

آگے چل کر قرآن نے فرمایا' جو اللہ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا تو دس گنا اجر پائے گا۔ اور جو ایک برائی لے کر آئے گا وہ اس کی سزا برابر پائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔

ایک حدیث قدسی میں بروایت حضرت ابوذرؓ ارشاد ہے۔

''جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور (ممکن ہے) اس سے بھی زیادہ۔ اور جو شخص ایک گناہ کرتا ہے تو اس کو سزا صرف ایک ہی گناہ کے برابر ملے گی یا میں اس کو بھی معاف کر دوں گا۔ اور جو شخص اتنے گناہ کر کے میرے پاس آئے کہ ساری زمین بھر جائے اور مغفرت کا طالب ہو تو میں اتنی ہی مغفرت سے اس کے ساتھ معاملہ کروں گا۔ اور جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ اور جو شخص ایک ہاتھ میری طرف آتا ہے میں اس کی طرف دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ تک بڑھتا ہوں اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر پہنچتا ہوں''۔

دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کی جزا سات سو گنا تک ہے۔ یہاں یہ الفاظ قابل غور ہیں ''جو شخص اللہ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا......'' تفسیر بحر محیط میں ہے کہ نیکی کرنے کے بعد اس نیکی کو موت تک باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ نیکی کو بدی باطل کر سکتی ہے۔ قرآن میں ہے ''تم اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو''۔ بہت سے اعمال نیکیاں حبط یعنی ضائع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ظلم، غیبت وغیرہ۔ کفر اور شرک تو معاذ اللہ تمام زندگی کی کمائی کو باطل اور بے اثر کر دیتے ہیں۔

اسی طرح توبہ۔ صدقہ۔ جہاد۔ مبارک راتوں کی عبادت وغیرہ سے گناہ صغیرہ دھل جاتے ہیں اور نامہ اعمال کی سلیٹ صاف ہو جاتی ہے۔

یہ کہہ کر کہ کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے یقین دہانی کی ہے کہ گناہ گار کو صرف اس کی کمائی کا معاوضہ ملے گا۔ ہرگز اس سے زیادہ نہیں۔

قُلْ اِنَّنِیْ

هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۴

(اے نبی ﷺ!) صاف کہہ دیجئے کہ (مشرکو!) بے شک میرے رب نے صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی کردی ہے۔ (یہی وہ مستحکم نسخۂ حیات ہے ملت بنانے والا نظام ہے) جسے ابراہیمؑ نے پورے خلوص سے مضبوط پکڑ لیا تھا۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (ان کی اتباع میں) صاف صاف کہہ دیجئے کہ میری تمام بندگی اور تمام قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا خالص اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔ (پوچھئے اے مشرکو!) جب کہ اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے، کیا میں کسی غیر اللہ کو اپنا رب بنالوں؟ کوئی جزا یا سزا نہیں پائے گا مگر جیسے اعمال کما کرلے جائے گا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (کچھ دنوں بعد) تمہاری واپسی تمہارے رب کی طرف ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتادے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۴

دِينًا قِيَمًا	مضبوط و مستحکم دین
نُسُكِيْ	میری قربانی
مَحْيَايَ	میری زندگی
مَمَاتِيْ	میری موت
أُمِرْتُ	مجھے حکم دیا گیا ہے
وَازِرَةٌ	بوجھ
وِزْرَ اُخْرٰى	دوسرے کا بوجھ

تشریح: آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۴

ردشرک پر بحث کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ چند ٹھوس حقیقتوں پر سورۃ الانعام کو موثر ترین پیرایہ میں ختم فرمارہے ہیں۔
آیت ۱۵۸ میں کہا ہے (اے نبی ﷺ) صاف صاف پکار دیجئے کہ تم لوگ بھی وقت (موت) کا انتظار کرو۔ ہم بھی

انتظار کر رہے ہیں۔ یہاں شرک کے خلاف چند دلائل قائم کئے ہیں اور یہ حجت تمام ہے۔ یہ دلیلیں رسول ﷺ کی زبانی ہیں۔ دعویٰ ہیں، حجت ہیں۔

پہلی دلیل:

صراط مستقیم کی طرف رہنمائی مجھے میرے رب کی طرف سے (بذریعہ وحی) ملی ہے۔ قیاس وگمان، وہم اور ذہنی پریشانی، آباؤاجداد کی اندھی تقلید، خواہشات نفس، مادی یا سیاسی مفاد، رسم دنیا، وغیرہ وغیرہ کے تحت میں نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

دوسری دلیل:

یہ وحی مجھے میرے رب نے بھیجی ہے جو تمام کائنات کا مالک اور منتظم ہے، جو غیب وحضور تمام حقیقتوں اور تمام مصلحتوں کا آقا ہے۔ لفظ ''رب'' سے اشارہ ہے کہ وہ ہستی میری مربی ہے، سرپرست ہے، رفیق وشفیق ہے۔ جو کچھ کیا ہے اپنے لئے نہیں بلکہ سراسر میری بہتری کے لئے کیا ہے۔

تیسری دلیل:

یہ صراط مستقیم ہے۔ دین قیم ہے۔ ملت ابراہیمؑ ہے۔ اس کے مقابلہ میں اے مشرکو! تمہاری پسندیدہ چیز کیا ہے؟

چوتھی دلیل:

اس دین اسلام کو حضرت ابراہیمؑ کی پسندیدگی کی مہر حاصل ہے۔ انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر اسے اختیار کیا تھا اور پھر تن من دھن سے ہر چہار طرف سے کٹ کر اور ہٹ کر اسی کے ہو رہے تھے۔

ویسے تو ہر پیغمبر کا دین صرف دین اسلام تھا لیکن حضرت ابراہیمؑ کا نام خاص طور پر اس لئے لیا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں تمام دنیا پر امامت کا تاج عطا کیا تھا۔ یہود و نصاریٰ، مسلمان، مشرکین عرب، بھارت کے ہندو سب انہیں مقتدا اور محترم تسلیم کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام برہما ہے۔ یہ لفظ ابراہیم کا بگاڑ ہے یا سنسکرت ہے یا جغرافیائی لحاظ سے تلفظ کا فرق ہے)۔

پانچویں دلیل:

حضرت ابراہیمؑ ہرگز مشرک نہ تھے بلکہ وہ خالص مسلم اور مجاہد تھے۔ ان کے زمانے میں بہت سے غیر اللہ کی پرستش ہوتی تھی۔ مثلاً بادشاہ، آگ، باپ، بیٹا، سورج، چاند، ستارے، حضرت ابراہیمؑ نے بادشاہ اور باپ سے اختلاف کیا، آگ میں کودے، بیٹے کی قربانی پیش کی، سورج چاند ستاروں کی نفی کی اور اس طرح شرک کی ہر جڑ پر عظیم کلہاڑی سے وار کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا نام اس لئے بھی لیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی جس کا حج آج تک ہو رہا ہے۔ وہ حج جس میں قربانی اللہ کے نام پر آج تک پیش ہو رہی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مشرکین مکہ یہودیوں اور نصاریٰ کے تعاون سے خانہ کعبہ اور حج اور مناسک حج کے نگراں بنے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کس حق سے نگراں ہو جب کہ کعبہ کا بنانے والا اور حج قائم کرنے والا ہرگز مشرک نہ تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا نام اس لئے بھی لیا گیا ہے کہ ان کے بعد جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ ان ہی کی نسل سے آئے ہیں۔ اس لئے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں سے کہا گیا ہے کہ تم کس طرح ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ (جو خود بھی پیغمبر اعظم تھے) کے خلاف شرک اختیار کر سکتے ہو۔ وہ شرک جس کے خلاف تمام زندگی انہوں نے جہاد کیا۔

اگرچہ دین اسلام کا تعارف ان آیات میں پہلے ہو چکا ہے (صراط مستقیم۔ دین قیم۔ ملت ابراہیمؑ) لیکن اب آگے مزید تشریح و تفسیر پیش کی جا رہی ہے۔ اسلام اپنے مسلم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔

قُلْ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان چار دانگ عالم میں ڈنکے کی چوٹ کر دیجئے۔ یہ کوئی سازش نہیں ہے۔ یہ کوئی زیرزمین مسلح تحریک نہیں ہے۔ یہ کوئی راتوں رات انقلاب نہیں ہے۔

اِنَّ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معاملہ مشکوک نہیں ہے۔ صدفی صد ٹھوس یقینوں پر قائم ودائم ہے۔

صَلَاتِیْ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میری نماز۔ میری تمام ذاتی اور اجتماعی عبادتیں۔ اس راہ استقامت میں ہیں۔

نُسُکِیْ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میری تمام جانی، مالی اور دوسری قربانیاں اللہ کے لئے ہیں۔ نسک سے مراد حج کا ہر فعل بھی ہے۔

مناسک حج۔ مشہور لفظ ہے۔

وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دنیا اور آخرت۔ ہوش سنبھالنے سے موت تک میرا ایک ایک فعل اک اک ارادہ۔

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ:۔۔۔ سرتاپا خاص اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ مسلم کا قلب ہو، دماغ ہو، جسم ہو کسی کو اللہ کی مرضی کے خلاف حرکت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ میں آزاد نہیں ہوں۔ حکم کا پابند ہوں۔

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سب سے پہلا مسلم، سب سے پہلا مومن نبی ہوتا ہے۔

وہ مثال قائم کرتا ہے۔ وہ اپنی تبلیغ کا چلتا پھرتا زندہ ثبوت ہوتا ہے۔ وہ طوفانوں کے بیچ میں چٹان ہوتا ہے۔

اسلام کا مطالبہ صرف یہ نہیں ہے کہ بس ایمان کا اقرار کر لیا جائے اور ایک خفیہ شریک بن جاؤ گے۔ بلکہ یہ ہے کہ تحریک کے آگے آگے چلو۔ قیادت کرو۔ ہر خطرے میں پیش پیش رہو۔ اپنی صلاحیتوں کو اعلیٰ ترین سطح پر لاؤ اور نظام اسلامی کو آگے بڑھاؤ۔ نبی ﷺ سے سبق سیکھو۔

اگر حضور ﷺ ''اول المسلمین'' نہ بنتے تو آج یہ تحریک ہم تک اور آپ تک نہ پہنچتی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا ہے میرا دل چاہتا ہے ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفہ زندگی بنالے۔

آگے یہ جو فرمایا ہے ''کوئی جزا یا سزا نہیں پائے گا مگر جیسے اعمال کما کرلے جائے گا۔ کوئی بوجھ نہیں اٹھائے گا مگر اپنے ہی نیک و بد اعمال کا'' تو یہ جواب ہے ولید بن نا معلوم (جو اپنے آپ کو ولید بن مغیرہ کہا کرتا تھا) اور دوسرے کفار کا جو حضور ﷺ کو یہ پیش کش کیا کرتے تھے کہ آپ اسلام چھوڑ کر ہماری قوم میں واپس آجائیں۔ ہم آپ کے گناہ اپنے اعمال نامے میں لکھوالیں گے۔ آگے چل کر یہ پیش کش کردی کہ اگر اعمال نامے میں ردو بدل نہیں ہوسکتا تو نہ سہی۔ آپ کی سزا (نعوذ باللہ) ہم بھگت لیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا ہے کہ زندوں کے اعمال کی سزا مردوں کو نہیں ملے گی۔ تمام انسانوں خصوصاً کافروں کی طرف فرمان کا رخ ہے کہ بہت جلد تم سب کو قبر میں جانا ہے اور وہاں سے روز حساب کچھ دور نہیں۔ یہ تمہاری زبان درازی اور کج بحثی نہیں چلے گی۔ اسلام لاؤ یا مت لاؤ۔ اللہ بے پرواہ ہے۔ ہاں تم اپنا اپنا حشر دیکھ لو گے۔

وَهُوَ الَّذِىْ
جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ
فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾

النصف ٢٠/١١ ع

ترجمہ: آیت نمبر ١٦٥

وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں بلند درجے دیئے تاکہ وہ تمہیں اس میں آزمائے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ بے شک تمہارا رب سزا میں دیر نہیں لگاتا اور بے شک وہ معاف کرنے والا بھی ہے اور رحمت کرنے والا بھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ١٦٥

خَلٰئِفَ	(خليفة)۔ نائب۔ قائم مقام
رَحِيْمٌ	بہت رحم کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۶۵

گذشتہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کی روح کیا ہے؟۔ وہ اپنے مسلم میں کون کون سے ظاہری و باطنی صفات ڈھونڈتا ہے۔ اور کیوں؟

یہ آخری آیت اسی ''کیوں'' کی تشریح ہے۔ ان صفات کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ تم خلیفۃ اللہ فی الارض کی ذمہ داری اٹھا سکو۔ تاکہ تم دنیا کی چیزیں امانت الٰہی سمجھ کر برت سکو تاکہ تم اس کی سزا سے بچ سکو اور اس کی طرف سے معافی اور رحمت حاصل کر سکو۔ جو حاصل زندگی ہے۔

شرک اور خلافت دونوں کا جمع ہونا محال ہے۔ سورہ انعام جو سراسر تردید شرک کی سورہ ہے اپنی تمام بحث کا خاتمہ اس سب سے بڑی دلیل پر کرتی ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اور خلافت کیا ہے؟ مصنوعی الہ سے بچنا خواہ وہ بت ہو، افسانہ ہو، نفس ہو، حرص مال یا حرص جاہ ہو، قوم پرستی، کنبہ پرستی یا وطن پرستی ہو۔ شرک میں پھنس کر تم خود نظر، تنگ نظر، خود فریب ہو جاؤ گے۔ تمہارے قلب ونگاہ میں وہ عالمگیریت نہیں پیدا ہو گی جو اس دنیا میں اللہ کی نمائندگی کی کلیدی شرط ہے۔

اس مختصر آیت میں چار حقیقتیں پیش فرمائی گئی ہیں۔

(۱) تمام انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ سورہ بقرہ آیت ۳۰ میں ہے ''میں زمین پر اپنا نائب مقرر کر چکا ہوں''۔ پہلے نائب حضرت آدمؑ تھے۔ ان کے بعد ان کی اولاد در اولاد۔ چنانچہ اس خلافت کو مسلم مانتا ہے۔ غیر مسلم نہیں مانتا۔

(۲) اس خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی اشیاء پر انسان کو استعمال کی آزادی بخشی ہے۔ مسلم امانت کو امانت سمجھتا ہے۔ غیر مسلم خیانت کرتا ہے۔

(۳) ان خلفا میں مراتب کا فرق بھی اللہ ہی نے رکھا ہے۔ کوئی امیر ہے کوئی غریب، کوئی حاکم ہے کوئی محکوم، کوئی باپ ہے کوئی بیٹا۔

(۴) اللہ نے اپنی چیزوں پر انسان کو اختیارات بخشے ہیں تو کس لئے؟ امتحان کے لئے۔ حق و باطل کی کشمکش میں کون کتنے بھر پانی میں ہے۔ کون طوفاں کے طمانچوں کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اور کون چار دیواری میں چھپا ہوا ساحل سے رزم خیر وشر کا فقط تماشہ دیکھ رہا ہے۔ کون طاؤس ورباب میں وقت اور صلاحیت کی امانت ضائع کر رہا ہے۔ اسی امتحان کی بنیاد پر آخرت میں نمبر دیئے جائیں گے۔

فرمایا ہے اس امتحان کے نتیجہ میں دیر نہیں ہے۔ مردے کی قیامت قبر ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی قیامت خواہ ہزاروں یا لاکھوں سال دور ہو لیکن جب مردے اپنی زندگی ثانی میں اٹھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ ابھی سوئے تھے اور کچھ دیر بعد بیدار ہو گئے ہیں۔

اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حساب بے باق کرتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔ یہ حساب تین بنیادوں پر ہوگا۔ انصاف۔ معافی۔ رحمت۔ سزا پانے والوں کے ساتھ انصاف سراسر انصاف۔ جزا پانے والوں کے ساتھ معافی اور بعد ازاں رحمت۔ درحقیقت معافی رحمت کی ابتدا ہے۔

ایک اہم نکتہ پیش نظر رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اپنی بے شمار امانتوں پر تصرفات دیئے ہیں۔ علم دیا ہے۔ عقل دی ہے۔ دنیا کا نظام حیات کچھ ایسا کر دیا ہے کہ ہم ان تصرفات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ ہمیں موت دے گا۔ قبر دے گا۔ قیامت دے گا۔ یہ سب کچھ اس کی رحمانیت کا ظہور ہے۔ اس میں کافر و مسلم، جن و حیوان، جاندار اور بے جان سب یکساں شریک ہیں۔ اپنے اپنے بار امانت اور مقصد زندگی کی حد تک۔

لیکن جب قیامت میں جنتی اور دوزخی کا فیصلہ ہو جائے گا۔ تو اہل جنت کے ساتھ اللہ کی رحیمیت شامل ہوگی۔ رحمانیت کا تعلق پہلی اور فانی زندگی سے ہے۔

رحیمیت کا تعلق دوسری اور لافانی زندگی سے ہے۔ رحمانیت کا تعلق سب سے بلا فرق ہے۔ رحیمیت کا تعلق صرف اہل ایمان سے ہے جبکہ ان کا ایمان ثابت ہو جائے گا۔ رحمانیت کا فیصلہ قیامت سے پہلے ہے۔ رحیمیت کا فیصلہ قیامت کے بعد ہے اور یہ بھی صرف مومنوں کے ساتھ ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی ''رحمٰن'' کا لفظ آیا ہے وہ تمام مخلوقات پر یکساں حاوی ہے۔ اور جہاں کہیں ''رحیم'' کا لفظ آیا ہے وہ صرف جنت میں مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ یہاں بھی ظاہر ہے کہ جب مغفرت ہوگی تب رحیمیت ہوگی۔ یہ سب سے بڑا انعام ہے۔ اس لفظ پر سورۃ الانعام ختم کی گئی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۸ تا ۹

• ولو اننا • قال الملا

سورۃ نمبر ۷

الْاَعْرَافْ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الاعراف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ نمبر	7
رکوع	24
آیات	206
الفاظ وکلمات	3387
حروف	14635
مقام نزول	مکہ مکرمہ

اعراف۔ (عرف کی جمع) اونچے پہاڑ اور ٹیلوں کو اعراف کہا جاتا ہے۔

اس سورۃ میں اعراف والوں کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سورۃ کا نام اعراف رکھا گیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک میدان میں کچھ ایسے اونچے پہاڑ، ٹیلے اور دیواریں سی ہونگی جہاں پر کھڑے ہونے والوں کو جنتی اور دوزخی دونوں صاف صاف نظر آئیں گے۔

ان آیات میں اعراف والے ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کے اچھے اور برے اعمال وزن میں برابر ہونگے۔ ان کو جنت اور جہنم میں داخل کرنے سے پہلے اس میدان میں کھڑا کیا جائیگا جہاں اونچے پہاڑ اور ٹیلے ہوں گے۔

خصوصیت:
اس سورۃ میں توحید و رسالت اور فکر آخرت پر زور دیا گیا ہے۔

جب جنتیوں اور جہنمیوں کا فیصلہ ہو جائیگا تب اعراف والوں کا فیصلہ کیا جائیگا۔ توقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم سے ان اعراف والوں کو جنت میں داخل فرمادیں گے۔

فرض منصبی:
دین کی سچائیوں کو بے خوف وخطر ہو کر پھیلانا ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔

قرآن کریم کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو وقتی فائدوں کے پیچھے پڑ کر آخرت کی فکر سے غافل ہو جاتے ہیں ان کو توحید و رسالت کی عظمت کی طرف لا کر ان میں فکر آخرت پیدا کی جائے۔ اسی لیے عبرت و نصیحت کے لیے گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں اور نبی کے دامن اطاعت و محبت سے وابستہ ہو کر دین و دنیا کی تمام عظمتیں حاصل کر سکیں۔

سورہ اعراف مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے توحید و رسالت اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے۔

اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ؛ اے نبی ﷺ! آپ اللہ کا پیغام بے خوف وخطر ہو کر اللہ کے بندوں تک پہنچائیے۔ کوئی سنے یا نہ سنے، آپ اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہیے اس معاملہ میں آپ اپنے دل میں کوئی تنگی

قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی جان کے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں علم غیب رکھتا تو میں ہر طرح کی بھلائیاں سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرنے والا اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والا ہوں۔

محسوس نہ کیجیے۔ اللہ آپ کا محافظ و نگہبان ہے۔ جو سعادت مند لوگ ہیں وہ آپ کی بات ضرور سنیں گے لیکن جنہوں نے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کا طریقہ اپنا رکھا ہے وہ آپ کی بات نہیں سنیں گے۔

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے اللہ کا پیغام ہر شخص تک پہنچایا جن کے مقدر میں ایمان لانے کی سعادت تھی وہ آگے بڑھ کر نبی کے دامن سے وابستہ ہو گئے لیکن بد بخت اور بد نصیب لوگ اس نعمت سے محروم رہے......!

ایسے لوگ اپنے زمانے میں کچھ بھی رہے ہوں لیکن آج ان کی زندگی نشان عبرت ہے۔

فرمایا گیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے اعمال اللہ کے ہاں محفوظ نہیں ہیں! بلکہ وہ تمام اعمال محفوظ ہیں۔ ان اعمال کو تولا جائے گا۔ جس کے جیسے اعمال ہونگے اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جائیگا...... جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان کے معاملہ کو کچھ دیر روک کر بالآخر ان کو بھی جنت کی ابدی راحتوں سے ہمکنار کر دیا جائے گا۔ ان ہی لوگوں کو اصحاب الاعراف فرمایا گیا ہے۔

سُورَةُ الأَعْرَاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۵

الف، لام، میم، صاد (حروف مقطعات - ان حروف کے معنی اور مراد کا علم اللہ کو ہے) اے نبی ﷺ آپ ﷺ کی طرف جو کتاب اتاری گئی ہے (اس کو پہنچانے میں) اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کیجئے اور آپ لوگوں کو اس کے ذریعہ (عذاب جہنم سے اچھی طرح) ڈرائیے۔ یہ کتاب اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے۔ (اے اہل ایمان) تم اس پیغام کی اطاعت کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اس پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اطاعت نہ کرو۔ تم میں سے وہ لوگ بہت کم ہیں جو اس پر دھیان دیتے ہیں۔

اور ہم نے راتوں رات اور دوپہر کو آرام کے وقت اچانک کتنی ہی بستیوں کو عذاب کے ذریعہ تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور جب ہمارا عذاب پہنچا (تو وہ اقرار جرم کرتے ہوئے کہنے لگے) کہ بے شک ہم ہی ظلم اور زیادتی کرنے والے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۵

لَا يَكُنْ	نہ ہوں
حَرَجٌ	تنگی
لَا تَتَّبِعُوْا	تم پیروی نہ کرو
مِنْ دُوْنِهٖ	اس کے سوا
تَذَكَّرُوْنَ	تم دھیان دیتے ہو
كَمْ	کتنے۔ کتنی
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
بَيَاتٌ	رات کو
قَائِلُوْنَ	دوپہر کو سونے والے

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۵

قرآن حکیم کی ترتیب کے لحاظ سے سورہ اعراف ساتویں بڑی سورت ہے جو ہجرت مدینہ سے کچھ ہی عرصہ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اس سورۃ کے مضامین کا خاص رخ مکہ مکرمہ کے ان مشرکین اور کفار کی طرف ہے۔ جنہوں نے حق وصداقت کی آواز کو دبانے کے لئے ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی جب ہم سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں ہجرت مدینہ سے کچھ ہی عرصے پہلے ایک کے بعد ایک نازل ہوئی ہیں کیونکہ دونوں کی آیات کا رخ مکہ مکرمہ کے مشرکین اور کفار کی طرف ہے۔ سورۃ الانعام میں توحید اور اللہ کی وحدانیت پر زور ہے جبکہ سورۃ الاعراف میں توحید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پیغام رسالت اور آپ کی شان کے متعلق ارشادات موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ توحید ورسالت ہی وہ سچائی ہے جس کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے جاں نثاروں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اس پیغام کو پہنچانے میں انہوں نے حالات کی، قوم کے افراد کی اور حکومت وسلطنت اور اس کی طاقت کی پرواہ نہیں کی۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی جب اس پیغام حق وصداقت کو مکہ مکرمہ کے رہنے والوں تک پہنچانے کی بھرپور

جدوجہد کی تو ابتدا میں کفار ومشرکین نے اس کو بے حقیقت سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور بات مذاق اڑانے اور پھبتیاں کسنے کی حد تک محدود رہی لیکن جب اس سچائی کی تحریک نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا تو کفار مکہ اور مشرکین نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ پر مخالفت کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں اور ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک ہر طرح کی مخالفت اور ظلم وستم کی وہ انتہا کر دی جس کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے استقلال اور صبر وتحمل کا پیکر بن کر ہر ظلم وستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کفار کے مقابلے میں عزم وہمت کا پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی عزم وہمت کے سامنے پہاڑ بھی ریت کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ پھر بھی ان مٹھی بھر اہل ایمان کا سارے عرب کے ساتھ مقابلہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔ بشری تقاضا ہے کہ کبھی کبھی انسان حالات کے سامنے بے بس سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ وقت کسی بھی تحریک کیلئے بہت نازک ہوتا ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب سورۃ الاعراف نازل ہوئی جس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرامؓ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ حالات کی سنگینی میں دل کا تنگ ہو جانا، گھبرا اٹھنا اور دھمکیوں سے متاثر ہو جانا ایک فطری اور بشری تقاضا ہے لیکن آپ ہر طرح کی انسانی حمایت سے بے نیاز ہو کر صرف اس پیغام حق کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ آپ اس پیغام حق کو بے خوف وخطر پہنچانے کی کوشش کیجئے اور بس...... اللہ خود ہی اس دین کا محافظ ہے۔

سورۃ الاعراف کی ابتدائی پانچ آیات میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان حالات میں کوئی تنگی اور گھٹن محسوس نہ کیجئے۔ آپ اپنے فرض کی ادائیگی میں لگے رہئے جن لوگوں کے مقدر میں ایمان کی سعادت لکھی ہے وہ اس پر دھیان دینگے اور آپ کی طرف کھنچے چلے آئیں گے اور جن کے مقدر میں دولت ایمانی سے محرومی ہے ان کے لئے آپ کچھ بھی کیجئے وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کو ایمان کی روشنی تک نصیب نہ ہوگی نبی کریم ﷺ کے بعد تمام اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو کچھ اللہ کا یہ پیغام نازل کیا جا رہا ہے اس پر دھیان دیں اس کو اپنے دلوں کا نور بنالیں اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں جو اس پیغام حق کی طرف دھیان نہیں دیتے کیونکہ سچائی کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوا کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بعد اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کو گواہ بنا کر فرمایا ہے کہ گذری ہوئی قوموں کا حال سامنے رکھو۔ ان کے حالات پر نگاہ رکھو کہ جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام پیغام حق لے کر آئے تو ان پر بھی ہر طرح کے ظلم وستم کئے گئے لیکن جب ظلم وستم کی انتہا ہو گئی تو پھر اللہ کا فیصلہ اس وقت آ گیا جب کہ وہ رات کو یا دن کو مدہوش اور بے خبر نیند کی لذتوں میں مست تھے۔ فرمایا کہ جب تمہارے رب کا یہ فیصلہ آ جاتا ہے تو پھر ظالم خود ہی پکار اٹھتے ہیں کہ واقعی ہم تو ظالم تھے، ہم سے بہت زیادتی ہوئی۔ مگر اللہ کا فیصلہ آنے کے بعد کسی کے پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان آیات میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کا قانون کبھی بدلتا نہیں۔ آج کفار ومشرکین کے لئے وقت ہے کہ وہ گذشتہ قوموں کی زندگی سے عبرت حاصل کرلیں ورنہ جب اللہ کا فیصلہ آ جائے

گا تو پھران کے راحت وآرام اور مال و دولت کی بدمستی ان کے کام نہ آسکے گی۔

ان پانچ آیات سے چند بنیادی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱) سچائی کے پیغام کا یہ حق ہے کہ اس کو پوری دیانت وامانت سے اللہ کے بندوں تک پہنچا دیا جائے اس راستے میں خوف کرنے، اور ناکامی کے خوف سے ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پیغام حق'' کو پہنچانا یہ وہ کانٹوں بھرا راستہ ہے جہاں ہر اٹھنے والا قدم زخمی ضرور ہوتا ہے۔ اس راستے میں ہر ملامت کرنے والے کی ملامت اور دھمکیاں دینے والوں کی دھمکیوں سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھنا ہے یہ وہ راستہ ہے جہاں عشق کو آتش نمرود میں بے دھڑک کود جانا پڑتا ہے۔

۲) تبلیغ دین کی ٹیکنیک یہ ہے کہ اللہ کے اس ابدی اور سچے پیغام کو ان لوگوں تک پہنچاتے رہنا چاہئے جو ایمان لا چکے ہیں تا کہ ان کا ایمان تازہ اور مضبوط رہے۔ لیکن ان سے بھی غافل نہ رہنا چاہئے جو ابھی تک ایمان کی روشنی سے محروم ہیں۔

۳) اس دین کی سچائی کو پہنچانے کی تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ نے جس شخص کو اس دین کی سچائی کو پھیلانے کی سعادت عطا فرمادی ہو اس کی زندگی، عمل اور کردار دوسروں کیلئے مینارہ نور ہو۔ وہ اس عمل کی سچی تصویر ہو محض گفتار کا غازی نہ ہو بلکہ کردار کا بھی غازی ہو...... وہ دنیا کو بتا دے کہ جب اس نے دین کا راستہ اختیار کر لیا ہے تو اس نے اللہ اور رسول سے اپنا سب سے بڑا رشتہ قائم کر لیا ہے۔ اب اس رشتے کے سامنے ہر دوستی، رشتہ، تعلق اور قرابت داری ایمان کی عظمتوں پر قربان ہے۔ اس کے لئے نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کی زندگی بہترین نمونہ ہے جنہوں نے اس رشتے کے سامنے کسی بھی رشتے اور تعلق کی پرواہ نہیں کی اور اپنا سب کچھ قربان کر دینے کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم فرمائیں۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶ تا ۱۰

پھر ہم ان سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (ہم نے اپنے) رسول بھیجے تھے اور ہم ان رسولوں سے بھی سوال کریں گے۔ پھر ہم ان کو اپنے علم سے سب کچھ بتا دیں گے اور ہم ان سے بے خبر تو نہ تھے...... (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے جن لوگوں کے (اعمال) وزن بھاری ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے۔ وہ اپنے آپ کو نقصان میں مبتلا پائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے...... اور ہم نے تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا اور ہم نے ہی تمہارے لئے اس میں سامان زندگی بنا دیا۔ لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶ تا ۱۰

نَسْئَلَنَّ	ہم ضرور پوچھیں گے
نَقُصَّنَّ	ہم ضرور بتائیں گے
غَآئِبِیْنَ	غائب رہنے والے
ثَقُلَتْ	بھاری ہوئے
مَوَازِیْنُ	(مَوْزُوْنٌ)۔ وزن۔ تول
خَفَّتْ	ہلکے ہوئے
خَسِرُوْا	انہوں نے نقصان اٹھایا
مَکَّنَّا	ہم نے ٹھکانا دیا
مَعَایِشَ	(مَعِیْشَۃٌ)۔ زندگی گذارنے کا سامان

تشریح: آیت نمبر ۶ تا ۱۰

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴ تا ۵ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی بستیوں اور شہر والوں کا ذکر کیا ہے جن کے برے اعمال

اور بدکرداریوں کی وجہ سے مختلف وقتوں میں مختلف عذاب آئے، کسی قوم کی شکل بدل دی گئی، کہیں پتھر برسائے گئے، بہت سی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا، زلزلے، سیلاب بیماریوں اور آفتوں میں مبتلا کیا گیا اور کسی پر ظالم و جابر حکمرانوں کو مسلط کر دیا گیا۔ یہ تو وہ عذاب تھے جو ان پر انکی بداعمالیوں کے سبب اس دنیا میں آئے لیکن آخرت میں ایسی قوموں کا کیا انجام ہوگا اس کے متعلق قرآن کی بہت سی آیات اور احادیث میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۶ تا ۱۰ میں حشر کے ہولناک دن کے متعلق بتایا گیا ہے جب اچھے برے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں سے سوالات کر کے انکے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔

سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! کیا تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آئے؟ انہوں نے سچائی کا پیغام تمہیں پہنچایا؟ ایمان والوں کو جنت کی بشارت اور کفر کی روش پر چلنے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرایا تھا؟ کیا انہوں نے توحید و رسالت پر ایمان لانے اور عمل صالح کی دعوت دی تھی؟ کیا انہوں نے کلمہ شہادت کے ذریعہ اللہ کی حاکمیت اور عبودیت قائم کرنے کی تلقین کی تھی؟ اسی طرح کے بہت سے سوالات کئے جائیں گے۔ اس جگہ امتوں کا جواب تو نقل نہیں کیا گیا لیکن قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کے لوگوں کے جوابات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں کچھ تو لوگ وہ ہوں گے جو اپنی خطاؤں، لغزشوں اور کفر و شرک کا اقرار کرلیں گے لیکن وہ لوگ جن کو دنیا میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت ہوگی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے منہ پر انکار کرتے ہوئے کہہ دیں گے کہ ہمیں تو کوئی ڈرانے والا یا نصیحت کرنے والا نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں مگر اس عدالت میں انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرامؑ سے پوچھیں گے کہ تم اپنے گواہ لے کر آؤ کہ تم نے پیغام حق ان لوگوں تک پہنچایا ہے یا نہیں؟ انبیاء کرامؑ اپنی گواہی کے لئے امت محمدی کو پیش کریں گے کہ یہ ہمارے گواہ ہیں۔ منکرین پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ یہ تو ہمارے بہت بعد میں آئے ہیں ان کو کیا معلوم۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت سے پوچھیں گے کہ تمہیں یہ بات کس نے بتائی۔ آپ ﷺ کے امتی نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ آپ ﷺ نے ہمیں بتایا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ ارشاد فرمائیں گے کہ اے اللہ آپ کے کلام کے ذریعہ میں نے ان کو بتایا کہ ان سب انبیاء کرامؑ نے پیغام حق کو پوری دیانت و امانت سے اپنی امتوں کو پہنچایا۔ جب نبی اکرم ﷺ یہ ارشاد فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ ہم اپنے رسول ﷺ پر گواہ ہیں (یہ تفصیل حدیث شریف میں ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت میں بھی مختصراً اس حقیقت کی نشاندھی فرمائی گئی ہے)۔

پھر اس کے بعد انبیاء کرامؑ سے پوچھا جائے گا کہ مخالفین کی طرف سے ہر طرح کے خطرات کے باوجود کیا تم نے اپنا فرض ادا کیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا؟ کیا تم نے مشرکین کے سامنے توحید خالص کا پیغام پیش کیا تھا؟ کیا تم نے پیغام حق کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے تبلیغ قولی کے ساتھ تنظیم و جہاد کی عملی کوششیں بھی کی تھیں؟...... انبیاء کرامؑ عرض کریں گے الٰہی ہم نے اس سچائی

کے پیغام کو پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اے اللہ آپ ہر غیب کے جاننے والے ہیں۔ اسی طرح اہل کفر وشرک سے بھی سوال ہوگا کہ آخر تمہارے پاس ضد، اور ہٹ دھرمی کی کیا دلیل تھی؟ تم کیوں بھاگے پھر رہے تھے؟ آخر تم کیوں بہانے بناتے رہے؟

اہل ایمان سے بھی پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اپنے ایمان کو ہر طرح کی ملاوٹ سے محفوظ رکھا تھا؟ کیا تم نے ان ہزاروں نعمتوں کا جواب شکر ادا کر کے دیا تھا جو ہم نے تمہیں عطا کی تھیں۔ فرمایا جائے گا کہ ہم نے تمہیں ٹھکانا دیا تھا، وسائل زندگی اور ان گنت نعمتوں سے نوازا تھا تم کوئی شکر کا نمونہ لے کر آئے ہو تو پیش کرو۔

قیامت کے ہیبت ناک دن میں یہ سوال وجواب ہوں گے۔ حالانکہ اللہ کو تو سب کچھ معلوم ہے اس کے ریکارڈ میں ایک ایک بات موجود ہے لیکن ان سوال وجواب اور گواہیوں کا مقصد صرف ضابطہ کی عدالتی کارروائی ہے اور بات کو منطقی نتیجہ تک پہنچانا ہے تاکہ جنت اور جہنم میں جانے والے اللہ کی عدالت وصداقت کو تسلیم کرلیں اور اپنے بہتر اور برے انجام تک اپنے اعمال کے سبب پہنچ جائیں...... قیامت کا دن عدل وانصاف کا دن ہوگا جس میں ایک ایک نفس کے اعمال کو میزان عدل پر تولا جائے گا۔ وہ میزان عدل جو سچ اور حق ہے۔ میزان عدل میں وہی اعمال بھاری اور وزن دار ہوں گے جو صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے کئے گئے ہوں گے ورنہ اچھے سے اچھا عمل اگر محض دکھاوے، نمود ونمائش، فریب، باطل اور ابلیس کی راہ میں ہوگا وہ بے وزن ہوگا اس دن کا تول بالکل حق ہوگا جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی کامیاب وبامراد ہوں گے۔ لیکن جن کے اعمال بے وزن اور کفر وشرک کے ساتھ ہوں گے وہی حسرت وافسوس کے ساتھ جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ سورہ قارعہ میں فرمایا گیا ہے کہ جس کا پلہ بھاری نکلا وہ خوش خوش ہمیشہ عیش میں رہے گا اور جس کا پلہ ہلکا نکلا وہ جہنم کی گود میں جا گرے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام حاضر صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ جب قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ سارے صحابہؓ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ ہم یہی کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام تمام وکمال ہم تک پہنچایا ہے اور اللہ کی امانت کا حق ادا کر دیا ہے اور آپ نے امت کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرمایا یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حاضرین سے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں (یعنی ان لوگوں تک جو اس محفل میں نہیں ہیں یا جو میرے بعد نسلاً بعد نسل دنیا میں آئیں گے)۔

ان آیات کا خلاصہ اور وضاحت یہ ہے:-

۱) کفر وشرک میں مبتلا لوگوں سے اور انبیاء کرام علیہم السلام سے عدل وانصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے

سوالات کئے جائیں گے جس میں کفار کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور انبیاء کرامؑ اور نیک صالح امتی سرخ رو ہو کر نجات اور فلاح پائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود کہ اللہ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے اس کا علم ہر چیز پر غالب ہے اس کی نگاہوں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے وہ کسی شہادت اور گواہی کا محتاج نہیں ہے لیکن جس طرح اللہ نے اپنے فضل و کرم سے دنیا میں رہنے سہنے اور اعمال کرنے کی آزادی دی ہے اسی طرح وہ آخرت میں بھی ہر ملزم کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع عطا فرمائیں گے۔

۲) اعمال کا تولا جانا برحق ہے لیکن ان اعمال کو کس طرح تولا جائے گا کس، چیز پر تولا جائے گا اس کی وضاحت موجود نہیں ہے ہمارے سامنے تولنے کا جو آلہ یا ذریعہ ہوگا ہم انسانی محاوروں کے مطابق بات سمجھانے کے لئے اسی طرح سمجھانے کی کوشش کریں گے جیسے صدیوں پہلے کسی چیز کو تولنے اور ناپنے کے پیمانے ہوتے تھے۔ ہمارے بزرگوں نے بات کو سمجھانے کے لئے ان ہی چیزوں کا سہارا لیا اور بات کو سمجھا دیا۔ آج کے دور میں تو بادل، ہوا، برف، سونا چاندی اور چیزوں کو تولنے کے اتنے پیمانے نکل آئے ہیں جن کا تصور چند سو سال پہلے کرنا بھی ناممکن تھا اور آنے والے دور میں نجانے تولنے کے کون کونسے ذریعے نکل آئیں گے۔ بہرحال ماضی، حال اور مستقبل میں کسی چیز کو تولنے کی جو بھی چیزیں نکل آئیں ہم بات کو اسی طرح سمجھائیں گے کیونکہ جو چیز سامنے ہوتی ہے اس کو مثال بنا کر بات کو سمجھایا جاتا ہے۔ مقصد ہے بات کا سمجھانا مثالوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... اس لئے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی عدالت میں انسانوں کے اعمال کس طرح تولے جائیں گے۔ اس کے پیمانے کیا ہوں گے۔ اس کے پیچھے پڑنے سے بہتر ہے کہ ہم اتنا سمجھ لیں تو کافی ہے کہ بہرحال انسانوں کے وزن دار اعمال ہی ان کا نجات کا سبب بنیں گے۔

۳) نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی سامنے آیا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام صحابہ کرامؓ کو گواہ بنایا اور صحابہؓ نے اعتراف و اقرار کی سعادت حاصل کی۔ اسی میں آپ کا یہ ارشاد کہ جو اس وقت موجود ہیں وہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ بھی تھے جو اس وقت حجۃ الوداع کے موقع پر موجود نہیں تھے اور وہ لوگ بھی ہیں جو آنے والی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے اس حکم کی تعمیل میں آپ کے ایک ایک ارشاد بلکہ ایک ایک ادا کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کو پوری دیانت و امانت سے صدیاں گذرنے کے باوجود ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم بھی ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس پیغام کو آنے والی نسلوں تک پہنچا کر اللہ و رسول کے سامنے سرخ رو ہو سکیں۔

اس موقع پر ختم نبوت کا مسئلہ بھی بہت واضح طریقہ پر سامنے آ جاتا ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ لوگو! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ (نعوذ باللہ) میرے بعد ایک اور نبی آئے گا جو اس کی وضاحت کرے گا بلکہ آپ نے دین اسلام پہنچانے کی تمام تر ذمہ داری امت کے تمام افراد پر ڈالی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث اس بات پر گواہ ہیں کہ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ جھوٹا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

اور یقیناً ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری صورت وشکل بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔ پھر سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اللہ نے پوچھا کہ جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، تجھے اس سے کس چیز نے روک دیا؟ ابلیس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو (آدمؑ کو) مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا (دور ہو جا) تجھے اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ تو اس جگہ تکبر اور غرور دکھائے۔ باہر نکل جا۔ بیشک تو ذلیل اور پست ہستیوں میں سے

ہے۔شیطان نے کہا مجھے قیامت تک مہلت دے دی جائے۔اللہ نے فرمایا تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔شیطان نے کہا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے (میں قسم کھاتا ہوں کہ) میں ان کو بہکانے کے لئے ہر سیدھے راستے پر بیٹھوں گا پھر میں ان کو گھیروں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے ان کے دائیں سے اور انکے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر ادا کرنے والا نہیں پائے گا۔اللہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا۔ان میں سے جو لوگ تیرے پیچھے چلیں گے تجھ سمیت میں ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

صَوَّرْنَا	ہم نے صورت شکل بنائی
اُسْجُدُوْا	تم سجدہ کرو
اِبْلِیْسُ	شیطان
اَلَّا تَسْجُدَ	یہ کہ تو نے سجدہ نہیں کیا
اَمَرْتُ	میں نے حکم دیا تھا
اَنَا خَیْرٌ	میں زیادہ بہتر ہوں
خَلَقْتَنِیْ	تو نے مجھے پیدا کیا
نَارٌ	آگ
طِیْنٌ	مٹی
اِھْبِطْ	اتر جا
اَنْ تَتَکَبَّرَ	یہ کہ تو بڑائی کرے۔تکبر کرے
اُخْرُجْ	تو نکل جا
اَلصّٰغِرِیْنَ	(صَاغِرٌ)۔ذلیل۔رسوائی والے
اَنْظِرْنِیْ	تو مجھے مہلت دے دے

یُبْعَثُوْنَ	وہ اٹھائے جائیں گے
اَلْمُنْظَرِیْنَ	مہلت دیئے گئے
اَغْوَیْتَنِیْ	تو نے مجھے گمراہ کیا
اَقْعُدَنَّ	میں ضرور بیٹھوں گا
اٰتِیَنَّ	میں ضرور آؤں گا
بَیْنَ اَیْدِیْ	سامنے
خَلْفٌ	پیچھے
اَیْمَانٌ	داہنی جانب
شَمَائِلٌ	بائیں جانب
لَا تَجِدُ	تو نہیں پائے گا
مَذْمُوْمًا	ذلیل کیا گیا
مَدْحُوْرًا	(دَحْرٌ)۔نکالا گیا۔مردود
اَمْلَئَنَّ	میں بھر دوں گا

تشریح: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸

ہر وہ شخص جو قرآن کریم کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی بھی واقعہ کو قصہ کہانی کا رنگ نہیں دیا ہے بلکہ عبرت و نصیحت کے ہر پہلو کو اس طرح اجاگر کر کے پیش کیا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کے لئے ایسا آئینہ بن گیا ہے جس میں ان کی اپنی شکل و صورت صاف جھلکتی نظر آتی ہے آدم علیہ السلام اور شیطان کے متعلق ان آیات میں عبرت و نصیحت کا یہی پہلو نمایاں ہے۔

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت، شیطان کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے اور ہر جگہ ایک نئی شان سے عبرت و نصیحت کے نئے نئے پہلوؤں کو پیش فرمایا ہے۔

۱) ایک طرف آدم علیہ السلام، ان کی ذریت کی تخلیق اور ان کے اور حضرت حوا کے جنت میں قیام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

۲) دوسری طرف شیطان کے غرور، تکبر، اپنی ذات کی بڑائی کا گھمنڈ، ضد، ہٹ دھرمی اور نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳) اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت، حلم وتحمل، برداشت اور مہلت پر مہلت دینے کی شان بیان کی گئی ہے جس سے اس کی رحمت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب مکہ مکرمہ کے کفار ومشرکین ہیں جن کے سامنے اس سچائی کو رکھا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کی شکل وصورت بنائی علم کے ذریعہ فرشتوں اور پوری کائنات پر ان کو فضیلت وعظمت کا مقام عطا فرمایا، ان کو جنت کی راحتوں میں رکھ کر ہر طرح ہر چیز کو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی مگر صرف ایک درخت سے روک دیا گیا کہ اس کے قریب بھی مت جانا۔ ابلیس جو حسد کی بنا پر آدم علیہ السلام سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ان کے خیرخواہ کے بھیس میں ان کو بہکانے میں کامیاب ہو گیا اور حضرت آدم وحوا نے وہ اجتہادی غلطی کر دی جس سے منع کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت کی راحتوں سے محروم کر کے اس دنیا میں بھیج دیا اور فرمایا کہ اب تمہیں ایک خاص مدت تک اس دنیا میں رہنا ہے اور اپنے نیک اعمال کے بعد پھر تمہیں اسی جنت میں واپس آنا ہے۔ حضرت آدمؑ وحوا کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا، معافی کے لئے ندامت کے آنسو بہانا شروع کر دیئے۔ عرض کیا۔

''اے ہمارے پروردگار ہم نے واقعی اپنے اوپر بہت ظلم وزیادتی کی ہے اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی اس ادا پر بہت پیار آتا ہے جب وہ غلطی کرنے کے بعد اس پر اپنی شرمندگی کا اظہار کرتا ہے اور ندامت کے آنسو بہاتا ہے، آدم علیہ السلام کے اس اقرار واعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کو ایسے جملے سکھا دیئے جن کو ادا کرنے کے بعد اللہ نے ان کی اس خطا کو معاف کر دیا۔ بات صرف اتنی ہے کہ آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی انہوں نے اس پر معافی مانگ لی، اللہ نے اسی وقت انکو معاف کر دیا ان کی غلطی اور معافی ان کی ذات تک محدود رہی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اب انسانوں کی یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ عقل وفکر کا راستہ چھوڑ کر جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور آدم علیہ السلام کی غلطی کو کائنات کے ہر انسان کا گناہ بنا رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ تصور ہی غلط ہے کہ آدم علیہ السلام نے ایک گناہ کیا۔ اور وہ گناہ ان کی نسلوں میں چلتا رہا اور (نعوذ باللہ) ساری دنیا کے وہ انسان جنہوں نے اس زمین پر قدم رکھا تو وہ آدم کے گناہ اپنے سر پر لے کر آتے رہے بقول ان کے اللہ کو اپنے بندوں پر پیار آیا تو اس نے اپنا بیٹا (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور وہ آدم علیہ السلام اور سارے انسانوں کے گناہ اپنی گردن پر لے کر سولی پر چڑھ گئے سوال یہ ہے کہ خطا ایک نے کی گناہ گار ساری دنیا ہو گئی، خطا حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور نعوذ باللہ اللہ نے اپنا بیٹا بھیجا اور انہوں نے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا یہ بھی خوب ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، کیا آج کی مہذب دنیا اس بات کا کوئی جواب دے سکتی ہے کہ قتل کوئی کرتا ہے اور اس کی سزا

دوسرے کو دے دی جاتی ہے۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ آدم علیہ السلام کی غلطی کو اللہ اپنے بیٹے کے ذریعہ دور کررہے ہیں۔ فرمایا کہ بات صرف اتنی ہے کہ جو غلطی کرتا ہے جب وہ اس پر شرمندہ ہو کر اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں اس بات کو واضح فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جب اللہ کا کوئی بندہ نادانی سے کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر وہ اس پر ہٹ دھرمی اور ضد کا انداز اختیار نہیں کرتا تو اللہ اس کو معاف فرما دیتا ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو وہ شخص بہت پسند ہے جو کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اس کو جیسے ہی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے اور پختہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اب وہ اس گناہ کو نہیں کرے گا پھر بھی اس سے غلطی ہوتی ہے اور بھولے سے کوئی گناہ کر لیتا ہے اور بار بار ایسا کرتا ہے اور بار بار معافی مانگ لیتا ہے اور سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور بے حسی سے ان کے دل تاریک ہو جاتے ہیں اور پھر نہ تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اور نہ اس احساس کو زندہ رہنے دیتے ہیں ایسے لوگوں کا انجام سوائے دنیا وآخرت کی بربادی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور ایسے عادی گناہگاروں کے ساتھ نرمی کا کوئی معاملہ نہیں کیا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا سے ایک لغزش ہوئی، انہوں نے معافی مانگ لی، اللہ نے معاف کر دیا۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب اللہ نے بات کی پوری طرح وضاحت کر دی۔ اب اس بات پر جم کر اس کو عقیدہ بنا لینا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں یہ بھی ایک ضد اور ہٹ دھرمی ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

۲) دوسری طرف ابلیس ہے جو اس گمان میں مبتلا تھا کہ آدم علیہ السلام کے مقابلے میں وہ ہر طرح باعظمت ہے کیونکہ اس کے وجود کو آگ سے اور حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے آگ کا کام سر بلندی اور روشنی ہے جب کہ مٹی میں تاریکی اور پستی ہے۔ حالانکہ یہاں بات آگ اور مٹی کی نہیں تھی۔ بات تھی حکم کی تعمیل کی تمام فرشتوں نے انسان کی عظمت کا اعتراف کر لیا اور سجدہ میں گر پڑے جب کہ شیطان اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا اور اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی، اس نے توبہ نہیں کی، کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا اسے اپنی اس حرکت پر نہ کوئی صدمہ تھا اور نہ افسوس، ڈھٹائی اور ضد کا انداز اختیار کیا، اس نے اللہ سے قیامت تک مہلت مانگی جو اس کو دے دی گئی۔ شیطان نے کہا کہ میں ثابت کر دوں گا کہ انسان بہت کمزور ہے اس کو میں ہر طرف سے گھیروں گا، اس کے ہر نیک راستے اور ارادہ کی رکاوٹ بن جاؤں گا۔ اے اللہ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر آپ کے نافرمان اور ناشکرے ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے شیطان تجھے تیری خواہش کے مطابق قیامت تک مہلت دی جاتی ہے لیکن اس بات کو یاد رکھنا کہ تیرے فریب میں صرف وہی لوگ آئیں گے جو بدنصیب اللہ کے نافرمان ہوں گے۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں سے میں جہنم کو بھر دوں گا اور جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہوگا۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ

الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

ع ۲/۹

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۵

اور اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہو جہاں سے تم دونوں چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم دونوں گناہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں وہ ان کے

سامنے کھول دے۔ اور شیطان کہنے لگا کہ تمہارے رب نے اس درخت کے قریب جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ، اور اس نے ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا بھلا چاہنے والا ہوں اس طرح اس نے دھوکے سے ان دونوں کو مائل کر لیا۔ اور ان دونوں نے اس درخت کا پھل چکھ لیا۔ ان دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اور ان دونوں کے پروردگار نے پکار کر کہا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تمہیں نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

ان دونوں نے کہا، اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم و کرم نہ کیا تو ہم شدید نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے اللہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک مقرر مدت تک سامان زندگی موجود ہے۔ فرمایا کہ تم اسی میں زندہ رہو گے، اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۵

اُسْكُنْ	تو آباد ہو جا۔ تو سکونت اختیار کر
كُلَا	تم دونوں کھاؤ
حَيْثُ شِئْتُمَا	جیسے تم چاہو
لَا تَقْرَبَا	تم دونوں قریب نہ جانا
اَلشَّجَرَةُ	درخت
وَسْوَسَ	خیال ڈالا۔ وسوسہ ڈالا
لِيُبْدِىَ	تا کہ وہ کھول دے
وُرِىَ	چھپایا گیا

سَوْاٰةُ	شرم گاہیں۔(بدن کا وہ حصہ جس کو چھپانا چاہیے)
مَانَهٰكُمَا	تم دونوں کو منع نہیں کیا تھا
مَلَكَيْنِ	دو فرشتے
قَاسَمَ	اس نے قسم کھائی
دَلّٰ	مائل کیا۔ جھکایا
ذَاقَا	دونوں نے چکھا
بَدَتْ	ظاہر ہو گئی
طَفِقَا يَخْصِفَانِ	دونوں جوڑنے لگے
وَرَقٌ	پتہ۔ پتے
نَادٰى	اس نے پکارا
اَلَمْ اَنْهَكُمَا	کیا میں نے تم دونوں کو منع نہیں کیا تھا
ظَلَمْنَا	ہم نے زیادتی کی۔ ظلم کیا
لَمْ تَغْفِرْ	تو نے معاف نہ کیا
مُسْتَقَرٌّ	ٹھکانہ

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۵

ان آیات سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:-

۱) بائبل میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے ان کی پسلی سے حضرت حوا کو نکال کر ان کو آدم علیہ السلام کی بیوی بنا دیا گیا۔ یہ ایک اسرائیلی روایت ہے جس کے لئے علماء مفسرین نے فرمایا ہے "لَانُصَدِّقُ وَلَانُكَذِّبُ" نہ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید قرآن وسنت میں بھی اس کی کوئی خاص وضاحت نہیں آئی۔ بہرحال ایک بات واضح ہے کہ بیوی جو انسان کی زندگی کی بہترین ساتھی ہوتی ہے اس کے بغیر جنت بھی تشنہ ہے جنت کی ساری نعمتیں حضرت آدمؑ کیلئے بے کیف تھیں جب تک ان کو زندگی کا ساتھی نہیں مل گیا جنت کی نعمتوں کو کیف آور اور روح پرور بنانے کے لئے ان میں معنی

اور مقصد، حرکت و برکت ڈالنے کے لئے بیوی کی ضرورت آ ہی پڑی اور حضرت حوا کو پیدا کیا گیا یہ جو بائبل میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے حضرت حوا کو بہکایا پھر انہوں نے حضرت آدم کو بہکایا یہ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ بات عورت کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ ہندو اور یونانی دیو مالاؤں میں عورت کو ذلیل کرنے کی من گھڑت کہانیاں ہیں بدھ مت بھی اپنا دامن اس قسم کی بے سروپا کہانیوں سے نہ بچا سکا۔ آج عورت کی عظمت کی باتیں کرنے والے بھی فیشن اور ترقی کے نام پر اس کو ذلیل ورسوا کر رہے ہیں۔ آج عورت کو بہترین نسلوں کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ کاروبار کو چمکانے کا آلہ کار بنایا ہوا ہے، صرف دین اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عورت ذات کو اس کا حقیقی مقام اور مرتبہ عطا کر کے اس کے ذمے نسلوں کو بنانے اور سنوارنے کی ذمہ داری سپرد کی ہے اسلام نے عورت کو بازار کی زینت یا شمع محفل نہیں بلکہ شمع خانہ بنا کر اس پر خاندان کی تمام تر ذمہ داری ڈال دی ہے۔ یہی عورت کا بہترین مقام ہے۔

۲) ان آیات میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کسی جرثومہ سے پیدا نہیں ہوا (جیسا کہ ڈارون کا دعویٰ ہے) بلکہ تمام دنیا پر خلافت الٰہی کی عظیم الشان ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تخلیق کیا گیا ہے جو تمام تر عقل ودانش، شعور وتمیز اور علم وتہذیب سے مالا مال تھا۔

۳) تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ شیطان سب سے پہلا حملہ اور کاری وار عورت اور مرد کی جنس پر کرتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے سامنے ننگے پن پر اکساتا ہے جو بدکاری، بدنگاہی، زنا، حرام اولاد اور اسقاط حمل وغیرہ کا دروازہ ہے مغرب میں یہ فعل انفرادی سطح سے اٹھ کر اب قومی سطح تک پہنچ گیا ہے اور حکومتوں کے ایوان بھی اس فعل سے محفوظ نہیں ہیں اسی لئے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شرم وحیا نصف ایمان ہے یعنی اگر شرم وحیا کا قلعہ ایک دفعہ ٹوٹ گیا تو انسان کو شیطانی کاموں سے کوئی روک نہ سکے گا۔

۴) چوتھی بات یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ **"خیر خواہ"** کے بھیس میں آتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ **"میں تمہارا مخلص ہوں، میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں، اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے"** وغیرہ وغیرہ ایسے شیطانوں اور انسانوں سے بچنے کی بہت ضرورت ہے۔

۵) پانچویں بات یہ ہے کہ شیطان کا کام سبز باغ دکھانا ہے اور امیدوں کے کھلونوں سے کھیلنے پر مجبور کرنا ہے۔

ان آیات میں غور کرنے سے یہی نتائج سامنے آتے ہیں کہ شیطان اور اس کی ذریت ہمیشہ خیر خواہ بن کر دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جو سب سے پہلے انسان ہیں اور اللہ کے سب سے پہلے نائب اور خلیفہ ہیں ان کو شیطان ان ہی حربوں سے شکست دینا چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی ندامت کے اظہار پر معاف فرما دیا یہ درحقیقت شیطان کی سب سے

پہلی شکست تھی لیکن شیطان دوسرے لوگوں کو بہکانے میں کامیاب ہوگیا جنہوں نے آدم علیہ السلام کو گناہگار تصور کر کے (نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا اور ان کو یقین دلا دیا گیا کہ وہ تمام انسانوں کے گناہوں کو لے کر (نعوذ باللہ) پھانسی چڑھ گئے۔

قرآن کریم اور احادیث میں نہ صرف اس واقعہ کی تردید کی گئی ہے بلکہ اہل ایمان کو بتادیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور اس کے بندے ہیں اور آج بھی وہ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں جو قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۶ تا ۲۷

اے آدمؑ کی اولاد۔ ہم نے تمہارے اوپر لباس اور آرائش کے کپڑے نازل کئے تا کہ وہ تمہارے قابل شرم حصوں کو ڈھانپ سکیں۔ اور تمہارے لئے باعث زینت ہوں۔ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ وہ غور فکر کریں۔ اے آدمؑ کی اولاد! تمہیں شیطان اسی طرح نہ بہکا دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ (حضرت آدمؑ وحوا) کو بہکا کر جنت سے نکلوادیا تھا اور ان کا لباس اتروادیا تھا۔ تا کہ ان دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھلوادے۔ وہ شیطان اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے ان شیطانوں کو ایسے لوگوں کا ساتھی اور رفیق بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۶ تا ۲۷

اَنْزَلْنَا	ہم نے اتارا
رِيْشٌ	(پرندوں کے پر)۔ زیب وزینت کا سامان
لَا يَفْتِنَنَّ	ہرگز نہ بہکانے پائے
يَنْزِعُ	وہ کھینچتا ہے۔ اترواتا ہے
يَرٰىكُمْ	وہ تمہیں دیکھتا ہے
لَا تَرَوْنَ	تم نہیں دیکھتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۲۶ تا ۲۷

گذشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا جنت میں بھی لباس کی ضرورت رکھتے تھے، جب ان سے لغزش ہوگئی تو جنت کا یہ لباس ان کے جسموں سے اتر گیا اور وہ جنت کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے...... اس سے یہ بات بالکل واضح طور سے سامنے آتی ہے کہ جہاں اپنے جسم کے قابل شرم حصوں کو ایک دوسرے سے چھپانا انسانی فطرت میں شامل ہے وہیں مرد وعورت کے جسم پر لباس کا ہونا بھی ایک لازمی بات ہے۔ اور آدمؑ وحوا میاں بیوی ہونے کے باوجود ننگے پن کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ شرم وحیا کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے، یہ اس کائنات کے سب سے پہلے مرد اور عورت کا حال ہے۔ یہاں ڈارون اور اس کے اندھے مقلدوں کا فلسفہ غلط اور جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہزاروں سال تک ابتدائی انسان روئے زمین پر بندروں اور گوریلوں کی صورت میں مادرزاد ننگا پھرتا رہا...... شرم وحیا اور لباس بہت بعد کی چیز ہے سنا ہے کسی مغربی عقل مند نے اب یہ نعرہ بلند کر دیا ہے کہ انسان کو پھر اپنی ننگی فطرت کی طرف لوٹ جانا چاہئے (بلکہ عملی طور پر مغربی تہذیب تو لوٹ چکی ہے) جب حضرت آدمؑ وحوا اس کرۂ ارض پر آئے تو یقیناً لباس، احساس ضرورت۔ احساس حیا اور احساس زینت کے ساتھ آئے۔ یعنی وہ نہ صرف جنت سے اپنے اپنے لباس لے کر آئے بلکہ اللہ نے انہیں الہام کیا کہ لباس بنانے کا سامان اور طریقہ کیا ہے۔ اور وہ یہاں لباس بنا کر پہننے لگے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا یہی مطلب ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے تمہارے اوپر لباس کو نازل کیا'' اور یہ بھی فرما دیا کہ لباس کا مقصد ستر ڈھانپنا، حفاظت اور زینت ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ سب سے بہتر لباس ''تقویٰ کا لباس ہے۔ تقویٰ کا لباس کیا ہے؟ وہ لباس جس میں تن ڈھانپنے کے ساتھ ساتھ شرم وحیا کا ہر پہلو نمایاں ہو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دادا دادی حضرت آدمؑ وحوا کی پوشاک ان تقاضوں کو پورا کرتی تھی ......اور کیوں نہ ہو حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی ہیں اور پہلے نبی بھی جو خلافت ونبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں تشریف لائے۔ یہ تصور بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ پہلے مردوزن وحشی بے شعور بندر تھے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ وہ مکمل انسان تھے، ملبوس، مہذب، شرم وحیا کے پیکر، صاحب تقویٰ اور ذمہ داریوں کا بار گراں لیکر آئے تھے۔ حضرت آدمؑ کے پاس باقاعدہ شریعت تھی۔ یہاں لباس سے مراد محض تن کی پوشاک نہیں ہے بلکہ شرم وحیا کے ساتھ اوڑھنا استعمال کرنا بھی ہے۔ یہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا غذا۔

لباس کے تین بڑے مقاصد بیان کئے گئے ہیں (۱) ستر پوشی (۲) موسم سے حفاظت (۳) ظاہری زیب وزینت...... دین اسلام ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن پر بھی زور دیتا ہے اور وہ ہے ذہنی واخلاقی نفسیاتی جذبہ...... یعنی تقویٰ پرہیز گاری، خوف الٰہی۔ معلوم ہوا کہ لباسِ جسم کے ساتھ ساتھ لباسِ روح بھی ضروری ہے کیونکہ اندر کی روح شیطان کے قبضے میں ہو تو قیمتی سے قیمتی اور جدید سے جدید لباس بھی بیکار ہے۔

لباسِ تقویٰ:- جو لباس شریعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو۔ جس میں ظاہری نفاست، صفائی اور ستھرائی ہو اور نفاست باطنی بھی موجود ہو۔ جو شخصیت باہر ہو۔ وہی شخصیت بلکہ اس سے زیادہ بہتر شخصیت اس کے اندر ہو۔ اس میں بے شرمی نہ ہو، فضول خرچی نہ ہو، فخر وغرور نہ ہو، کسی کو نیچا دکھانے کا جذبہ نہ ہو۔ نہ تو مرد عورتوں کا لباس پہننے والے ہوں اور نہ عورتیں مردوں کا جیسا لباس پہننے والی ہوں۔

یونی فارم یعنی سرکاری لباس......لباس جو کسی بھی جماعت کو دوسری جماعت اور افراد سے، کسی فوج کو دوسری فوج سے ممتاز ومتعین کردے۔ آج تمام مہذب اور غیر مہذب سوسائٹی میں یہ لازم ہے۔ چینی ایک خاص لباس پہنتے ہیں، افریقیوں کا اپنا لباس ہے یورپین اور امریکی اپنے طرز کا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن اسلام کی سرکاری وردی جغرافیہ، آب وہوا، رسم ورواج اور پیشہ کے تحت نہیں ہے بلکہ اندرونی ذہنیت اور جذبہ یعنی تقویٰ کے تحت ہے ایک مسلم کا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ وہ دور سے پہچانا جائے اور غیر مسلموں سے ممتاز ہو۔ اس لئے غیر مسلموں کی اندھی تقلید سے منع کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو آدمی کسی دوسری قوم کا انداز ومشابہت اختیار کرے گا اس کا انجام اس کے ساتھ ہوگا۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو اچھا ہے وہ لے لو اور جو برا ہے اس کو چھوڑ دو یعنی کسی معاملے میں بھی کسی قوم کی اندھی تقلید اور نقالی جائز نہیں ہے۔ اچھی باتیں اختیار کرنے میں حرج نہیں ہے لیکن اس میں بھی اسلامی روح ہونی چاہیے۔

آپ نے فرمایا ''جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد پرانے لباس کو غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ کردے تو وہ اپنی حیات وموت کے ہر حال میں اللہ کی پناہ میں آ گیا (ابن کثیر عن مسند احمد)

آپ ﷺ نے فرمایا (بحوالہ حضرت فاروق اعظمؓ) مسلم کو چاہئے کہ نیا لباس پہننے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اس ذات پاک کا شکر ہے جس نے مجھے لباس دیا جس کے ذریعہ میں اپنے ستر کو چھپا کر زینت حاصل کر سکا ہوں۔

ننگا پن اور برہنگی دور جہالت میں عربوں کی خاص چیز تھی اس سلسلہ میں مردوں سے آگے ان کی عورتیں تھیں اس ننگے پن کو وہ اپنے بتوں کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے خاص طور پر حج کے موقع پر اس کا عام مظاہرہ اسی طرح کیا جاتا تھا جس طرح آج بھی یورپ کی سوسائٹی میں کرسمس اور دیگر مواقع پر شراب، کباب اور شباب کا طوفانی مظاہرہ کیا جاتا ہے......شیطان کا حملہ سب سے پہلے لباس تقویٰ پر ہوتا ہے ''شکار'' کی شرم وحیا گھٹنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ لباس پہنتا بھی ہے تو اس کا ''جوہر پردہ'' گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''قیامت کے قریب عورتیں ایسا لباس پہنیں گی کہ لباس پہن کر بھی وہ اپنے لباس میں ننگی ہی رہیں گی۔ یعنی ان کے جسموں پر کہنے کو لباس ہوگا لیکن ایسا چست اور بھڑک دار کہ جس میں جسم کا ہر عضو انسانوں کو دعوت گناہ دیتا نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی لئے حضرت آدم وحوا کی مثال دے کر فرما دیا ہے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ ہمیشہ بے حیائی اور ننگے پن کے راستے سے ایمان اور اعمال صالحہ پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ ان آیات میں اللہ نے لباس کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے یعنی ہر انسان کا لباس اس کی بنیادی ذہنیت کا اظہار اور چلتا پھرتا اشتہار ہے کہ وہ کہاں تک تقویٰ رکھتا ہے اور کہاں اس کے قدم حدود سے باہر نکل رہے ہیں۔

ان آیات میں اس سے بھی ہوشیار کر دیا گیا ہے کہ شیطان اور اس کی ذریات تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن تم ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہو۔ شیاطین مادی جسم نہیں رکھتے ہیں بلکہ غیر مرئی ہیں ہوا کی طرح ایک خاص جسم رکھتے ہیں جو انسان کے پانچوں حواس کی گرفت سے باہر ہیں۔ اسکے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ لاشعور اور نیم شعور کے محاذ پر عموماً حملہ کرتے ہیں، وسوسہ، شک، فوری فائدہ کا لالچ، اندھیرا، مزا، موقع، نشہ، اور بہکنے کا مادہ وغیرہ شیطان کے خاص حربے ہیں۔

''بلس اور شطن'' لگ بھگ ایک ہی معنی کے لفظ ہیں۔ ابلیس اور شیطان دونوں لفظ ملے جلے استعمال ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم میں ابلیس عام طور پر اس کے لئے مخصوص ہے کہ وہ فرد جس نے حوا اور آدمؑ کو یہ کہہ کر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا ''تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے''

اور شیطان کا لفظ اس کے عمل اور طریقہ عمل کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں ''شیاطین'' فرما کر واضح کر دیا ہے کہ یہ لشکر ہر وقت حملہ کرنے کے لئے اپنے داؤ گھات میں چھپا ہوا اپنا کام کر رہا ہے اور اس کے شکار وہی لوگ ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے محروم ہیں ایمان اور گمراہی کا ایک ساتھ جمع ہونا محال ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰

وہ لوگ جب بھی کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کسی کو بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر (وہ جھوٹی باتیں) لگاتے ہو جس کو تم جانتے نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو مجھے صراط مستقیم کا حکم دیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے وقت اپنا منہ سیدھا رکھو اور دین کو خالص اللہ کے لئے رکھ کر اسی کو پکارو۔ جس نے تمہیں جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ اسی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کریگا۔

ایک جماعت ہدایت پر ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا ساتھی بنا لیا ہے اور (وہ اپنے گمان میں) سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰

فَاحِشَةٌ	بے حیائی کا کام
اَمَرَنَا	اس نے ہمیں حکم دیا ہے
لَا یَاْمُرُ	وہ حکم نہیں دیتا
اَقِیْمُوْا	قائم رکھو
وُجُوْهُكُمْ	(وَجْهٌ) اپنے چہروں کو
اُدْعُوْا	پکارو
مُخْلِصِیْنَ	خالص کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی ان من گھڑت رسموں اور ننگے ہو کر عبادت کرنے کی فضول رسموں پر گرفت کی ہے جن کو انہوں نے مذہب کا رنگ دے دیا تھا۔

۱) ان کا یہ خیال تھا کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں ان کو پہن کر بیت اللہ کا طواف کرنا گناہ ہے قریش کے علاوہ سارے کفار برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ ان کی اسی رسم کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ اگر قریش کے لوگ اپنے کپڑے کچھ وقت کے لئے دیدیں تو ان کو پہن کر آنے کو برا سمجھتے تھے۔

۲) جب ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ تم اللہ کے گھر میں ننگے ہو کر طواف کیوں کرتے ہو؟ جواب یہ دیتے تھے کہ ہمارے بڑے اور باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے جن کو (نعوذ باللہ) اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

۳) طواف کے دوران اور بعد میں یہ رسم پرست لوگ بتوں کو چومتے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:

۱) یہ ان کا دعویٰ سراسر جھوٹ اور من گھڑت ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی کا حکم نہیں دیتا بلکہ یہ تمام باتیں انہیں اور ان کے باپ دادا کو اسی شیطان نے سکھائی ہیں جس نے اللہ کی نافرمانی کا عہد کیا ہوا ہے۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس بات کو بہت وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ رسم پرستوں کے پاس اپنی ہر رسم کی ایک ہی دلیل ہوتی ہے کہ ''ہم کچھ نہیں جانتے ہم تو یہ سمجھتے ہیں یہ کام جو ہم کر رہے ہیں اس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ بتاؤ اگر تمہارے باپ دادا نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس کے لئے ان کے پاس نہ تو کوئی کتاب ہدایت تھی اور نہ علم کی روشنی اور انہوں نے اپنی جہالت سے کوئی کسی طرح کی رسم ڈال دی ہو تو کیا تم پھر بھی اسی راستے پر چلو گے؟ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کی پہلے بھی یہی عادت تھی اور آج بھی یہی مزاج ہے کہ وہ ان رسموں پر اس طرح جم جاتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کے لئے قرآن و سنت کی ہر دلیل کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایسی اندھی تقلید اور شخصیت پرستی سے ہی اللہ نے اپنے بندوں کو روکا ہے۔

۲) دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ نے بے حیائی کے کاموں کا نہیں بلکہ اس صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیا ہے جس پر چل کر انسان دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ تمہارا رخ بتوں کی طرف نہیں بلکہ اللہ کے گھر میں اللہ ہی کی طرف ہونا چاہئے اور اس کے گھر میں اپنی ہر مشکل کے لئے اسی کو پکارنا چاہئے۔ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ گھر تو اللہ کا ہو اور اس میں غیر اللہ کو پکارا جائے۔ انسانوں کی ساری مشکلات تو اللہ حل کرنے والا ہو مگر مشکل کشا غیر اللہ کو مانا جائے۔ کفار مکہ کو خاص طور پر اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو عام طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کو پکاریں اور اسی سے ہر مشکل کا حل مانگیں وہ جس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی ہے اور اس دنیا سے گذرنے کے بعد پھر وہی دوبارہ زندگی دے گا۔

۴) چوتھی بات یہ فرمائی ہے کہ تم ہی میں سے ایک جماعت (صحابہؓ) کو اللہ نے راہ ہدایت نصیب فرما دی ہے لیکن تم ہی میں سے بہت سے لوگ وہ بھی ہیں جو محض اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور جہالت کی وجہ سے گمراہی کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور انہوں نے شیطان کو اپنا سب کچھ مان لیا ہے، اس کے حکم پر چلتے ہیں اور گمراہی کے باوجود وہ اپنے آپ کو ''راہ ہدایت'' پر سمجھتے ہیں جو ان کی بہت بڑی بھول ہے۔ درحقیقت راہ ہدایت پر وہ ہیں جنہوں نے دامن مصطفیٰ ﷺ کو تھام کر اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کو اپنا دین و ایمان بنا لیا ہے اور وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳ع۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

اے اولاد آدمؑ! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو' کھاؤ، پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا...... آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اس زیب وزینت اور پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کردیا جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ سب نعمتیں اس نے دنیا کی زندگی میں اہل ایمان کے لئے بنائی ہیں اور آخرت میں خالص ان ہی کے واسطے بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے! میرے رب نے تو کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی ہر طرح کی بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہر گناہ کو، ناحق بغاوت کو اور اللہ کے ساتھ ان چیزوں کے شریک کرنے کو جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور اللہ پر ایسی باتیں کہنے کو حرام قرار دیا ہے جس کو وہ جانتے نہیں۔ ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

كُلُوْا	کھاؤ
اِشْرِبُوْا	پیو
لَا تُسْرِفُوْا	فضول خرچی نہ کرو
نُفَصِّلُ	ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں
اَلْفَوَاحِشُ	بے حیائی و بے شرمی کے کام
ظَهَرَ مِنْهَا	جوان میں سے کھلی ہوئی ہیں
بَطَنَ	جو چھپی ہوئی ہیں
اَلْاِثْمُ	گناہ
اَلْبَغْىُ	زیادتی
لَمْ يُنَزِّلْ	نہیں اتارا
سُلْطَانٌ	دلیل۔سند
اَجَلٌ	مقرر وقت۔موت
لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ	پیچھے نہ ہٹ سکیں گے
سَاعَةٌ	ایک گھڑی
لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	آگے نہ بڑھ سکیں گے

تشریح: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

ان آیات میں چھ بنیادی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱) عبادت اور زیب وزینت، عبادت اور اچھا کھانا پینا......ان کا اجتماع...... یہ دین اسلام کی تعلیمات کا فیض ہے...... بدھ، جین، ہندو، پارسی، اور کنفیوشس مذاہب میں رہبانیت ہی رہبانیت ہے۔ عیسائیت اور یہودیت میں عبادت کم اور کھانا، پینا شراب و کباب اور شباب وعیش وعشرت زیادہ ہے۔ جیسے کرسمس اور ایسٹر کی تقریبات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ دین اسلام ہی ہے جو عام زندگی میں ننگے رہنے کو منع کرتا ہے، گرد آلود سر اور گندے جسم کا شدید مخالف ہے جو خواہ مخواہ فاقہ زدگی، بیمار شکل، کمزوری اور تلاش ہمدردی کو ذہنی تباہی سمجھتا ہے جو نہانے دھونے، صفائی ستھرائی، اور سلیقہ مندی، خوشبو، صاف

ٹوپی یا عمامہ، صاف جوتے، ناخن کٹے ہوئے، داڑھی کنگھی کی ہوئی، مونچھ صاف ورنہ باسلیقہ، ناک آنکھ، کان، اور ہاتھ پیر صاف بلکہ طاہر و پاکیزہ۔ ان چیزوں پر اتنا زور دیتا ہے کہ وہ بھی عبادت کا لازمی حصہ ہیں

یہ سڑکوں، پہاڑوں، جنگلوں اور ساحلوں اور مزاروں پر ننگ دھڑنگ میلے کچیلے بدبودار، بدقماش بے کار، مجرد مفلس اور مست ملنگ فقیر درویش بے علم بے عقل، کھوئے ہوئے بدحواس بے قیمت، بے قدر تیاگی اور جوگی ملتے ہیں۔ یہ ہرگز ہرگز اسلام کے نمائندے نہیں ہیں۔ اسلام کے نمائندے تو وہ لوگ ہیں جو حسن ظاہر اور حسن باطن کو لازم وملزوم بنائے ہوئے ہیں۔ جنکی شخصیت میں اتنی کشش اور جاذبیت ہے کہ دور و نزدیک سے لوگ گرویدہ ہو کر آتے ہیں اور ان کے ارد گرد جمع رہتے ہیں جن سے وہ تبلیغ دین کا کام لیتے ہیں۔

۲) عبادت...... مسلم کی زندگی چوبیس گھنٹے اور بارہ ماہ عبادت ہی عبادت ہے، صرف پانچ وقت کی نمازوں ہی کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک مسلم کو خلوت سے نکل کر جلوت میں آنا ہے وہ نہ صرف ہر وقت پاک، طاہر اور خاص اوقات میں باوضو رہنے پر مجبور ہے بلکہ سلیقہ شعار، پسندیدہ اطوار، ملبوس اور مزین رہنے پر بھی مجبور ہے۔ وہ خوب سیرت ہی نہیں بلکہ خوب صورت بھی ہوتا ہے۔ خوش کلام بھی، خوش مزاج بھی ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے رات اور دن کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ رات کو سر کا تیل، کنگھا آئینہ، خوشبو اور مسواک اپنے قریب رکھتے تھے...... آپ ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ جب اللہ سے ملنے کو (نماز کیلئے) جاتے تو اپنا بہترین لباس پہن کر جاتے تھے، وہ اسی آیت "خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" کو اور اس مبارک حدیث "اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالَ" کو پیش کیا کرتے تھے۔ مردوں کے لئے سر کی ٹوپی یا عمامہ اور عورتوں کے لئے ڈوپٹہ اور چادر (جس سے ان کا سارا جسم چھپ جائے) یہ بھی زیب وزینت ہے۔ یہ چیزیں انسان کو گرد و غبار سے بچاتی ہیں، حسن اور وقار کو بڑھاتی ہیں۔

۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "کھاؤ، پیو، مگر حد سے آگے نہ بڑھو" کیونکہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام توازن اور تناسب کا دین ہے کمی یا زیادتی دونوں ناپسندیدہ ہیں...... اگرچہ حد سے آگے نہ بڑھنے کا حکم کھانے پینے (پہننے، اوڑھنے، مکان بنانے، اور سامان پھیلانے) کے سلسلے میں آیا ہے۔ لیکن اس میں عبادت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس میں بھی اعتدال اور توازن کا خیال رکھا جائے نہ تو اتنی عبادت و ریاضت کی جائے کہ چہرہ اور جسم اپنی طاقت اور رونق ہی کھو بیٹھیں اور نہ کھانے پینے اور عیش وعشرت میں اس قدر مست ہو جائے کہ عبادتوں ہی سے غفلت اور سستی شروع ہو جائے۔ روح اور جسم دونوں کا خیال کر کے چلنا ہی اعتدال ہے۔

قرآن کریم نے جہاں کنجوسی کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے وہیں فضول خرچی اور اڑاؤ، لٹاؤ، کی بھی سخت مذمت کی ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو اس شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے جو اللہ کا نافرمان ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ہے کہ زیادہ کھانے پینے سے بچو، اس سے جسم بھدا ہو جاتا ہے بیماریاں آتی ہیں۔ عمل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسراف اور فضول خرچی صرف کھانے پینے، اوڑھنے اور سامان عیش وعشرت ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر محاذ پر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو بھی اسراف میں داخل کیا ہے کہ "جب بھی کسی چیز کو جی چاہے تو اس کو ہر حال میں پورا کیا جائے"۔

تفسیر روح المعانی اور تفسیر مظہری میں ایک واقعہ درج ہے کہ:

خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں بغداد میں ایک نصرانی حکیم رہتا تھا، اس نے ایک عالم علی بن حسین بن واقدی سے اعتراض کے طور پر کہا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں طب سے متعلق کوئی بات نہیں آئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن کریم نے علاج سے زیادہ اہم احتیاط اور پرہیز کو قرار دیا ہے۔ تمام طب اور حکمت کو تین لفظوں میں سمو دیا ہے۔ "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا" کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو نصرانی حکیم مان گیا۔ کہنے لگا کہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن حدیث رسول ﷺ میں طب کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا...... انہوں نے جواب کے طور پر نبی کریم ﷺ کے تین ارشادات نقل کئے جن کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) معدہ بیماریوں کا گھر ہے (۲) نقصان دینے والی چیزوں سے پرہیز کرو (۳) ہر بدن کو وہ چیز دو جس کا وہ عادی ہو (بشرطیکہ حرام نہ ہو)

نصرانی حکیم نے ان ارشادات کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور مان گیا۔

قرآن وحدیث نے جو حلال وحرام کی پابندیاں لگا دی ہیں ان کا خاص تعلق انسان کی صحت سے بھی ہے اور مزاج سے بھی...... حرام چیزوں کی ایک طویل فہرست دے دی ہے بقیہ چیزوں کو حلال قرار دے دیا ہے۔

آگے چل کر فرمایا گیا کہ...... اے نبی ﷺ! آپ ان سے پوچھئے کہ زیب وزینت کی جن چیزوں کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے ان کو کس نے حرام کر دیا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنے بندوں ہی کے لئے بنایا ہے...... اور جب اللہ نے کسی چیز کو حلال قرار دے دیا ہے تو اب کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کو حرام قرار دے دے۔

مشرکین اور کفار کا یہ گھمنڈ کہ ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں اسی لئے تو دنیا کی ساری چیزیں ہمارے قدموں کے نیچے ہیں اور مسلمان اس سے محروم ہیں۔ قرآن کریم کی اگلی آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

فرمایا کہ دنیا کی یہ نعمتیں جو تمام دنیا والوں کو بلا تفریق اور بلاحساب مل رہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی رزاقیت اور رحمانیت سے یہی پالیسی طے کی ہوئی ہے لیکن قیامت میں فیصلہ ہونے کے بعد یہ چیزیں اہل دوزخ کو نہ مل سکیں گی۔ ان کی قسمت میں تو جہنم کی آگ اور شجر زقوم ہوگا۔ دنیا کی اور آخرت کی تمام نعمتیں صرف اور صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہونگی۔

۵) اوپر حرام کاموں کی جو فہرست دی گئی ہے ان میں صرف ایک ہی لفظ "اِثْم" یعنی گناہ...... اپنی لپیٹ میں ہر غلط اور گناہ کی چیز کو رکھتا ہے۔ اس میں بے حیائی بغاوت، شرک تہمت سب شامل ہیں...... حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر غلط کام خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا نقطہ آغاز یہی "گناہ" ہے۔

بڑے سے بڑا جرم، بڑی سے بڑی شخصی، گروہی یا قومی عادت وخصلت، بڑے سے بڑا ظلم، فتنہ وفساد سب کی ابتداء میں ایک ناقابل التفات حقیر ترین نقطہ ہے۔ اور وہ نقطہ سیاہ ہے (گناہ)...... ایک بیج ہے جو تناور درخت بن جانے کی صلاحیت رکھتا

ہے۔اور یہ ابتدائی ''نقطہ سیاہ'' شعور سے زیادہ لاشعور میں جنم لیتا ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ یہ کفار و مشرکین کھانے پینے اور پہننے میں تارک الدنیا بنے ہوئے ہیں اور اپنے جسم کو عذاب در عذاب کے مستحق بنا رہے ہیں۔ بڑے سے بڑا گناہ دل کھول کر کیا کرتے ہیں اور کسی حد پر نہیں ٹھہرتے...... ظاہر اور پوشیدہ دونوں طرح کی بے حیائی اور بدکاری انکی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے...... ہر طرح کا چھوٹا بڑا گناہ ظلم، چوری، ڈکیتی، دھوکہ، غصب، خیانت، مار دھاڑ اور قتل سب ان کے خمیر میں داخل ہے بلکہ انتہا تو یہ ہے کہ اگر کہیں حق کا نظام قائم ہو رہا ہے یا ہو گیا ہے تو اس کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے اور بغاوت سے باز نہیں آتے۔ انہوں نے اس کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے جس میں اللہ کا نام تو محض تکلف یا سجاوٹ کے لئے ہے اصل میں معبود تو خود ان کا اپنا نفس ہے۔ تجارت کے لئے یا الزام ڈالنے کے لئے چند خیالی یا اصلی پیکر تراش لئے ہیں...... اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ان فرضی معبودوں کے نام کچھ کہانیاں، کچھ اقوال اور کچھ کتابیں تصنیف کرادی ہیں اور سارا الزام اللہ پر لگاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمیں اللہ نے دیا ہے۔

۶) آخر میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ اے اہل مکہ جس طاقت اور دولت کے بھروسے پر تم ناز کر رہے ہو اور ڈھیٹ بن کر گناہ پر گناہ کیے جا رہے ہو وہ دولت اور طاقت چند روزہ ہے۔ ایک خاص وقت معین تک کے لئے ہے، اور جب وہ معین وقت آ جائے گا تو پھر ایک لمحہ کی بھی مزید مہلت نہیں ملے گی۔ یہ اصول ہر فرد کے ساتھ بھی ہے اور ہر قوم کے ساتھ بھی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰىٓ اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا
جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ
عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾
وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع

ع ٤ / ٨ / ١١

ترجمہ: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

(یہ بات شروع میں ہی بتادی گئی تھی کہ) اے اولاد آدمؑ! جب ہمارے رسول جو تم میں ہی سے ہوں گے تمہارے پاس میری آیتیں لے کر آئیں گے اس کے بعد جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کر لی، ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور سرکشی کریں گے تو وہ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ ایسے لوگ (اپنی تقدیر کا) لکھا ہوا پالیں گے۔ یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے آئیں گے تو ان سے کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم پکارتے تھے وہ کہاں ہیں؟...... وہ کہیں گے کہ وہ سب تو ہم سے گم ہو گئے ہیں اور اس طرح وہ اپنے کفر پر خود ہی گواہ بن جائیں گے۔ (اللہ کی طرف سے انہیں) کہا جائے گا کہ تم بھی ان ہی جنوں اور انسانوں کی طرح جہنم میں جاؤ جس طرح وہ گئے ہیں۔ (اس کے بعد) جب بھی کوئی جماعت جہنم میں داخل ہوگی تو وہ دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی۔ جب سب جماعتیں جمع ہو جائیں گی تو بعد والی جماعت اپنے پہلوں کے متعلق کہے گی کہ اے ہمارے رب یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں بھٹکا دیا تھا۔ اے رب ان کو جہنم کا دوگنا عذاب دیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم جانتے نہیں۔ پہلی جماعت

دوسری جماعت سے کہے گی کہ تمہیں ہمارے اوپر کون سی بڑائی حاصل ہے (جس پر تم فخر کر رہے ہو) تم اپنے کیے ہوئے اعمال کا عذاب چکھو جو تم کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

یَاْتِیَنَّکُمْ	تمہارے پاس آئیں
یَنَالُ	پہنچے گا۔ ملے گا
نَصِیْبٌ	حصہ
یَتَوَفَّوْنَ	موت دیں گے۔ جان نکالیں گے
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو
ضَلُّوْا عَنَّا	ہم سے غائب ہو گئے۔ گم ہو گئے
شَهِدُوْا	وہ گواہ بن گئے
اُمَمٌ	امتیں۔ جماعتیں
خَلَتْ	گزر گئی۔ (گزر گئیں)
لَعَنَتْ	لعنت کی۔ (لعنت کریں گے)
اُخْتَهَا	اپنے ساتھی کو
اِدَّارَکُوْا	مل جائیں گے
ضِعْفٌ	دوگنا
فَضْلٌ	بڑائی
تَکْسِبُوْنَ	تم کماتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

کفار اور مشرکین کو آگاہ کرنے کے لئے ان آیات میں چار بڑی حقیقتوں کو پیش کیا جا رہا ہے ان حقیقتوں کا تعلق اس دنیا کی زندگی سے بھی ہے اور اس کے بعد آنے والی آخرت کی زندگی سے بھی ہے۔

۱) اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی روحوں سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ تمہارا رب اللہ اور صرف اللہ ہے۔ وہی ذات ہے جو ہر طرح واجب الاطاعت ہے۔ تمام روحوں نے اللہ کی اسی ربوبیت کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ "جی ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں" اس عہد اور وعدہ کو "عہد الست" کہا جاتا ہے۔ اسی وعدہ کی یاددھانی کے لئے اللہ نے ہر دور اور ہر علاقے میں اپنے پاک باز بندوں کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ انسانی روحوں کے اس وعدے کو یاد دلا دیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اپنی روحانی کیفیات کو اپنے اندر جھانک کر دیکھا انہوں نے نبیوں اور رسولوں کی تعلیم کو قبول کر لیا اور جو لوگ دنیا کی غفلت اور دنیا کی طلب میں دھنسے رہے انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو مذاق محسوس کیا اور صاف انکار کر دیا...... حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں بھیجے گئے تو سب سے پہلے انہوں نے اس پیغام الٰہی اور شریعت الٰہی کو اپنی اولاد کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اسی کا وعدہ تمہاری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اس کے بعد اللہ کے نبی اور رسولؑ تشریف لاتے رہے اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو اس روحانی وعدے اور کفر و شرک سے توبہ کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اللہ نے سارے نبیوں اور رسولوں کے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا آخری نبی اور رسول بنا کر ایک ایسی شریعت عطا فرمائی جو قیامت تک جاری و ساری رہے گی۔ آپ کے بعد اب رسالت و نبوت کا دروازہ کچھ اس طرح بند کر دیا گیا ہے کہ آپ کے بعد ہر وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ وہ اور اس کے ماننے والے بھی اللہ کی ابدی لعنت کے مستحق ہیں۔ اب نہ تو کوئی ظلی، بروزی نبی ہوگا، نہ کوئی وحی کا سلسلہ ہوگا اور آپ کی امت کے بعد نہ کوئی اور امت ہوگی یہی نبوت، کتاب اور یہی امت قیامت تک رہے گی۔

۲) جب کفار اور مشرکین کے مرنے کا وقت آئے گا تو اس وقت موت کے فرشتے ان سے پوچھیں گے بتاؤ وہ بت اور وہ ہستیاں آج کہاں ہیں جن پر تمہیں بڑا بھروسہ تھا اور تم نے انہیں اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ اس وقت اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے کیوں نہیں آئے؟۔ کفار اور مشرکین بڑی حسرت سے کہیں گے کہ وہ معبود تو آج موجود نہیں ہیں وہ ہم سے نجانے کہاں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ انہیں آج اس بات کا پوری طرح احساس ہوگا کہ واقعی وہ شدید غلطی پر تھے اور وہ جن کو اپنا معبود، کارساز اور مشکل کشا مانتے رہے تھے وہ آج ان سے گم ہو چکے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے کفر پر خود ہی گواہ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ ان سب کو جہنم میں جھونک دیا جائے اور اس طرح یہ کفار اور مشرکین اپنے برے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

۳) جب ایک نسل کے لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے تو وہ چیخ چیخ کر کہیں گے کہ ہم تو اپنے باپ دادا اور بزرگوں کے اندھے مقلد بنے رہے۔ ہم نے بت پرستی اور شرک کے کام ان سے سیکھے جو ہم سے پہلے تھے وہ اپنے گناہوں کا ذمہ دار اپنی پچھلی نسل اور اسکے بڑوں کو قرار دیں گے اور وہ اللہ سے درخواست کریں گے کہ اے اللہ بے شک ہم مجرم ہیں مگر ہمارے جرم اور گناہوں کا سبب یہ تھا کہ ہم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کے بجائے گمراہی کے راستے پر چلایا۔ بے شک ہم مجرم ہیں لیکن وہ ہم سے بڑے مجرم ہیں جو ہزاروں تجربات اور علم کے باوجود ہمیں گمراہی اور کفر و شرک سے نہ

بچا سکے۔ ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب دیا جائے۔

پہلے والی نسل کے لوگ جواب میں فریاد کریں گے کہ اگر ہم نے تمہیں غلط راستے پر لگایا تھا تو تم کیوں لگ گئے۔ تم نے اپنی عقل کو استعمال کیوں نہ کیا۔ تمہارے زمانہ میں جو نبی تھا یا اس کی تعلیمات تھیں تم نے اس سے راہ ہدایت کیوں حاصل نہ کی۔ تم ہمارے بہکانے سے کیوں بہک گئے۔ ہم نے اگر تمہیں بہکایا تو تم نے بھی تو اپنے سے بعد آنے والی نسلوں کو بہکانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے کہ تم دونوں ہی اس جرم میں برابر کے شریک ہو..... تم دونوں کو یکساں عذاب دیا جائے گا۔

۴) اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے جو ارشادات نقل کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر وہ قتل جو "قتل ناحق" ہے اس کی جتنی سزا قاتل کیلئے ہے اس کا اتنا ہی گناہ حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل کے نامہ اعمال میں بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ جس نے قتل انسانی کی بنیاد رکھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس سے کوئی گمراہ ہو گیا یا کوئی نسل گمراہ ہو گئی تو اس شخص پر جس نے ابتدا کی ہے اس پر اس گناہ کی پوری ذمہ داری ہے بعد میں آنے والے جو لوگ بھی اس راستے پر چلیں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے اور جس نے اس کی ابتدا کی ہے اس کے نامہ اعمال میں بھی وہ گناہ لکھ دیا جائے گا اس کے برخلاف اگر کسی نے کوئی نیکی کا کام کیا اور بعد میں آنے والے لوگ اس کے بہتر اور نیک راستے پر چلے تو جتنا ثواب کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی ثواب اس کی ابتداء کرنے والے کے نامہ اعمال میں بھی لکھ دیا جائے گا جیسے کسی نے کوئی مسجد تعمیر کی یا کوئی ایسی عمارت بنائی جس سے لوگ فائدہ حاصل کریں تو یہ چیزیں صدقہ جاریہ ہو جائیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ اس بات پر ضرور غور کر لے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو رہی ہو جس سے دوسروں کے صراط مستقیم سے بھٹکنے کا اندیشہ ہو۔

مثال کے طور پر رشوت کو لے لیجئے۔ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ کسی کا حق مارا گیا، ظلم ہوا، بے انصافی ہوئی، بری راہ قائم ہوئی...... یہ جرم یہیں تک نہیں رہتا بلکہ اس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہیں مثلاً یہ گناہ افراد سے بڑھ کر معاشرے میں، ملکی اقتصادیات اور انتظامات کے ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ لوگوں نے رشوت لینا دینا سیکھا۔ انصاف اور حق کا سوال ختم ہوا۔ اب بے ایمانی فراڈ، غبن، ظلم، حرام خوری وغیرہ کے شخصی اور قومی دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ بدانتظامی شروع ہو جائے گی اور ان سب کے اثرات آنے والی نسلوں تک پہنچ کر رہیں گے۔ جس سے بدانتظامی پھیلتی چلی جائے گی اور آنے والی نسلوں کو یہ میراث کے طور پر ملے گی۔ اب فرض کیجئے ایک شخص نے رشوت کے اس دروازے کو کھولا تو اس کے اثرات ملک گیر بلکہ عالم گیر سطح تک پہنچ جائیں گے کیا اللہ کا انصاف اسکو چھوڑ دے گا۔ جس نسل نے تبلیغ و تنظیم اور جہاد سے منہ

پھیرلیا اور حکومت کے انتظامات بے ایمانوں، چوروں، ڈاکوؤں اور راشیوں کے حوالے کردیئے گئے کیا وہ نسل غلط باتوں کو اختیار کرنے کے جرم میں اللہ کے ہاں پکڑی نہ جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ہر اٹھا ہوا قدم اس کائنات میں اپنے اثرات مرتب کرتا چلا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

الثلثة

ترجمہ: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۳

بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں تکبر کیا، ان کے لئے اس وقت تک نہ تو جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گذر جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

ان کے لئے جہنم (کی آگ) کا بچھونا ہوگا اور (وہی آگ ان کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو اسی طرح کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے عمل صالح کئے "ہم کسی پر اس کی ہمت وطاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ایسے لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار اور کدورت ہوگی اس کو نکال کر (ایسی جنتوں میں داخل کریں گے) جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی...... اور وہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں راہ ہدایت عطا کی۔ اگر وہ ہمیں راہ ہدایت نہ دکھاتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ واقعی ہمارے رب کے جو رسول آئے تھے وہ حق لے کر آئے تھے۔ اس وقت ندا آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو یہ تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں دی گئی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۰ تا ۴۳

لَا تُفَتَّحُ	کھولے نہیں جائیں گے
اَبْوَابُ السَّمَآءِ	آسمان کے دروازے
لَا يَدْخُلُوْنَ	داخل نہ ہوں گے
حَتّٰى يَلِجَ	جب تک داخل نہ ہوجائے
اَلْجَمَلُ	اونٹ
فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ	سوئی کے ناکے میں
مِهَادٌ	آرام کی جگہ۔ بچھونا
غَوَاشٌ	اوڑھنے کی چیز
نَزَعْنَا	ہم نے کھینچ لیا۔ ہم کھینچ لیں گے
غِلٌّ	کینہ۔ بغض
نُوْدُوْا	آواز دی (جائے گی)
اُوْرِثْتُمُوْهَا	جس کے تم مالک بنائے گئے

تشریح: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۳

ان آیتوں میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ کی آیتوں کو قول اور عمل سے جھٹلانا اور آیات کو پیش کرنے والے انبیاء کرامؑ کے مقابلے میں اپنے نظریات، خیالات اور رسموں کو باعظمت سمجھتے ہوئے تکبر کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے لوگوں کو جنت کی ہوا تک نہ پہنچے گی۔ فرمایا کہ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ سوئی کے بہت باریک اور چھوٹے ناکے سے اونٹ جیسا بڑا جانور گذر جائے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، تکبر کرے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے...... فرمایا گیا کہ ایسے لوگ نہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کی آیتوں سے گردن پھیرنے والے اور اپنی خود عقلی کا رعب بگھارنے والے ان کی دعائیں اور ان کے اعمال دونوں آسمان دنیا کے دروازے پر روک دیئے جائیں گے اور ان کو بارگاہ الٰہی تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا۔

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں نبی مکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

ایک صالح مومن بندے کی موت کا جب وقت آتا ہے تو حضرت عزرائیلؑ کے ساتھ حسین وجمیل فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جنت کا کفن اور خوشبو ان کے ساتھ ہوتا ہے حضرت عزرائیلؑ کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ باہر نکل۔ تو اللہ سے خوش رہا اور اللہ تجھ سے خوش رہا چل اللہ کی جنت کی طرف۔ وہ روح خوشی خوشی باہر نکل آتی ہے۔ فرشتے نہایت عزت واحترام سے اس روح کو آسمان کی طرف لے کر پرواز کر جاتے ہیں۔

اس کے اعزاز میں ساتوں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ روح عرش الٰہی تک پہنچائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ جاؤ اس کی روح اور اس کے اعمال کو علّیّین میں پہنچادو۔ پھر وہ روح عزت وتکریم کے ساتھ واپس اس کی قبر میں پہنچادی جاتی ہے۔ اس کو جنت کا لباس پہنایا جاتا ہے جنت کی ایک کھڑکی اس کی قبر میں کھول دی جاتی ہے اس کے نیک اعمال حسین صورت میں اس کی رفاقت کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف جب کافر ومشرک اور سرکش مرنے لگتا ہے تو بہت ہی خوفناک شکل کے فرشتے آتے ہیں پھر ملک الموت اس کی روح بہت تکلیف سے کھینچ کھینچ کر باہر نکالتے ہیں۔ اس میں اتنی سخت بدبو ہوتی ہے کہ ایک مردار جانور میں بھی اتنی بدبو نہیں ہوتی پھر فرشتے اس کی روح لے کر آسمانوں کی طرف چلتے ہیں۔ سب سے پہلے دروازے کو کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ حکم ہوتا ہے کہ اس کی روح اور اعمال کو ''سجین'' میں پہنچادو۔ پھر اس کی روح کو پٹک کر اس کے دفن ہونے کی جگہ پہنچادیا جاتا ہے فرشتے اس سے سوالات کرتے ہیں تو وہ حسرت وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم۔ پھر اسکو جہنم کا لباس پہنا دیا جاتا ہے اس کے دفن ہونے کی جگہ جہنم کی کھڑکی کو کھول دیا جاتا ہے، قبر تنگ کردی جاتی ہے (اللہ

ہم سب کو اس برے انجام سے محفوظ فرمائے آمین) اسی بات کو قرآن کریم میں مجرمین کی سزا قرار دیا گیا ہے یعنی جنت اور اس کی راحت سے محرومی آیت نمبر ۴۱ میں ظالموں کی سزا کی طرف اشارہ ہے یعنی عذاب جہنم کی طرف۔ آیت نمبر ۴۲ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے والے مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں کو جنت کی ایسی راحتیں عطا کی جائیں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں اور قرآن کریم کی دوسری بہت سی آیات میں ایمان غیر مشروط ہے یعنی ایمان کبھی جزوی نہیں ہوتا ہمیشہ کلی ہوتا ہے۔ اس میں اللہ پر اور اس کی وحدانیت پر بھی ایمان شامل ہوتا ہے۔ رسول اور اس کی رسالت پر بھی۔ قرآن پر بھی، تمام رسولوں اور ان کی کتابوں پر بھی حیات بعد الموت پر بھی، حشر ونشر اور جنت وجہنم پر بھی۔ تقدیر پر بھی۔ ان تمام چیزوں پر کلی ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ کی اور رسول ﷺ کی چند باتیں مان لیں اور ان پر عمل کر لیا اور چند باتیں تسلیم نہ کیں اور اپنی مرضی سے کچھ اعمال سرانجام دے لئے۔

اعمال صالحہ:- درحقیقت کوئی عمل صالح اس وقت تک عمل صالح نہیں ہے جب تک اس کے پیچھے قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی سند موجود نہ ہو۔ ہر وہ عمل، عمل صالح ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر کیا جائے۔ اگر حضور ﷺ کا نقش قدم نہ ہو تو پھر صحابہ کرامؓ کی پیروی میں پورے جذبے اور خلوص سے عمل کیا جائے تو وہ عمل صالح کہلائے گا۔ عمل صالح کسی ایک عمل یا چند مخصوص اعمال کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر عمل میں اللہ اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کو بنیاد بنا کر سرانجام دینا عمل صالح ہے۔

فرمایا کہ ''ہم کسی کو اس کی ہمت وطاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتے'' قرآن کریم میں اس کو کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جہاں ہمت وطاقت سے پہاڑوں کو بھی رائی بنا دیتا ہے۔ بحر وبر پر حکمرانی کرتا ہے وہیں اس میں بشری کمزوریاں بھی ہیں فرمایا کہ ہمیں انسان کی ان کمزوریوں کا پوری طرح اندازہ ہے اسی لئے جو بھی احکامات دیئے گئے ہیں ان میں بشری کمزوریوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

فرمایا کہ ''اہل جنت کے دل کی کدورتیں اور رنجشیں دور کر دی جائیں گی'' مراد یہ ہے کہ نیک لوگوں کے دلوں میں کبھی کبھی اختلافات اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن جب وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے تو ان کے دلوں سے کدورتوں، اختلافات اور رنجشوں کو دور کر دیا جائے گا۔

صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ مومنین جب پل صراط سے گذر کر جنت کی طرف چلیں گے تو جنت میں داخلے سے پہلے انہیں ایک مقام پر روک لیا جائے گا تاکہ اگر کوئی ظلم وزیادتی یا حق تلفی کی گئی ہو یا کینہ وحسد وغیرہ کسی کے خلاف سرزد ہوا ہو تو وہ آپس میں اپنے دل صاف کر لیں۔

جنت میں پہنچ کر وہ اللہ کا احسان مانیں گے۔ اس کا شکر ادا کریں گے اس کی حمد وثنا کریں گے۔ اس کے بعد اللہ کی طرف

سے ایک ندا آئے گی کہ یہ جنت تمہیں عارضی اور وقتی طور پر نہیں دی گئی ہے۔ یہ جنت تمہارے نیک اعمال کے بدلے میں مستقل ٹھکانے کے طور پر دیدی گئی ہے اب تم ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں رہو گے۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۴ تا ۴۹

جنت والے جہنم والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حاصل کر لیا۔ کیا تم نے بھی وہ سب کچھ برحق پا لیا جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ وہ (حسرت زدہ ہو کر) کہیں گے "ہاں" ...... پھر اس کے بعد ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ آج

ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جنہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا تھا اور جن کا کام اس (دین) میں ٹیڑھ تلاش کرنا اور آخرت کا انکار کرنا تھا۔اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جائے گا...... بلندی پر کچھ لوگ ہوں گے وہ ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچان لیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو...... یہ بلندیوں والے جنت میں تو ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے مگر اس کی خواہش رکھتے ہوں گے۔اور جب ان کی نگاہیں جہنم والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ کیجئے گا......اور اعراف والے کچھ لوگوں کو ان کی نشانیوں سے پہچان کر کہیں گے کہ آج کے دن تمہیں تمہاری جماعت اور وہ تمہارا تکبر جو تم کیا کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آیا۔اور کیا جنت والے وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تو اپنی رحمت میں سے (ان لوگوں کو) کچھ بھی نہ دے گا (آج ان کے لئے کہا گیا ہے کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جہاں تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم رنجیدہ ہو گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۴ تا ۴۹

وَجَدْنَا	ہم نے پالیا
وَعَدَنَا	ہم سے وعدہ کیا تھا
حَقٌّ	سچ۔سچا
وَجَدْتُّم	تم نے پایا
نَعَم	جی ہاں
مُؤَذِّنٌ	پکارنے والا۔اعلان کرنے والا
یَصُدُّوْنَ	وہ روکتے ہیں
یَبْغُوْنَ	وہ تلاش کرتے ہیں
عِوَجٌ	ٹیڑھاپن۔کجی
حِجَابٌ	پردہ

اَلْاَعْرَافُ	ٹیلے۔ پردے
يَطْمَعُوْنَ	وہ امید رکھتے ہیں
صُرِفَتْ	پھیردی گئی۔(پھیردی جائیں گی)
لَا تَجْعَلْنَا	تو نہ بنا ہمیں
يَعْرِفُوْنَ	وہ پہچان لیں گے
سِيْمَا	پیشانیاں۔نشانیاں

تشریح: آیت نمبر ۴۴ تا ۴۹

ان آیات میں تین جماعتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے (۱) اہل جنت (۲) اہل جہنم (۳) جنت اور جہنم کے درمیان کسی اونچے مقام پر جنت میں جانے کی تمنا لئے ہوئے۔

جنت اور جہنم کتنی بڑی ہوں گی اور ان کے درمیان طویل ترین فاصلے کتنے ہوں گے ان کا تصور اس دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے۔لیکن وہاں کے طبعی قوانین یہاں کے طبعی قوانین سے بہت مختلف ہوں گے۔ بصارت اور سماعت دونوں بہت تیز ہوں گی یہاں تک کہ یہ تینوں گروہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں گے اور آپس میں باتیں اور تبصرے بھی کریں گے۔ یہ باتیں شاید آج سے ایک سو سال پہلے والے لوگوں کے لئے تعجب کی بات ہوگی لیکن آج موجودہ سائنس نے ہمیں آنکھوں سے دکھا دیا ہے۔ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر کئی کئی ملکوں میں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں گفتگو اور تبصرے کرتے ہیں۔اور اس کو کروڑوں انسان سنتے ہیں۔آج یہ حال ہے نجانے آج سے پچاس سال بعد یہ ترقیات کہاں تک پہنچ جائیں گی اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ بہر حال جنتی، جہنمی اور اعراف والے ایک دوسرے سے باتیں کریں گے۔

ان آیات میں مکہ کے کفار اور مشرکین کے دلوں میں زیادہ اثر ڈالنے کے لئے قیامت کے دن جو کچھ ہوگا اس کے ایک حصہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دیکھنا سننے سے زیادہ تاثیر رکھتا ہے خواہ تصور کی آنکھ سے ہو۔

اہل جنت خوشی سے بے قرار ہو کر پکار اٹھیں گے کہ ہم لوگوں سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے جو وعدے کئے تھے وہ اس نے پورے کر دکھائے......وہ جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ اللہ نے تمہیں بھی جہنم کے برے انجام سے آگاہ کر کے وعدہ کیا تھا......کیا وہ سب کچھ تمہارے ساتھ ہو کر رہا؟ وہ حسرت و افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ بے شک وہی ہوا جیسا کہا گیا تھا......پھر اعلان کیا جائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو صراط مستقیم سے روکا کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دین اسلام پر اعتراض کی

گنجائش تلاش کیا کرتے تھے تاکہ خود کو بھی فریب دے کر بھٹکتے رہیں اور دوسروں کو بھی بہکائیں۔ یہی وہ لوگ تھے جو حیات بعد الموت کے منکر تھے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ آج ایسے لوگوں کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا اور جنت اور جہنم والوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے گا۔

کچھ لوگ وہ بھی ہوں گے جو جنت اور جہنم کے درمیان اونچے ٹیلوں پر جمع ہوں گے اور جنت کے امیدوار ہوں گے ان ہی لوگوں کو اصحاب الاعراف کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب الاعراف وہ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ اہل جنت کو پہچان کر ان کو سلام کریں گے اور ان پر سلامتی بھیجیں گے دوسری طرف وہ اہل جہنم کو دیکھ کر چلا اٹھیں گے اور رب العالمین سے فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں ان ظالموں میں شامل نہ فرمایئے گا۔

دوزخ میں چند بڑے بڑے لوگوں، حکمرانوں اور دولت مندوں کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ آج تم اللہ کے سامنے خالی ہاتھ کھڑے ہو وہ تمہاری فوجیں، تمہارے خزانے، تمہاری توپیں، بندوقیں، تمہارے درباری اور خوشامدی لوگ کہاں ہیں جن پر تم ناز کرتے اور تکبر کیا کرتے تھے اس کے برخلاف وہ لوگ جن کو تم احمق، نادان اور حقیر و ذلیل سمجھتے تھے وہ جنت کے کتنے بلند مقام تک پہنچ چکے ہیں اور تم؟ دوزخ میں جل جل کر مرنے اور مر مر کر جلنے کو جہنم کا ایندھن بنادیئے گئے ہو۔

آخرت میں جنتی اور دوزخی ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور دونوں گروہ آپس میں کلام بھی کرسکیں گے اس کے لئے قرآن کریم میں بہت سی آیات نازل کی گئی ہیں جو اس سچائی پر شاہد و گواہ ہیں...... اس جگہ تین باتوں کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

۱) سورۂ صافات میں دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو دنیا کی زندگی میں ایک دوسرے کے دوست تھے لیکن ان میں سے ایک نیک اعمال کی بدولت جنت کا اور دوسرا برے اعمال کی وجہ سے جہنم کا مستحق بن جائے گا۔ وہ آخرت میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور باتیں کریں گے۔

۲) قرآن کریم کی بعض آیات سے ظاہر ہے کہ آخرت کا سلام ''سلام علیکم'' ہے جب کہ دنیا کا ''السلام علیکم'' ہے۔..... السلام کے معنی ہیں دنیا اور آخرت کی سلامتی اس لئے دنیا میں ''السلام علیکم'' کہا جائے گا لیکن آخرت میں جانے کے بعد دنیا کی سلامتی کا سوال ختم ہو جائے گا اس لئے وہاں ''سلام علیکم'' کہا جائے گا۔ فرشتے جب اہل جنت کا استقبال کریں گے تو ''سلام علیکم'' کہیں گے۔

۳) حضرت حذیفہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہل اعراف کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اور نیکیاں برابر ہوں گی سب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد ان کا فیصلہ ہوگا...... بالآخر ان کی مغفرت کردی جائے گی اور وہ جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ۝۵۰ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۵۳ ع ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر التجا کریں گے کہ جو پانی اور رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دیدو۔ وہ جواب دیں گے کہ ان چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ وہ کافر جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اللہ فرمائے گا کہ آج کے دن ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح انہوں نے آج کے دن کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب بھیجی تھی جس میں تمام معلومات اور تفصیلات دی گئی تھیں جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہی رحمت ہے (ان کافروں کو) اس کے آخری نتیجہ اور انجام کے سوا کسی چیز کا انتظار نہیں ہے جب وہ انجام سامنے آجائے گا جس کی خبر یہ کتاب دے رہی ہے تو وہ لوگ جو اس

سے غافل بنے بیٹھے تھے وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول سچ لے کر آئے تھے۔ کیا اب ہمیں سفارش کرنے والے ملیں گے جو ہماری سفارش کردیں یا کسی طرح ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تا کہ اب تک جو کچھ ہم نے کیا ہے اس کو چھوڑ کر ہم دوسری طرح کے اعمال کر دکھائیں جواب دیا جائے گا کہ نہیں (اب جو کچھ کر چکے سو کر چکے) انہوں نے اپنے آپ کو تباہی میں ڈال لیا اور جو کچھ بہانے انہوں نے تراش رکھے تھے وہ ان سے گم ہو گئے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اَفِیْضُوْا	بہاؤ
اَلْمَآءُ	پانی
حَرَّمَ	حرام کر دیا۔ روک دیا
غَرَّتْ	دھوکے میں ڈال دیا
نَنْسٰی	ہم نے بھلا دیا
یَجْحَدُوْنَ	وہ انکار کرتے ہیں
فَصَّلْنَا	ہم نے تفصیل بتا دی
تَاْوِیْلٌ	انجام۔ پھیرنا
شُفَعَآءُ	(شفیع)۔ سفارشی
نُرَدُّ	ہم لوٹائے جائیں
نَعْمَلُ	ہم کام کریں گے

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

جس طرح جنت والوں نے جہنم والوں سے کلام کیا تھا۔ اسی طرح اب جہنم والے اہل جنت سے اپنی شدید پیاس اور تڑپا دینے والی بھوک کا حوالہ دے کر رحم و کرم کی بھیک مانگیں گے۔

کفار مکہ جنت، جہنم، قیامت کے دن اور اللہ کے انصاف کو اہمیت نہیں دیتے تھے وہ دنیا کے رزق اقتدار اور لالچ میں اس طرح الجھے ہوئے تھے کہ ان کے لئے دین اور اسکی سچائیاں کھیل کود سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ اس سورۃ کی یہ آیات جنت، جہنم قیامت اور کفار کی بے بسی کی ایک تصویر کے ایک حصے کو ہماری بصیرت اور بصارت کیلئے سامنے لا کھڑا کرتی ہیں۔ کچھ اس طرح کہ ہماری فکر میں انقلاب اور ہمارے دل و دماغ میں ارتعاش سا آ جاتا ہے۔ ہم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اگر ہم عقل وفکر سے بالکل ہی عاری نہیں ہو گئے ہیں تو یہ سوال اپنی پوری قوت سے ہمارے ذہن وفکر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے کہ موت کے بعد ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ہم جنت والے بنیں گے یا جہنم والے۔ جنت ہماری ملکیت ہوگی یا ہم جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ فیصلہ آج ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یا ہم دنیا کی نعمتوں میں مست ہو کر اللہ کے دین کو ہنسی مذاق بنالیں یا ایمان لا کر اس صراط مستقیم کو اختیار کرلیں جو ہدایت اور رحمت ہی رحمت ہے۔

کفار عرب اور آج کفار عالم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تین تین نشانیاں اپنی پوری روشنی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب۔ ۲) اللہ کے آخری نبی ﷺ کی قولی اور عملی زندگی ...... ۳) پیغمبر اسلام کے جاں نثار صحابہ کرامؓ اور دیگر مومنین کی زندگیاں۔

دین اسلام نے نہ صرف ذہن وفکر میں طوفان برپا کیا بلکہ مادی اور سیاسی دنیا میں بھی تاریخی انقلابات برپا کئے ہیں۔ اس سے زیادہ بے عقل ناسمجھ اور بدنصیب کون ہوگا جو اسے نہ پڑھے، نہ سمجھے اور نہ عمل کرے۔

دین اسلام میں علم کا مقام بنیادی ہے۔ قرآنی وحی کا پہلا لفظ ''اقراء باسم ربک'' کی شرط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ'' سے شروع ہوتا ہے...... پہلے انسان اور پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو تمام اسماء کے علوم سے مسلح اور مزین ہو کر تشریف لائے۔ اسی علم کے سامنے تمام فرشتے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ضروری علم کی تفصیل موجود ہے۔ یہ علم وہ ہے جو عمل کی راہیں آسان کرتا ہے۔ یہ صرف معلومات کا ایک ڈھیر نہیں ہے۔ اس علم کا ایک مقصد ہے ایک متعین سمت ہے۔ ایک خصوصی رہنمائی ہے۔ یہ نہ صرف ہدایت ہے بلکہ رحمت بھی ہے...... جو اس ہدایت کی روشنی میں چلے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو اس راستے کو چھوڑ کر جہالت کی اندھیریوں میں بھٹک جائے گا وہ جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ اس پر عمل تو بہت بڑی بات ہے اس قرآن کریم کی تلاوت بھی رحمت ہے...... جلد اور اوراق میں تنگ نظروں کو یہ صرف ایک کتاب نظر آتی ہے لیکن جلد اور اوراق سے باہر یہ ایک انقلاب ہے۔ فرد ساز ہے، جماعت ساز ہے، تاریخ ساز ہے، تمام علوم وفنون کا سر چشمہ ہے، تمام اصول وعقول کا بنیادی پتھر ہے۔ قرآن حکیم تقویٰ، پرہیزگاری اور

جنت کا راستہ ہے زندگی کے بعد موت کا اور موت کے بعد زندگی کی روشنی ہے۔

یہاں ہدایت اور رحمت، کے الفاظ سے ایک اور بات ظاہر ہوتی ہے درحقیقت ہدایت اور رحمت ایک تسلسل کا نام ہے جس طرح سورج کا نکلنا، چاند کا آنا، ہوا کا چلنا، بارش کا برسنا، رزق کا پیدا ہونا اور خرچ ہونا، مرنا اور جینا وغیرہ جس طرح یہ چیزیں ایک ساتھ اور ایک ہی قسط میں نہیں آتیں اسی طرح ہدایت اور رحمت بھی ایک ہی قسط میں نہیں آجاتیں۔ ان کی مسلسل بارش کی ضرورت ہے۔ اسلئے ہمیں ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' (ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے) ''**واعف عنا**'' (ہمیں معاف کردیجئے) ''**واغفرلنا**'' (ہماری مغفرت کردیجئے) ''**وارحمنا**'' (ہم پر رحم کیجئے) جیسی دعاؤں کو مانگنے کا شب روز اور پانچ وقت کی نمازوں میں حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ کی رحمتیں مسلسل نازل ہوتی رہیں۔

کتاب الٰہی وہ کتاب نہیں ہے جس کو ایک بار یا دو بار پڑھ کر ساری باتیں سمٹ کر سمجھ میں آجائیں گی بلکہ اس کو مسلسل پڑھنا ہے۔ پڑھنا پڑھنا اور پڑھتے چلے جانا ہے ہر بار نیا لطف۔ نئی ہدایت اور نئی رحمت نصیب ہوتی چلی جائے گی۔

آیت نمبر ۵۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب سے، رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی زندگی سے اور صحابہ کرامؓ کی تاریخی زندگی سے روشنی حاصل نہ کرے وہ درحقیقت جہنم کی طرف بڑی تیزی سے دوڑ رہا ہے۔ اس کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب جہنم کا عذاب اس کے سامنے آکھڑا ہوگا اس وقت وہ لوگ بچنے کے لئے طرح طرح سے ہاتھ پیر ماریں گے۔ سفارشیں ڈھونڈیں گے، دنیا میں واپس جانے کے جتن کریں گے، بہانے گھڑیں گے۔ وہ امید کی نظروں سے اپنے جھوٹے معبودوں کو تلاش کریں گے مگر ان کو ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی ہوگی...... کیونکہ جو عمل کرنے کا وقت تھا وہ گذر گیا...... اب ان کو اپنے برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں برے لوگوں کی راہوں پر چلنے سے محفوظ فرمائے ''آمین''

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۵

تمہارا رب تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ تخت عرش پر جلوہ گر ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے پھر وہ دن رات کے پیچھے چلا آتا ہے اور یہ چاند، سورج اور ستارے سب اسکے حکم کے تابع ہیں سنو! کہ ہر چیز کو پیدا کرنا اور حاکم ہونا اسی کی شان ہے۔ وہ اللہ جو رب العالمین ہے بڑی برکتوں والا ہے.....تم اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۴ تا ۵۵

سِتَّةُ اَيَّامٍ	چھ دن
اِسْتَوٰى	برابر ہوا
اَلْعَرْشُ	تخت
يُغْشِىْ	چھا جاتا ہے
يَطْلُبُهٗ	وہ اس کے پیچھے آتا ہے
حَثِيْثٌ	دوڑتا ہوا
اَلنُّجُوْمُ	ستارے
مُسَخَّرٰتٌ	تابع ہیں
بِاَمْرِهٖ	اس کے حکم کے
اَلْخَلْقُ	پیدا کرنا
اَلْاَمْرُ	حکم کرنا
اُدْعُوْا	پکارو
تَضَرُّعًا	عاجزی (سے)

خُفْيَةً — چپکے چپکے
اَلْمُعْتَدِيْنَ — حد سے گزر جانے والے

تشریح: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۵

اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس کائنات میں ہر چیز میں ایک تدریج ہے یعنی ہر چیز آہستہ آہستہ اور اصولوں کے مطابق بنتی اور اپنے عروج و کمال کو پہنچتی ہے۔ حیوانات نباتات وغیرہ میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے ہر چیز کا خالق اللہ ہے اور یہ سب چیزیں اسی کے حکم کے مطابق حرکت کرتی اور چلتی ہیں جس کے لئے اس نے ایک خاص نظام قائم فرمادیا ہے۔ یہ نظام اس قدر مرتب اور منظم ہے کہ اگر نگاہ بصیرت ہو تو ہر چیز میں ایک تدریج اور شان سامنے نظر آتی ہے۔ آج انسان نے ایسے سائنسی آلات ایجاد کر لئے ہیں جن سے وہ کائنات کے اس مرتب نظام کو دیکھ کر بہت کچھ پہلے سے بتا سکتا ہے جیسے محکمہ موسمیات ہے وہ اپنے آلات کے ذریعہ سے یہ تک بتا سکتا ہے کہ چند روز کے بعد بارش، یا طوفان آنے والا ہے۔ اگر یہ نظام کائنات مرتب اور منظم نہ ہوتا تو اس کی پہلے سے پیشین گوئی کیسے کی جاسکتی تھی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو بتدریج چھ دن میں بنایا ہے۔ اب یہ چھ دن ہماری دنیا کے ہیں یا وہ دن ہیں جن کو سورۂ حج میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْن

اور بے شک آپ کے رب کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے اس حساب سے جس کو تم اختیار کئے ہوئے ہو۔

بہر حال کوئی دن بھی ہو یہاں رب العالمین نے اس اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ نظام کائنات خود بخود یا اچانک وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کے پیچھے اللہ کی قدرت کا ہاتھ ہے جس نے اس کو بنایا اور وہ اس کا دست قدرت اس پوری کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔

اس آیت میں یہودیوں کے اس غلط تصور کی بھی تردید مقصود ہے جس میں انہوں نے یہ تصور قائم کر لیا ہے کہ اللہ نے چھ دن میں اس دنیا کو بنایا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا اللہ نے فرمایا کہ اس نے اس نظام کائنات کو چھ دن میں بنایا۔ مگر اس کے بعد وہ اللہ تھک کر آرام کرنے نہیں چلا گیا بلکہ اس نے اپنی شان کے مطابق ساتویں دن عرش پر مستوی ہو کر نظام کائنات کا انتظام سنبھال لیا۔ اب اسی کی قدرت جاری و ساری ہے۔

ان آیات میں پہلے تو زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ وہی ذات ہے جس کے سامنے انسان کو جھک کر ہر آن اسی سے مانگنا چاہئے۔ دعا کا فلسفہ کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔

جیسا کہ آپ نے اس سے پہلی آیات میں بھی ملاحظہ کیا ہوگا کہ اسلام نے اللہ کے ''معبود'' ہونے کا یہ تصور نہیں دیا کہ وہ انسانی ہنگاموں سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا کوئی دیوتا ہے یا اس نے ایک مرتبہ کائنات کی خود کار مشین میں چابی بھر کر اس کو چھوڑ دیا ہے اور اب وہ دور سے بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے بلکہ دین اسلام میں اللہ کا تصور یہ ہے کہ وہ ہر آن کائنات کے نظام میں تصرف کرتا ہے وہ ایک ایک مخلوق کے رزق اور ضروریات زندگی کو فراہم کرتا ہے وہ ان کی مصیبتوں میں ان کی پکار کو سنتا ہے وہ زندگی کے ایک ایک مرحلے پر قدم بقدم ان کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ خود مطالبہ کرتا ہے کہ میرے بندو! مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنتا ہوں میں تم سے دور نہیں ہوں بلکہ تمہاری رگ جاں بھی اتنی قریب نہیں ہے جتنا کہ میں تمہارے قریب ہوں۔

یہاں بھی حکم ہے کہ ہر حال میں اسی سے دعائیں مانگی جائیں حاجت روائی کیلئے بھی اور اللہ کو یاد کرنے کے لئے بھی اور دعا مانگنے کے اللہ نے آداب اور طریقے بھی سکھا دئے یعنی عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے اپنے آپ کو حاجت مند ذلیل اور پست سمجھ کر اپنے آپ کو قصوروار نادم، پشیمان محتاج اور گدا جان کر...... اس اللہ کے دربار میں عرض پیش کرے جو غنی ہے تمام تعریفوں کا مستحق ہے رازق ہے شافی ہے مشکل کشا ہے مغفرت کرنے والا ہے، بخشش اور بخشائش والا ہے، رحمٰن و رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ یہ بھی سکھایا گیا کہ دعا میں ادب اور تہذیب و شائستگی کا خیال رکھا جائے نرم اور پست لب ولہجہ شور غل سے دور خموشی سے قریب کیونکہ وہ اللہ سب کچھ سن رہا ہے دیکھ رہا ہے...... پھر زور شور سے پکارنے کی ضرورت کیا ہے دعا میں مصنوعی گریہ وزاری سے پرہیز ہونا چاہئے اگر فطری ہو تو قابو کے اندر ہو۔ کیونکہ اللہ کو دعا کرنے اور پکارنے میں بھی حد سے گذر جانا پسند نہیں ہے۔ اگر چہ دعا کے معنی میں یاد کرنا بھی شامل ہے لیکن عام طور پر حاجت روائی کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں کون شخص ہوگا جو حاجت یا حاجات نہیں رکھتا...... اس لئے فرمایا گیا کہ ہر آن اسی اللہ سے مانگا جائے اور دعائیں کی جائیں۔

دعا کے معنی ہیں اللہ کے حضور میں پکار، مناجات، فریاد، التجا، تمنا، گذارش، یاد۔ چونکہ اس کائنات میں وہی خالق و مالک ہے، وہی حاکم، کارساز، رازق، مصائب ڈالنے والا اور مصائب کو ٹالنے والا، صاحب تقدیر و تدبیر، صاحب موت و حیات ہے۔

اور بندہ کیا ہے؟ مجبور محتاج، مسکین، ہر وقت ناگہانی آفات کا شکار، بیماری، غم، فکر، پریشانی، خوف، مفلسی قدم قدم پر موت کا خوف اور لحظہ بہ لحظہ نت نئی مشکلات ...... دوسری طرف خواہشات اور آرزوئیں اپنی تمام تر رنگین جلوہ آرائیوں کے ساتھ...... غلطیوں، گناہوں کا پتلا، جذبات کا غلام، اگر بصارت نہیں تو بصیرت سے محروم...... تاہم ان تمام کمزوریوں کے باوجود دعا سب سے بڑی طاقت ہے جو انسان اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ دعا مانگنے والے کے ہاتھ میں دو عظیم ہتھیار ہیں۔ ایک طرف خوف دوسری طرف امیدیں...... سزا کا خوف، جزا کی امیدیں،۔ اس دعا کے ذریعہ کمزور اور مجبور انسان تمام توانائیوں کے لامحدود سرچشمہ تک پہنچتا ہے۔ جب ہم دعا کرتے ہیں تو اس قدرت و حکمت سے منسلک ہو جاتے ہیں جو لافانی ہے اور کائنات کو گردش میں رکھتی ہے اسی لئے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

دعا مغز عبادت ہے (ترمذی عن انس بن مالکؓ)

دعا عین عبادت ہے (عن نعمان بن بشیرؓ)

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ (عن ابی ہریرۃؓ۔ ترمذی)

دعا بہر حال فائدہ مند ہے ان بلاؤں کے معاملے میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئیں۔ اللہ کے بندو تم ضرور دعا مانگا کرو (ترمذی)

اللہ سے اس امید کے ساتھ دعائیں مانگا کرو کہ وہ قبول کرے گا (ترمذی)

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

ع ٧ ٥ ١٤

ترجمہ: آیت نمبر ٥٦ تا ٥٨

اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ اپنے اللہ کو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کے ساتھ پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔ وہ اللہ جو اپنی رحمت کے آگے آگے خوش خبری سے بھری ہوئی ہوائیں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں تو پھر ہم ان بادلوں کو کسی خشک زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر ہم اس پانی کو برساتے ہیں پھر ان سے طرح طرح کے ثمرات کو نکالتے ہیں اسی طرح ہم (قیامت کے دن) مردوں کو نکالیں گے۔ شاید کہ تم سمجھو۔ اچھی زمین اپنے رب کے حکم سے اچھا پھل دیتی ہے

اور وہ زمین جو خراب ہے اس میں سے سوائے ناقص (گھاس پھوس کے) کچھ بھی نہیں نکلتا......اس طرح ہم اپنی آیات کو طرح طرح سے بیان کرتے ہیں......ان لوگوں کے لئے جو قدر کرنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

لَا تُفْسِدُوْا	تم فساد نہ کرو
اِصْلَاحٌ	درست۔ درستگی
طَمَعًا	امید
يُرْسِلُ	وہ بھیجتا ہے
اَلرِّيٰحُ	(رِيْحٌ)۔ ہوائیں
اَقَلَّتْ	اٹھالائیں۔ (اِقْلَالٌ)
سَحَابٌ	بادل
ثِقَالٌ	بھاری
سُقْنَاهُ	ہم اس کو ہانک دیتے ہیں
بَلَدٌ مَّيِّتٌ	مردہ شہر
كُلُّ الثَّمَرَاتِ	ہر طرح کے پھل
نُخْرِجُ	ہم نکالتے ہیں
تَذَكَّرُوْنَ	تم دھیان دیتے ہو
اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ	پاکیزہ شہر۔ مبارک سرزمین
نَبَاتُهٗ	اپنا سبزہ۔ اس کا سبزہ
خَبُثَ	خراب۔ گندہ
نَكِدٌ	نامکمل چیز۔ ناقص چیز
يَشْكُرُوْنَ	وہ شکر کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۵۶ تا ۵۸

دو آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا تعلق آسمان اور بلندی سے ہے یعنی دن رات کا بدلنا، سورج، چاند، ستارے...... اب ان آیات میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جن کا تعلق زمین سے ہے اور جن سے انسان کی غذا اور دیگر ضروریات پوری ہوتی ہیں یعنی اناج، پھل، پھول وغیرہ جو کچھ ان آیات میں فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

یہ تو ان آیات کا ظاہری پہلو ہے جس کے معنی روشن ہیں لیکن ان آیات میں ایک باطنی پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے...... ان آیات کے بعد پیغمبروں کے واقعات کو نصیحت و عبرت کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور نصیحت کی زمین ہموار کرنے کے لئے یہ مثال دی گئی ہے۔

کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا ذہنی اور روحانی باران رحمت ہے۔ اس رحمت کی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں یعنی اچھی اچھی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں...... پیغمبر اللہ کا پیغام بلا فرق اور بلا تعصب ہر خاص و عام کو پہنچاتے ہیں...... جس طرح بارش یہ نہیں دیکھتی کہ یہاں میدان ہے یا صحرا، جنگل ہے یا پہاڑ، کون سی قوم رہتی ہے، کالی یا گوری، وہ سب پر یکساں برستی ہے۔ اسی طرح اللہ کے پیغمبر بھی اللہ کا پیغام ہر شخص تک پہنچاتے ہیں مگر اچھی ہی زمین اچھا اناج اور پھل پھول اگاتی ہے۔ خراب اور بنجر زمین بے اثر رہتی ہے یا زیادہ سے زیادہ ناقص جھاڑیاں، کانٹے دار درخت اور زہریلے پھل پھول نکالتی ہے اس طرح دین کی تبلیغ کا اثر صرف ان ہی لوگوں پر پڑتا ہے جو سمجھنے بوجھنے کی عقل اور موزوں طبیعت رکھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ بنجر زمین کی طرح ہیں...... ان سے کانٹے اور زہر کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ یہ آیات ''لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ'' پر ختم ہوتی ہیں...... تبلیغ دین سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ''خلق اور امر'' کے مالک اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر کتنے بڑے بڑے احسانات ہیں جن کا ذکر گذشتہ آیات میں بھی کیا گیا ہے۔ جن کے دل و دماغ میں یہ جذبہ ہے کہ اللہ کے احسانات کو مانا جائے اور وہ ان کی قدر کرتے ہوئے اس کے سامنے جھکتے ہیں یہ ان کی قولی اور عملی شکر گذاری ہے...... جب تک یہ جذبہ نہیں ہوگا ایمان کا تخم جڑ نہیں پکڑے گا۔

آگے پیغمبروں کے واقعات آتے ہیں...... پیش بندی کے طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم نے ان پیغمبروں کی زندگی کے صرف ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جن کا تعلق جہاد اور تبلیغ دین سے ہے۔ ان کے پرائیویٹ معاملات سے بحث نہیں کی ہے ہمیں کسی پیغمبر کے متعلق یہ نہیں معلوم کہ ان کی شکل و صورت کیسی تھی، بال بچوں سے کیا اور کیسے تعلقات تھے۔ کتنا کماتے تھے اور کتنی عبادتیں کرتے تھے...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی اس کا وہ مقصد حیات ہے جس کے لئے وہ اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ع ۱۵ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۴

ہم نے نوحؑ کو اس کی اپنی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے سمجھایا کہ اے برادران قوم اللہ کی عبادت و بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہیں تم پر زبردست دن کا عذاب نہ آپڑے...... اس کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ ہم تمہیں ہی کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ نوحؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں ہرگز بہکا ہوا نہیں ہوں۔ میں تو تمام جہانوں کے مالک و مختار کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم سب تک پہنچاتا ہوں۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے۔ (برادران قوم) آخر تم اس بارے میں کیوں حیران ہو کہ تمہارے رب کا پیغام تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے ذریعہ آ گیا جو تم ہی میں سے ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ تمہیں بہتر سمجھا سکے اور تمہیں تقویٰ کی راہ پر لگا سکے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مگر ان لوگوں نے نوحؑ کو جھٹلایا...... پھر ہم نے ایک کشتی کے ذریعہ اس کو اور اس پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا کی اور ان سب کو غرق کر دیا جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یقیناً وہ قوم اندھی ہو چکی تھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۹ تا ۶۴

اَلْمَلَأُ — سردار
لَنَرٰکَ — البتہ ہم تجھے دیکھتے ہیں
ضَلٰلَةٌ — گمراہی
اُبَلِّغُ — میں پہنچاتا ہوں
اَنْصَحُ — نصیحت کرتا ہوں
عَجِبْتُمْ — تم نے تعجب کیا
لِیُنْذِرَ — تاکہ وہ ڈرائے
اَنْجَیْنَا — ہم نے نجات دی
اَلْفُلْکُ — کشتی۔ جہاز
اَغْرَقْنَا — ہم نے غرق کر دیا
عَمِیْنٌ — اندھے (بن گئے)

تشریح: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۴

ہر پیغمبر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے اور جیسا کہ سورہ ابراہیم میں ارشاد ہے کہ وہ ان ہی کی زبان میں کلام کرتا ہے تاکہ دل کی بات دل تک آسانی سے پہنچ سکے۔ وہ ان ہی کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ ان ہی کے درمیان بچپن، نوجوانی اور جوانی کی منزلیں طے کرتا ہے اور اس کی شخصیت صادق، امین، قابل اعتماد اور نیک نام ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے کردار کو دلیل کے طور پر پیش کر سکے...... حضرت نوحؑ کی قوم صرف کافر نہ تھی بلکہ مشرک بھی تھی اور کسی قوم کا کفر کے ساتھ شرک میں مبتلا ہونا یہ بہت خطرناک

ہے...... وہ کیا چیز ہے جو کسی قوم کو کافر اور مشرک بناتی ہے؟ وہ ہے اس دنیا کا مادی مفاد، وقتی فائدہ، دنیا کی بے جا حرص اور لالچ...... جب ہم اور ہمارا جسم مادی ہے اور مادی ضروریات اور خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے لپکتا ہے جب ہم آخرت میں جسم کے ساتھ موجود ہوں گے۔ اور جہنم میں مادی عذاب بھی ہوگا۔ جنت میں مادی نعمتیں بھی ہوں گی تو مادی مفادات کی طلب بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے...... مگر اس دنیا کے مفادات عارضی ہیں فانی ہیں مختصر ہیں اور ہزاروں چپقلشوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کفار و مشرکین کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اس سے آگے نہیں دیکھتیں۔ چنانچہ وہ اس کے حصول کے لئے ہر قسم کے سماجی، سیاسی اور معاشی جرائم کرنے میں شرم اور لحاظ نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف ایک مسلم کی آنکھیں اس سے آگے ان لا فانی ابدی اور عظیم مفادات کو دیکھتی ہیں جن کا نام جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔ جن کی قیمت اخلاق ایمان، اطاعت اور دیانت و امانت ہے...... حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو یہی سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم اپنی روحانی آنکھوں اور بصیرت کو کھول کر دیکھو تو یہ دنیا کے فنا ہو جانے والے جن کی وجہ سے تم اپنے خالق و مالک سے بہت دور جا چکے ہو یہ بہت جلد ختم ہو جائیں گے مگر کچھ لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی اس پکار کو نہیں سنا۔ جنہوں نے اس کو سنا اور عمل کیا اللہ نے حضرت نوحؑ کے ساتھ ان صاحبان ایمان لوگوں کو نجات عطا فرمادی۔

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی ان ہی جیسے حالات سے دوچار تھے۔ مکہ کے کفار اور مشرکین کی آنکھیں، فوری اور لافانی فوائد سے آگے نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ ان کے مذہبی ٹھیکہ دار اور اجارہ دار عوام کی نگاہوں پر زبردستی کالی پٹیاں باندھے ہوئے تھے جن کالی پٹیوں کے خلاف نبی مکرم ﷺ جہاد فرما رہے تھے...... ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے مکہ کے کفار و مشرکین اور قیامت تک آنے والے ایسے ہی غلط کار لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی سنت اور طریقہ تبدیل نہیں ہوتا جس طرح نوح علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے معاملہ کیا اور ان لوگوں کا بھیانک انجام ہوا...... فرمایا جا رہا ہے کہ نبی مکرم ﷺ بھی تمہیں آج جو کچھ بتا اور سمجھا رہے ہیں اگر تم نے اس کو نہ سمجھا تو حضرت نوحؑ کی قوم کی طرح تمہارا انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوگا۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے آج ہم ان بہت سے عذابوں سے محفوظ ہیں جو ہم سے پہلے والی قوموں پر آئے...... لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ برائی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ یہی اصول فطرت ہے۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ ظالم اقوام پر اس قسم کے فطری عذاب اب کیوں نہیں آتے جو قوم نوحؑ قوم عادؑ قوم ثمودؑ اور قوم لوطؑ پر آئے تھے تو اس کا ایک جواب تو ابھی دیا گیا ہے کہ یہ نبی مکرم ﷺ کی رحمت و برکت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب فطری عذاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اب امت مسلمہ کے ہاتھ میں تبلیغ، تنظیم اور جہاد و قتال کے ہتھیار ہیں۔ اگر ان کو صحیح استعمال کیا جائے تو یہ کافروں کے حق میں طوفان، آندھی اور زلزلوں سے بڑھ کر ہیں۔

جہاد جو قیامت تک جاری رہے گا۔ کیوں، کیسے، کہاں اور کب ہوگا وہ خاص الخاص چیز ہے جس نے امت محمدیہ ﷺ کو

تاریخ میں ایک اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ جس نے شریعت محمدی کو سابق شریعتوں سے ممتاز کیا ہے جس نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیگر تمام پیغمبروں پر ایک خاص عظمت بخشی ہے۔

قرآن کریم اور دیگر صحیفوں میں یہی وجہ امتیاز ہے کہ یہاں تبلیغ، تنظیم اور جہاد ہے اور یہاں ایک پیغمبر جہاد ہے جس کی عملی مثالیں رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گی۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا! اے میری قوم کے

لوگو! اللہ کی عبادت و بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم اسی سے خوف اور امید نہیں رکھو گے؟...... ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ (اے ہودؑ) ہم تجھے ناسمجھ اور بے عقل دیکھ رہے ہیں اور بے شک ہم تجھے جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں...... انہوں نے (حضرت ہودؑ نے) کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھ میں کوئی بے عقلی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ میرا کام اپنے رب کا پیغام پہنچانا ہے اور میں تم لوگوں کے حق میں امانت داری سے نصیحت کرنے والا ہوں۔

کیا تمہیں اس پر حیرت اور تعجب ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تم ہی میں سے ایک انسان کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں (برے انجام سے) ڈرائے...... اور یاد کرو جب کہ اس نے تمہیں قوم نوحؑ کے بعد ان کا جانشین بنایا اور اپنی مخلوقات میں سے تمہیں زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے پس تم اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو تاکہ تم دونوں جہانوں کی بھلائی حاصل کرسکو۔

انہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس مقصد سے آیا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں...... اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر اس عذاب کو لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

سَفَاهَةٌ	بے وقوفی۔ بے عقلی
نَظُنُّ	ہم گمان کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں
اَمِیْنٌ	ایماندار
بَصْطَةٌ	پھیلاؤ
اٰلَآءٌ	(الیٌ)۔ نعمتیں
اَجِئْتَنَا	کیا تو ہمارے پاس آیا ہے
لِنَعْبُدَ اللّٰهَ	تاکہ ہم اللہ کی عبادت و بندگی کریں

وَحْدَهٗ	اس اکیلے کی۔ تنہا کی
نَذَرُ	(ہم) چھوڑ دیں
اٰبَآؤُنَا	ہمارے باپ دادا
فَاْتِنَا	پس تو لے آ
تَعِدُنَا	تو ہم سے وعدہ کرتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۶۵ تا ۷۰

قوم عاد دنیا کی قدیم ترین قوموں میں سے ایک قوم ہے اللہ نے ان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا مگر وہ قوم ان نعمتوں کو پا کر ایسی مدہوش ہوگئی کہ پھر ان کو ہر نصیحت کرنے والا برا لگنے لگا تھا۔ اس قوم کی حکومت و شوکت اور زبردست طاقتوں کے سامنے ساری دنیا بے بس تھی مگر ان کے غرور، تکبر اور اللہ کی نافرمانیوں نے ان کو اس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا کہ آج ان کی بلند و بالا عمارتوں کے کھنڈرات بھی مٹ چکے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اس قوم کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا...... حضرت ہود علیہ السلام کی یہ قوم مشرک تھی جس نے شرک و بدعات کے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے تھے جن سے وہ اللہ کی وحدانیت سے بہت دور جا چکے تھے حضرت ہود علیہ السلام نے اس مشرک قوم سے سب سے پہلے جو بات کی وہ یہ تھی کہ اللہ اور صرف اللہ ہی کی حاکمیت کو تسلیم کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی بندگی اور عبادت ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ بندگی اور عبادت کیا ہے؟ تقویٰ ہے یعنی نہ صرف ظاہری رسوم پرستش بلکہ تمام خوف اور تمام امیدوں کو اللہ سے وابستہ کر لینا...... زبان پر صرف یہی ایک جذبہ ہو "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" اے اللہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں یعنی ہم عبادت و بندگی بھی تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ سے ہی مانگتے ہیں یہ نہیں کہ عبادت ہم تیری کرتے ہیں اور غیر اللہ کے دروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں...... یہ کیفیت شرک میں تو ہو سکتی ہے دین اسلام میں نہیں۔ کیونکہ وہاں بندہ آقا ہوتا ہے جس کی چاہے جیسے پرستش کرے نہ کرے جس کو مانے نہ مانے جس سے دعا مانگے نہ مانگے۔ شرک ہمیشہ بہت معمولی انداز میں شروع ہوتا ہے پھر یہ

ایک قومی بیماری بن جاتی ہے جب شرک قومی سطح پر ابھر کر سامنے آ جاتا ہے تو اس کے مجاور قوم کی دولت اور سیاسی اقتدار لوٹنے کے لئے مذہبی لبادہ سے بہتر اور آسان تر کوئی طریقہ نہیں پاتے۔ اگر مصنوعی معبودوں کی مارکیٹ ویلیو گھٹنے لگتی ہے تو ان کی اجارہ داری ڈولنے لگتی ہے اس لئے تحریک توحید کی سب سے پرزور مخالفت اس ہراول دستے نے کی ہے اور عوام کی بھیڑ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑتی ہے کیونکہ اس میں علم نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی چند تمناؤں کا نام دین بن کر رہ جاتا ہے اور یہ آسان ہے۔

اس ہراول دستہ کے ہاتھ میں چند ہتھیار ہوتے ہیں (۱) اپنی معلومات معقولات کا گھروندا بچانے کے لئے وہ اصلاح کرنے والے شخص کے علم و عقل کے مرکز پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ 'تم جاہل، احمق اور جھوٹے ہو' اگر چہ وہ ان باتوں کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا مگر وہ اپنے گھمنڈ میں اس طرح کہتا چلا جاتا ہے کہ بس جو کچھ ہم نے کہہ دیا وہی حق ہے اس کے برخلاف ہر بات غلط ہے۔ اور ان کے ماننے والے ان کی ہر بات پر گردن ہلا ہلا کر مہر تصدیق ثبت کرتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا کہ اے ہودؑ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ یا تو تم نرے احمق اور نادان ہو اور یا جھوٹے ہو (نعوذ باللہ) پیغمبر ان کی احمقانہ باتوں کے جواب میں صرف یہ کہتے ہیں کہ لوگو! یہ تمہارا خیال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرے اندر ان عیبوں میں سے کوئی عیب نہیں ہے جس کو تم کہہ رہے ہو بلکہ میں تو رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں اور میں اسی پیغام کو تم تک پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور بھلا چاہنے والا ہوں یعنی میں تمہاری دنیا اور آخرت سدھارنے کی بات کر رہا ہوں جس میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے۔

(۲) ان جیسے لوگوں کا دوسرا ہتھیار یہ ہوتا ہے کہ "یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص ہمارے اندر پیدا ہوا ہے۔ ہماری طرح شادی بیاہ کرتا ہے وہ کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے جو ہم جیسا ہے وہ اللہ کا پیغمبر کیسے ہو سکتا ہے آخر اس میں کیا خوبی ہے اور ہمارے اندر کیا خرابی ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص ہماری سرداری اور اقتدار ہم سے چھین کر خود سردار بننا چاہتا ہے انبیاء کرامؑ کی طرح حضرت ہود علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا اس کے جواب میں حضرت ہود علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ "کیا تمہیں اس بات پر تعجب اور حیرت ہے کہ ایک شخص تم ہی میں سے تمہارے پاس اللہ کی وحی لے کر آ گیا تا کہ وہ تمہیں تمہارے برے انجام سے ڈرا سکے۔

(۳) ان لوگوں کا تیسرا ہتھیار ہوتا ہے کہ اے نبی اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہم باز نہ آئے تو اللہ کا عذاب آ جائے گا تو ایسا کرو تم اس عذاب کو لے ہی آؤ جس سے تم روز روز ڈراتے ہو۔ یہ ہمارے معبود ہمیں بچا لیں گے۔ ہم اتنے احمق نہیں ہیں کہ تمہارے کہنے سے ہم ان تمام معبودوں کو چھوڑ دیں گے جن کو ہمارے باپ دادا اپنا معبود سمجھتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا سنجیدہ جواب یہی تھا کہ تم پر اللہ کی پھٹکار تو پڑ چکی ہے اب عذاب آنے میں بھی کیا دیر ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

ع ۹ / ۸ / ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

حضرت ہود علیہ السلام نے کہا کہ تمہارے پروردگار کا غصہ اور غضب تو تم پر مقدر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی دلیل کے رکھ لئے ہیں۔ تم (اللہ کے عذاب کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں پھر ہم نے اس کو (ہود علیہ السلام کو) اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ نہیں مانتے تھے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

قَدْ وَقَعَ	یقیناً واقع ہو چکا ہے
رِجْسٌ	گندگی۔ عذاب
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ	کیا تم ہم سے جھگڑتے ہو
اَسْمَآءٌ	(اسم)۔ نام
سَمَّيْتُمُوْا	تم نے نام رکھ لئے ہیں
اِنْتَظِرُوْا	تم انتظار کرو
قَطَعْنَا	ہم نے کاٹ ڈالا
دَابِرٌ	(دُبُرٌ)۔ جڑ

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

وہ قوم جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے ''عادِ اول'' کہلاتی ہے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ ان کا اقتدار عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک وسیع تھا۔ ان کی زمینیں بڑی سرسبز و شاداب تھیں، وہ لوگ ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھے جسمانی صحت اور طویل العمری میں بھی ان کا کوئی مقابل نہ تھا اسی لئے غرور تکبر اور کفر و شرک میں بھی بڑے شہ زور تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے مختلف طریقوں سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ فرمایا دیکھو یہ اللہ کی نعمتیں جو چاروں طرف سے تمہاری طرف آ رہی ہیں یہ اس اللہ کا کرم ہے جس نے تمہیں زندگی اور وجود بخشا ہے اسی ذات کا شکر ادا کرتے ہوئے ہر طرح کے کفر و شرک سے بچتے رہو۔ مگر وہ اپنی بدمستیوں میں ہر چیز کو بھول چکے تھے اور اسی غرور و تکبر اور سرکشی میں اللہ کے عذاب کو دعوت دے بیٹھے اور کہنے لگے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اے ہود اگر تو اور تیرا پروردگار سچا ہے تو ہم پر اس عذاب کو لے آ جس سے تو ہمیں ہر روز ڈراتا ہے۔ جب کوئی قوم سرکشی کی اس منزل تک آ جاتی ہے تو اللہ اپنے عذاب کو بھیج کر رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ اب تمہارے اوپر وہ عذاب آنے والا ہے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو تم اس کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

چنانچہ شدید آندھی کا طوفان آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ماننے والے تو اللہ کی رحمت سے بچ گئے لیکن کفار و مشرکین سب اس طرح ختم ہو گئے کہ گویا ان کی جڑ ہی کٹ کر رہ گئی ہو۔ اس کے بعد ان کے وہ بڑے بڑے محلات بلڈنگیں ان کی شان و شوکت سرسبز و شاداب باغات اس طرح تباہ و برباد ہو گئے کہ آج دنیا میں ان کے کھنڈرات بھی باقی نہیں ہیں۔ وہ جھوٹے معبود جن کے انہوں نے اپنی حاجت روائی کے لئے مختلف نام رکھے ہوئے تھے ان کے کام نہ آ سکے۔ جن کو وہ اپنا رازق، خالق اور مشکل کشا مانتے تھے ان کی کوئی مشکل کشائی نہ کر سکے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ
فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ
الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا
مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۳ تا ۷۹

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم! اس اللہ کی اطاعت و بندگی کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانی آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے تم اس کو چھوڑ دو تا کہ وہ اللہ کی زمین سے کھائے اور اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا (اگر تم نے ایسا کیا تو) اللہ کا عذاب تمہیں پہنچ جائے گا۔

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم عاد کا قائم مقام (جانشین) بنایا تھا اس نے تمہیں زمین میں ٹھکانا عطا کیا۔ نرم زمین میں تم محل بناتے ہو۔ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے ہو۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

ان کی قوم کے تکبر کرنے والے سرداروں نے ان غریب اور کمزور لوگوں سے جو ایمان لا چکے تھے کہا کہ کیا تمہیں یقینی علم ہے کہ "صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟" انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اس پر یقین ہے جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ ان تکبر کرنے والوں نے کہا کہ جس پر تمہیں یقین ہے ہم اس کو نہیں مانتے بلکہ انکار کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور کہنے لگے کہ اے صالحؑ اگر تو رسولوں میں سے ہے تو اس عذاب کو لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے پھر ان کو ایک زلزلہ نے آ گھیرا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

پھر وہ (صالحؑ) یہ کہتے ہوئے چلے کہ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن تمہیں تو وہ لوگ پسند نہیں ہیں جو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ٧٣ تا ٧٩

نَاقَةُ اللّٰهِ	اللہ کی اونٹنی
ذَرُوْهَا	اس کو چھوڑے رکھنا
تَاْكُلْ	کھائے گی
لَا تَمَسُّوْ	تم نہ چھونا
بِسُوْءٍ	برائی سے۔ بری نیت سے
بَوَّاَ	اس نے ٹھکانا دیا
سُهُوْلٌ	نرم جگہیں
قُصُوْرٌ	(قَصْرٌ)۔ محلات

تَنۡحِتُوۡنَ	تم تراشتے ہو
اَلۡجِبَالُ ۔	(اَلۡجَبَلُ)۔ پہاڑ
بُيُوۡتٌ	گھر
لَا تَعۡثَوۡا	تم نہ پھرو
اِسۡتَكۡبَرُوۡا	جنہوں نے بڑائی کی۔ تکبر کیا
اُسۡتُضۡعِفُوۡا	جو کمزور بنادیئے گئے تھے
عَقَرُوۡا	انہوں نے کاٹ ڈالا
عَتَوۡا	نافرمانی کی
اَخَذَتۡ	پکڑ لیا۔ آلیا
اَلرَّجۡفَةُ	زلزلہ۔ بھونچال
جٰثِمِيۡنَ	اوندھے پڑے ہوئے
نَصَحۡتُ	میں نے نصیحت کر دی تھی
لَا تُحِبُّوۡنَ	تم پسند نہیں کرتے
اَلنّٰصِحِيۡنَ	نصیحت کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۷۳ تا ۷۹

قوم عاد کے بعد قوم ثمود دوسری بڑی قوم ہے جو بہت زیادہ مشہور ہے اس کو عاد ثانی بھی کہتے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب بھی حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے قوم عاد کی بربادی کے بعد جس قوم کو سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا وہ قوم ثمود تھی، ان پر نعمتوں کی بہتات تھی ان کا علاقہ مغربی عرب کا وہ مقام ہے جو آج بھی ''الحجر'' کے نام سے مشہور ہے جو مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان واقع ہے یہاں چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں جنہیں تراش کر انہوں نے شہر بسالئے تھے جن میں خوبصورت مکان، بلند و بالا بلڈنگیں، چوڑی سڑکیں، بہترین پانی کے کنویں غرضیکہ یہ قوم ہر طرح کی مال و دولت سے مالا مال تھی۔ سورۃ الفجر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے شہر ارم جیسا دوسرا کوئی عالی شان شہر آج تک دنیا میں نہیں بن سکا

ان کے وسیع وعریض کھنڈرات آج بھی تازیانہ عبرت کی واضح مثال بنے ہوئے ہیں مدینہ منورہ سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں ہیں حجاز کے تجارتی قافلے اس راستے سے گذرا کرتے تھے غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ ﷺ اس علاقے میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اس کنویں اور جہاں اس قوم پر عذاب آیا تھا صحابہ کرامؓ کو بتایا اور یہ فرمایا کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں اللہ نے قوم ثمود پر عذاب نازل کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں انہیں اس قوم کی نافرمانی اور اس کے نتیجے میں اللہ کے عذاب سے متعلق باتیں بتا کر عبرت دلائی۔

ان ہی کی قوم کے فرد حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ان کی طرف بھیجا آپ ﷺ نے جب ان لوگوں کو بتایا کہ وہ اللہ کی طرف سے ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور انہوں نے اس قوم کو شرک و بدعات سے روکنے کی کوشش کی تو اس قوم نے ماننے کے بجائے یہ کہا کہ اے صالحؑ ہم اس بات کا کیسے یقین کرلیں کہ تمہیں ہماری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے جب تک ہم اپنی آنکھوں سے کوئی معجزہ نہ دیکھ لیں تمہارے اوپر ایمان نہ لائیں گے۔ ہمیں اپنی نشانی کے طور پر کوئی معجزہ دکھایئے۔ مطالبہ یہ تھا کہ ایک بہت ہی اونچی اور بہت موٹی تازی اونٹنی سامنے والی پہاڑی سے پیدا کر کے دکھا دو اس کے جسم پر خاص نشانات ہوں پھر وہ اونٹنی فوراً ایک نر بچہ جنے وہ بھی خوب اونچا اور فربہ ہو۔ اس کے جسم پر بھی خاص نشانات ہوں۔ اے صالحؑ اگر تم ایسی اونٹنی اور بچہ کا معجزہ دکھا دو گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ کے حکم سے سامنے والی پہاڑی سے ایسی اونٹنی بھی پیدا ہوگئی اور اس کا بچہ بھی۔ مگر چند خاص لوگوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔

ان آیات میں حضرت صالح علیہ السلام نے جو ربانی تبلیغ فرمائی ہے وہ اونٹنی اور اس کے بچے کی پیدائش کے بعد ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ:

تمہارے رب کی نشانی تم تک پہنچ چکی ہے اب تم حسب وعدہ ایمان لاؤ۔

مگر انہوں نے اس کھلی ہوئی نشانی کو دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

اونٹنی اور اس کا بچہ قد وقامت میں جتنے لمبے چوڑے بلند اور فربہ تھے کھانے پینے کی ان کو اتنی ہی ضرورت تھی وہ آزادانہ کھیتوں اور ندیوں میں دندناتے پھرتے اور جو کچھ چاہتے کھاپی جاتے اس سے ثمودیوں میں سخت غم وغصہ اور خلفشار پیدا ہوگیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جب تم نے اللہ سے اتنے بڑے بڑے جانوروں کی فرمائش کی تھی تو یہ بھی سوچا تھا کہ آخر انہیں کھلاؤ پلاؤ گے کہاں سے؟ اب اپنی حماقت کا نتیجہ بھگتو۔ یہ اونٹنی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اسے کھانے پینے کے لئے آزاد چھوڑ دو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت دیر تک برداشت نہ کرسکو گے لیکن یاد رکھو اگر تم نے ان کو ذرا بھی تکلیف پہنچائی تو اللہ کا دردناک عذاب تم پر ٹوٹ پڑے گا۔ ایسا ہی ہوا اس قوم کے ایک فرد جس کا نام ''قیدار'' آتا ہے اس نے ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے بہکانے پر اس اونٹنی اور اس کے بچے کو ذبح کر دیا چونکہ اس ایک شخص کے پیچھے پوری قوم کی حمایت شامل تھی اس

لئے عذاب نے پوری قوم کو لپیٹ میں لے لیا۔ اس جگہ اور قرآن کریم کی دوسری آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی گناہ کسی قوم کے اندر ہوتا ہے اور قوم اس کو جاننے کے باوجود اس پر راضی ہے تو پوری قوم کا مقدر وہ عذاب ہوا کرتا ہے جس کی لپیٹ میں برے لوگوں کے ساتھ نیک اور صالح لوگ بھی آ جایا کرتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت صالح نے اس قوم کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر کیسے کیسے گراں قدر انعامات کئے ہیں اس لئے اس کا احسان مانو شکر کرو ظلم فساد شرک و بدعات اور گناہوں کے کاموں سے توبہ کر کے ایمان لاؤ اور شریعت پر چلو لیکن ہوا وہی جو عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ کفر و شرک اور صحت اور فراغت جب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو عام طور پر بصیرت رخصت ہو جاتی ہے فرد ہو یا جماعت لوگ اللہ سے غافل ہو کر ابلیس کے جال میں کود پڑتے ہیں...... قوم ثمود کے سامنے قوم عاد اور قوم نوح کے واقعات زندہ و تابندہ تھے لیکن انہوں نے کوئی نصیحت اور عبرت نہیں پکڑی وہ اپنے کفر و شرک اور بدعات سے چمٹے رہے۔

ان کے بدمست اور بدکردار سردار جو اپنے اقتدار اور دولت میں مست تھے طنز کے طور پر اہل ایمان سے پوچھنے لگے کہ:

"کیا واقعی صالحؑ کو اس کے (ہمارے نہیں) رب نے رسول بنا کر بھیجا ہے"؟

انہوں نے جواب میں شخصیت سے بحث نہیں کی بلکہ حضرت صالحؑ کے لائے ہوئے پیغام کو ثبوت میں پیش کیا۔ اور کہا کہ ہم تو سو فیصد اس پیغام کو صحیح اور درست مانتے ہیں اور یہی ثبوت ان کی نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ سرداروں نے پورے تکبر اور غرور سے کہا کہ تم نادان ہو تم مان لو...... لیکن ہم اس پیغام کو صحیح نہیں مانتے۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾

۱۰ ع ۱۲ ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۴

اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ دنیا میں پہلے کسی نے نہیں کی تھی...... تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خواہش پوری کرتے ہو تم تو حد سے گذر جانے والی قوم ہو...... ان کی قوم کا جواب صرف یہی تھا کہ انہیں اپنی بستیوں سے نکالو یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کی بیوی کے سوا اس کو اور سب اہل خانہ کو نجات عطا فرمائی کیونکہ اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان پر خوب (پتھروں کی) بارش برسائی۔ تم دیکھو کہ جرم کرنے والی قوم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۰ تا ۸۴

اَتَاْتُوْنَ	کیا تم آتے ہو؟
اَلْفَاحِشَةُ	بے حیائی کے کام
مَا سَبَقَ	نہیں گزرا
مِنْ اَحَدٍ	کوئی ایک بھی
اَلرِّجَالُ	(اَلرَّجُلُ)۔ مرد
شَهْوَةٌ	خواہش۔ بری خواہش
دُوْنِ النِّسَآءِ	عورتوں کو چھوڑ کر
مُسْرِفُوْنَ	حد سے باہر نکل جانے والے
اَخْرِجُوْا	نکالو
قَرْيَتِكُمْ	تمہاری اپنی بستی
اُنَاسٌ	لوگ
يَتَطَهَّرُوْنَ	صاف ستھرا رہتے ہیں

اِمْرَاَتَه'	اس کی عورت۔اس کی بیوی
اَلْغٰبِرِیْنَ	پیچھے رہنے والیوں (میں سے)
اَمْطَرْنَا	ہم نے برسایا
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ	مجرموں کا انجام

تشریح: آیت نمبر ۸۰ تا ۸۴

قوم لوطؑ کا وہی علاقہ ہے جسے آج ہم بحر میت یا بحیرہ مردار کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ سمندر سے بھی زیادہ گہرائی میں ہے۔ چنانچہ اس میں پانی باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس بحیرہ میں مچھلی، مینڈک، کیڑا غرضیکہ کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ قوم لوط کا صدر مقام سدوم تھا۔ جو آجکل اسی بحیرہ میں غرق ہے۔ مگر کبھی یہ علاقہ بڑا سرسبز وشاداب تھا، غلوں اور پھلوں کی کثرت تھی یہاں کم از کم پانچ خوبصورت بڑے شہر تھے جن کے مجموعہ کو قرآن کریم نے ''مؤتفکہ'' اور مؤتفکات، کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ نعمتوں کی فراوانی اور دولت کی ریل پیل نے یہاں کی قوم کو سرکش بنا دیا تھا۔ اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ پہلی ہستی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وساطت سے اسلام قبول کیا ان کی بیوی حضرت سارہ تھیں۔ دوسری حضرت ہاجرہ اور تیسرے آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقہ کنعان میں جا بسے اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے اہل سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔

سورۃ الفلق میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ سرکشی کرنے لگتا ہے۔ یہی حال سدوم کے رہنے والوں کا ہوا۔ وہ عیش وعشرت میں اتنے مبتلا ہوئے کہ زنا کاری کی نئی نئی راہیں ایجاد کرلیں (جیسا کہ آج کل مغربی ممالک میں ہو رہا ہے) ان میں ایک نئی راہ مردوں کا اختلاط لڑکوں سے اس درجہ بڑھ گیا کہ عورتوں میں ان کی دلچسپی ختم ہو کر رہ گئی۔ یہ جنسی بے راہ روی اتنی زیادہ پھیل گئی کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا۔ تم لوگ بے حیائی میں دنیا کی ساری قوموں کو پیچھے چھوڑ گئے ہو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خواہش کرتے ہو۔ یہ وہ ذلیل حرکت ہے جو تم سے پہلے دنیا میں کسی قوم نے بھی نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل حد سے گزر گئے ہو،

اس قوم کی بے غیرتی، ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہا یہ تھی کہ کسی شریف گھرانے کو وہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ حضرت لوط

اوران کے ماننے والوں سے انہوں نے کہا

ہماری بستی سے ان لوگوں کو نکالو یہ اپنے آپ کو بہت پاک باز سمجھتے ہیں اس قوم کی ان حرکتوں کی وجہ سے بالآخر اللہ کا قہر ٹوٹ پڑا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد جگہ فرمایا گیا ہے سورۃ الحجر اور سورۃ ہود وغیرہ میں اس عذاب الٰہی کی تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے زبردست چنگھاڑ کی آواز آئی۔ پھر اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی نیچے سے زمین کے پورے طبقہ کو الٹا کر دیا گیا۔ آج یہ قوم بحیرہ مردار کے نیچے غرق ہے

قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر فاحشہ، کا لفظ آیا ہے جس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن مرد۔ مرد کے جنسی تعلقات پر اپنی شدت غضب ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے الف لام کے ساتھ لفظ 'الفاحشہ، استعمال کیا ہے احادیث میں حضور اکرم ﷺ سے متعدد احکامات مذکور ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے

(۱) اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف ہرگز نظر رحمت نہیں کرے گا جو عورت سے اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے

(۲) آپ نے فرمایا کہ جس نے حائضہ عورت سے صحبت کی یا عورت کے ساتھ عمل لوط کیا یا قسمت کا حال بیان کرنے والوں (کاہنوں) کے پاس گیا اوران کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کی اس نے (حضرت) محمد ﷺ پر نازل کی گئی تعلیم سے کفر کیا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ بھی اس فعل کو انتہائی گھناؤنا فرمایا ہے مردوں میں اس فعل کے متعلق ارشاد ہے

(۳) فاعل اور مفعول (الفاظ زانی اور زانیہ کے استعمال نہیں کئے گئے) دونوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ۔

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کئے جائیں

چونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اس لیئے اس فعل کی سزا کیا ہونی چاہئے اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ اور فقہا کی متعدد رائیں ہیں

۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے یہ ہے کہ مجرموں کو تلوار سے قتل کیا جائے اوران کی لاش جلادی جائے

۲) حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت اس پر ڈھادی جائے۔

۳) حضرت علی مرتضیٰ کی رائے یہ ہے کہ مجرم تلوار سے قتل کیا جائے اور دفن کرنے کے بجائے اس کی لاش کو جلا دیا جائے

۴) حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی بلڈنگ سے سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی ایک واقعہ کے بھی نہ ہونے اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی متعدد آرا کی موجودگی میں فقہا کرام کی بھی مختلف رائیں ہیں

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی بلند مقام، پہاڑ یا مینارہ وغیرہ سے گرادیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں یہاں تک کہ وہ مرجائے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا علماء احناف کے نزدیک لواطت کی سزا زنا سے زیادہ شدید ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں فاعل ومفعول دونوں واجب القتل ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ

غرضیکہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس پر جتنی بھی شدید سزا دی جائے وہ کم ہے۔ زنا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں بدترین فعل ہے لیکن ہم جنس پرستی اتنا بھیانک جرم ہے کہ خواہ اپنی بیوی سے ہی کیا جائے نا قابل معافی جرم ہے۔ آج مغربی تہذیب میں اس بدترین فعل کو جس طرح فیشن کا حصہ بنادیا گیا ہے بلکہ قانون کا تحفظ بھی دے دیا گیا ہے اس کے اثرات یہ سامنے آرہے ہیں کہ ہزاروں دواؤں کی ایجاد کے باوجود اس فعل کے کرنے والوں میں بھیانک بیماریاں پیدا ہورہی ہیں جن سے انسانیت کو شدید خطرات لاحق ہوچکے ہیں اور طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس فعل سے قطعاً محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۵ تا ۸۷

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اس اللہ کی عبادت و بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں آ چکی ہیں۔ تم ماپ تول پوری کرو اور لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ اور اصلاح ہو جانے کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور تم ہر راستے پر (رہزن بن کر) نہ بیٹھو تاکہ تم لوگوں کو ڈراؤ۔ اور ہر اس شخص کو جو ایمان لے آیا ہے اسے اللہ کے راستے سے نہ روکو! اور تم (اس راستہ میں) عیب تلاش نہ کرو۔ تم یاد کرو جب تم بہت تھوڑے سے تھے پھر اس نے تمہاری تعداد کو بڑھا دیا۔ اور فساد مچانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے اس پر غور کرو۔ اور وہ جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اگر ایک جماعت ایمان لے آئی اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۵ تا ۸۷

اَوْفُوْا	پورا کرو
اَلْكَيْلُ	ماپ
اَلْمِيْزَانُ	تول

لَا تَبْخَسُوْا	نہ گھٹاؤ
لَا تَقْعُدُوْا	تم نہ بیٹھو
صِرَاطٌ	راستہ
تُوْعِدُوْنَ	تم ڈراتے ہو
تَصُدُّوْنَ	تم روکتے ہو
تَبْغُوْنَ	تم تلاش کرتے ہو
عِوَجٌ	کجی۔ٹیڑھا پن
كَثَّرَ	اس نے بہت کر دیا
طَائِفَةٌ	جماعت۔گروہ
اُرْسِلْتُ	بھیجی گئی
حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ	یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے گا

تشریح: آیت نمبر ۸۵ تا ۸۷

گاہک کو نقصان پہنچانے کے نہ جانے کتنے طریقے ان دنوں رائج تھے اور آج بھی رائج ہیں ڈنڈی مارنا، نمونہ کچھ مال کچھ بلیک مارکٹنگ، ذخیرہ اندوزی، لازمی اشیا کا بازار سے غائب کرا دینا۔کارنر کرنا سینڈی کیٹ بنانا ملاوٹ کرنا جھوٹے اشتہارات دینا لازمی اشیاء کی اجارہ داری حرام مال بیچنا، سود کھانا، غلط وعدے کرنا خیانت کرنا اسمگلنگ چوری کا مال بیچنا دھمکی دھونس وغیرہ وغیرہ...... شریعت اسلامیہ نے ترغیب اور احکام میں دونوں تجارتی بے ایمانیوں اور بداعمالیوں کی روک تھام کی ہے خواہ ان کا تعلق نجی اداروں سے ہو یا سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اداروں سے ہو۔

تجارت معاشی خوش حالی کا واحد ذریعہ ہے پیداوار اور اشیاء کا تبادلہ براہ راست یا بذریعہ مال، اپنی زیادہ چیزیں دے کر اپنی کمی باہمی رضامندی سے پوری کرنا یہ تجارت کے اصول ہیں۔جس معاشرہ میں لین دین میں بددیانتی کا رواج ہو جائے وہاں سے خیر و برکت اٹھالی جاتی ہے اللہ کی رحمتیں رک جاتی ہیں اور وہ قوم روز بروز خسارہ اور نقصان کی طرف رواں دواں ہو جاتی ہے۔

قوم شعیبؑ بھی وہ قوم تھی جو تجارت میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی مگر انہوں نے بددیانتی کے ہزاروں طریقوں کو رواج دے کر معاشرہ کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا اس تجارتی بددیانتی کے ساتھ کفر وشرک میں بھی وہ کسی قوم سے پیچھے نہ تھے۔اس قوم کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اس کا نام قرآن کریم میں کہیں اصحاب مدین، آیا ہے کہیں اصحاب ایکہ.....بعض مفسرین نے ان دونوں کو الگ الگ قومیں قرار دیا ہے۔کیونکہ اصحاب مدین پر جو عذاب آیا ہے اس کو قرآن نے صیحہ اور رجفہ (چنگھاڑ-زلزلہ) کہا ہے۔اور اصحاب ایکہ پر جو عذاب آیا ہے اس کو ظلہ (سائبان-یا آسمان سے بارش) کہا ہے لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں اور ان پر تینوں عذاب آئے۔مدین آج بھی شرق اردن میں بندرگاہ عمان کے قریب ایک شہر کا نام ہے اور مدین ہی میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارک بھی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ لوگو! صرف اللہ کو ایک مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اس کے احکام اور تعلیم پر چلو۔

آپ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور تجارتی ایمانداری پر ہے اور ہر بے ایمانی کے طریقوں پر آپ نے سخت گرفت کی ہے.....ایمان اور ایمان داری وہ الفاظ ہیں جن کا ٹھیک ٹھیک متبادل آج تک کسی دوسری زبان میں نہیں ہے۔ان کا تعلق براہ راست ذات الٰہی اور صفات الٰہی سے ہے، خوف الٰہی اور انعام الٰہی سے ہے۔جو شخص ایمان نہیں رکھتا وہ صرف تجارت میں نہیں بلکہ ہر جگہ فریق ثانی کے حقوق غصب کرتا ہوا نکل جائے گا اور دوسرے کی گردن پر پاؤں رکھ کر گذرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گا......

حضرت شعیب علیہ السلام ان کو ہر طرح کی بددیانتی اور ظلم وجبر پر ٹوکتے تھے مگر وہ اس حق وصداقت کی آواز کو برداشت نہیں کرتے تھے اس لئے وہ چھپ چھپ کر اہل ایمان کو بہکاتے تھے۔انہیں اللہ کے راستے سے روکتے تھے اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر اسلام میں عیب نکالتے تھے۔زمین میں ہر طرح کا فتنہ وفساد پھیلانا کفر وشرک کا مزاج اور پہچان ہے اور وہ اس میں سب سے آگے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو لاکھ سمجھایا (عاد وثمود وغیرہ) کے تاریخی واقعات سے عبرت دلائی۔اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلائے کہ تم کیا تھے اور کیا بن گئے مگر انہیں ماننا نہیں تھا وہ نہ مانے۔آخر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو جو تمہاری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔اور وہ آ کر رہا جس کا ذکر آگے کی آیات میں ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

ع ۱۱ / ۹ / ۱

ترجمہ: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

اس کی قوم کے تکبر کرنے والے سرداروں نے کہا کہ اے شعیبؑ ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ ہم تمہیں اپنی ملت میں لوٹا لیں گے...... (حضرت شعیبؑ کی قوم نے) کہا کیا اگر چہ ہم (تم سے بیزار ہوں) تب بھی لوٹا لو گے؟ جب کہ ہمیں اللہ نے نجات دیدی ہے اس کے بعد بھی اگر ہم تمہاری ملت کی طرف پلٹ جائیں تو ہم اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں میں سے ہوں گے اور ہماری یہ شان نہیں ہے کہ ہم اس ملت میں لوٹ جائیں سوائے اس کے کہ ہمارا رب ہی چاہے تو اور بات ہے۔ ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ فرما دیجئے۔ اور آپ ہی بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اس کی قوم کے کافروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے بن جاؤ گے۔

پھران پر شدید زلزلہ آ گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اور جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی آباد ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہی نقصان اٹھانے والے بن گئے۔ پھر وہ روانہ ہوا اور کہا اے میری قوم میں نے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کردی۔ پھر میں کافر قوم (کے برے انجام) پر افسوس کیوں کروں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

لَنُخْرِجَنَّکَ	البتہ ہم تجھے ضرور نکال دیں گے
مِنْ قَرْیَتِنَا	اپنی بستی سے
لَتَعُوْدُنَّ	البتہ تمہیں پلٹ کر آنا ہوگا
فِیْ مِلَّتِنَا	ہمارے دین میں
اَوَلَوْ کُنَّا	کیا اور اگر ہم ہوں
کَارِهِیْنَ	برا سمجھنے والے
اِنْ عُدْنَا	اگر ہم پلٹ گئے
تَوَکَّلْنَا	ہم نے بھروسہ کرلیا
اِفْتَحْ	کھول دے

تشریح: آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

یہ ہے دو نظریات کا ٹکراؤ۔ یہ صورت حال صرف اہل مدین کے ساتھ نہیں۔ ہر دور اور ہر علاقہ اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے ورنہ اس کا اندراج قرآن کریم میں نہ ہوتا۔

اہل کفر و شرک بے ایمانی کے وکیل بن کر کہہ رہے تھے کہ اس کے بغیر ہماری تجارت معاملات تہذیب وتمدن اور سیاسی مفادات ختم ہو جائیں گے ہم جو یہاں اتنی بڑی تجارتی شہہ رگ پر بیٹھے ہیں زمینی بھی اور سمندری بھی...... کیا ہم شعیب کی باتیں مان کر نیک بخت اور ایمان دار بن جائیں اور ان تمام عظیم فائدوں کو ہاتھ سے جانے دیں جو بے ایمانی اور فریب سے ہمیں حاصل ہو رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے پیغمبر نے اللہ کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا اور آخرت کا فائدہ ایمانداری اور دیانتداری میں

ہے۔تجارت اسی سے پھل پھول سکتی ہے لوگ اسی سے تم پر اعتماد کر سکیں گے دنیا اور آخرت کا فائدہ ان عقیدوں اور اصولوں میں پوشیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطافرمائے ہیں۔تجارتی بددیانتی بظاہر خوب پھلتی پھولتی ہے اس کی رونق بھی خوب ہوتی ہے لیکن یہ پھلنا پھولنا اور رونق ایک عارضی سی چیز ہوتی ہے ڈھلتی چھاؤں ہے جب ڈھل گئی تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جاتا ہے اسکے پیچھے عذاب جہنم ہے لیکن ایمان داری کا فائدہ ابدی فائدہ ہے مادی بھی اور روحانی بھی اور اس کے پیچھے جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور اللہ کی رضاوخوشنودی ہے۔

نظریات کی یہ ٹکر صرف علمی اور عقلی ہی نہ تھی بلکہ سماجی معاشرتی اور سیاسی بھی تھی ایک طرف حکومت اور اقتدار کا زور تھا دوسری طرف حق وصداقت پر استقامت اور اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ۔کفروشرک کرنے والے اگرچہ دل ہی دل میں اسلام کی صحت اور معقولیت کو مان رہے تھے مگر دنیاوی لالچ اور وقتی مفادان کے لئے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔اہل کفروشرک نے ہر طرح کے لالچ اور دباؤ اور دھمکیوں سے اہل ایمان کو مرعوب کرنا چاہا مگر اہل ایمان نے استقامت کا ثبوت دیا اور حالات کی نزاکتوں کے باوجود وہ اپنی جگہ جم کر کھڑے ہو گئے۔نظریات کی جنگ میں ٹکراؤ ضرور ہوتا ہے مگر ہمیشہ فتح اور کامیابی حق وصداقت کی ہوا کرتی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

ع ۱۲ ۶ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۹

اور ہم نے کسی بستی میں کسی نبی کو نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا نہ کیا ہو۔ تاکہ وہ گڑگڑائیں پھر ہم نے ان کی پریشانیوں کو خوش حالی سے بدل دیا۔ اور وہ پھلے پھولے اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ہمارے باپ دادا بھی ان ہی مشکلات اور پریشانیوں سے گذرے تھے۔ پھر اس کے بعد ہم نے اچانک ان کو اس حالت میں پکڑ لیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازں کو) کھول دیتے لیکن انہوں نے تو اللہ (کی آیتوں) کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ جب وہ رات کو سو رہے ہوں تو ان پر عذاب آجائے۔ کیا بستیوں والے اس سے نڈر ہو چکے ہیں کہ ان پر دن چڑھے عذاب آجائے جب وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں۔ لیکن اللہ کی تدبیروں سے تو وہی بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۴ تا ۹۹

یَضَّرَّعُوْنَ	وہ عاجزی کرتے ہیں
حَتّٰی عَفَوْا	یہاں تک کہ وہ آگے بڑھ گئے
مَسَّ	چھو لیا
بَغْتَۃً	اچانک
لَفَتَحْنَا	البتہ ہم نے کھول دیا
یَکْسِبُوْنَ	وہ کمائی کرتے ہیں
اَفَاَمِنَ	کیا پھر وہ بے خوف ہو گئے
نَآئِمُوْنَ	سونے والے
ضُحًی	دن چڑھے
یَلْعَبُوْنَ	وہ کھیل رہے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۹

گذشتہ آیات میں مسلسل پانچ قوموں کے عبرت انگیز واقعات بیان کر کے عرب کے کفار اور مشرکین کو نصیحت کی جارہی ہے کہ ذرا سوچو! کیا یہی آزمائشیں تمہارے ساتھ پیش نہیں آرہی ہیں؟ تم کس غفلت میں پڑے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیریں ٹھیک اس وقت اچانک تمہیں آکر پکڑ نہیں سکتیں جب کہ تم رات کو نیند میں یا دن کو دنیاوی معاملات اور ہنگاموں میں مدہوش ہوں؟

ان پانچ اقوام کے ساتھ جو کچھ ہوا بالکل وہی حالات حضور اکرم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے زمانے میں اہل عرب کو پیش آرہے تھے مگر جس طرح گذشتہ اقوام کا حشر ہوا اور انجام ہوا وہ ابھی ان کے ساتھ نہیں ہوا۔ مگر ایسے انجام میں دیر کتنی لگتی ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے دعوت وارشاد کا آغاز کیا تو جواب میں اہل قریش نے ظلم وستم کا سلوک دن بدن تیز کر دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ ان پر اس طرح کا قحط نازل فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں نازل ہوا تھا اور مصر میں قحط پڑا تھا یہ دعا اس لئے کی گئی کہ ان کے اندر جو غرور، طاقت اور نشۂ دولت ہے وہ ٹوٹ جائے ان کا دل نرم پڑ جائے۔ انہیں معلوم تو ہو کہ ان کے اوپر کوئی طاقت ہے جس کے ہاتھ میں ان کے رزق اور قسمت کی باگیں ہیں اور جو انہیں کڑی سے کڑی اور بڑی سے بڑی سزا دے سکتی ہے۔

یہ دعا قبول ہوئی اور سات سال تک کے لئے قحط پڑ گیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ گلی سڑی چیزیں، پتے اور مردار تک کھانے لگے۔ آخر اہل مکہ کا ایک وفد ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ منورہ آیا اس وفد نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے اہل مکہ کے لئے دعا کریں تا کہ اللہ یہ براوقت ٹال دے نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ان کی درخواست کو قبول کیا بلکہ تنگی اور فقر وفاقہ کے باوجود جو کچھ بن پڑا وہ غلہ اور دوسری ضروری اشیاء اہل مکہ کیلئے بھیجیں۔ سبحان اللہ یہ مکہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیرہ سال تک ناقابل تصور ظلم وستم کئے اور ظلم وجبر کا کوئی حربہ ایسا نہیں تھا کہ جو انہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے خلاف استعمال نہ کر لیا ہو۔ لیکن جب یہی دشمن اللہ کے نبی کے پاس فریاد لے کر آئے تو آپ نے ان کو مایوس نہیں کیا بلکہ توقع سے زیادہ امداد فرمائی...... جب یہ براوقت ٹل گیا اور از سر نو صحت وفراغت کا دور شروع ہوا تو ان کی گردنیں تکبر اور غرور سے اور تن گئیں کیونکہ ان کے سرداروں نے عوام کو یہ کہہ کر پھر سے بہکانا شروع کر دیا کہ یہ اچھے برے حالات تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ تو فطرت اور وقت کا کھیل ہے ان معاملات میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا کیا دخل ہو سکتا ہے؟ لہٰذا ان کے جال میں پھنسنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بیماری اور شدید فقر وفاقہ کا دور گذرنے کے بعد اہل عرب پر صحت اور فراوانی کا وقت آیا ہوا تھا جب سورہ اعراف کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ تنگی اور فراخی کے دو ادوار ہیں۔ ان کو لانے والی چیز فطرت اور تاریخ نہیں ہے۔ ان کو لانے والی اللہ کی قدرت اور حکمت ہے اور ان کے لانے کا مقصد تمہاری آزمائش ہے۔

اور یہ بھی نصیحت کی گئی ہے کہ اوپر جو پانچ اقوام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اللہ کا عذاب اچانک۔ بغیر پیشگی

اطلاع کے آیا ہے اور ٹھیک اسی وقت آیا ہے جب دولت، فراغت، نشہ اقتدار، اور نشہ پندار میں قوم بدمست ہو چکی تھی اور اسے بھول کر بھی یہ تصور نہ تھا کہ اللہ کی خفیہ تدبیر گھات میں تاک لگائے بیٹھی ہے ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ تم اتنی سی چیزوں پر مغرور اور بد مست ہو گئے ہو۔ اگر تم ایمان لاتے اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تو پھر دیکھتے کہ زمین وآسمان سے کیسی کیسی برکتیں نازل ہوتیں۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوتیں مگر ان باتوں کا یقین تو ان کو ہوتا ہے جن کو اللہ نے ایمان کی دولت سے سرفراز کیا ہے جن کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں ان کو یہ صداقت نظر نہیں آتی۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۲

کیا وہ لوگ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے جو آج ان بستیوں کے رہنے والوں کے وارث ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیتے۔ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور وہ (حق کی بات) نہیں سنتے۔

اے نبی ﷺ! یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم آپ کو سنا رہے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آتے رہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا کہ جس بات کو وہ جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آتے۔ اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو وعدہ کا پابند نہیں پایا۔ اور ان میں سے اکثر کو نافرمان پایا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۰تا۱۰۲

یَرِثُوْنَ	وہ مالک ہوتے ہیں
اَصَبْنٰھُمْ	ہم نے ان کو پہنچایا۔ مصیبت میں ڈالا
نَطْبَعُ	ہم مہر لگا دیتے ہیں
لاَ یَسْمَعُوْنَ	وہ نہیں سنتے ہیں
تِلْکَ الْقُرٰی	یہ بستیاں
نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں
اَنْبَآءٌ	خبریں

تشریح: آیت نمبر ۱۰۰تا۱۰۲

جیسا کہ گذشتہ آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ قوموں کی تباہی ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کی سزا ہے جب وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں بہت دور نکل جاتی ہیں۔ جب اصلاح کی تمام امیدیں ختم ہوجاتی ہیں، زلزلہ، طوفان، قحط، آتش زدگی، آتش فشانی، جنگ، وبا، وغیرہ یہ محض موسمی، جغرافیائی طبعیاتی، اتفاقی، حادثاتی یا جیسا کہ کارل مارکس وغیرہ نے سمجھایا ہے عمل اور ردعمل کی مسلسل زنجیر نہیں یا جیسا کہ سائنس نے سمجھایا ہے کہ ان کا تعلق جزا وسزا سے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا خاص تعلق کفر، ضد، ہٹ دھرمی اور ظلم سے ہے جیسا کہ اوپر پانچ اقوام کی مثالیں دی گئی ہیں۔

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اہل عرب خصوصاً اہل قریش دولت اور اقتدار کی فروانی میں بہکے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی تبلیغ سے ان کے ہوائی قلعے مسمار ہوتے نظر آرہے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک بات کو حق اور سچ سمجھنے کے باوجود ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ تمام منطق اور معقولیت کے باوجود ایمان نہ لانے کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے ان کا دنیاوی مفاد۔ ان کی آنکھیں اس دنیا سے آگے نہیں دیکھ رہی تھیں ان کے دماغ اس دنیا کی لذتوں سے آگے نہیں سوچ رہے تھے۔

اس آیت میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ کا ایک تازیانہ اچانک آئے گا اور تم ذلیل ورسوا ہو کر اپنے کھیتوں، دوکانوں، مکانوں اور عیش عشرت کی جگہوں سے رخصت ہوجاؤ گے۔ یہ قومیں جو تم سے زیادہ بااثر اور باثروت تھیں صرف ایک جھٹکے میں جہنم کے قریب پہنچ گئیں۔ اسی طرح تم بھی پہنچ سکتے ہو۔

رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

جب کوئی انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ سا لگ جاتا ہے وہ جتنے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے اتنے ہی سیاہی کے نقطے لگتے جاتے ہیں یہاں تک کہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس دل سے نیکی اور بدی کا امتیاز اٹھ جاتا ہے ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اب اس کے لئے ہر معقولیت اور نصیحت کی بات بیکار ہو کر رہ جاتی ہے (اگر وہ اللہ سے معافی مانگ لے تو اللہ اس دل کی سیاہی کو دور فرما دیتے ہیں)۔ اس کو قرآن کریم نے دلوں پر مہر کر دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ دل پر مہر لگ جانے کی ایک خاص پہچان ہے کہ اگر کہیں اس نے ایک مرتبہ "نہیں" کہہ دیا تو خواہ ہزار مرتبہ اس "نہیں" کو غلط ثابت کر دیا جائے وہ اپنی جھوٹی انا اور وقار کی خاطر مان کر دینے والا نہیں ہے اور اس کی "نہیں"، "ہاں" سے بدلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ اپنے اس طرز عمل سے اپنے آپ کو اپنے اہل خانہ اور دوست احباب کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ "میں ایک عقل مند انسان ہوں اور اپنی کوئی رائے رکھتا ہوں" اگر میں نے اپنے آپ تردید کر دی تو اس کے عقلمندی کے دعوے میں سوراخ پڑ جائیں گے۔ جب دلوں پر اس طرح کی مہر لگ جاتی ہے جس کو انسان اپنی عقل مندی کا نام دیتا ہے تو پھر کوئی حق و صداقت کی بات اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتی۔

اس جگہ جس عہد کا ذکر ہے اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد "عہد الست" ہے یعنی وہ عہد جو روز اول تمام مخلوق نے اللہ سے وعدہ کیا تھا وہی عہد مراد ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ یہاں عہد سے مراد "عہد ایمان" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا وہ دشمن جو کٹر دشمن ہے اس پر بھی جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ عہد وفا کر لیتا ہے لیکن حالات سدھرتے ہی وہ بدل جاتا ہے۔ جس طرح قریش مکہ نے قحط کے زمانہ میں اللہ سے عہد کیا مگر پھر کچھ ہی دنوں میں اس کو بھلا کر پھر سے اپنے کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پھر انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی۔ تو دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے...... موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ میں اس بات پر قائم ہوں کہ میں اللہ پر سوائے سچی بات کے اور کچھ نہ کہوں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی نشانیاں لے کر آیا ہوں میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

اس نے کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اس کو لا کر دکھا اگر تو سچ بولنے والوں میں سے ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

بَعَثْنَا	ہم نے بھیجا
ظَلَمُوْا	انہوں نے ظلم کیا
حَقِيْقٌ	سچی بات یہ ہے
لَا اَقُوْلُ	میں نہیں کہتا
اَرْسِلْ	بھیج دے
مَعِیَ	میرے ساتھ
فَاْتِ بِهَا	پھر تو لے آ

تشریح: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

حضرات انبیاء کرام حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کی طرف اشاروں کے بعد اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ فرعون ایک زبردست ڈکٹیٹر اور آمر مطلق تھا جو جاہ و جلال، دولت کی کثرت کے غرور میں اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اور لوگوں کو حکم دیتا تھا کہ اس کو رب مان کر اس کے سامنے اپنی گردن کو جھکا کر رکھیں۔ فرعون اور اس کے سرداروں نے پیغمبر وقت کا انکار کیا اور بالآخر

گناہوں کے سمندر میں اس طرح غرق ہوگئے کہ آج ان کی زندگیاں عبرت کا نمونہ بنی ہوئی ہیں۔

فرعون کسی شخص کا نام نہیں بلکہ مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے فراعین مصر کے انیس خاندان گذرے ہیں اور انہوں نے مصر پر تقریباً تین ہزار سال تک حکومت کی ہے ان دنوں ان کی تجارت پوری دنیا سے جاری تھی۔ ایک طرف ایشیا اور افریقہ سے تھی دوسری طرف یورپ اور دیگر ممالک تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ ہزاروں سال سے بین الاقوامی تجارت نے فراعنہ مصر کو انتہائی دولت مند بنا دیا تھا۔ دوسری طرف وہ عوام کا خون چوسنے سے بھی باز نہیں آتے تھے ایک ہی خاندان کی حکومت نے تمام اقتدار ان کے ہاتھ میں مرکوز کر دیا تھا۔ اور وہ ظلم وستم اور غرور وتکبر میں انتہا سے زیادہ آگے بڑھ گئے تھے یہاں تک کہ فرعون ''رب اعلیٰ'' کا دعویٰ کر بیٹھا۔

فرعون کے معنی ہیں ''رع'' کی اولاد اور رَعْ کے معنی ہیں سورج۔ جس چیز سے انسان سب سے زیادہ خوف زدہ متحیر اور متاثر رہا ہے وہ ہے سورج۔ چنانچہ قدیم ترین زمانے سے دنیا کے تمام حصوں میں ''سورج دیوتا'' کی پرستش اور عبادت و بندگی ہوتی چلی آرہی ہے عقلمند بادشاہوں نے بے وقوف رعایا کو احمق بنانے کے لئے اپنے آپ کو ''سورج بنسی'' یعنی سورج کی اولاد کہلوانا شروع کر دیا۔ اور اس طرح حکومت اور تقدس ایک جگہ جمع ہو گئے اور دنیا کے تمام اختیارات کے ساتھ ساتھ روحانی طاقتیں بھی بادشاہوں کے ہاتھوں میں جمع ہو گئیں۔ اور یہ حال صرف مصر ہی میں نہ تھا بلکہ ایران، ہندوستان چین اور تقریباً ساری دنیا میں یہی حال تھا۔

مصر میں جب ظلم وستم اور کفر وشرک کی زیادتی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو توریت، معجزات اور دیگر دلائل نبوت دے کر اس قوم میں مبعوث فرمایا۔ انہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا کیونکہ ہر ملک میں فتنوں اور فسادات کی جڑ وہ خواص ہوا کرتے ہیں جو اقتدار کی کرسیوں پر قبضہ جما کر بیٹھتے ہیں۔ تمام پیغمبران ہی خواص سے معاملہ کرتے اور غریبوں اور بے کسوں کی اصلاح کرتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سیدھے فرعون کے پاس آئے۔ یہ وہی فرعون ہے جس کے (یا جس کے باپ کے) پاس انہوں نے پرورش پائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بالکل صاف سیدھے اور سچے لہجے میں یہ فرمایا کہ ''میں رب العالمین'' کی طرف سے نبی بن کر آیا ہوں اور میرے پاس اس کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ رب العالمین کے لفظ سے فرعون چونک اٹھا کیونکہ وہ تو ''رب اعلیٰ'' کا گھمنڈ اپنی ذات کے لئے رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل حق اور سچ ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں، میں تجھ سے یہی کہوں گا کہ بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ مصر سے لے جانے کی اجازت دیدے۔ یہ اعلان درحقیقت فرعون کے اقتدار پر بھرپور حملہ تھا کیونکہ اس کا سارا اقتدار اور حکومت کا ڈھانچہ تو بنی اسرائیل پر ہی قائم تھا۔ اس کی حکومت نے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے اصول پر مصر کے تمام باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ''قبطی اور یہودی'' ان میں بنی اسرائیل (یہودی) مظلوم اور محکوم تھے جن کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا یہ ان کے غلام تھے جو فرعونیوں کی خدمت کرتے تھے ان سے بہت ادنیٰ اور گھٹیا کام لئے جاتے تھے۔ ان کے بچے ذبح کئے جاتے اور ان کی لڑکیاں اور

عورتیں چھین لی جاتی تھیں ہر محنت و مشقت کا کام ان سے لیا جاتا تھا۔ فرعونیوں کی سوچ یہ تھی کہ اگر بنی اسرائیل چلے گئے تو مزدوروں کے کام کون کرے گا۔

اس لئے اس نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی نبوت کے دلائل اور معجزات پیش کرو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

۱۳ ع ۹ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

پھر اس نے اپنی لاٹھی (عصا) کو پھینکا تو وہ حقیقتاً اژدھا بن گیا اور اس نے (موسیٰ نے) اپنا ہاتھ (بغل سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمکنے لگا۔ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو ماہر جادوگر ہے۔ (فرعون نے کہا) وہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے تم سب کا کیا مشورہ ہے؟ سب نے کہا کہ (اے فرعون) اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ ڈھیل دیدے اور تمام شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے کے لئے بھیج دے تاکہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

اَلْقٰى	اس نے ڈالا
عَصَا	لاٹھی
ثُعْبَانٌ	اژدھا۔ بڑا سا سانپ

نَزَعَ	کھینچا۔ نکالا
بَيْضَآءُ	سفید۔ چمکدار
نَاظِرِيْنَ	دیکھنے والے
سٰحِرٌ عَلِيْمٌ	اچھی طرح جادو جاننے والا۔ ماہر جادوگر
اَنْ يُّخْرِجَكُمْ	یہ کہ وہ تمہیں نکال دے
مِنْ اَرْضِكُمْ	تمہاری زمین سے
فَمَا ذَا تَاْمُرُوْنَ	پھر تم کیا مشورہ دیتے ہو؟
اَرْجِهْ	ڈھیل دے اس کو
اَخَاهُ	اس کے بھائی کو
اَلْمَدَائِنُ	شہر۔ بستیاں
حٰشِرِيْنَ	جمع کرنے والے
يَاْتُوْكَ	آجائیں گے تیرے پاس

تشریح: آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۲

اس زمانہ میں ملک مصر میں جادو کا بڑا زور تھا یعنی عام فطرت سے ہٹ کر کوئی نئی حیرت انگیز چیز پیش کر دینا، ان چیزوں کو پیش کر کے لوگوں کو رعب میں رکھنا اور اپنے آپ کو خصوصی طاقت وقوت کا مالک دکھانا۔ چونکہ وہاں جادو کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا اور اسی شعبدہ بازی پر حکومت کا رعب اور دبدبہ قائم تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے جن سے وہ جادو کا توڑ کر کے دکھائیں۔

چنانچہ جب فرعون نے مصر اور آس پاس کے شہروں سے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو دربار میں طلب کر لیا تو ہر ایک نے بادشاہ وقت کے قریب ہونے اور دنیاوی انعامات حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام تر کمالات پیش کرنے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ڈنڈے رسیاں اور مختلف چیزیں سامنے ڈال کر ان کو جادو کے زور سے سانپوں کی شکل میں ڈھال دیا حالانکہ وہ سب چیزیں لوگوں کو سانپ دکھائی دے رہی تھیں حقیقت میں محض نظر بندی تھی۔ جب تمام جادوگر اپنے کمالات دکھا چکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی اور فرمایا کہ تم محض اپنا ''عصا، زمین پر پھینک دو پھر ہماری قدرت کا تماشا دیکھنا چنانچہ حضرت موسیٰ نے

جیسے ہی اپنے ''عصا'' (لاٹھی) کو زمین پر پھینکا وہ سچ مچ کا اژدھا بن گیا اور اس نے جادوگروں کے نقلی سانپوں کو نگلنا شروع کردیا۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا تو یقین ہوگیا کہ یہ جادو نہیں ہے یا محض نظر بندی کا شعبدہ نہیں ہے بلکہ واقعی معجزہ ہے اور وہ سب جادوگر ایمان لے آئے۔

تفسیر کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے اژدھے نے فرعون کی طرف منہ پھیلایا تو وہ ڈر کے مارے تخت شاہی سے کود کر حضرت موسیٰؑ کی پناہ میں آگیا۔ بہت سے درباری دہشت سے مرگئے اور تمام جادوگر لرز اٹھے۔ یہ معجزہ تھا۔ اگر یہ محض نظر بندی ہوتی تو اس طرف کون توجہ کرتا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ ''ید بیضا'' کا عطا کیا تھا یعنی جب وہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا...... آپ کے ہاتھ کا چمک دار بلکہ روشن ہو جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت صرف طاقت اور بڑی طاقت کا مظہر ہی نہیں ہے بلکہ روشنی کا مینارہ بھی ہے اور یہ ہدایت کا نور بھی ہے۔

اس ''ید بیضا'' سے ایک اور بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ نبی میں اور جادوگر میں یعنی معجزہ اور جادو میں کیا فرق ہے؟

جادوگر کا مقصد محض کمالات دکھا کر شخصی فائدہ اور اقتدار حاصل کرنا ہی ہوتا ہے وہ کوئی پیغام نہیں پہنچاتا۔ وہ کچھ ثابت نہیں کرتا۔ وہ کوئی اصلاح نہیں کرتا وہ تحریک نہیں چلاتا وہ خطرات مول نہیں لیتا وہ وقتی واہ واہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بل پر کچھ دولت کچھ طاقت اور کچھ رعب جما دیتا ہے اور بس۔

لیکن اللہ کے نبی کا مقصد نور علم اور نور بصیرت پھیلانا ہے وہ کفر و شرک ظلم و ستم۔ انسانوں کے دعوائے ربوبیت اور دعوائے حاکمیت کے بتوں کو توڑتا ہے وہ اس اندھیرے کے خلاف جہاد کرتا ہے روشنیوں کے چراغ جلاتا ہے اس کا کام بندہ اور مالک کے خاص رشتہ کو قائم کرنا ہوتا ہے وہ اپنی امت کے لئے راتوں کو روتا ہے وہ ہر آن ان کی آخرت کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کے برخلاف جادوگر کا جادو بھی عارضی ہوتا ہے اور اس کی ذات سے باہر نہیں آتا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ نبی انسان کی انسانوں پر مطلق العنانی اور حکمرانی کو توڑتا ہے وہ ظلم و ستم اور مصنوعی تفریق کو مٹاتا ہے اس کی دعوت محض علمی اور فکری نہیں ہوتی بلکہ اس کا پیغام انقلابی جہادی اور عملی ہوتا ہے۔ اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو للکارا تو وہ اور اس کے سردار گھبرا اٹھے وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ کہنا کہ میں ''رب العالمین'' کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دو'' ان دو جملوں نے ان کی راتوں کی نیندیں حرام کردیں اس لئے ان کی زبانوں پر یہ آگیا کہ ''یہ شخص ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے۔

اس گھبراہٹ اور بدحواسی کا نتیجہ تھا کہ وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے اس کا توڑ کیا ہے اور قول نبوت کے پیچھے جو للکار پوشیدہ تھی اس نے انہیں لرزا دیا ورنہ محض عصا کا اژدھا بن جانا یا ہاتھ کا روشن ہونا اور کچھ جادوگروں کا ایمان لے آنا حیرت انگیز تو ہو سکتا تھا لیکن انقلاب انگیز نہیں عصا کا اژدھا بن جانا ظاہر کرتا تھا کہ وہ باطل کے تمام جادو کو کھا جائے گا

اور باطل کو اسی بات کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

یہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور فرعونیوں کے لئے نئے نہ تھے انہوں نے محل میں رہ کر شاہی علوم وفنون سیکھ لئے ہوں گے انہوں نے صداقت امانت استقلال، ایمان، شجاعت، اور قیادت وغیرہ کا لوہا منوالیا ہوگا۔ شخصیت کا لوہا پیغمبر اور مبلغ و مصلح کے ہاتھ میں سب سے بڑا ہتھیار ہوا کرتا ہے ورنہ ایک آمر مطلق کا محض ایک جملہ نبوت سے دہل جانا آسان نہیں جس کی سلطنت شام سے لیبیا تک بحر روم کے ساحلوں سے حبش تک پھیلی ہوئی تھی۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَـنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلۡقُوۡا‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ‌ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الۡحَـقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ۖ ۚ‏ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۲۲

جادوگر فرعون کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارے لئے انعام تو ضرور ہوگا؟۔ اس نے کہا ہاں ضرور ضرور اور تم میرے قریبی لوگوں میں سے ہوگے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! (پہلے جادو) تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟ اس نے (حضرت موسیٰ نے) کہا تم پھینکو پھر جب انہوں نے رسیوں وغیرہ کو پھینکا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو ہو گیا وہ سب ڈر گئے اور اس

طرح وہ ایک بہت بڑا جادو لے آئے۔ ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰؑ تم اپنی لاٹھی کو پھینکو جیسے ہی اس کو پھینکا تو وہ (اژدھا بن کر) ان چیزوں کو نگلنے لگا۔ اس طرح جو سچائی تھی وہ سچ بن کر دکھائی دینے لگی۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ وہ جادوگر ہار گئے اور ذلیل وخوار ہو گئے اور سب جادوگر سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں وہ رب جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۲۲

اَجْرٌ	انعام
اَلْمُقَرَّبِیْنَ	مقربین۔ (باعزت درباری)
اَنْ تُلْقِیَ	یہ کہ تو ڈالے گا
اَلْقُوْا	انہوں نے ڈالا۔ انہوں نے پھینکا
سَحَرُوْا	باندھ دیا
اَعْیُنَ النَّاسِ	لوگوں کی آنکھوں کو
اِسْتَرْهَبُوْا	انہوں نے ڈرا دیا
بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ	بڑے جادو سے
اَوْحَیْنَا	ہم نے وحی کی
اَلْقِ	ڈال دے
عَصَاکَ	اپنی لاٹھی کو
تَلْقَفُ	نگلنے لگا
مَا یَاْفِکُوْنَ	جو کچھ کہ وہ بناتے ہیں
وَقَعَ	واقع ہو گیا۔ کھل گیا
بَطَلَ	تباہ ہو گیا
غُلِبُوْا	وہ مغلوب کر دیئے گئے

هُنَالِکَ	اس جگہ
اِنْقَلَبُوْا	وہ پلٹ گئے
صٰغِرِیْنَ	ذلیل ورسوا ہونے والے
اُلْقِیَ	ڈال دیئے گئے۔ (اِلْقَاءٌ)
سٰجِدِیْنَ	سجدہ کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۲۲

قدرت کو عجیب تماشا دکھانا منظور تھا اس لئے ملک کے تمام علاقوں شہروں اور قصبوں کے باکمال جادوگروں کو فرعون کے ہاتھوں ایک جگہ جمع کرادیا۔ نہ صرف ان کو جمع کردیا بلکہ ان کو پوری طرح اپنے کمالات پیش کرنے کا موقع دیا گیا اس طرح پورے ملک کے کونے کونے سے وہ لوگ سمٹ آئے جو اپنے فن میں کمال رکھتے تھے۔ انہوں نے کلی اعتماد کے ساتھ اپنے داؤ پیچ پیش کئے۔ مگر ان کا اعتماد اس وقت بری طرح شکست کھا گیا جب فرعون جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا وہ اور اس کے ملک کے تمام سرداروں کی موجودگی میں فرعون اور فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ذلیل ورسوا ہونا پڑا اور وہ تمام لوگ جن پر اور جن کے کمال فن پر فرعون کو ناز تھا وہ سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ رب العالمین کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور انہوں نے اس بات کی وضاحت کردی کہ ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جس کو موسیٰ وہارون علیہم السلام اپنا رب کہتے ہیں۔ کیونکہ فرعون تو خود اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا۔

وہی لوگ جو کچھ دیر پہلے فرعون سے بہترین انعام کے امیدوار تھے جب سچائی ان کے سامنے آئی تو انہوں نے فرعون اور اس کی طاقت، اس کی فوج اور سلطنت کی وسعت کو نظر انداز کر کے صرف اللہ کی قوت وطاقت پر بھروسہ کرلیا۔ یہی ایمان کی سب سے بڑی قوت وطاقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ۔

وہ لوگ جو تن تنہا بلا جھجک جابر ترین سلطان کے سامنے کلمہ حق کہہ کر اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو صرف اور صرف زور ایمانی کے بل پر ان دنیاوی جباروں اور قہاروں سے ٹکر لیتے ہیں جن کے پاس فوج بھی ہے خزانہ بھی ہے اور جی حضوریوں تنخواہ برداروں کی جماعتیں بھی ہیں۔

وہ لوگ جو شہادت پیش کرنے کا دم خم رکھتے ہیں۔ بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ کس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ کس طرح غیبی قوتیں ان کے قدموں کو چومتی ہیں۔ کس طرح باطل کے قلعوں پر حق کا جھنڈا لہراتے ہیں۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کروڑوں عوامل

ہیں جو واقعات کی شکل وصورت ترتیب دیتے ہیں۔ انسانی آنکھ دو چار کو دیکھ سکتی ہے۔ ظاہری عوامل کی طاقت انتہائی کم ہے۔ خفیہ اور پوشیدہ عوامل کی طاقت انتہائی زیادہ ہے ظاہری عوامل کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن وہ فرعون نمرود، ہامان اور قارون کس قدر بے وقوف ہیں جو ظاہری عوامل ہی کو سب کچھ مانتے ہیں اور غیب کی طاقتوں سے لاعلم اور لاپرواہ ہیں وہ شخص کس قدر مضبوط ہے جو اپنا رشتہ لا الہ الا اللہ سے ملائے ہوئے ہے۔

ان آیات میں وحی اور القا'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ انبیاء کرامؑ پر وحی نازل ہوتی ہے اور القا غیر پیغمبروں کے لئے ہے اس لاسلکی، اس وائرلیس، اس ٹیلی پیتھی سے بڑا ہتھیار اور کیا ہو سکتا ہے جو انسان کے دل کی دنیا کو بدل ڈالے اور اس طرح دنیا کا دل بدل ڈالے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

وہ چیز جسے ہم توفیق الٰہی اور نور ایمانی کہتے ہیں جو ہمیں نیا دل اور نیا دماغ دیتی ہے وہ ہے قدرت کا اسلحہ خانہ......وہ جادوگر جو نظر بندی، مسمریزم اور طلسمات ہوش ربا کے استاد تھے جو اپنی طاقتیں پیغمبر وقت کے مقابلے میں لے آئے تھے جن پر فرعون اور اسکے سرداروں کو ناز اور گھمنڈ تھا۔ ایک ہی القا، ایک ہی توفیق الٰہی اور نور ایمان میں اللہ جانے کیا سے کیا ہو گئے اور کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۴/۸

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۳ تا ۱۲۶

فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے ہی تم ایمان لے آئے (ایسا لگتا ہے کہ) یہ تو کوئی سازش ہے جو تم نے شہر میں پہلے سے کر رکھی تھی تاکہ تم اس شہر کے رہنے والوں کو نکال کر لے

جاؤ۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوادوں گا۔ پھر میں تم سب کو پھانسی پر چڑھادوں گا۔ انہوں نے کہا ہم تو اپنے رب کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ اور تو ہم سے اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر اور برداشت عطا فرما اور ہمیں اس حال میں موت دیجیے گا کہ ہم فرماں بردار (مسلم) ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۳ تا ۱۲۶

اٰمَنْتُمْ	تم ایمان لے آئے
اٰذَنَ	اجازت دے دی
مَكْرٌ تُمُوْهُ	تم نے تدبیر کی۔ سازش کی
لِتُخْرِجُوْا	تا کہ تم نکال لے جاؤ
لَاُقَطِّعَنَّ	البتہ میں ضرور کاٹوں گا
اُصَلِّبَنَّ	میں ضرور پھانسی دوں گا
مَا تَنْقِمُ	تو دشمنی نہیں کرتا
اَفْرِغْ	ڈال دے

تشریح: آیت نمبر ۱۲۳ تا ۱۲۶

اس واقعہ کے بعد جب کہ تمام جادوگروں نے ایک سچائی کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیا اور ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ان اہل ایمان نے بھرے دربار میں صاف صاف کہہ دیا تو فرعون سمجھ گیا کہ اب پانسہ پلٹ چکا ہے اور تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اس کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان جادوگروں کے بعد ساری رعایا ہی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان نہ لے آئے لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے فوراً یہ چال چلی کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان پہلے سے بنایا ہوا منصوبہ اور سازش قرار دے دیا۔ اور ان لوگوں کو بدترین جسمانی تکلیفوں، جیلوں اور پھانسی پر چڑھادینے کی دھمکی دی۔

مگر یہ چال خود فرعون کے خلاف الٹی پڑ گئی...... فرعون کے بھرے دربار میں ایمان لانے والے ان جادوگروں نے اعلان

کر دیا۔ کہا اے فرعون ہم تیری دھمکیوں کی وجہ سے اپنا ایمان تبدیل نہیں کریں گے۔ اب ہم اس ذات کے بندے بن چکے ہیں جس کے پاس ہمیں جانا ہے۔ ہم تیری بندگی اور تجھے "رب اعلیٰ" ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے فرعون کو چیلنج کر دیا کہ آخر تیری دشمنی کیوں ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے یہی نا کہ ہم اللہ کی آیات اور نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم بے خبر تھے لیکن جب ہمیں سچائی کا علم ہو گیا تو ہم نے جھوٹ اور باطل کو چھوڑ دیا۔

اس پر مزید یہ کہ انہوں نے تمام مجمع کے سامنے اللہ سے دعا کی اے اللہ ہمیں اس راستے میں صبر کرنے اور ڈٹے رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جب ہم اس دنیا سے جائیں تو اے اللہ ہم تیرے فرماں بردار ہوں۔

فرعون نے اپنی شکست اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے یہ بہانہ گھڑا کہ تم لوگوں کی سازش اس لئے تھی تا کہ اس ملک کے رہنے والوں سے ان کا ملک چھین لو اور خود اس سرزمین پر قبضہ کر کے یہاں کے رہنے والوں کو نکال باہر کر دو مگر یہ سیاست بھی بیکار گئی کیونکہ بعض روایات کے مطابق چھ لاکھ افراد نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور فرعون کے مقابلے میں ایک بہت بڑی جماعت تیار ہو گئی جس سے فرعون اور اس کے حاشیہ بردار لوگ بوکھلا اٹھے...... وہ ان اہل ایمان کو وہ سزائیں تو نہ دے سکے جس کا اعلان کیا گیا تھا البتہ فرعون کو اپنے ایوانوں اور اقتدار کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۵ ۵

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۷ تا ۱۲۹

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اور اس کے ماننے والوں کو یوں ہی چھوڑ

دے گا؟ تاکہ وہ ملک میں تباہی مچادیں۔ تجھے اور تیرے معبودوں کی بندگی کو چھوڑ بیٹھیں؟ فرعون نے کہا ہم بہت جلد ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے کیونکہ ہم ان پر پوری قوت و ہیبت رکھتے ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا تم اللہ سے ہی مدد مانگو اور جمے رہو بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے اور بہتر انجام ان کا ہے جو تقویٰ والے ہیں۔ کہنے لگے کہ (اے موسیٰ) تمہارے آنے سے پہلے اور تمہارے آنے کے بعد ہم تکلیفوں ہی میں رہے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ پوری امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کی جگہ قائم مقام بنا دے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۷ تا ۱۲۹

اَتَذَرُ	کیا تو چھوڑتا ہے؟
نَسْتَحْيِ	ہم زندہ رکھیں گے
اِسْتَعِيْنُوْا	تم مدد مانگو
يُوْرِثُ	مالک بناتا ہے
اُوْذِيْنَا	ہمیں تکلیف دی گئی
يَسْتَخْلِفُ	نائب بنائے گا

تشریح: آیت نمبر ۱۲۷ تا ۱۲۹

اس پورے مضمون میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو پھانسی پر لٹکانے اور ہر طرح کی سزا دینے کی دھمکی دی لیکن حضرت موسیٰؑ کو بظاہر اس نے کوئی دھمکی نہیں دی۔ شاید فرعون پر حضرت موسیٰؑ کا رعب اور ہیبت طاری ہو چکی تھی اسی وجہ سے فرعون کے درباریوں نے کہا کہ اے فرعون تو نے موسیٰؑ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل اور اس کے ماننے والے تو تباہی مچادیں گے اور تیری حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔

جھوٹا الزام لگانا ہمیشہ ظالموں کی فطرت رہی ہے ان کی زبان میں فساد کے معنی ہوں گے حکومت فرعون کے خلاف تبلیغ کرنا اور لوگوں کو راہ حق دکھانا...... فرعون پر حضرت موسیٰؑ اور ایمان والوں کا اتنا رعب تھا کہ وہ ان کے خلاف براہ راست کوئی کارروائی کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اس نے اتنا ہی کہا کہ میں اس کی قوم (بنی اسرائیل) میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو ذبح کر دوں گا

مار ڈالوں گا اور ہر پیدا ہونے والی لڑکی کو زندہ رکھوں گا تا کہ یہ قوم آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائے......اس اعلان کے ساتھ ہی بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی وہ حضرت موسیٰ سے شکوہ اور واویلا کرنے لگے کہ ہم تو کہیں کے نہ رہے۔

اس پر حضرت موسیٰ نے پوری قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! تم اللہ ہی سے مدد مانگو اور ڈٹے رہو۔ یہ ساری کی ساری زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سرزمین کا وارث اور نگراں بنا دیتا ہے۔ اس اللہ نے اگر آج اپنی مصلحت سے تاج و تخت فرعون کو دے رکھا ہے۔ تو کل اس کے سر سے یہ تاج اتارنے میں دیر نہیں لگے گی......اب خواہ حاکم ہو یا محکوم جب تک اللہ سے ڈرتا رہے گا نتیجہ اس کے حق میں ہوگا۔ دنیا کی مختصر زندگی میں کامیابی نہ ملی تو آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کی کامیابیاں ضرور نصیب ہوں گی۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ تم اس عرصہ میں دو کام کرو (۱) اللہ سے مدد کی دعائیں مانگو (۲) دوسرے یہ کہ صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

استعانت اور استقامت یہ وہ عظیم جذبہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔ یہ نسخہ کیمیا آج بھی اتنا ہی کارگر اور مفید ہے۔ مظلوم کے ہاتھ میں یہ سب سے مضبوط ہتھیار ہے۔ جس کے سامنے کوئی ظالم اور کسی حکومت کا ظلم و ستم بہت عرصہ تک نہیں ٹھہرتا......اگر غور کیا جائے تو ''دعا'' خود بہت تیز تلوار ہے اور پھر اس پر اللہ سے مدد مانگنا......اور جس کے ہاتھ میں مدد الٰہی آ گئی اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے اب رہا صبر یعنی استقلال، بے خوفی، مسلسل کوشش اور باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جانا۔ اس کے لئے اللہ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ پر ارشاد فرمایا ہے کہ ''میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی (ابو داؤد)......حضرت موسیٰ کی قوم میں جہاں صبر و استقامت والے لوگ تھے وہیں کچھ لوگ وہ بھی تھے جنہوں نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''اے موسیٰ ہم تو ہمیشہ ہی مصیبتوں میں گھرے رہے۔ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم ہر طرح کی مصیبتیں اٹھاتے رہے اور آپ کے آنے کے بعد بھی وہی مصیبتیں ہیں حضرت موسیٰ نے سمجھایا کہ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے حالات بدلیں گے۔ یہ دور مظلومیت بہت جلد بدلنے والا ہے کیونکہ ظالم کو بہت عرصے تک فروغ حاصل نہیں ہوتا۔ فرعون کا زوال قریب ہے اس کے بعد اس کی سلطنت تمہارے حوالے کی جائے گی لیکن وہ وقت اس وقت سے بھی زیادہ نازک ہوگا بڑی ذمہ داری کا وقت ہوگا جب ملک کی سلطنت تمہارے ہاتھ میں آئے گی تو یہ دیکھا جائے گا کہ تم اپنے اقتدار و اختیار کو کس طرح استعمال کرتے ہو اگرچہ اس آیت کا خطاب بنی اسرائیل کی طرف ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک اصول ہے جو تمام ظالموں اور مظلوموں کے درمیان قیامت تک قائم رہے گا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو چھین لیتا ہے۔ سلطنت اور حکومت ایک سخت اور کڑا امتحان ہوتا ہے۔

ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی پیدائش کا زمانہ تھا اس وقت فرعون کو بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل سخت خطرہ ہیں، ان میں کوئی شخص پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو تباہ کر کے رکھ دے گا......اور ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ جوان ہو چکے اور تبلیغ دین کے لئے فرعون کے

دربار سے کامیاب لوٹے ہیں اس کے بعد فرعون نے جہاں اور اقدامات کئے ان میں لڑکوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا بھی حکم دیا تھا۔۔۔۔۔۔اور پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو صبر و تحمل کا درس دیا اور بتایا کہ بہت جلد فرعون اپنے انجام کو پہنچ جائے گا اور یہ سب کچھ بنی اسرائیل کو مل جائے گا۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے ممکن ہے فرعون اور اس کی قوم کی مستقل پالیسی یہ رہی ہو کہ لڑکوں کو قتل کیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت بھی ایسا ہوا ہو اور بعد میں پھر اس حکم کو زندہ کیا گیا ہو۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ

فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۶

اور ہم نے قوم فرعون کو چند سال تک قحط اور ثمرات کی کمی سے آزمایا تا کہ وہ یاد رکھیں پھر جیسے ہی خوش حالی آئی کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا حق تھا۔ اور جیسے ہی ان کو کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتانے لگتے حالانکہ ان کی نحوست کا علم تو اللہ کو ہے لیکن ان میں سے اکثر اس بات کو نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ! ہم پر تو کوئی بھی جادو کر دے ہم تیرے اوپر ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی دل، چچڑیاں، مینڈک، خون اور بہت سی الگ الگ نشانیاں بھیجیں۔ پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ مجرم قوم بن کر رہ گئے اور جب بھی ان پر کوئی عذاب الٰہی آتا تو کہتے اے موسیٰؑ! تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھے مقام عطا کیا ہے۔ اگر ہم سے یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے...... پھر جب ہم ان سے ایک مدت کے لئے اس عذاب کو ٹال دیتے جو بہر حال ان کا مقدر تھا تو پھر وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ ان سے غفلت کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۶

اَلسِّنِيْنَ	(سَنَةٌ)۔ کئی سال۔ قحط سالی
يَطَّيَّرُوْا	(طَيْرٌ)۔ بدشگونی۔ (پرندوں سے بدشگونی لیتے تھے)
طٰٓئِرُهُمْ	ان کی بدقسمتی۔ بدبختی
مَهْمَا	جب بھی۔ جو بھی
اَلْجَرَادُ	ٹڈی
اَلْقُمَّلُ	چچڑیاں (چھوٹے چھوٹے جانور)

اَلضَّفَادِعُ	مینڈک
اَلدَّمُ	خون
ایٰتٌ مُّفَصَّلٰتٌ	بہت سی مسلسل نشانیاں
اَلرِّجزُ	عذاب
لَنُرسِلَنَّ	البتہ ہم ضرور بھیجیں گے
یَنکُثُونَ	وہ عہد توڑ دیتے ہیں
اَلیَمُّ	دریا۔ سمندر

تشریح: آیت نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۶

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

''اور ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں عطا کیں''

گذشتہ چند آیات میں ان نو نشانیوں (معجزات) کا ذکر ہے۔(۱) عصا کا اژدھا بن جانا (۲) ید بیضا (۳) قوم فرعون پر قحط (۴) طوفان (۵) ٹڈیوں کی یلغار (۶) گھن کا کیڑا (۷) مینڈکوں کا عذاب (۸) خون کا عذاب (۹) طاعون

اس قوم پر کئی سال تک ایسا قحط پڑا کہ وہ لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے بالآخر حضرت موسیٰ نے دعا فرمائی اور یہ قحط ان سے دور ہوا۔ مگر وہ پھر کفر پر اڑ گئے تب اللہ نے پانی کا عذاب مسلط کیا زمین سے بھی پانی نکلنے لگا اور آسمان سے بھی طوفانی بارشیں ہونے لگیں ان کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ نہ رہی ساری چیزیں بھیگ گئیں۔ اناج اور غلہ خراب ہو گیا کھانا پکنا مشکل ہو گیا طوفان کی یہ سب مصیبتیں قبطیوں (قوم فرعون) پر آئیں لیکن بنی اسرائیل کے گھر کھیتی باڑی باغ وغیرہ محفوظ رہے۔ آخر انہوں نے بہت سے وعدے کر کے پھر حضرت موسیٰ سے دعا کرائی۔ حضرت موسیٰ کی دعا سے مصیبت تو ٹل گئی مگر انہوں نے کسی وعدے کو پورا نہیں کیا پھر اللہ نے ان قبطیوں پر سزا کے طور پر ٹڈیوں کے دل کے دل مسلط کئے ان کے سارے کھیت اور باغ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے کھیتوں اور باغات کی تباہی نے انہیں بوکھلا کر رکھ دیا پھر حضرت موسیٰ کے پاس دوڑے دوڑے ہوئے آئے روئے اور گڑگڑائے پھر بہت سے وعدے کئے قسمیں کھائیں آخر پھر پیغمبر کی دعا سے یہ آفت دور ہوئی مگر نہ تو وہ اللہ پر ایمان لائے نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجا۔ پھر عہد شکنی اور سرکشی پر اڑ گئے۔

قحط، طوفان اور ٹڈیوں کا عذاب اتنا سخت تھا کہ ان کو سنبھل جانا چاہیئے تھا مگر اس قوم کا مزاج اتنا سخت بن چکا تھا کہ ہر مصیبت کے ٹلنے پر وہ پھر سے اپنی سرکشی اور نافرمانی میں لگ جاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذابوں کا سلسلہ قائم رہا چنانچہ ایک دفع پھر ان پر گھن کے کیڑوں کا عذاب مسلط کیا گیا۔ جوں، مکھی، مچھر اور طرح طرح کے کیڑے پیدا کئے گئے جن سے کوئی چیز محفوظ نہ تھی۔ نہ وہ بیٹھ سکتے تھے نہ سو سکتے تھے، نہ کام کر سکتے تھے ہر جگہ کیڑے ہی کیڑے ہو گئے جسم میں ہر جگہ خارش سر میں جوئیں اور کھجلی پیدا ہو گئی یہ عذاب اتنا سخت تھا کہ پوری قوم بلبلا اٹھی۔ آخر ان کے حالات پر حضرت موسیٰؑ کو ترس آ گیا۔ دعا کی اور یہ آفت ٹل گئی۔ لیکن عذاب ٹلنے کے بعد پھر وہ اسی تکبر غرور دنیا پرستی اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو گئے...... پھر مینڈک کا عذاب مسلط کر دیا گیا ہر جگہ مینڈک، برتنوں میں بستروں پر بدن پر رات کو چھت میں سے مینڈک ٹپکتے اور یہ مینڈک بھی نہایت مکروہ شکل کے تھے جن کو دیکھ کر وحشت ہوتی تھی...... پھر حضرت موسیٰؑ سے دعا کی درخواست لے کر آ گئے اور پھر سے جھوٹے وعدے، قسمیں اور ایمان لانے کی باتیں کرنے لگے مصیبت تو ایک دفع ٹل گئی مگر پھر وہی اکڑ، وہی تکبر وہی کفر و شرک نتیجہ یہ ہوا کہ جب قوم مطمئن ہو گئی تو اللہ نے ان کی نافرمانیوں کے سبب ان پر خون کا عذاب مسلط کر دیا یہ بھی ہر برتن میں ہر بستر پر پانی کے برتنوں میں کپڑوں میں زمین پر خون نظر آتا۔ پوری قوم پھر گھبرا اٹھی۔ پھر نالہ و فریاد لے کر موسیٰؑ کے پاس پہنچ گئی۔ دعا کی گئی عذاب ٹل گیا مگر وہ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔

کہا جاتا ہے کہ ان مسلسل عذابوں نے ان کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تھی مگر وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ ایک آخری عذاب جو ان پر مسلط کیا گیا وہ طاعون کا تھا جس میں ستر ہزار قبطی ہلاک ہو گئے پھر حضرت موسیٰؑ کی دعا ان کے کام آئی۔

یہ سارے عذاب آتے رہے یعنی ان کے درمیان سنبھلنے اور درست ہونے کا کافی موقعہ دیا گیا لیکن جس کو سنبھلنا نہیں ہوتا اس پر بڑی سے بڑی آفت بھی اثر نہیں کرتی اور اس کی ہٹ دھرمی اس کو ہر سعادت سے محروم رکھتی ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۷

اور ہم نے مشرق و مغرب کی اس سرزمین کا ان کو وارث بنا دیا جو کمزور کر دیئے گئے تھے وہ جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔ اور اس طرح (اے نبی ﷺ) آپ کے پروردگار کا وعدہ جو اس نے بنی اسرائیل سے کیا تھا ان کے صبر کی وجہ سے پورا کر دیا اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے اونچے اونچے محل بنا لئے تھے ان کو تہس نہس کر کے رکھدیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۷

اَلْحُسْنٰی	نیکی
دَمَّرْنَا	ہم نے برباد کر دیا
یَعْرِشُوْنَ	وہ اونچا چڑھاتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۳۷

یہاں کسی سرزمین کا نام نہیں لیا گیا ہے مگر مشارق اور مغارب کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ تمام علاقہ جس پر اہل فرعون قابض تھے یعنی مصر سے لے کر شام و فلسطین تک اور ''بٰرَ کْنَا فِیْھَا'' سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس خطہ کے دامن مین عظیم الشان برکتیں موجود ہیں۔ سب سے پہلی برکت تو یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تقریباً تمام پیغمبروں کے میدان عمل کی سرزمین یہی رہی ہے یہیں سے ان کی تاریخیں وابستہ رہی ہیں اور یہیں ان کے مزارات ہیں دوسرے یہ کہ یہ علاقہ زرعی لحاظ سے بہت زرخیز ہے زیتون کھجور اور بہت سے خشک اور تر میووں کی سرزمین ہے۔ یہاں معدنیات پہاڑوں دریاؤں میدانوں اور سمندروں نے اسے بڑا حسن بخشا ہے۔

تیسرے یہ کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ علاقہ بین الاقوامی کلیدی علاقہ ہے جو زمین اور سمندروں دونوں راستوں کو کنٹرول کرتا ہے جو ایشیا، افریقہ اور یورپ کا سنگم ہے اس لحاظ سے اس کی سیاسی اور جنگی اہمیت بہت واضح ہے موجودہ زمانہ میں نہر سوئز کھل جانے کی بدولت اس کی تجارتی اور جنگی اہمیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

اس آیت میں ایک لفظ آیا ہے ''یُسْتَضْعَفُوْنَ'' جو قوم کمزور سمجھی جاتی تھی یا کمزور کر دی گئی تھی' ان الفاظ سے اس طرف

اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی نہ تو طاقت ور ہے اور نہ کمزور ہے جو کچھ سمجھا جارہا ہے وہ ظاہری نگاہوں کا دھوکا ہے۔ اصلی طاقت وقوت امداد الٰہی کی قوت ہے جو پردہ غیب میں ہے جس کی تصدیق ان الفاظ سے ہوتی ہے ''ہم نے جانشین بنادیا'' یعنی وہ قوم جو انتہائی کمزور اور ضعیف سمجھی جاتی تھی اس کو اللہ نے اپنی امداد کے ذریعہ طاقت ور قوموں کا جانشین بنادیا۔ اگر اللہ کی قدرت وطاقت نہ ہوتی تو طاقتوروں کی جگہ کمزور جانشین نہ بنتے لیکن اللہ کا یہ قانون ہے کہ جب بھی کوئی قوم اقتدار اور قوت کے نشے میں دیوانگی کی حدتک پہنچ جاتی ہے تو اللہ ان کے نیچے سے زمین کھینچ لیتا ہے اور وہی لوگ جو بظاہر کمزور اور بے بس نظر آتے ہیں ساری قوتوں کے مالک بن جاتے ہیں۔ ہمارے اس دور میں جس کو انیسویں صدی کہا جاتا تھا اس صدی کے نصف آخر میں دنیا کی دو عظیم طاقت ور سلطنتیں حیرت انگیز طریقہ پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی ہیں جن کا ظاہری نگاہوں میں ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا عظیم تر سلطنت برطانیہ اور سلطنت روس۔ برطانیہ جس کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ ان کی سلطنت میں سورج نہیں ڈوبتا تھا لیکن آج وہ سمٹتے سمٹتے انگلینڈ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ کبھی جن کی سلطنت میں سورج نہیں ڈوبتا تھا آج انکی سلطنت میں سورج ہی نہیں نکلتا اب یہ قوم ساری دنیا میں سازشیں کرنے کا کام کرتی ہے اس کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں رہا۔ دوسری روسی سلطنت ہے جو اس درجہ آگے بڑھ چکی تھی کہ انہوں نے اللہ کی ذات اور اس کی قدرت ہی کا انکار کردیا تھا لیکن صرف ایک ملک افغانستان پر قبضہ کرلینے اور گرم پانی کے چشموں تک پہنچنے کی خواہش نے اس کی اقتصادی کمر توڑ کر رکھ دی اور چند مہینوں میں وہ ایسا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی کہ اس کو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے امریکہ جو ہمیشہ اس کا مقابل دشمن رہا ہے اس سے بھیک مانگنے پر مجبور کردیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اتنی مضبوط سلطنتیں صرف پچاس سال کے عرصہ میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی ہیں اور اب نجانے موجودہ ان ظالم قوموں کا کیا حشر ہونے والا ہے جو تکبر اور غرور میں آج ساری دنیا میں جہاں چاہتے ہیں تباہیاں مچادیتے ہیں اور قدرت کے انتقام سے بالکل بے خبر ہیں۔ میری نگاہیں تو یہ دیکھ رہی ہیں کہ بیسویں صدی میں کافر قوموں کی دیواریں بڑی تیزی سے گرتی چلی جارہی ہیں اور تاریخ کا دھارا بہت تیزی سے بدلنے والا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے لئے اہل ایمان تیاری نہیں کررہے ہیں۔ اگر اہل ایمان علم وعمل میں آگے بڑھ جائیں تو پھر بیسویں صدی ان کی ہے ورنہ اقتدار اور قوت امریکہ اور یورپ وغیرہ سے نکل کر پھر ایشیائی کافروں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور ہم صدیوں تک پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہ جائیں گے۔

بہر حال میں عرض کررہا تھا کہ قرآن کریم نے اس اصول کی طرف اشارہ کرکے واضح کردیا کہ جس کو دنیا والے کمزور اور بے بس قوم سمجھتے ہیں اگر وہ اپنے آپ کو اہل ثابت کردیں تو اللہ ان ہی کمزوروں کو طاقت ور بنادیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کی طرف سے بھلائیوں کا وعدہ پورا ہوگیا''

ایک تو وہ وعدہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کی زبانی کرایا گیا ہے

''وہ وقت قریب ہے جب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمادے گا پھر وہ

دیکھے گا کہ تم اس ذمہ داری کو کس طرح پورا کرتے ہو۔ (اعراف آیت نمبر ۲۹، سپارہ نمبر ۹)

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

ہم چاہتے ہیں کہ اس قوم پر احسان کریں جس کو ملک میں کمزور اور ذلیل سمجھ لیا گیا ہے اور ہم انہیں حاکم بنا دیں اور ان کو اسی زمین کا وارث بنا دیں، فرعون ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ انقلاب دکھا دیا جس کے ڈر سے وہ موسیٰ کے خلاف طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں۔ (القصص)

اللہ نے بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیوں کیا ہے فرمایا ''بما صبروا'' چونکہ وہ صبر کرتے تھے پچھلی آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے نصرت الٰہی کا وعدہ کرتے ہوئے تاکید کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

صبر درحقیقت ایک بہت وسیع وعریض لفظ ہے جس کے معنی ہیں ڈٹ جانا اور یہ بات سب سے نمایاں ہے کہ حق وصداقت کے لئے ڈٹ جانا.......... جو قوم حق وصداقت کے لئے ڈٹ جاتی ہے اور جم کر حالات کا مقابلہ کرتی ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ دینا میں صرف وہ قومیں مٹ جایا کرتی ہیں جن کے سامنے زندگی کا نہ کوئی عظیم مقصد ہوتا ہے اور نہ وہ قومیں صبر سے کام لیتی ہیں لیکن جس قوم نے اپنی زندگی کا رخ اللہ کی طرف کر لیا اس کو مقصد زندگی بنا لیا اور حق وصداقت کے لئے کسی کی پرواہ نہ کی اور حالات سے مقابلہ کے لئے ڈٹ گئی۔ ساری کامیابیاں ان ہی لوگوں کے لئے ہوا کرتی ہیں یہاں بھی اللہ نے بنی اسرائیل کو یہی بتایا ہے کہ قوم فرعون نے تمہیں تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا، تمہیں دیوار سے لگا دیا گیا تھا لیکن جب تم نے اللہ کے رسول کا دامن تھاما اور دین کے لئے ڈٹ گئے، تم نے صبر کیا تو انعام کے طور پر تمہیں اس نعمت سے نواز دیا گیا...... ان آیات میں جہاں بنی اسرائیل سے خطاب ہے وہیں امت محمدیہ ﷺ کو بھی بتایا جا رہا ہے کہ اے اہل ایمان آج تمہیں بھی اللہ نے ایک موقع دیا ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تمہارے درمیان موجود ہیں اگر تم ان کی اطاعت ومحبت کا حق ادا کرتے ہوئے ان کے لائے ہوئے دین کی سچائیوں کے لئے ڈٹ گئے، تم نے صبر سے کام لیا تو پھر آج کی تمہاری کمزوری طاقت سے اس طرح بدل جائے گی کہ پھر ساری دنیا میں مسلمانوں اور دین اسلام ہی کا بول بالا ہوگا اور ان کو ہر طرح کی عظمتیں حاصل ہوں گی۔

تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بے مثال صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا وہ اپنی جان ومال کی قربانیوں سے دین کی راہوں میں ڈٹ گئے اور وہ پوری دنیا پر چھا گئے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت قیامت تک ہے اس لئے یہ راستہ آج بھی اسی طرح ہے مسلمان جب بھی حق وصداقت اور دین کی سربلندی کے لئے صبر کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے تو پھر سمندر بھی ان کو راستہ دینے پر مجبور ہوگا جنگل کے جانور بھی ان کے لئے جنگل خالی کر دیں گے جب مسلمان اپنی کشتیاں جلا دیں گے تو اللہ غیب سے وہ مدد فرمائے گا جس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر واستقامت اور دامن مصطفیٰ ﷺ کی وابستگی سے کامیابی عطا فرمائے۔ ''آمین''

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

ع ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۱

اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار پہنچا دیا اور وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں کو پوج رہے تھے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دے جیسا کہ ان کے لئے معبود ہے۔ موسیٰ نے کہا تم تو بہت جاہل لوگ ہو بے شک یہ لوگ جن برے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان کو تباہ کیا جائے گا اور ان کے یہ کام بے بنیاد ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کر کے لاؤں؟ جس نے تمہیں دنیا والوں پر عزت و عظمت نصیب فرما دی ہے۔

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں قوم فرعون سے نجات دی تھی جو تمہیں سخت ترین تکلیفیں پہنچاتی تھی۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتی تھی جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۱

جٰوَزْنَا — ہم نے پار اتار دیا

يَعْكُفُوْنَ	جم کر بیٹھتے ہیں
مُتَبَّرٌ	برباد ہونے والے
اَبْغِيْ	میں تلاش کرتا ہوں
يَسُوْمُوْنَ	وہ پہنچاتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۱

وہ کونسا پانی تھا جسے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے پار کیا تھا اور جس میں فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا تھا۔ اس کا صحیح اندازہ تو نہیں کیا جا سکتا البتہ تاریخ اور جغرافیہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بحیرہ احمر تھا۔ جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں جہاں اس کا پھیلاؤ اور پاٹ بہت تنگ ہو جاتا ہے اور جہاں سے اب نہر سوئز شروع ہوتی ہے۔ سمندر کا یہ حصہ خاص مصر کو اور جزیرہ نمائے سینا کو الگ کرتا ہے اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ یہ لوگ سمندر پار کر کے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے جہاں سامی قوم کے بڑے چھوٹے بت خانے تھے قرینہ ہے کہ ان ہی بت خانوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے ایک ایسے بت کی فرمائش کی تھی جس کی عبادت کی جا سکے۔

یہ سوال بھی ابھی تک قیاس آرائیوں کا مرکز ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں فرعون مصر کا نام کیا تھا؟ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹا دو فراعین تھے باپ وہ جس نے اپنے محل میں آپ کی پرورش کی تھی بیٹا وہ جس پر آپ نے تبلیغ کی اور وہ غرق ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ لندن انگلینڈ کے برٹش میوزیم میں جس فرعون کی مومیائی لاش رکھی ہے وہ ادھیڑ عمر کا آدمی ہے۔ ابھی اس کے سارے بال نہیں پکے تھے۔ اگر ایک ہی فرعون ہوتا تو وہ اس وقت جب کہ حضرت موسیٰ جوان ہو چکے تھے تو اس کو بالکل بوڑھا ہو جانا چاہئے تھا۔ قرآن کریم اس سے بحث نہیں کرتا چونکہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد تاریخ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ تاریخ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے جن کا تعلق عبرت و نصیحت سے ہے۔ تاریخ جو ہم اپنے اندازے سے بیان کرتے ہیں ممکن ہے کل کی تحقیق میں وہ نہ ہو جس کو ہم آج بیان کر رہے ہیں لیکن جس شخصیت کے متعلق یہاں کہا جا رہا ہے اس کی زندگی کے عبرت کے پہلو ہمیشہ اسی جیسے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کسی بھی واقعہ کو مسلسل بیان نہیں کرتا بلکہ وہ واقعات جن سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا ان کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہے یا یہ کہ وہ واقعات جن کا لوگوں نے حلیہ بگاڑ دیا ہے ان کی اصلاح فرماتا ہے۔

جب بنی اسرائیل نے سمندر کو پار کر لیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔

بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ان کا ذہن و فکر نہ بن سکا تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

درخواست کی کہ اے موسیٰ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ہمارے لئے بھی اللہ کی کوئی ایسی ہی صورت وشکل بنادیں جس کو سامنے رکھ کر ہم اس کی عبادت و بندگی کر سکیں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیا جہالت کی باتیں شروع کر دیں۔ کیا میں ایک اللہ کی بندگی کو چھوڑ کر تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کر کے لاؤں۔ جس اللہ نے تمہیں فرعون کے ظلم وستم سے نجات دی ہے۔ بے عزتی سے نکال کر عزت کی زندگی نصیب عطا فرمادی ہے۔ فرعون جو تمہارے بیٹوں کو قتل کرتا تھا طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا تھا تمہاری لڑکیوں اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا اللہ نے تمہیں اس سے اور بتوں سے نجات عطا فرمائی ہے کیا پھر تم اسی طرف لوٹنا چاہتے ہو۔ کیا تم پھر اسی آزمائش کی طرف پلٹنا چاہتے ہو۔ حضرت موسیٰ نے یہ کہہ کر ان کو اللہ کی عبادت و بندگی کی طرف آمادہ فرمایا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف ایک لطیف اشارہ کر دیا ہے کہ انسان میں بھول جانے کی بہت بری عادت ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ جن اسباب کی وجہ سے اس پر ساری مصیبتیں آئی تھیں پھر وہ غیر محسوس طریقے سے اسی طرف لوٹ رہا ہے۔ ایسے وقت میں وہ لوگ جن کو اللہ نے یہ منصب عطا کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اصل بات سمجھا سکیں تو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو سچائی کا راستہ دکھائیں ورنہ عوام کے گمراہی میں مبتلا ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۲ تا ۱۴۴

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر ہم نے مزید دس راتوں کا اضافہ کر کے اس کے رب کی طرف سے مقرر کی ہوئی مدت کو چالیس راتوں تک مکمل کیا۔ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں جانشین بن کر ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی مت کرنا۔

اور جب وہ ہماری مقرر کی ہوئی مدت پر پہنچا تو اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا۔ عرض کیا میرے پروردگار مجھے اپنا جلوہ دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ سکوں۔ فرمایا کہ اے موسیٰؑ تو مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو بہت جلد تو مجھے دیکھ لے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی فرمائی تو اس نے اس پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب انہیں ہوش آیا تو عرض کیا اے اللہ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے میں آپ سے توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے یقین کرنے والا ہوں۔

فرمایا اے موسیٰؑ! میں نے اپنے پیغام اور کلام کے لئے لوگوں میں تجھے منتخب کر لیا ہے جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اس کو لے کر شکر گذاری کر۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۲ تا ۱۴۴

ثَلٰثِیْنَ	تیس
اَتْمَمْنَا	ہم نے پورا کر دیا
اَرْبَعِیْنَ	چالیس
اَرِنِیْ	مجھے دکھا دے
اِسْتَقَرَّ	ٹھہر گیا
مَکَانَہٗ	اپنی جگہ
تَجَلّٰی	ظاہر ہوا
دَکًّا	ریزہ ریزہ

خَرَّ	گر پڑا
صَعِقَ	بے ہوش ہو گیا
اَفَاقَ	وہ ٹھیک ہوا
اِصْطَفَيْتُ	میں نے چن لیا۔ منتخب کرلیا

تشریح: آیت نمبر ۱۴۲ تا ۱۴۴

فرعون اپنے تمام ترلاؤلشکر کے ساتھ غرق ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری قوتیں بنی اسرائیل کو دے کران پر جانشینی اور خلافت کی ذمہ داریاں ڈال دی تھیں۔ اگر ذمہ داریاں ڈال دی جائیں اور ذمہ داریوں کی وضاحت نہ کی جائے تو انسان کس طرح اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرسکتا ہے اس لئے اب بنی اسرائیل کے لئے ایک کتاب اور مستقل شریعت کی ضرورت تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلوایا۔ کوہ طور ایک پہاڑ کا نام نہیں بلکہ یہ متعدد پہاڑ ہیں۔ کوہ سینا کی چوٹی کا نام طور ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تیس دن کے لئے بلوایا اور اس میں مزید دس دن کا اضافہ فرما کر اس کی مدت کو چالیس دن فرمادیا۔ یہی وہ طور ہے جس کی بلندی 359 فٹ ہے۔ کوہ سینا کے نیچے ایک وادی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو چھوڑا تھا اسے آجکل میدان ''الراحہ'' کہا جاتا ہے۔

یہی وہ طور ہے جس پر اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام فرمایا۔ اور توریت جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰؑ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اپنی جگہ اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قائم مقام بنا کر گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منصب خالی چھوڑ کر نہ جانا چاہیے بلکہ اپنی جگہ کسی موزوں اور معتبر آدمی کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے جانا چاہیے تاکہ قوم کی رہنمائی ہوتی رہے۔ نبی کریم ﷺ جب بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لیجاتے تو اپنی جگہ کسی کو ذمہ دار بنا کر جاتے تھے۔ اسی سنت پر خلفاء راشدین بھی چل کر ہمیشہ اپنی جگہ کسی کو اپنا جانشین بناتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی اسی پر عمل رہا اور انہوں نے بھی ہمیشہ اسی سنت کو زندہ رکھا۔

حضرت موسیٰؑ بھی جب تیس دن کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اپنی جگہ حضرت ہارونؑ کو واضح ہدایات کے ساتھ اپنا جانشین بنا کر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ میری جگہ میری قوم میں تم میرے جانشین ہو۔ ان کی اصلاح کا خیال رکھنا اور فسادیوں کے فساد کی پرواہ نہ کرنا بلکہ ان کی بھی اصلاح کرتے رہنا۔

ان ہدایات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ گئے اور اللہ نے ان سے کلام کیا حضرت موسیٰؑ اللہ کی محبت اور تجلیات میں ایسے کھو گئے کہ ایک درخواست کر ڈالی کہ رب العالمین میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں مجھے دیکھنے کی طاقت عطا فرما دیجئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے یعنی تمہاری آنکھوں میں طاقت ہی نہیں ہے کہ تم مجھے دیکھ سکو۔ ہم اپنی تجلی کو پہاڑ پر ڈالتے ہیں چنانچہ اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو پہاڑ سرمہ سرمہ ہو گیا اور موسیٰؑ اس ہولناک آواز سے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آئے تو عرض کیا رب العالمین میں اپنی اس درخواست سے توبہ کرتا ہوں اور میں اس پر پوری طرح یقین کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ میں نے اپنی رسالت اور کلام کے لئے تمہیں منتخب کر لیا ہے اس سے بڑی سعادت تمہارے لئے اور کیا ہوگی۔ اب تم صبر و شکر کے ساتھ میرا کلام سنو اور اپنی امت تک پہنچا دو۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۵ تا ۱۴۷

اور ہم نے اس کو تختیوں پر ہر چیز اور ہر نصیحت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر دے دیا تھا اور کہا تھا کہ ان (نصیحتوں اور احکامات کو) مضبوطی سے تھام کر اپنی قوم کو سکھاؤ تا کہ وہ اس کو احسن طریقہ پر عمل کریں۔ اور میں بہت جلد تمہیں نافرمانوں کے ٹھکانے دکھاؤں گا۔

اور میں بہت جلد ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں ان کو اپنی نشانیوں سے دور ہی رکھوں گا (اور یہ تو حقیقت ہے کہ) اگر وہ ان تمام نشانیوں کو دیکھ بھی لیں گے تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے اور اگر وہ نہایت سیدھا راستہ بھی دیکھ لیں تو اس کو وہ اختیار نہ کریں گے، ہاں البتہ اگر وہ کسی گمراہی کے راستے کو دیکھ لیں تو اس کو فوراً اختیار کرلیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور وہ ان سے غفلت کرتے رہے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے سارے اعمال ضائع ہوں گے۔ ان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۵ تا ۱۴۷

اَلْوَاحٌ تختیاں
سَاَصْرِفُ بہت جلد میں پھیر دوں گا
سَبِيْلُ الرُّشْدِ ہدایت کا راستہ
سَبِيْلُ الْغَيِّ گمراہی کا راستہ
حَبِطَتْ ضائع ہوگئی۔ ضائع ہوگئے

تشریح: آیت نمبر ۱۴۵ تا ۱۴۷

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر پس پردہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ہے اگر چہ وہ اللہ کا دیدار تو حاصل نہ کرسکے لیکن ان کو اللہ سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔

پہلی گفتگو تو وہ ہے جو سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۴۳ سے ظاہر ہے۔ اللہ سے کلام کا سلسلہ جاری رہا اور چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو پتھر کی سلوں پر لکھی ہوئی توریت عطا کی۔ اس میں جو ہدایات دی گئی تھیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱) حکم پر محض عمل کرنا کافی نہیں ہے اللہ کو جو چیز مطلوب ہے وہ ہے ''حسن عمل'' یعنی کسی حکم پر احسن طریقہ سے عمل کرنا جس میں علم، عقل، خلوص، محبت اور حسن و جمال جیسی خوبیاں بھی شامل ہوں۔ اللہ کو عمل کی کثرت نہیں بلکہ عمل کی خوبی زیادہ پسند ہے۔

۲) عبرت اور ہر چیز کی تفصیل سے مراد وہ تاریخی کھنڈرات بھی ہیں جہاں سے بڑی بڑی طاقتیں اٹھیں لیکن کفر وشرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے عذاب الٰہی کی مستحق ہوگئیں۔

۳) تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اللہ کی آیات روح تک اسی وقت پہنچ سکتی ہیں جب راہ میں تکبر اور غرور کی رکاوٹ نہ ہو۔ جہاں ذہن میں یہ بات آئی کہ میں قوت واقتدار والا ہوں میں دولت والا ہوں، میں علم وعقل والا ہوں، میں باقاعدہ قرآن وحدیث پڑھے بغیر چند باتیں سیکھ کر دین کی ہر بات کو خود سمجھ لیتا ہوں (جیسا کہ آج کل کچھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سوچتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ وہ دل ودماغ کو پھیر دیتا ہے اور وہ کج فہم لوگ دوزخ کے راستے پر نکل پڑتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

تکبر کے ساتھ "بغیر حق" کی شرط لگی ہے اس کے واضح معنی یہ ہیں کہ تکبر اور بڑائی کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے کبریائی کی شان اسی کے پاس ہے اللہ ہی "اکبر" ہے بقیہ سب اصغر بلکہ صغیر (بہت ہی چھوٹے) ہیں انسان خواہ مخواہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا اور غرور کرتا ہے یہ ابلیس کی نشانی ہے۔ ہاں تحدیث نعمت کے طور پر یا شکر گزاری کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجھے اللہ نے فلاں فلاں نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ تقابلی موازنہ کی بھی گنجائش ہے۔ مگر فخر وغرور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حق کے معنی سچائی کے بھی ہیں۔ حقوق اور انصاف کے بھی۔ اگر بشرط ضرورت تقابلی موازنہ کیا جائے تو جو کچھ کہا جائے وہ بالکل سچ ہو۔ اس میں مبالغہ خود آرائی گھٹاؤ بڑھاؤ نہ ہو۔ نہ کسی کا حق مارا جائے یعنی اگر کسی شخص میں کوئی خوبی ہے تو اس کو بے لاگ طریقہ پر تسلیم کیا جائے۔ لیکن اس کی اجازت نہیں ہے کہ جذبات میں بہہ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔

حضرت موسیٰ کو بتایا جارہا ہے کہ ان کی قوم میں تکبر اور بڑائی کرنے والوں کی کثرت ہے۔ ایسے لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ ساری نشانیاں اور معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں کبھی ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ لہو ولعب ان کی زندگی بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اس طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ ایک دن انہیں اللہ کے سامنے حاضر ہوکر اپنے کئے کا پورا پورا حساب دینا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے کہ کافروں میں جہاں برے لوگ ہیں وہیں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں جو لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کے کام کرتے ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ہمارے سامنے اس اصول کو بھی واضح طریقہ پر رکھ دیا ہے کہ جو شخص کوئی بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ اللہ کا دوست ہو یا دشمن اس کے نیک کاموں کا اس کو اجر دیا جائے گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہی نیک کام جو کوئی انسان ایمان کے بغیر کرتا ہے تو اس کی محنت کا صلہ اس کو اسی دنیا میں مل جاتا ہے لیکن وہی نیک کام اگر ایمان کے ساتھ کیا جائے گا تو اس کا اجر اور صلہ اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا وآخرت میں اجر وثواب کا دارومدار ایمان پر ہے اور ایمان ہی اس عمل کے اجر میں وزن پیدا کرتا ہے۔ ایمان کے بغیر جو بھی عمل کیا جائے گا وہ بھاری نہیں ہلکا ہوگا اتنا ہلکا کہ وہ آسمانوں کی طرف بلند نہیں ہوسکتا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۴۹

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر) جانے کے بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا جس سے بیل کی جیسی آواز نکلتی تھی۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے کلام کرتا ہے اور نہ وہ انہیں کوئی ہدایت دیتا ہے بہرحال انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ ظالم بن گئے۔ جب ان پر بات کھلی تو وہ پچھتائے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ بھٹک گئے ہیں۔ کہنے لگے کہ اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہماری مغفرت نہ کی تو ہم تباہ ہوجائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۴۹

حُلِیٌّ زیورات

سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ اپنے ہاتھوں میں گرے۔ وہ پچھتائے

تشریح: آیت نمبر ۱۴۸ تا ۱۴۹

بنی اسرائیل سیکڑوں سال کئی نسلوں تک مصر میں بت پرست قوموں کے ساتھ رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے ان کی اصلاح فرماتے رہے مگر جب بھی ان کی تعلیمات سے غفلت برتتے تو پھر سے بت پرستی کی طرف مائل ہوجاتے چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ کی تبلیغ اور ان کے معجزات، جن میں سمندر میں راستے بن جانا فرعون اور اس کی قوم کا غرق ہونا بنی اسرائیل کا صاف بچ کر نکل آنا وغیرہ کچھ عرصہ اس کا اثر رہا اس کے بعد پھر ان کی طبیعت لہرائی خصوصاً جب کہ انہوں جزیرہ نمائے سینا میں سامیوں کے

عظیم الشان بت خانے دیکھے حالانکہ فرعونیوں کے ظلم وستم سے رہائی پائے ہوئے انہیں بس دو تین مہینے ہی ہوئے تھے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر جانے کے بعد سامری جادوگر کے کہنے پر اپنا تمام سونا چاندی اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے اس سونے چاندی کو گلا کر ایک ایسا بچھڑا بنا دیا جس میں سے ایک آواز بھی نکلتی تھی اور اس نے یقین دلا دیا کہ درحقیقت یہی وہ تمہارا معبود ہے جس سے تم اپنی مرادیں مانگ سکتے ہو۔ اصل میں بتوں کو پوجنے کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ جھوٹی کہانیاں گھڑ دی جائیں اور اس کے کمالات کو لوگوں میں مشہور کر دیا جائے وہ چیز خواہ سانپ ہو درخت ہو، گائے کا گوبر ہو یا پیشاب ہو یا کوئی بت کی شکل میں انسانی تصویر۔ گمراہ انسان ان سب چیزوں کے آگے جھک جاتا ہے اور ان کو اپنا معبود تصور کر لیتا ہے۔ اس میں جاہل اور پڑھے لکھے سب برابر ہوتے ہیں آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ انتہائی قابل لائق، سیاستداں پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں جن کے عقلی فیصلوں پر لوگوں کو اعتماد ہوتا ہے لیکن وہ مذہب کے معاملے میں پتھروں اور گڑیوں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور ان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان کا یہ فعل بھی کوئی عقل اور علم سے تعلق رکھتا ہے بلکہ ان کی عقل ان چیزوں میں خوب فیصلے کرتی ہے جو سامنے ہوتی ہے لیکن جو چیز اور بات عقل میں اور تجربہ میں آ ہی نہیں سکتی اس پر وہ آنکھ بند کر کے یقین کر لیتے ہیں انکا ان چیزوں کو پوجنا اور ان کو اپنا حاجت روا ماننے کا ان کے علم اور عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۗ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَلِاَخِىْ وَاَدْخِلْنَا فِىْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾

۱۸ ع ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۰ تا ۱۵۳

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو افسوس اور شدید غصہ میں بھرے ہوئے تھے اور کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد میری بہت بری جانشینی کی کیا تمہیں اپنے رب کے حکم کی بہت جلدی تھی۔ انہوں نے توریت کی تختیوں کو ایک طرف رکھا اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (حضرت ہارونؑ نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! بے شک میری قوم نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور مجھے قتل کرنے کے قریب تھے۔ تو مجھ پر میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھے ظالم قوم میں شمار مت کر۔ (موسیٰؑ نے) کہا اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما لے۔ آپ ہی تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والے ہیں۔ بے شک جنہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تھا بہت جلد ان کو ان کے پروردگار کا عذاب پہنچے گا۔ اور دنیا کی زندگی میں ذلیل اور رسوا ہوں گے اور ہم جھوٹ گھڑنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے برے اعمال کئے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بے شک آپ کا پروردگار مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۰ تا ۱۵۳

رَجَعَ — لوٹا

غَضْبَانَ — غصہ

اَسِفًا — افسوس کرنے والا

رَاْسُ اَخِیْهِ — اپنے بھائی کا سر

یَجُرُّ — کھینچتا ہے

لَا تُشْمِتْ — تم دشمن سے مذاق نہ اڑواؤ

اَلْاَعْدَآءُ — دشمن

اَلْعِجْلُ — گائے کا بچھڑا

سَیَنَا لُهُمْ — عنقریب ان کو پہنچے گا

تشریح: آیت نمبر ۱۵۰ تا ۱۵۳

جب حضرت موسیٰ طور پر اعتکاف کی حالت میں تھے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کر دی تھی کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم نے سونے چاندی کا بچھڑا بنالیا ہے اور اسکی پوجا کرنے لگے ہیں (یہ سارا کام ایک جادوگر سامری کی زیر ہدایت ہوا) یہ سن کر حضرت موسیٰ کا دل پہلے ہی کھول رہا تھا جب واپس لوٹے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قوم ایک اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کر رہی ہے تو اور بھی غصہ سے بھر گئے۔ پہلے اپنی قوم والوں کو ملامت کی کہ تمہیں اللہ نے خلافت ارضی بخشی تھی کیا تمہاری کارکردگی کا یہی نمونہ ہے؟ کہ ہمارے غائبانہ میں تم نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ میں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات لینے گیا تھا۔ تم کچھ تو انتظار کر لیتے۔ پھر وہ گرم جذبات میں بھرے ہوئے اپنے بھائی ہارون کی طرف بڑھے جن کو انہوں نے اپنا جانشین بنایا تھا۔ اگر چہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے چند سال بڑے تھے لیکن نبوت کے کام میں حضرت موسیٰ کے ماتحت تھے وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ رسول بھی ہیں اور نبی بھی جبکہ حضرت ہارونؑ صرف نبی ہیں رسول نہیں ہیں۔ نبی ہمیشہ رسول کے تابع ہوا کرتا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ کو اس واقعہ پر اتنا غم وغصہ تھا کہ انہوں نے ہاتھ خالی کرنے کے لئے توریت کی تختیوں کو ایک طرف رکھا اور حضرت ہارونؑ کے سر کے اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہنے لگے کہ جب کہ میں نے تمہیں اپنا جانشین بنایا تھا تمہاری موجودگی میں ایسا کیوں ہوا؟ حضرت ہارونؑ نے اپنے دفاع میں کہا اے میرے بھائی میں زیادہ سے زیادہ منع ہی کر سکتا تھا یعنی ان کو اس برے فعل اور بت پرستی سے روک ہی سکتا تھا۔ تو میں نے ان کو ہر طرح سمجھایا لیکن سامری کے بہکائے میں آ کر یہ لوگ بت پرستی کی طرف اس شدت سے لپکے کہ خود مجھے اپنی جان کی خیر منانی پڑی۔ اے میرے بھائی میں ہرگز گناہ گار نہیں ہوں اور آپ ایسی بات نہ کیجئے جس سے لوگ ہمارا مذاق اڑائیں۔

حضرت موسیٰ نے جب حضرت ہارون علیہ السلام کی باتیں سنیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور انہوں نے اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت و معافی کی دعائیں کیں۔

اس جگہ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کی زبان سے جو جملے نقل فرمائے ہیں وہ درحقیقت ان کی معصومیت اور نیک فطرت کی طرف اشارہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ موجودہ بائبل نے حضرت ہارونؑ پر بڑے بڑے الزامات لگائے ہیں اس نے الزام لگایا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد ایک قربان گاہ بنائی تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور ان کے سامنے سنہرے بچھڑے پر چڑھاوے چڑھائے۔ دوسری جگہ بائبل میں ہے کہ یہ وہی تھے جنہوں نے سونے کا بچھڑا بنایا جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکار اٹھے کہ یہی وہ معبود ہے جو ہمیں فرعونیوں کے ظلم سے چھڑا کر لایا ہے۔ اصل میں یہ سارے الزامات ہیں جو حضرت ہارونؑ پر لگائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کے

الفاظ اور حضرت موسیٰ کی دعائے مغفرت کو اس لئے نقل کیا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حضرت ہارونؑ نے یہ جرم نہیں کیا تھا بلکہ سامری نے لوگوں کو بہکا کر حضرت ہارونؑ کو بے بس کر دیا تھا اور پوری قوم سامری کے بہکانے میں آ گئی تھی حضرت ہارونؑ اس سے بری تھے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۶

جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے توریت کی تختیاں اٹھائیں جس میں ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے پروردگار سے ڈرنے والے ہیں۔

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر لوگوں کو منتخب کیا تا کہ وہ ہماری مقررہ مدت پر پہنچیں پھر جب ان کو ایک سخت زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے

پہلے بھی ان کو اور مجھے ہلاک کر سکتے تھے۔ کیا آپ ہمیں اس وجہ سے ہلاک کرتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے کچھ لوگوں نے بے وقوفی کے کام کئے ہیں۔ یہ سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے۔ آپ جسے چاہیں بھٹکا دیں اور جس کو چاہیں ہدایت دیدیں آپ ہی ہمارے تھامنے والے ہیں۔ ہمیں معاف کر دیجئے ہم پر رحم کیجئے اور آپ سب سے بڑھ کر معاف کرنے والے ہیں۔

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فرمایا کہ میں اپنا عذاب جس کو چاہتا ہوں پہنچاتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اسے میں ان لوگوں کے نام تو ضرور رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں پر ایمان لاتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۶

سَکَتَ	وہ ٹھہر گیا
یَرْھَبُوْنَ	وہ ڈرتے ہیں
سَبْعِیْنَ	ستر
اَتُھْلِکُنَا	کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے
فِتْنَتُکَ	تیری آزمائش ہے
اَلْغَافِرِیْنَ	بخشنے والے
اُکْتُبْ	لکھ لے

تشریح: آیت نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۶

صدیوں کی غلامی اور فرعون کے ظلم وستم سے نجات کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل کو خلافت ارضی سپرد کی تھی۔ اس خلافت کو چلانے کے لئے جس آئین اور قوانین کی ضرورت تھی وہ اللہ نے توریت کی شکل میں بنی اسرائیل کو عطا کر دیئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک امیر مملکت بھی جو، ان آئین وقوانین کی تفصیلات سمجھنے سمجھانے کے لئے خصوصی علم و دانش رکھتا ہو اور جس کا مسلسل رابطہ

اللہ تعالیٰ سے ہو چنانچہ اس خلافت ارضی کے لئے حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر بلایا گیا جہاں چالیس دن رات ان کی تعلیم وتربیت فرمائی گئی اس تعلیم وتربیت کے بعد توریت کی تختیاں سپرد ہوئیں جن پر دنیا وآخرت کی فلاح و بہبود کے اصول لکھے ہوئے تھے۔

جب حضرت ہارونؑ کی معذرت پر حضرت موسیٰؑ کا غم وغصہ دور ہوا تو وہ اپنی نبوت کے کام میں لگ گئے۔ انہوں نے توریت کی تختیاں اٹھالیں اور ان کی تبلیغ شروع کردی ظاہر ہے کہ تبلیغ دین میں کوئی زبردستی تو ہوتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت وہی مانیں گے اور اس کی رحمت کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔

اللہ کا خوف عام خوف سے مختلف ہے یہ صرف خوف ہی خوف نہیں رحمت وشفقت کی امیدیں بھی ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔

ایک طرف دوزخ کا خوف ضرور ہے تا کہ انسان گناہ سے رک جائے لیکن دوسری طرف گناہ گار کے ہاتھ میں توبہ کا ہتھیار بھی دے دیا گیا ہے تا کہ وہ جنت سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ مایوسی گناہ ہے دنیا میں باپ کا خوف اللہ کے خوف کا ایک ادنیٰ سا نمونہ اور مثال ہے اس میں باپ سے ایک ڈر بھی ہے کہ ڈر کے بغیر گھر کا انتظام چل نہیں سکتا مگر بچہ کو پوری امید بھی ہے کہ اگر وہ نیک راہوں پر چلے گا اور کسی خطا پر شرمندہ ہوگا تو باپ کی محبت غالب آجائے گی تقویٰ کا لفظ اسی ملی جلی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے وقت اور مقام پر پہنچنے کے لئے بنی اسرائیل کے ستر افراد کا انتخاب کیا گیا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے انہیں کوہ طور پر لیجانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ قوم کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں اس قصور کی معافی مانگیں جو بچھڑے کی پرستش کی صورت میں سرزد ہوا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے منکرین میں سے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم کیسے مان لیں کہ یہ توریت کی تختیاں اللہ کی طرف سے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ کی اجازت سے یہ کہا کہ اس میں جس کو شک ہو وہ کوہ طور پر میرے ساتھ چلے اللہ مجھ سے ہمکلام ہوگا تم بھی سن لینا ان کو چلتے چلتے ایک شرارت سوجھی کہ ہم یہ کیسے مان لیں کہ یہ آواز جو تم سنتے ہو اللہ ہی کی آواز ہے ہاں اللہ خود ہمارے سامنے آکر بات کرے تو ہم یقین کرلیں گے۔

اس گستاخی پر اللہ کا قہر نازل ہوا اور شدید زلزلہ سا آگیا یا سورۃ بقرہ کے الفاظ میں صاعقہ یعنی بجلی کی ایک تیز کڑک تھی جس کو سن کر ستر کے ستر لوگ مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔ الٰہی اگر آپ چاہتے تو ان کو اس سے پہلے بھی ہلاک کر سکتے تھے۔ ان کو زندگی دیدیجئے۔ شاید حضرت موسیٰؑ کے ذہن میں یہ خیال ابھرا ہو کہ کہیں بنی اسرائیل ان پر یہ الزام نہ لگادیں کہ دھوکے سے بنی اسرائیل کے ستر سرداروں کو مروا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ان سب کو زندہ کردیا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس موقع پر جو دعا کی ہے اس کے دو جزو ہیں

۱) اے اللہ ہمارے قصور معاف فرمادے اور ہم پر رحم وکرم فرما۔

۲) ہمیں اس دنیا میں اور آخرت میں اپنی نعمتوں کے لئے چن لے۔

پہلے حصے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں پر عتاب و عذاب ہوا ہے ان کو معافی دیدی جائے ۔فرمایا کہ ہم ان کو زندہ تو کر دیتے ہیں لیکن ان کے قصوروں کی معافی کیلئے تین شرطیں ہیں (۱) تقویٰ یعنی خوف الٰہی (۲) زکوٰۃ کی ادائیگی (۳) آیات الٰہی پر ایمان

دوسرے حصے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس دنیا میں اور آخرت میں ہر طرح کی کامیابیاں عطا فرما دیجئے اور اپنی تمام نعمتوں کے لئے ہمارا انتخاب کر لیجئے۔

اللہ نے فرمایا کہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں سے اللہ کا سلوک سراسر رحم و کرم اور شفقت و محبت کی بنیاد پر قائم ہے سزا ان کو دی جاتی ہے جو گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اللہ کی طرف نہیں پلٹتے یعنی توبہ نہیں کرتے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۸

وہ لوگ جو رسول اور نبی امی (ﷺ) کی تابع داری کرتے ہیں۔ وہ نبی امی کہ جن کا ذکر ان کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے جو ان کے پاس توریت اور انجیل کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ وہ انہیں بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائیوں سے روکتے ہیں پاک چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو ناپاک بتاتے ہیں۔ ان سے ان کے بوجھ دور کرتے ہیں جن میں وہ مبتلا تھے ان بندشوں کو کھولتے ہیں جن میں جکڑے ہوئے تھے پھر وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے اس کی حمایت کی انہوں نے ان کی مدد کی اور اس نور کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں زمین و آسمان کی سلطنت جس کی ملکیت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے و ہی موت دیتا ہے۔ پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں ایمان لے آؤ اور وہ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں ان کی اتباع کریں تا کہ وہ ہدایت حاصل کر سکیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۸

یَجِدُوْنَ	وہ پاتے ہیں
مَکْتُوْبٌ	لکھا ہوا
یَحِلُّ	حلال کرتا ہے
یُحَرِّمُ	حرام کرتا ہے
اَلْخَبِیْثُ	گندی چیزیں
یَضَعُ	اتارتا ہے
اِصْرٌ	بوجھ
اَلْاَغْلٰلُ	بیڑیاں۔ قیدیوں کی بیڑیاں
عَزَّرُوْا	انہوں نے عزت و تعظیم کی
نَصَرُوْا	انہوں نے مدد کی
اَلْاُمِّیُّ	ان پڑھ۔ جس نے کسی سے نہ پڑھا ہو

تشریح: آیت نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۸

پچھلی آیت میں حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری رحمت شفقت اور کرم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے میں اپنے رحم و کرم کو ان کے حصے میں ڈال دوں گا جو

(۱) تقویٰ رکھتے ہیں۔

(۲) زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(۳) اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ آیت نمبر ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے چوتھی صفت بھی ارشاد فرمادی ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ اس نبی امی (ﷺ) کی مکمل اطاعت وفرماں برداری کی جائے جن کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے۔

یعنی ہر چند کہ یہ نبی امی ﷺ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیا کے بعد آئے ہیں مگر ان کے آنے سے پہلے ہر نبی ان کے آنے کی اطلاع دیتے رہے ہیں۔ اور فرمایا کہ توریت اور انجیل میں آپ کی تمام نشانیاں موجود ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل میں بہت سی تحریفات اور تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور ہوتی رہیں گی حضور نبی کریم ﷺ کی شان نبوت کے متعلق جو آیات تھیں یا توان کو بالکل بدل دیا گیا ہے یا نکال دیا گیا ہے۔ مگر اللہ کی شان کہ توریت او انجیل میں ابھی تک ''نبی امی ﷺ'' کے متعلق بہت سی آیات اور شناختیں مل جاتی ہیں۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ آیات اور شناختیں توریت وانجیل میں نہ پائی جاتیں تو یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں قرآن کریم کو بدنام کرنے اور جھٹلانے کا ایک بہت بڑا ہتھیار مل جاتا اور وہ صاف صاف کہہ دیتے کہ اس میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے لیکن ہزار مخالفتوں کے باوجود کسی نے ایسی بات نہ کہی۔ حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے چند سر برآوردہ لوگوں کی تصدیقیں سیرت واحادیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی تصدیقات سے پتہ چلتا ہے کہ توریت وانجیل میں نہ صرف آپ کی صفات کا تفصیلی ذکر تھا بلکہ آپ کے پیغام کا بھی آپ کے وطن اور پیدائش کا بھی۔ آپ کے وطن ہجرت کا بھی اور سب سے بڑھ کر آپ کے حلیہ مبارکہ کا بھی ذکر موجود تھا۔

سورۃ صف میں ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہ بھی بتادیا تھا کہ آپ کا نام نامی ''احمد'' ہوگا۔ توریت وانجیل میں کیا کیا شناختیں دی گئی تھیں ان کو قرآن کریم نے اس جگہ دھرایا ہے۔ سب سے بڑی شناخت اس رسول نبی امی (ﷺ) کی یہ ہوگی کہ وہ ''امی'' ہوگا یعنی پڑھا لکھا نہ ہوگا۔ یہاں پر لفظ ''امی'' کا استعمال بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ ہم ان میں سے دو کو بیان کریں گے۔

۱) حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی اور رسول آئے ہیں وہ سب کے سب بنی اسرائیل سے تھے۔ ان کے مراتب علم وفضل اور مراتب کمالات کے کیا کہنا۔ اس کی وجہ سے یہودیوں میں ایک خاص گھمنڈ اور غرور پیدا ہو گیا تھا وہ بنی اسماعیل سمیت تمام غیر یہودیوں کو ''امیون'' (جاہل-ان پڑھ) کہا کرتے تھے۔ وہ طنز کے طور پر نبی مکرم ﷺ کو ''امی یعنی جاہل اور ان پڑھ'' کہتے تھے۔ لیکن قرآن کریم نے حضور اکرم ﷺ کو ''نبی امی'' کہہ کر اس لفظ کو عظمت دیدی ہے جب کہ خود نبی کریم ﷺ نے ''امی'' کا لقب فخریہ استعمال فرمایا ہے اور اس طرح اس طنز کے پہلو کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔

۲) نبی کا امی ہونا اس کی نبوت کی پہچان بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی دنیا والوں کے اعتبار سے ''امی'' ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں اس کا استاد کوئی نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ سے علوم سیکھ کر ساری امت کا معلم ہوتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نبی اگر دنیا میں کسی کا شاگرد ہوگا تو وہ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ استاد کا مقام شاگرد سے ہمیشہ اونچا رہتا ہے جب کہ جس زمانہ میں نبی ہوتا ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔ وہ سب کا معلم ہوتا ہے اس کا سوائے اللہ کے کوئی معلم نہیں ہوتا۔ سارا قرآن کریم پڑھ جائیے آپ کو ہر جگہ یہی ملے گا کہ ہر نبی کو اللہ نے خود تعلیم دی لہٰذا دنیا کے لحاظ سے نبی امی ہوتا ہے لیکن اللہ کی شاگردی کی وجہ سے وہ تمام علوم سیکھ کر ساری دنیا کا معلم ہوتا ہے اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''...... میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

(۱) ہمارے زمانہ کے بعض جاہلوں نے کہا کہ ایک نبی جو ساری دنیا کا معلم ہوتا ہے وہ خود جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر اس تصور کو قائم کر کے انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں...... میں سمجھتا ہوں اگر وہ اس تشریح کو پڑھ لیں جو میں نے عرض کی ہے تو انشاء اللہ ان کو ''امی'' کے لفظ سے نہ تو الجھنے کی ضرورت ہوگی اور نہ بے جا تاویلیں کرنے کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس نبی کی پہچان جس پر ایمان لانا ضروری ہے ایک تو یہ ہے کہ وہ ''نبی امی'' ہیں۔

(۲) دوسری پہچان یہ ہے کہ صدیوں سے ان کا ذکر مبارک ہر آسمانی کتاب میں موجود ہے۔

(۳) تیسری پہچان یہ ہے کہ وہ نبی امی (ﷺ) ہر معروف کا حکم دیتے ہیں اور ہر منکر سے لوگوں کو بچاتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔

معروف و منکر کے معنی بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

معروف وہ کام ہیں جن کے کرنے کا اللہ نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو۔ جو عرف عام میں نیکی کے ساتھ جانا پہچانا جاتا ہو۔ اور منکر کے معنی ہیں ''اجنبی'' یعنی جو دین و شریعت کے مزاج سے مختلف ہو وہ کام جسے لوگ بھی برا سمجھتے ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی'' ہر اچھی بات کا حکم دینا اور ہر گناہ و خطا کی بات سے روک دینا ہر پیغمبر کی تعلیم و تبلیغ کا مرکزی نقطہ ہے۔

(۴) چوتھی پہچان یہ ہے کہ وہ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام بتائیں گے طیبات یعنی وہ چیزیں حلال ہیں جنہیں اللہ نے پاک قرار دیا ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں جنہیں عقل سلیم اور ذوق سلیم قبول کرے جو صحت و تندرستی، شرافت اور عزت کے منافی نہ ہوں۔

خبائث۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ نے ناپاک اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے ضمنی طور پر تمام وہ چیزیں جنہیں ذوق سلیم اور ضمیر گوارا نہ کرے جو صحت شرافت اور عزت کے منافی ہیں۔

طیبات اور خبائث میں ساری چیزیں شامل ہیں کھانا، پینا، لباس، رسمیں، ذریعہ معاش، طریقہ سیاست و حکومت، گھریلو اور سماجی تعلقات طریقہ تجارت، طریقہ صلح و جنگ وغیرہ۔

(۵) پانچویں پہچان یہ ہے کہ وہ نبی امی ﷺ ان لوگوں کو جو سختیوں اور بے جا بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ ان سے ان کو آزادی دلائیں گے۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں وہ ساری چیزیں حلال کر دی گئیں جو بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں یا جن چیزوں کو انہوں نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

ان آیات میں نبی امی ﷺ کی یہ پانچ پہچانیں بتائی گئی ہیں۔ ان میں پہلی دو پہچانیں حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کے متعلق ہیں اور بقیہ پہچانیں آپ کی شریعت کے متعلق ہیں۔ ان پانچ علامتوں اور پہچانوں کے بعد جو بات آخر میں فرمائی گئی ہے وہ ان تمام باتوں کا خلاصہ ہے۔

فرمایا گیا کہ:

وہی لوگ فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں جو ہمارے نبی امی کے راستے کو اختیار کریں گے۔ ان کے ساتھ مل کر کامیابی تک پہنچیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں جو اس نور کی (وحی جلی اور حی خفی) کی تابعداری کریں گے جو ان کے اوپر نازل کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

اور آخر میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ ہر نبی اور رسول جو تشریف لائے وہ کسی نہ کسی خاص زمان و مکان کے لئے اور علاقے کے لئے تھے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس اللہ کی طرف سے جو تمام آسمانوں اور زمین اور پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ زندگی اور موت جس کے ہاتھ میں ہے۔ رب العالمین کی طرف سے فرمایا گیا کہ اے لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ اور اس رسول نبی امی (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو خود بھی اللہ اور اس کے تمام احکامات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان ہی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت حاصل کر سکو۔

اب آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک کیلئے ہے۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ آپ کے بعد نبوت کا جو بھی دعویٰ کرتا ہے وہ باطل ہے اور ایسا شخص آپ کی ذات اور عظمت کا منکر ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک جماعت ایسی بھی تھی جو سچائی کا راستہ دکھاتی اور وہ اسی کے مطابق انصاف کرتی تھی۔

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ خاندانوں اور بڑی جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا اور جب موسیٰؑ نے (صحرائے سینا میں) اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اے موسیٰؑ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو۔ پھر اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تمام لوگوں نے اپنے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا۔ اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا۔ اور ہم نے ان پر ''من وسلویٰ'' اتارا (اور کہا کہ) وہ تمام چیزیں جو حلال اور پاکیزہ ہیں ان کو کھاؤ...... اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

یَعْدِلُوْنَ	وہ انصاف کرتے ہیں۔ برابر کرتے ہیں
قَطَّعْنَا	ہم نے تقسیم کر دیا
اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ	بارہ
اَسْبَاطٌ	(سِبْطٌ)۔ دادا کی اولادیں
اِضْرِبْ	مار
عَصَاکَ	اپنی لاٹھی کو
اِنْبَجَسَتْ	بہہ نکلے

عَيْنٌ	چشمہ
اُنَاسٌ	لوگ
مَشْرَبٌ	پینے کی جگہ۔گھاٹ
ظَلَّلْنَا	ہم نے سایہ کر دیا
اَلْغَمَامُ	بادل
اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰى	من وسلویٰ (روٹی اور گوشت)
كُلُوْا	کھاؤ
مَا ظَلَمُوْنَا	ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

تشریح: آیت نمبر ۱۵۹ تا ۱۶۰

حضرت موسیٰؑ جب تمام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر صحرائے سینا سے گذر رہے تھے تا کہ بنی اسرائیل کو فلسطین میں آباد کر دیں۔اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی گنتی کرانے کے بعد ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے پڑھ لیا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ فلسطین سے مصر آئے ہیں اس وقت حضرت یعقوبؑ اور ان کے گھر والوں کی تعداد ایک سو سے بھی کم تھی۔روایات کے مطابق حضرت یوسفؑ کے دور سلطنت کے چھ سو سال کے بعد حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی اصلاح وتربیت فرمائی اور فرعون جیسی طاقت سے ٹکر لی اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ قوم بنی اسرائیل کو مصر سے فلسطین کی طرف لے کر جارہے تھے اور صحرائے سینا کے اس علاقے سے گذر رہے تھے جہاں دور دور تک آبادی کا نام نشان تک نہ تھا،کھلا آسمان تھا،کھانے اور پینے کا کوئی انتظام نہ تھا،چونکہ بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اس لئے انتظامی لحاظ سے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے ان پر ایک ایک نگران مقرر کر دیا گیا تا کہ ان کے دنیاوی امور کے ساتھ ان کی اخلاقی اصلاح بھی ہوتی جائے۔جہاں ان میں وہ لوگ تھے جن کا کام ہی شرارتیں کرنا اور ہر برے راستے کو اختیار کرنا ان کا مزاج بن چکا تھا ان ہی میں ایک جماعت ایسے نیک لوگوں کی بھی تھی جو حق وصداقت کے علم بردار اور زندگی کا اعتدال رکھنے والے تھے ایسے لوگوں پر اللہ کا خاص کرم تھا لیکن مزاج کے اعتبار سے جو لوگ نافرمانی کا راستہ اختیار کرنے والے تھے انہوں نے اللہ کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا اور اس طرح ان پر چالیس سال تک کے

لئے شہری زندگی اور اس کی راحتوں کو حرام کر دیا گیا۔

صحرائے سینا کا وہ مقام جہاں ان کو چالیس سال تک کے لئے مارے مارے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا اس کو میدان تیہ کہتے ہیں۔ یہ دن بھر اس صحرائی زندگی سے نکلنے کے لئے راستے تلاش کرتے، تھک کر سو جاتے اور یہ سمجھتے کہ ہم اس راستے کے قریب پہنچ چکے ہیں جہاں سے اس میدان سے نکلنا آسان ہوگا لیکن جب وہ سو کر اٹھتے تو ہر صبح وہ وہیں ہوتے تھے جہاں سے چلے تھے اپنے نبی کے بغیر ان کو وہ راستہ تو نہ مل سکا جسے وہ برسوں سے تلاش کر رہے تھے مگر جب بھی وہ اپنے نبی حضرت موسیٰؑ سے کسی نعمت کی فرمائش کرتے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں پانی عطا فرما دے حضرت موسیٰؑ نے دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ موسیٰ اپنے عصا کو پتھر پر ماریئے موسیٰؑ نے ایک مخصوص پتھر پر عصا کو مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، کھانے کو مانگا تو اللہ نے ان کو اسی صحرا میں من وسلویٰ" عطا فرما دیا۔ کہنے لگے کہ ہم صحرا کی دھوپ سے جھلسنے لگے ہیں حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو ان پر بادل کا سایہ ہو گیا، جہاں وہ جاتے بادل ساتھ ساتھ سایہ کئے ہوئے ہوتا۔ اگر غور کیا جائے تو انسان کی بنیادی ضروریات میں تین ہی چیزیں اہم ہیں کھانا، پانی اور چھت اور یہ تینوں چیزیں اللہ نے اسی صحرا میں عطا فرمانے کے بعد اس اصول کو بتا دیا کہ اللہ وسائل کا محتاج نہیں ہے وہ جب چاہے جہاں چاہے جیسے چاہے ہر چیز اپنے بندوں تک پہنچا دینے کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کھانے پینے اور سایہ کے علاوہ اللہ سے ہدایت بھی مانگتے تو وہ ان کو مل سکتی تھی لیکن انہوں نے جب بھی مانگا دنیا ہی کو مانگا اگر وہ آخرت کی کامیابی مانگ لیتے تو ارحم الراحمین ان کو دنیا و آخرت سب ہی کچھ دیدیتا۔ یہ انسان کی سب سے بڑی بھول ہے کہ وہ ہر وقت دنیا ہی مانگتا رہتا ہے۔ اگر وہ آخرت بھی مانگے تو اس کو آخرت اور اس کی ابدی راحتیں بھی نصیب ہو سکتی ہیں۔ اسی لئے اہل ایمان کو یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ "اے ہمارے رب ہماری دنیا بھی اچھی کر دے اور ہماری آخرت بھی اچھی کر دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا لیجئے گا"

آج ہماری دعائیں بھی دنیا مانگنے تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اور ہر شخص کی دعا دنیا کی فلاح و بہبود تک محدود ہو کر رہ گئی ہے لیکن اہل ایمان جب بھی اللہ سے مانگتے ہیں تو وہ سب سے پہلے آخرت کی کامیابی اور پھر دنیا کی الجھنوں سے نجات کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت کی کامیابیاں عطا کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کی یہ بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ سے دنیا کی چیزیں مانگتے تھے اور ان کو آخرت کی کوئی فکر نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک اس سزا کو بھگتنے کے بعد جب وہ شہری زندگی سے قریب ہوئے تو وہاں بھی اپنے مزاج کی خرابی کا اظہار کرنے لگے عاجزی کے بجائے تکبر اور توبہ کے بجائے دنیا طلبی کرنے لگے۔ قرآن کریم قوموں کی زندگی کو آئینہ بنا کر پیش کرتا ہے اور اہل ایمان کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم بھی اس آئینہ میں دیکھ لو اگر تمہیں ان جیسی شکل وصورت نظر آئے تو پھر توبہ کر کے نبی مکرم ﷺ کا دامن تھام لو تاکہ تم بھی ان ہی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہو جاؤ جس میں پچھلی قومیں مبتلا ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر بیٹھی تھیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم لوگوں پر ظلم اور زیادتی نہیں

کرتے بلکہ لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۲

اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس بستی میں آباد ہو جاؤ۔ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور پیو اور یہ کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں اور دروازے میں جھکے جھکے داخل ہونا تو ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور بہت جلد ہم نیک کام کرنے والوں کے اجر میں اضافہ کر دیں گے۔

پھر ان میں سے جو ظالم تھے انہوں نے اس بات کو بدل ڈالا جو ان سے نہ کہی گئی تھی پھر ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۲

اُسْكُنُوْا	آباد ہو جاؤ۔ رہو سہو
حَيْثُ شِئْتُمْ	جیسے تم چاہو
حِطَّةٌ	توبہ ہے۔ گناہ اتریں
بَدَّلَ	بدل ڈالا
رِجْزٌ	عذاب

تشریح: آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۲

آپ نے اس سے پہلے کی آیات میں یہ پڑھ لیا ہے کہ بنی اسرائیل جنہیں حضرت یوسفؑ کے دور میں بہت عروج حاصل ہوا اور مصر کے اہم مقامات پر بنی اسرائیل آباد ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت یوسفؑ کے انتقال کے بعد آل فرعون نے مصر کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنی اسرائیل کو ذلیل و خوار کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس قوم کی ذلت و خواری جب انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا جنہوں نے اس قوم کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ قومیں جب اپنی زندگی کا مقصد کھو بیٹھتی ہیں تو پھر ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اور قوموں کی زندگی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ یہ مقصد اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کر کے اس کے دین کی سربلندی کے لئے مر مٹنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ قوم بنی اسرائیل اس بات کو سمجھ گئی اور اس نے فرعون جیسی طاقت سے ٹکرانے کا عزم کر لیا اور پھر یہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ یہ قوم جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے راتوں رات مصر سے نکل گئی۔ جب کوئی قوم اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑتی ہے تو پھر زمین و آسمان کی ہر چیز ان کی معاون بن جایا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سمندر کے دوسرے کنارے پر اس طرح پہنچا دیا کہ سمندر بھی راستہ دینے پر مجبور ہو گیا لیکن جب فرعون ان سمندری راستوں میں داخل ہوا تو وہی پانی اس طرح آپس میں مل گیا کہ فرعون اور اس کا لشکر اسی سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑے دشمن سے جان چھوٹ گئی۔ صحرائے سینا سے گذرتے ہوئے اللہ نے ان لاکھوں بنی اسرائیل کو ایک ایسا انتظام عطا فرمایا کہ ان کی بارہ جماعتیں بنا کر ان پر ایک ایک نگراں بنا دیا گیا تاکہ اپنے معاملات زندگی میں ہر تکلیف سے محفوظ رہیں۔ ان کو زندگی گذارنے کے لئے توریت جیسی کتاب دی گئی جس میں وہ تمام آئین و قوانین دیئے گئے تھے جن کی روشنی میں وہ زندگی کے تاریک راستوں میں آسانی سے چل سکتے تھے۔ مگر وہ اللہ کے دین کو اپنانے کے بجائے پھر ایک دفعہ اللہ کی نافرمانی کے راستے پر چل پڑے۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ ملک شام کو جہاد کر کے فتح کریں تو اس قوم کی قوت و طاقت سے اتنے مرعوب ہو گئے کہ انہوں نے نہ صرف جہاد سے انکار کر دیا بلکہ گستاخی کی انتہا کرتے ہوئے یہاں تک کہہ اٹھے کہ اے موسیٰؑ اگر تمہیں جہاد کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو تم اور تمہارا معبود اس قوم سے جا کر جہاد کر لو (ہم تو یہاں بیٹھے ہیں جب فتح حاصل ہو جائے تو ہمیں بتا دینا ہم آ کر اس پر قبضہ کر لیں گے)...... یہ اتنی بڑی نافرمانی تھی جس کی سزا ضروری تھی چنانچہ ان کو اس گستاخی کی سزا یہ دی گئی کہ وہی ملک جو ادنیٰ سی جدوجہد کے بعد حاصل ہو سکتا تھا وہ ان سے چالیس سال کے لئے دور کر دیا گیا اور صحرائے سینا میں ان کو اس طرح بھٹکا دیا گیا کہ وہ ہر روز صبح سے شام تک نکلنے کا راستہ تلاش کرتے مگر جب اگلے دن سو کر اٹھتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ گذشتہ صبح کو وہ جہاں سے چلے تھے وہ پھر وہیں پر ہیں۔ اس طرح چالیس سال تک وہ اسی "میدان تیہ" میں سرگرداں رہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ ان کو سمجھاتے رہے لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جب نبی موجود ہیں تو ان کے بغیر زندگی کی منزل کیسے مل سکتی ہے لیکن وہ اپنے زعم اور گھمنڈ میں یہی سمجھتے

رہے کہ ہم خود ہی راستہ تلاش کرلیں گے۔اسی دوران حضرت موسیٰؑ کی دعاؤں سے اللہ نے ان کو اس بیابان صحرا میں پینے کے لئے پانی کھانے کیلئے "من وسلویٰ" اور سائے کے لئے بادل کا سایہ عطا فرمایا۔لیکن وہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے اس کو اپنا حق سمجھنے لگے ان کی نافرمانی کا مزاج اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ جب چالیس سال کے بعد قوم بنی اسرائیل سے اس 'صحرانوردی' کے عذاب کو ہٹایا گیا اور یہ کہا گیا کہ جاؤ سامنے وہ شہر ہے جہاں سے تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس سے تم چالیس سال تک محروم رہے لیکن ایک شرط ہے کہ جب تم اس شہر میں داخل ہو تو عام فاتحین کی طرح شور مچاتے اور بدمستی سے داخل نہ ہونا بلکہ ادب سے جھکے جھکے داخل ہونا اور زبان پر یہ کلمہ رکھنا کہ الٰہی شکر ہے ہم توبہ کرتے ہیں۔اگر تم نے ادب واحترام اور شکر کا طریقہ اختیار کیا تو اس سے بھی زیادہ نعمتیں عطا کی جائیں گی۔چالیس سال کی سزا بھگتنے کے بعد جب یہ قوم اس بستی میں داخل ہوئی تو اس نے تمام وعدوں اور اللہ کے احکامات کو بھلا دیا اور تکبر اور غرور کے ساتھ داخل ہوئے اور زبان پر توبہ کے کلمات کے بجائے دنیا طلبی کے کلمات جاری ہوگئے۔انہوں نے اس شہری زندگی کی تمام بدمستیوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا اور جب نافرمانی کی انتہا کر دی تو پھر اللہ نے ان پر "طاعون" جیسی بیماری کا عذاب مسلط کر دیا جس سے لاتعداد بنی اسرائیل مرکھپ گئے۔یہ کون سی بستی تھی۔اس کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مفسرین کے بقول اس بستی کا نام "اریحا" تھا۔ممکن ہے اس بستی کا کوئی اور بھی نام ہو۔یہاں بحث اس شہر کے نام سے نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل کی اس نافرمانی اور ان پر عذاب سے ہے جو ان کو دیا گیا تھا۔

بنی اسرائیل کی زندگی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر وہ اپنے نبی کا کہا مانتے۔اطاعت کرتے تو جس اللہ نے صحرا میں کھانا۔پانی اور سایہ عطا کیا تھا جس نے بغیر کسی جنگ کے ایک ملک عطا کر دیا تھا اگر وہ اللہ کی شکر گذاری کا طریقہ اختیار کرتے تو اللہ ان کو اس سے بھی زیادہ نعمتوں سے نوازتا لیکن وہ وقتی بدمستیوں میں اپنے انجام کو بھول گئے۔دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک صحرا سے نکلنے کا راستہ تلاش کرتے رہے مگر وہ صبح کو جہاں سے چل کر شام کو پہنچتے تھے اگلے دن معلوم ہوتا کہ وہ تو وہیں ہیں جہاں سے چلے تھے اگر وہ اپنی مرضی کے بجائے حضرت موسیٰؑ کی بات مان لیتے اور شکر کا راستہ اختیار کر لیتے تو ایک دن میں ان کو شہری زندگی کی راحتیں نصیب ہو جاتیں اور اس دربدری سے نجات پا لیتے اگر غور کیا جائے تو آج ہماری زندگیاں بھی اس کولھو کے بیل کی طرح ہو کر رہ گئی ہیں کہ ہم برسوں محنت کے بعد جب اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دین و دنیا کے اعتبار سے جہاں سے چلے تھے وہیں پر آج بھی موجود ہیں۔

دوسرے یہ کہ جب ہمیں تنگیوں اور پریشانیوں کے بعد راحت اور سکون ملتا ہے تو ہم ایسے بدمست ہو جاتے ہیں کہ ہمیں آخرت اور اس پر چلنے والے برے لگتے ہیں کیا ہم اس آئینہ میں دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس آئینہ میں ہمیں اپنا عکس تو نظر نہیں آرہا ہے۔اگر ہمیں بنی اسرائیل جیسا محسوس ہو تو اللہ سے توبہ کرنی چاہئے اور نبی مکرم ﷺ کے دامن اطاعت ومحبت سے وابستگی اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت کے معاملے کو درست کر لینا چاہئے۔پھر ایسا نہ ہو کہ زندگی میں فرصت عمل نہ رہے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾

النصف · وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۶

اور (اے نبی ﷺ) ان سے اس بستی والوں کے بارے میں پوچھئے جو ایک سمندر کے پاس تھی جب وہ ہفتہ کے دن کے بارے میں حد سے گذر گئے تھے۔ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں پانی کے اوپر آ جاتیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو وہ پانی کے اوپر نہ آتیں اس طرح ہم نے ان کو آزمایا وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جس کو اللہ نے ہلاک کرنے یا شدید عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے معذرت کے لئے تاکہ وہ بچتے رہیں۔ پھر جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھانے کے لئے کہا گیا تھا۔ تو ہم نے ان کو بچا لیا جو برائیوں سے بچتے تھے اور ان ظالموں کو

بدترین عذاب میں مبتلا کردیا جس میں وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ان باتوں سے نافرمانی کی جن سے منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ تم بدترین بندر بن جاؤ۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۶

اِسْئَلْ	پوچھ
حَاضِرَةُ الْبَحْرِ	سمندر کا کنارہ
یَعْدُوْنَ	وہ حد سے آگے بڑھتے ہیں
اَلسَّبْتُ	ہفتہ۔ سنیچر
حِیْتَانٌ	(حُوْتٌ)۔ مچھلیاں
شُرَّعٌ	(شَارِعٌ)۔ کھلم کھلا۔ (چوڑی سڑک کو شارع کہتے ہیں)
لَا یَسْبِتُوْنَ	وہ ہفتہ کے دن میں نہ ہوتے
لِمَ تَعِظُوْنَ	تم کیوں نصیحت کرتے ہو؟
مَعْذِرَةٌ	عذر اور معذرت کے لئے
نَسُوْا	وہ بھول گئے
بَئِیْسٌ	برا۔ بدترین
عَتَوْا	انہوں نے نافرمانی کی
کُوْنُوْا	تم ہو جاؤ
قِرَدَةٌ	بندر
خَاسِئِیْنَ	ذلیل و خوار

تشریح: آیت نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۶

بنی اسرائیل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اسی میں سے یہ ایک واقعہ ہے جو انہیں ایلہ کے مقام پر پیش آیا...... واقعہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ جو ایلہ میں آباد تھا اور ان کا گذر بسر مچھلیوں پر تھا۔ اس قوم کو آزمانے کے لئے کہا گیا کہ

تم ہر روز مچھلی کا شکار کر سکتے ہو۔ صرف ہفتہ کے دن تمہیں شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے توریت کی بعض آیات سے بھی اس طرف اشارے ملتے ہیں کہ اسی وجہ سے یہودیوں نے ہفتہ کے دن ہر طرح کے کام کاج کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت ان کا محض امتحان تھا ان کو مزید آزمانے کے لئے اللہ نے یہ انتظام فرمایا کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا جس دن شکار کرنا منع تھا تو تہہ کی مچھلیاں بھی پانی کے اوپر آ جاتیں اور جب اتوار سے جمعہ تک شکار کرنے کی اجازت تھی تو اوپر کی مچھلیاں بھی پانی کی تہہ میں چلی جاتیں۔ بنی اسرائیل نے کچھ دن تو برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے حیلے بہانے کرنے شروع کر دیئے۔ طریقہ یہ اختیار کیا کہ اس سمندر کے کنارے انہوں نے چھوٹے چھوٹے تالاب بنا کر انہیں چھوٹی چھوٹی نالیوں سے ملا دیا جب ہفتہ کا دن آتا اور تہہ کی مچھلیاں اوپر آ جاتیں تو وہ ان نالیوں کو کھول دیتے جن سے سمندر کا پانی مچھلیوں کے ساتھ ان تالابوں میں جمع ہو جاتا۔ اس طرح وہ بظاہر خود تو شکار نہیں کرتے تھے لیکن پانی کے ریلے کے ساتھ جو مچھلیاں ان کے تالابوں میں جمع ہو جاتیں ان کو اتوار کے دن خوب مزے لے لے کر کھاتے اور کہتے کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار نہیں کیا بلکہ یہ مچھلیاں تو پانی میں بہہ کر خود بخود ہمارے تالابوں میں آ گئی ہیں۔ یہ بات ایسی تھی کہ وہ قوم اس امتحان میں فیل ہو گئی۔ ان کی چالاکی اللہ کو پسند نہیں آئی اور اللہ نے اس پوری نافرمان قوم کو شرف انسانیت سے محروم کر کے جانور یعنی بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا جو چند روز زندہ رہ کر سب کے سب مر گئے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ ان کو بندر نہیں بلکہ بندروں جیسی شکلیں دیدی گئی تھیں یعنی ان کے چہرے اس طرح پھول گئے تھے کہ جیسے بندروں کے پھولے ہوئے ہوتے ہیں بہر حال صحیح کیفیت کا علم تو اللہ کو ہے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم شرف انسانیت سے محروم کر دی گئی تھی۔

جب ان کو ان کے نبی یہ بتاتے کہ دیکھو اگر تم نے اللہ کی نافرمانی نہ چھوڑی اور اسی طرح تم تاویلیں کر کر کے اللہ کو ناراض کرتے رہے تو تم پر عذاب آ جائے گا اور تم اس سزا سے بچ نہ سکو گے۔ وہ کہتے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ جب تمہیں یقین ہے کہ ہم پر عذاب آ جائے گا تو پھر تم ہمیں نصیحتیں کیوں کرتے ہو۔ ان کا جواب یہی ہوتا کہ ہم محض اس لئے کہہ رہے ہیں کہ کل اللہ کے ہاں جا کر اس کی معذرت تو کر لیں گے کہ اے اللہ ہم نے تو ان کو اچھی طرح سمجھایا تھا مگر یہ ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ لوگ جو نصیحت کا حق ادا کرتے ہیں ان کو نجات ملتی ہے اور جو لوگ نافرمانی کرنے والے ہیں ان کو شدید ترین عذاب دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ نے ہفتہ کے دن نافرمانی کرنے والوں کو عبرت ناک سزا دی اور جنہوں نے نصیحت کا حق ادا کر دیا تھا اللہ نے ان کو نجات عطا فرما دی اور باقی ساری قوم کو بندر بنا کر ہلاک کر دیا۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے

۱) جس قوم کو کسی چیز سے آزمایا جائے اور وہ اس میں ناکام ہو جائے تو اس پر سزا ضرور ملتی ہے۔

۲) جو لوگ گناہ کرتے ہوئے اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ ہم گناہ گار ہیں تو ان کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے لیکن جو اپنے گناہوں کو کرنے میں مختلف تاویلیں کر کے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور ان کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ملتی۔

۳) وہ لوگ جن کو اللہ نے نصیحت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اگر وہ اس فریضہ کو ادا کرتے رہے اور نصیحت کرتے رہے اور سننے والوں نے نصیحت حاصل نہ کی تو کم از کم اللہ کے ہاں وہ لوگ اس بات پر معذرت تو کر سکتے ہیں کہ ہم نے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے۔

۴) جب اللہ کی نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ مختلف شکلوں میں اپنا عذاب مسلط کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے نافرمانوں کو شرف انسانیت سے محروم کر کے جانوروں کی شکل اور مزاج میں ڈھال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نافرمانی سے محفوظ فرمائے اور نیکیاں کرنے اور نیکیوں کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے اور برے انجام سے محفوظ فرمائے ''آمین''

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۸

اور یاد کرو جب آپ کے رب نے یہ بات بتا دی تھی کہ وہ (ان یہود پر) قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین سزائیں دیتے رہیں گے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بہت مغفرت اور رحم و کرم کرنے والا بھی ہے۔ اور ہم نے ان کو (بنی اسرائیل کو) مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں بہت سے لوگ نیک بھی ہیں اور دوسرے قسم کے لوگ بھی ہیں ہم ان کو آزماتے رہے کبھی عیش و عشرت سے اور کبھی تکلیفوں اور آفتوں سے کہ شاید وہ اللہ کی طرف پلٹ آئیں؟

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۸

تَاَذَّنَ	اطلاع دی۔خبر دی
لَيَبْعَثَنَّ	البتہ وہ ضرور بھیجے گا
سَرِيْعُ الْعِقَابِ	جلد عذاب دینے والا
قَطَّعْنَا	ہم نے ان کو منتشر کر دیا
دُوْنَ ذٰلِكَ	اس کے علاوہ
بَلَوْنَا	ہم نے آزمایا
اَلْحَسَنَاتُ	(اَلْحَسَنَةُ)۔نیکیاں
اَلسَّيِّئَاتُ	(اَلسَّيِّئَةُ)۔برائیاں

تشریح: آیت نمبر ۱۶۷ تا ۱۶۸

یہ ان دو عظیم سزاؤں کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کو اسی دنیا میں دی گئی ہیں یہ سزائیں ان کو اچانک نہیں دی گئیں بلکہ انبیاء کرامؑ کے ذریعہ صدیوں پہلے ان کو مطلع کر دیا گیا تھا۔

۱) پہلی سزا تو یہ ہے کہ رہتی دنیا تک قوم بنی اسرائیل پر ایسے لوگ مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں شدید ترین اذیتیں اور تکلیفیں دیتے رہیں گے۔

۲) دوسری سزا یہ ہے کہ ان کا مستقل کوئی وطن نہ ہوگا۔وہ ہمیشہ مختلف ملکوں میں منتشر رہیں گے یعنی ان کی کوئی اجتماعی طاقت نہ ہوگی۔ہمیشہ دوسروں کے سہارے زندہ رہیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ بخت نصر سے لے کر ہٹلر اور اسٹالن تک صدیوں سے یہودی مقہور، محکوم اور مغضوب رہے ہیں۔ ہزاروں سال سے آج تک ان کی کوئی سیاسی طاقت نہ بن سکی اور جب بھی بنی ہے تو ان کے نیچے سے زمین کھینچ لی گئی ہے۔

یہ جو آجکل عربوں کے سینے پر فلسطین میں بڑی طاقتوں کے تحت اسرائیلی ریاست بنادی گئی ہے اس کے پس پردہ روسی کمیونسٹوں اور امریکی عیسائیوں کا ہاتھ ہے ان ہی کی سازش سے وہ فلسطین کی بستیوں میں لاکر بسائے گئے ہیں۔ ان ہی کی مالی اور غذائی امداد پر وہ زندہ ہیں ان ہی کے بخشے ہوئے اسلحہ جات پر وہ ساری دنیا میں غنڈہ گردی کررہے ہیں ان ہی کی سیاسی بین الاقوامی پالیسیوں کے تحت وہ مُہرۂ شطرنج بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے لبنان اور دوسرے ملکوں میں جو کچھ کیا وہ امریکہ برطانیہ اور روس کے گٹھ جوڑ سے کیا ہے۔ جب مصر کے انوار السادات نے ۱۹۷۳ء میں فلسطین پر حملہ کیا تو چند ہفتوں میں بنی اسرائیل کے چھکے چھوٹ گئے اور ان کو اپنا وجود خطرہ میں نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ "مجھے بچاؤ کا سرخ نعرہ لگادیا گیا" روس اور امریکہ دونوں امداد کو دوڑ پڑے اب جو چند لاکھ یہودیوں کا اجتماع فلسطین میں ہوا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اوپر سے تو وہ اپنے آپ کو بڑا پرسکون بنائے ہوئے ہیں لیکن انہیں ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کب مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لئے وہ ہر اس شخص اور قوم و ملک کو جس میں ذرا بھی صلاح الدین بن جانے کی صلاحیت ہے اس پر امریکہ روس اور برطانیہ اپنے جنگی جہاز بم اور راکٹ لے کر چڑھ دوڑتے ہیں ساری دنیا میں انسانیت کی باتیں کرنے والے انسانیت کے سب سے بڑے دشمن بنے ہوئے ہیں لیکن اللہ کا یہ عجیب قانون ہے کہ روس برطانیہ اور امریکہ جنہوں نے اسرائیل کو سہارا دے کر ایک قوت اور طاقت بنانے کی کوشش کی ہے وہ خود بڑی تیزی سے مٹتے چلے جارہے ہیں برطانیہ سمٹتے سمٹتے اپنے جزیرہ تک محدود ہوکر رہ گیا ہے اب دنیا پر اس کی محض ایک دھونس باقی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے روس کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں اور مزید تباہی نظر آرہی ہے امریکہ آجکل سپر پاور ہے مگر وہ ایسی بڑی بڑی سیاسی اور اخلاقی غلطیاں کرتا چلا جارہا ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق اس کا حشر بھی کچھ مختلف نظر نہیں آرہا ہے۔ اسرائیل کے یہ سہارے بڑی تیزی کے ساتھ ٹوٹ رہے ہیں اور وہ مسلمان ملک جن کے درمیان یہ اسرائیلی ریاست دندنا رہی ہے ان ملکوں میں اسرائیل اور اس کے پشت پناہوں کے خلاف نفرت کا ایسا لاوا پک رہا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ پڑے گا دوسری طرف احادیث میں قرب قیامت کے آثار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دمشق میں نازل ہوں گے وہ مسلمانوں کی جماعت لے کر یہودیوں کے خلاف جہاد بالسیف فرمائیں گے اور یہودیوں کو تہس نہس کرکے رکھ دیں گے اب یہ اللہ کا قانون بھی نظر آرہا ہے کہ تمام یہودیوں کو ملک شام کے قریب ایک جگہ جمع کیا جارہا ہے روس امریکہ اور برطانیہ چاہتے تو یہودی ریاست الاسکا سائبریا یا آسٹریلیا میں قائم کرسکتے تھے مگر ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے جو انہوں نے یہودیوں کو ان کے مقتل میں جمع کردیا ہے اور یہودی بھی خوب احمق بن رہے ہیں اللہ کا کیا نظام ہے؟ شاید بہت جلد سامنے آجائے گا اور آئندہ یہودیوں کے لئے پھر وہ وقت آسکتا ہے کہ اگر وہ کسی پتھر کے نیچے بھی چھپنے کی کوشش کریں گے تو پتھر خود بتادے گا کہ فلاں یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

۲۱ ع ۹ ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۱۶۹ تا ۱۷۱

پھران کے بعد ایسے نالائق ان کے جانشین ہوئے جواس کتاب کے وارث وذمہ دار بنائے گئے تھے وہ گھٹیا زندگی کے فائدوں کو لوٹنے میں لگ گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔اور اگران کے پاس اس جیسا مال اور آتا تو وہ اس کو لینے کے لئے بے تاب ہو جاتے۔

کیاان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ پر سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہیں گے حالانکہ وہ اس کو پڑھ چکے تھے جواس میں (حکم دیا گیا) تھا۔اور آخرت کا گھر تو اس سے ڈرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر ہے کیا پھر تم اتنی بات نہیں سمجھتے۔اور وہ لوگ جو کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں تو ہم بھی اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔اور یاد کر جب ہم نے (طور) پہاڑ کو ان کے اوپر سائبان کی طرح اٹھایا تھا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا (تو ہم نے کہا کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں (احکامات ہیں) ان کو یادرکھو تاکہ تم تقویٰ اختیار کرسکو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۶۹ تا ۱۷۱

خَلَفَ	قائم مقام ہوا
خَلْفٌ	نالائق
عَرَضَ	سامان
اَلْاَدْنٰی	گھٹیا۔ معمولی
سَیُغْفَرُ	جلد ہی معاف کردیا جائیگا
دَرَسُوْا	انہوں نے پڑھا
یُمَسِّکُوْنَ	وہ مضبوط پکڑتے ہیں
لَا نُضِیْعُ	ہم ضائع نہیں کرتے
اَلْمُصْلِحِیْنَ	اصلاح کرنے والے
نَتَقْنَا	ہم نے اٹھایا۔ بلند کیا
اَلْجَبَلُ	پہاڑ۔ (کوہ طور)
کَاَنَّہٗ	جیسے وہ
ظُلَّۃٌ	سائبان
وَاقِعٌ	گرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۶۹ تا ۱۷۱

یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے خَلَفَ ۔ خَلْفٌ ۔ خَلَفَ ۔ کے معنی ہیں قائم مقام ۔ جانشین اور خَلْفٌ کے معنی ہیں نالائق اور برا جانشین ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے آباواجداد میں کچھ اچھے لوگ ضرور تھے لیکن ان کی جگہ پر بعد میں آنے والی نسل میں اچھے لوگوں کی تعداد گھٹتی گئی ان بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے لازمی اور ضروری تھا کہ وہ خلافت کا حق اچھی طرح ادا کرتیں چونکہ وہ کتاب اللہ کی وارث تھیں ۔ وہ اس کتاب اللہ کی پیروی سے دنیا کی امامت و رہنمائی کا فریضہ احسن طریقہ پر ادا کرسکتی تھیں مگر وہ اس کی اہل ثابت نہ ہوئیں ۔ ان کے احبار اور علماء نے مذہب فروشی شروع کردی ۔ دنیا کے حقیر ، عارضی اور گھٹیا

فوائد حاصل کرنے کیلئے نہ صرف کھلم کھلا نافرمانیاں شروع کر دیں بلکہ خوشامد اور ضمیر فروشی میں جس فرد یا طبقہ سے کچھ مال ومنصب حاصل ہونے کی امید ہوتی اس کی مرضی کے مطابق کتاب اللہ (توریت اور انجیل) میں تحریف وتبدیلی کر دیتے۔ الفاظ تو الفاظ جملے کے جملے بدل دیتے یا حذف کر دیتے یا اضافہ کر دیتے۔ اگر پھر بھی کچھ بچ جاتا تو معنی کو توڑ مروڑ کر بات کو کہیں سے کہیں تک پہنچا دیتے غرضیکہ اللہ کی کتاب ان کے ہاتھوں کا ایسا کھلونا بن کر رہ گئی تھی کہ جس بات کو جس طرح چاہتے گھما کر رکھ دیتے۔

''عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی'' عرض کے معنی مال و دولت کے بھی ہیں اور اس چیز کے بھی جو مال دے کر خریدی جاتی ہے مگر عرف عام میں اسے جوہر (اصل) کے مقابلے میں نقل، کھوٹ اور جھاگ کے لئے بولتے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ اللہ کی آیات کے مقابلے میں دنیا کا مال ومتاع اتنا ہی حقیر بے حقیقت اور ناپائدار ہے جتنا کسی چیز کا جھاگ بے حقیقت ہوتا ہے...... لفظ ''ادنیٰ'' کے مادے ہیں ''دنو'' اور ''دنی'' دنو کے معنی ہیں قریب اور نزدیک کے اور دنی کے معنی ہیں ذلیل وخوار اسی سے لفظ دنیا بنا ہے جس کے دونوں معنی آتے ہیں قریب اور نزدیک کے بھی اور حقیر وذلیل کے بھی یعنی وہ لوگ آخرت کی ابدی راحتوں کے مقابلے میں جو چیز لے رہے ہیں وہ جھاگ کی طرح بے حقیقت چیز ہے۔ اور وہ اس ذلیل جگہ (دنیا) کا جھاگ ہے۔

دنیا کے بھی دونوں معنی ہیں۔ اگر دنیا کو آخرت کے لئے اختیار کیا جائے تو پھر اس کے معنی ہوں گے آخرت سے قریب لیکن اگر دنیا اور اس کی چیزوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کیا جائے تو اس سے ذلیل وخوار چیز کوئی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جس کتاب کے ذریعہ وہ دنیا کی امامت ورہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتے تھے انہوں نے اس کو چھوڑ کر دنیا کے وقتی مفادات اور فائدوں کو لینے کے لئے اللہ کی کتاب کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر اس پر وہ شرمندہ ہونے کے بجائے یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے چہیتے اور پیارے ہیں وہ اللہ ہماری ساری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ اس ڈھٹائی غلط گمانی اور فریب خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گناہوں اور معافی کی طرف مائل ہونے کے بجائے ایمان ودین فروشی میں اس طرح مگن ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا۔ جہاں ہڈی نظر آئی اسی طرف لپکنے لگے۔ بے ایمانی اور ضمیر فروشی کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو نہیں پڑھا تھا یا اس سے ناواقف تھے بلکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس مقدس کتاب میں یہ معاہدہ موجود ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ وہ جھوٹ فریب اور تحریف کو اللہ کے نام پر پیش نہیں کریں گے۔ اپنی بنائی ہوئی باتوں کو یہ کہہ کر پیش نہیں کریں گے کہ یہی توریت ہے یہی کلام الٰہی ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سب کچھ کر لینے کے بعد ان کا یہ فریب کہ اللہ ہمارے سارے گناہوں کو معاف کر کے ہمیں جنت کی ساری نعمتیں عطا فرمادے گا۔ ایسا نہیں ہوگا بلکہ اگر ان کے گناہوں پر گرفت کر لی گئی تو ان کا اللہ کے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہ ہو گا۔ البتہ اگر کبھی کبھار انجانے میں اچھے لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے اور اس پر وہ نادم وشرمندہ ہوتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں تو ان کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دوسروں کی بھی بھلائی کے کام کرتے ہیں وہ کتاب اللہ پر خوب عمل کرتے ہیں۔ جو ان کو حکم دیا گیا تھا اس پر وہ عمل کرتے ہیں اور جس سے منع کیا گیا ہے اس سے رکتے اور احکام الٰہی کی

پابندی کرتے ہیں۔ وہ نماز نہ صرف خود پڑھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی نمازوں کی پابندی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ دوسروں کو تبلیغ وتلقین کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

آیت نمبر ۱۷۱ میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کا بیان سورہ بقرہ میں بھی آچکا ہے جہاں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے کوہ طور اٹھا کر بلند کر دیا تھا'' یہاں ارشاد ہے کہ ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر سائبان کی طرح مسلط کر دیا تھا۔ جس کو وہ سمجھ رہے تھے کہ نہ جانے کب یہ پہاڑ ان کے اوپر گر پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کی عہد شکنی ایمان فروشی اور تحریف کی عادت حد سے زیادہ گذر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ (طور) کو مسلط کر دیا اور کہا گیا کہ اگر تم نے ان احکامات کی پابندی نہیں کی جن کا حکم دیا گیا تھا تو اس پہاڑ کو تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ خوف کے مارے بنی اسرائیل نے ''تجدید عہد کیا'' اس کے بعد اس پہاڑ کے عذاب کو ان سے ہٹا لیا گیا۔ جب پہاڑ کا عذاب ہٹ گیا تو وہ پھر گناہوں پر دلیر ہو گئے۔

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے کہ ''لا اکراہ فی الدین'' یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اس کے واضح معنی یہ ہیں کہ کسی غیر مسلم کو زبردستی ڈرا دھمکا کر مسلم بن جانے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن جب وہ سوچ سمجھ کر خوشی سے اسلام قبول کرلے گا اور وہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جائے گا تو اسے احکام الہیٰ کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ان احکامات کی پابندی کے لئے جبر واکراہ کیا جاسکتا ہے۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۴

اور یاد کرو جب آپ ﷺ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی نسلوں کو نکال کر ان کو ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنا کر پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟۔ سب نے کہا ''جی ہاں

کیوں نہیں'' ہم نے اقرار لیا تا کہ کبھی تم قیامت میں یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا تم کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد کی نسل ہیں کیا آپ ہمیں اس گناہ میں پکڑ رہے ہیں جو گمراہوں نے کیا۔ اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ باز آ جائیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۴

ظُهُوْرٌ	(ظَهْرٌ)۔ پیٹھ
اَلَسْتُ	کیا میں نہیں ہوں؟
شَهِدْنَا	ہم نے اقرار کیا
اَشْرَكَ	شرک کیا
اَلْمُبْطِلُوْنَ	باطل پر جم جانے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۷۲ تا ۱۷۴

پچھلی آیات میں دو وعدوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لئے ہیں۔ (۱) ایک کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کرنے سے پہلے اور دوسرا معلق کرنے کے بعد اسی طرح قرآن کریم میں بہت سے عہد، میثاق اور وعدوں کا ذکر ہے جو مختلف جماعتوں سے لئے گئے ہیں ان آیات میں ایک مقدس ترین عہد کا ذکر فرمایا گیا ہے جسے خود حق تعالیٰ شانہ نے براہ راست اپنے تمام بندوں سے لیا ہے اس عہد کا نام ''عہد الست'' ہے۔

اس عہد الست کے لئے بہت سی روایات موجود ہیں جن میں اس عہد کی وضاحت فرمائی گئی ہے کچھ حضرات نے حضرت عمر فاروقؓ سے اس میثاق اور عہد کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کچھ صحابہ کرامؓ نے یہ سوال رسول اللہ سے کیا تو جو جواب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ میں نے سنا وہ یہ تھا کہ:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا، پھر اپنا دست قدرت ان کی پشت پر پھیرا تو ان کی پشت سے جو نیک انسان پیدا ہونے والے تھے وہ نکل آئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت ہی کے کام کریں گے پھر دوسری دفعہ ان کی پشت پر دست قدرت پھیرا تو جتنے گناہ گار بدکار انسان تھے ان کو نکال کر کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں نے

ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں والے ہی کام کریں گے۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ) جب پہلے ہی جنتی اور جہنمی متعین کر دیئے گئے تھے تو پھر عمل کس مقصد کے لئے کرایا جاتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو وہ اہل جنت ہی کے کام کرنے لگتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو جہنم کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو وہ دوزخ ہی کے کام میں لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ کسی ایسے کام پر ہوتا ہے جو اہل جہنم کا کام ہے مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم نہیں کہ وہ کس طبقہ میں داخل ہے تو اس کو قوت اختیار ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جو اہل جنت کے ہیں اور یہی امید رکھنا چاہئے کہ وہ ان ہی میں سے ہوگا اس حدیث کی وضاحت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو انسان کی فطرت میں رکھدیا ہے...... نبی کریم ﷺ نے اسی بات کو اس حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ:

"كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْيُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ". (بخاری ومسلم)

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو (اپنے رنگ میں ڈھال کر) یہودی، عیسائی یا ستارہ پرست مشرک بنا لیتے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسانی بچہ جو اس دنیا میں قدم رکھتا ہے وہ پیدائشی گناہگار یا کافر نہیں ہوتا بلکہ اس کے اردگرد کا ماحول جو اسکے والدین بنا لیتے ہیں اس بچے کو وہ اس رنگ میں ڈھال لیتے ہیں کسی کو یہودی کسی کو عیسائی اور کسی کو مشرک بنا لیتے ہیں اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایک انسانی بچہ اگر کسی مشرک، کافر اور بت پرست کے گھر میں پیدا ہوتا ہے تو وہ مشرک، کافر اور بت پرست نہیں ہوتا بلکہ وہ فطرت اسلام لے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی فطرت کی وجہ سے جہنم میں نہیں بھیجیں گے بلکہ اس کو اہل جنت کا خادم بنا دیں گے۔

جب کسی مسلمان گھرانے میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ اس بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اگر غور کیا جائے تو ایک ایسا بچہ جس نے ابھی دنیا میں قدم رکھا ہے اس کے کان میں اذان اور اقامت کہی جا رہی ہے۔ اقامت کے کیا معنی ہیں؟ کیا وہ اس کو سمجھ رہا ہے؟ لیکن پھر بھی حکم ہے کہ اس کے کان میں اللہ اور اس کے رسول کا نام ڈال دیا جائے تاکہ وہ عہد جو اس نے اپنے رب سے "روز ازل" کیا تھا وہ یاد دلا دیا جائے۔

وہ بچہ جو چند گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا وہ بات کو سمجھتا ہے؟ موجودہ تحقیق یہ ہے کہ جو کچھ اس کے کان کے راستے بات پہنچ رہی ہے وہ اس کو سمجھتا ہے لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا بچہ اس ٹیپ ریکارڈر کی طرح ہے جو ہر بات کو اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں۔ یہ ایک مشین ہے جو غیر محسوس طریقے سے چل رہی ہے لیکن درحقیقت وہ ہر اس بات کو نوٹ کرتی جا رہی ہے جو اس کے سامنے کی جاتی ہے۔

یہی حال اس چند گھنٹے کے بچے کا بھی ہے کہ اس کی فطرت میں جو عہد و میثاق ہے جب اللہ اور اس کے رسول کا نام

لیا جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔

پھر انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے ہیں اور وہ انسان کی فطرت کے اس عہد کی یاد دلاتے ہیں جو اس کی روح نے اپنے رب سے کیا تھا جو سعادت مند روحیں ہوتی ہیں وہ دین کی سچائیوں کو قبول کرتی ہیں اور جو بد بخت اور بد نصیب لوگ ہیں وہ ان سے روگردانی کرتی ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام اسی عہد کو یاد کرانے تشریف لاتے رہے یہاں تک کہ سارے نبیوں کے بعد آخر میں خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے جنہوں نے نہ صرف اسلام کی روشنی کو دلوں تک پہنچایا بلکہ آج ان کا ہر عمل اس طرح روشن وتاباں ہے کہ جو بھی عمل کرے گا اس کی فطرت اپنے پروردگار کے اس عہد کے لئے پکار اٹھے گی کہ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔

ان تمام روشنیوں کی موجودگی میں اب انسان کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اے میرے رب مجھے تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ میں نے آپ سے کیا اور کب عہد کیا تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۷

اور (اے نبی ﷺ) ان کو اس شخص کا حال سنائیے جس کو ہم نے آیتیں دی تھیں۔ پھر وہ ان سے نکل بھاگا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے سبب بلندی عطا کرتے لیکن وہ تو زمین کی طرف جھک گیا۔ اور اپنی خواہشوں کے

پیچھے لگ گیا۔ پھر اس کی مثال کتے کی جیسی ہوگئی کہ اگر اس پر بوجھ لادا جائے تب بھی وہ ہانپتا ہے یا اس کو چھوڑ دیا جائے تب بھی وہ ہانپتا ہے یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آپ ان واقعات کو بیان کر دیجئے شاید کہ وہ اس پر غور و فکر کریں۔ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۷

اِنْسَلَخَ	وہ نکل بھاگا
اَتْبَعَه'	اس کے پیچھے لگ گیا
اَلْغٰوِیْنَ	گمراہ
رَفَعْنَا	ہم نے بلند کر دیا
اَخْلَدَ	(اِخْلَادٌ)۔ وہ جھک گیا۔ مائل ہو گیا
کَمَثَلِ الْکَلْبِ	جیسے کتے کی مثال
اِنْ تَحْمِلْ	اگر تو بوجھ رکھے
یَلْهَثْ	وہ ہانپتا ہے
تَتْرُکْه'	اس کو چھوڑ دے
اُقْصُصْ	بیان کر دے

تشریح: آیت نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۷

یہ کوئی مخصوص شخص تھا یا بات عام کی جارہی ہے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بہر حال مفسرین کا خیال اس طرف گیا ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص شخص ہے۔ جس کا نام بلعم ابن باعورا تھا جو اپنے وقت کا بہت بڑا عالم، عارف اور مشہور پیشوا تھا لیکن اپنے تمام تر علم و تقویٰ کے باوجود جب وہ دنیا کے لالچ میں اندھا ہو گیا تو اس کی ساری علمی عظمتوں کو اس سے چھین لیا گیا اگر وہ اپنے علم کا حق ادا کرتا اس کے احکامات کی پابندی کرتا تو یقیناً اس کا مقام ہی کچھ اور ہوتا لیکن جب اس پر دنیا پرستی کا غلبہ ہو گیا تو وہ اپنی بنیادی

عظمتوں سے محروم ہو گیا۔

اگر اس آیت کے مفہوم کو عام رکھا جائے تو اس میں تمام وہ لوگ آ جاتے ہیں جن کو اللہ نے اپنے دین کا علم عطا فرمایا۔ اس علم کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ خود بھی سگ دنیا بننے سے بچتے اور دوسروں کو بھی بچاتے لیکن جب وہ سگ دنیا بن گئے تو اوروں کو دنیا پرستی لالچ اور حرص سے کیسے روکیں گے۔

''ترک دنیا'' جس کو رہبانیت کہتے ہیں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ لوگوں کا گھڑا ہوا وہ طریقہ زندگی ہے جس کو نہ تو اللہ نے پسند فرمایا ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ نے لیکن دنیا کے لالچ میں دین کو بھی بیچ ڈالنا اور اپنے مفاد کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو چھوڑ بیٹھنا انتہائی بدقسمتی ہے۔ البتہ دین کی عظمتوں کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کیلئے جدوجہد کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ یہاں قرآن کریم جس چیز سے منع کر رہا ہے وہ دنیا کا کتا بن جانے سے منع کر رہا ہے یعنی محض لذت اور شہوت کے پیچھے غرق رہنا۔ اللہ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق کو بھول جانا تمام توجہات کا مرکز و محور اپنے نفس کو بنالینا۔ ایسے شخص کی مثال کتے سے دی گئی ہے جس کی ہر وقت لٹکی ہوئی زبان اور ٹپکتی ہوئی رال اس چوبیس گھنٹے حرص وہوس کا پتہ دیتی ہے جس کا نعرہ ہے ''ہائے پیٹ، ہائے جنس'' آجکل تمام دنیا پرستوں کا نعرہ ایک ہی ہے جس میں جسم و جنس کی خواہشات ہی سب کچھ ہیں۔

یہ شیطان کے ہاتھ میں دو عظیم ہتھیار ہیں وہ ان ہتھیاروں سے بڑے بڑے خواص کو شکار کرتا ہے علم والے، کرسی والے، دولت والے، طاقت والے سب اس کی لپیٹ میں ہیں۔

اس جگہ ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی ہے جسے اللہ نے اپنی آیات کا فہم و تدبر نصیب کیا تھا۔ مگر وہ علم اور دین کی پابندیوں سے فرار ہو کر سگ دنیا بن کر رہ گیا۔ شیطان اس کو ایک دوسری پستی کی طرف دھکیلتا رہا یہاں تک کہ اس کو اسفل سافلین تک پہنچا دیا۔

یہی ہر اس شخص کی بدقسمتی ہے جو حق و صداقت سے منہ موڑ کر اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷۸ تا ۱۷۹

جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے اور جس کو بھٹکا دے تو وہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں اور بیشک جن اور انسانوں میں سے بہت سے وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے جہنم کے لئے پھیلا دیا ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے لئے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں یہ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی گئے گذرے لوگ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷۸ تا ۱۷۹

ذَرَاْنَا ہم نے پھیلا دیا

لَا يَفْقَهُوْنَ وہ نہیں سمجھتے ہیں

اَعْيُنٌ (عَيْنٌ)۔ آنکھیں

اٰذَانٌ (اُذُنٌ)۔ کان

كَالْاَنْعَامِ جیسے جانور

اَضَلُّ زیادہ گئے گذرے

تشریح: آیت نمبر ۱۷۸ تا ۱۷۹

انسان دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی فطری صلاحیتوں کو صرف اپنے اہل و عیال اور خوشی و مسرت اور عیش و آرام کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی ساری تگ و دو صرف دنیاوی مفادات حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

دوسرے وہ ہیں جو آخرت کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کو ایک سیڑھی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آخرت کمانے کے لئے صرف اتنی ہی دنیا کماتے ہیں جو ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کردے۔

ان دونوں میں سے ایک کا مقصد زندگی برائے زندگی ہے اور دوسرے کا مقصد زندگی برائے بندگی ہے۔

یہاں ان لوگوں کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے جو صرف کھانے پینے اور عیش و آرام ہی کو زندگی کا مقصد بنا کر اس کے

پیچھے دوڑ رہے ہیں انہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے ان کے پاس جو دل ہے وہ فکر آخرت سے محروم ہے۔ ان کے کان ہیں مگر دین کی بات سننے کے لئے نہیں ان کی آنکھیں ہیں مگر حقیقت کو دیکھنے کے لئے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جہنم میں جانے پر تلے بیٹھے ہیں۔

لیکن وہ لوگ جن کا مقصد آخرت اور اس کی ابدی راحتیں ہیں ان کے قلب ونظر اور فکر کا دائرہ آخرت تک وسیع ہے اور یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کرنے والے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

۲۲ ع ۱۰ ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸۰ تا ۱۸۳

اور اللہ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو جو ان ناموں کے ساتھ بے دینی کرتے ہیں۔ بہت جلد وہ اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دیئے جائیں گے۔ اور ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو سچائی کے ساتھ رہنمائی کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم آہستہ آہستہ ان کو ایک ایسے مقام کی طرف لے جائیں گے جہاں ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دے رہا ہوں بے شک میری تدبیر بہت زبردست ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸۰ تا ۱۸۳

يُلْحِدُوْنَ	وہ ٹیڑھے چلتے ہیں
سَنَسْتَدْرِجُ	ہم آہستہ آہستہ پکڑیں گے
اُمْلِيْ	میں مہلت دیتا ہوں

كَيْدِیْ	میری تدبیر
مَتِیْنٌ	بہترین ہے۔ بہت پکی ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۸۰ تا ۱۸۳

ان آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ یہ نام تقریباً قرآن کریم میں آتے ہیں۔ اللہ اس کا ذاتی نام ہے باقی تمام اسمائے صفات ہیں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اللہ کو ہمیشہ اس کے اچھے ناموں سے پکارو۔ لوگوں نے جو اللہ کے مشرکانہ نام رکھے ہوئے ہیں ان کو چھوڑ دو کیونکہ وہ نام گندے اور برے نام ہیں۔ اگر کوئی برے گندے اور مشرکانہ ناموں سے اس کو پکارے گا تو اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں اس کو ان ہی ناموں سے یاد کرو۔ جو شخص ان ناموں کا ورد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں اور (۲) وہ بہت اچھے نام ہیں انسانوں کی بھول ہے کہ وہ اللہ کے ایسے بہترین نام چھوڑ کر مشرکانہ نام رکھتے ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت بت پرستوں نے اپنے بتوں کے متعدد نام رکھے ہوئے تھے اور وہ ان سے ہی اپنی مرادیں مانگتے تھے جیسے لات، منات، عزیٰ ھبل وغیرہ۔ انہوں نے ہر بت کے ذمے کچھ ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں کوئی بت بارش برساتا تھا کوئی اولاد دیتا تھا اور کسی کے ذمے رزق دینا تھا۔ یہ ساری باتیں انہوں نے خود سے گھڑ رکھی تھیں اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے صفاتی نام ہیں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ اللہ کی طرف ان ناموں کی نسبت بھی نہ کی جائے اس کے بہت سے بہترین نام ہیں اس کو ان ہی ناموں سے پکارا جائے۔ نہ اللہ کی ذات کو سمجھنے کیلئے اپنی طرف سے مثالیں گھڑی جائیں اور نہ اس کے طرح طرح کے نام رکھے جائیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو وہ نام پسند ہیں جو اللہ کے ذاتی اور صفاتی نام ہیں۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اپنے بچوں کے نام اللہ کے ناموں سے منسوب کئے جائیں جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ مگر اس میں یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کسی کا نام عبدالرحمٰن ہو تو اس کو رحمٰن نہ کہا جائے بلکہ عبدالرحمٰن کہا جائے۔ بدقسمتی سے جو لوگ عبدالرحمٰن، عبدالرزاق نام رکھ لیتے ہیں وہ ان کو رحمٰن صاحب اور رزاق صاحب کہہ کر پکارتے ہیں یہ جائز نہیں ہے نام پورا لیا جائے۔

موجودہ دور میں بھی یہ فتنہ ایک نئی شکل کے ساتھ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو ہم نے اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھنا ہی چھوڑ دیئے ہیں۔ حالانکہ نام کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ مسلم امت کی پہچان ہے۔ شکل صورت تو ہماری قوم نے ایسی بنالی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہوتا۔ نام ہی ایک پہچان کا ذریعہ تھا وہ پہچان بھی ختم کر دی گئی۔ مغربی ملکوں

میں تو سارے امتیازات ختم کر کے نئی نسل کی زبان کی پہچان بھی ختم کر دی گئی اور ہمیں اس بات پر بہت فخر ہوتا ہے کہ ہمارا بچہ ہماری زبان نہیں سمجھتا۔ حالانکہ یہ بات تو ڈوب مرنے کی ہے فخر کی بات نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک فیشن بن گیا ہے جب دوسری قوموں کی شکل صورت بنالی گئی نام بھی مسلمان نہ رہا اور زبان بھی اپنی نہ رہی تو آنے والی نسلوں کا اللہ ہی مالک ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ ناموں کے بارے میں ایک بے اعتدالی تو یہ ہے دوسری طرف وہ لوگ جو اللہ کی صفات کیساتھ نام رکھتے ہیں اس میں عبدیت کا لفظ ہی نکال دیا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن، عبدالصمد عبدالرزاق عبدالخالق کہنے کے بجائے رحمٰن صاحب صمد صاحب رزاق صاحب خالق صاحب نام کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ اس طرح ناموں کو لینا گناہ کبیرہ میں سے ہے لیکن ہم بڑی آسانی سے اس گناہ کبیرہ کو کرتے چلے جا رہے ہیں اور اس کا ذرا احساس نہیں کرتے کہ اس طرح کہنا کتنا بڑا گناہ ہے۔

نام رکھنا ایک فن ہے۔ سائنس کی جو ایجادات ہو رہی ہیں یا نئے قوانین فطرت جو دریافت ہو رہے ہیں یا نئی تحقیقات اور معلومات حاصل ہو رہی ہیں ان کے نام رکھے جا رہے ہیں ان ناموں کے پیچھے ایک سائنس ہے ایک فن ہے جس پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی ہے اور اصول مقرر کئے ہیں۔ ناموں سے چند چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ نام رکھنے والے کی عقل علم، نفرت، محبت یا عقیدت مسمّٰی یعنی جس کا نام رکھا جائے اس کی تعریف خصوصیت، خوبی، خرابی، عزت ذلت وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً لفظ اسلام ہے اس لفظ سے دین اسلام کی غرض وغائت ایک نگاہ میں معلوم ہو جاتی ہے یہ نام کسی شخص واحد کے نام پر نہیں بنا۔ مثلاً یہودیت، زرتشت، کنفیوشس بدھ ازم وغیرہ یا بے معنی جغرافیائی لفظ ہیں مثلاً ہندو ازم تاؤ ازم یا جین ازم وغیرہ اس کے برخلاف دوسری طرف لفظ اللہ ہے یہ لفظ بھی خود اپنے اندر ایک بہت بڑی حقیقت لئے ہوئے ہے۔

یہ لفظ صرف حق تعالیٰ شانہ کے لئے مخصوص ہے اس کا نہ مؤنث ہے نہ تثنیہ ہے نہ جمع ہے نہ سبب ہے نہ نتیجہ ہے۔ یہ لفظ دین اسلام کی پہچان ہے۔ کوئی قوم اس کو استعمال نہیں کرتی دوسرے مذاہب نے جو اپنے دیوی دیوتاؤں، بتوں اور معبودوں کے نام رکھے ہیں ان کے مقابلہ میں یہ لفظ اللہ نہایت اعلیٰ وارفع اور اسلام کی وحدانیت کا ترجمان ہے اس ذات کو اسی نام یا اس کی بہترین صفات سے پکارا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ تصریح فرمادی ہے کہ دنیا میں جہاں بہت سے برے لوگ ہیں وہیں اچھے لوگ بھی ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

نبی کریم ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا اس وقت جہاں وہ لوگ تھے جو اللہ کو برے ناموں سے یاد کرتے اور من گھڑت عقائد میں پھنسے ہوئے تھے وہیں وہ اچھے لوگ بھی تھے جو کفار کی ان باتوں سے نفرت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو برے راستے پر چل پڑے ہیں ہم آہستہ آہستہ ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے ہیں کیونکہ ہماری تدبیریں آہستہ ہوتی ہیں مگر پائیدار اور پختہ ہوتی ہیں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸۴ تا ۱۸۶

اور کیا وہ غور وفکر نہیں کرتے کہ ان کے رفیق پر کوئی جنون طاری نہیں ہے وہ تو صاف صاف طریقے سے ڈرانے والے ہیں۔

اور کیا انہوں نے زمین وآسمان میں غور نہیں کیا اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ اور انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان کی زندگی کی مہلت بہت قریب آ گئی ہے پھر وہ کونسی بات ہوگی جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ جس کو اللہ بھٹکا دے اس کو راستہ دکھانے والا کوئی نہیں۔ اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں گھومنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸۴ تا ۱۸۶

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا	کیا اور وہ غور نہیں کرتے؟
جِنَّة	جنون۔ دیوانگی
اِقْتَرَبَ	قریب ہے
اَیُّ حَدِيْثٍ	کونسی بات
مَنْ يُّضْلِلْ	جس کو گمراہ کر دے
هَادِی	ہدایت دینے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۸۴ تا ۱۸۶

وقت کے دھارے کے خلاف جب بھی کوئی تحریک اٹھتی ہے جو قائم شدہ نظام وقت سے ٹکراتی ہے اوران لوگوں کے مفادات پر چوٹ پڑتی ہے جنہوں نے مذہب کے نام پر دوسروں کو بے وقوف بنایا ہوا ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اس شخص کی ذات کو نشانہ بناتے ہیں جو اس دعوت کو لے کر اٹھتا ہے تا کہ لوگ اس کی باتوں کو دیوانے کی بڑسمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ یہی صورت حال اس وقت پیش آئی جب خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بتوں کو پوجنے والے اور رسموں کو مذہب کا نام دینے والوں کو للکارا۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے تمام قبیلوں کو ایسے الفاظ سے پکارا جیسے دشمن کے خطرہ کے وقت بولے جاتے تھے۔ مکہ کے تمام لوگ اس تصور کے ساتھ پہاڑ پر پہنچ گئے کہ شاید کسی دشمن نے مکہ پر حملہ کر دیا ہے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہر قبیلے کو نام بنام پکار کر ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا، موت، قیامت اور زوال وفنا کا نقشہ کھینچ کر فکر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا۔

یہ سن کر بعض منکرین اور کفار مکہ نے کہا (نعوذ باللہ) ان کو جنون ہو گیا ہے یہ روایت اور بھی متعدد طریقوں سے قرآن کریم میں اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

وہی لوگ جو آپ کے عقل وفہم کے قائل تھے صادق وامین کہنے سے جن کے منہ سوکھتے تھے جیسے ہی ان کی رسموں اور بتوں اور چلتے دھارے کے خلاف بات کہی گئی تو انہوں نے اللہ کے پیارے نبی ﷺ پر جنون کا الزام لگا دیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ اس بات پر غور وفکر نہیں کرتے کہ ان کے رفیق حضرت محمد ﷺ کسی جنون میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ وہ تو تمہارے برے انجام سے ڈرانے والے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا بچپن، جوانی اور ادھیڑ عمری کا زمانہ اور ایک ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔ چالیس سال تک آپ نے ان کے اندر اپنی زندگی کا وقت گذارا تھا۔ ہمیشہ آپ کو صادق وامین، دانشمند اور سلیم الفطرت سمجھتے رہے اب جو انہوں نے حق وصداقت کی باتیں شروع کیں تو انہوں نے آپ ﷺ پر طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں یہانتک کہ آپ کے خلاف جنونی ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اللہ نے فرمایا ہے کہ جس کی ساری زندگی تمہارے درمیان گذری ہے ان پر اس طرح کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اس بات پر تو تمہارا دل بھی گواہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر جنون کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ان کی عقل وحکمت کے سامنے تم اور ساری دنیا کے عقلا اور حکما حیران وششدر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس احمقانہ انداز فکر پر فرمایا ہے کہ اگر تم کائنات کے حسن انتظام پر غور وفکر کرو تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ اس پوری کائنات کا خالق ومالک اللہ ہی ہے۔ اس کی ہر چیز اس کے خالق ہونے پر گواہ ہے۔ یہ زندگی کا مختصر سا

عرصہ ہے جس میں غور فکر کر کے اللہ پر ایمان لے آنے والے ہی کامیاب و بامراد ہوں گے۔ لیکن جنہوں نے اس وقت کو غفلت میں گذار دیا ان کو راہ ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

فرمایا کہ ہمارا نبی تمہارے سامنے اسی حقیقت کو رکھ رہا ہے۔ اگر تم اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بھٹکنا ہی تمہارا مقدر بن چکا ہے۔ تم دوزخ میں جانے پر تلے بیٹھے ہو۔ رسول ﷺ کے سوا اور کون ہے جو تمہیں راہ ہدایت دکھا سکے۔ جس کو اللہ ہی بھٹکا دے اس کو راستہ ملنا مشکل ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

وقف منزل — وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸۷ تا ۱۸۸

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ وہی اس کو اپنے وقت پر کھول کر دکھائے گا البتہ وہ دن زمین اور آسمانوں کے لئے بڑا بھاری ہوگا۔ اور وہ گھڑی اچانک ہی آئے گی۔

وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے آپ اس کی تلاش اور کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع اور نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو میں بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی تکلیف ہی

نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور ایسے لوگ کو خوش خبری سنانے والا ہوں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸۷ تا ۱۸۸

یَسْئَلُوْنَکَ	وہ آپ سے پوچھتے ہیں
اَیَّانَ	کب
مُرْسٰی	(اِرْسَاءٌ)۔ٹھہرنا۔قائم رہنا
لَا یُجَلِّیْ	وہ ظاہر نہیں کرتا
ثَقُلَتْ	بھاری ہے
حَفِیٌّ	کھوج لگانا۔تلاش کرنے والا
لَا اَمْلِکُ	میں مالک نہیں ہوں
لِنَفْسِیْ	اپنی جان کے لئے
لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ	میں غیب کا جاننے والا نہیں ہوں
لَا سْتَکْثَرْتُ	البتہ میں بہت کچھ سمیٹ لیتا
مَا مَسَّنِیْ	مجھے نہ پہنچتی
اَلسُّوْءُ	کوئی تکلیف۔برائی

تشریح: آیت نمبر ۱۸۷ تا ۱۸۸

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس بات کو وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کچھ چیزیں وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب میں رکھا ہے ان ہی میں سے قیامت بھی ہے۔ قیامت کب آئے گی کس طرح آئے گی اس کی بعض علامات تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں مگر اللہ نے اس کا علم کسی کو بھی نہیں دیا کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جتنی معلومات دینا چاہتا ہے اور مناسب سمجھتا ہے دے دیتا ہے اس سے زیادہ پردہ غیب میں رکھا گیا ہے۔

ان آیات میں دومرتبہ یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اور صرف اللہ کو ہے اس نے اس کو بڑی مصلحتوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہے۔ یہاں اتنا بتا دیا گیا ہے کہ قیامت اتنا ہولناک واقعہ ہے کہ جب آئے گی تو سب کو معلوم ہو جائے گی وہ آہستہ آہستہ تدریجی منزلوں سے گذر کر نہیں آئے گی بلکہ وہ اچانک آئے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں (حسب معمول) مشغول ہوں گے ایک شخص کپڑا فروخت کر رہا ہوگا ابھی گاہک سے قیمت طے کرنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ قیامت آموجود ہوگی۔ ایک شخص دودھ دوہ رہا ہوگا۔ ایک شخص کھانے کا لقمہ اٹھائے گا ابھی وہ لقمہ منہ تک نہ پہنچے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

قیامت کی تاریخ دن اور گھڑی کو اس طرح پوشیدہ رکھا گیا ہے جس طرح کسی کی موت کی گھڑی۔ اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ پردہ غیب میں چھپا رکھا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ کل اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

یہاں حضور اکرم ﷺ کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں اپنی ذات کیلئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا وہی ہوتا ہے جسے اللہ جہاں جیسے چاہے کرتا ہے۔ اگر مجھے غیب اور آئندہ کے پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور بہت سے نقصانات سے بچ جاتا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم

مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸۹ تا ۱۹۰

وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی نے اس جان سے اس کے جوڑے کو بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کر سکے۔ پھر مرد جب اس پر چھا جاتا ہے تو اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتی پھرتی ہے پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں مل کر اللہ سے جو

ان کا مالک ہے اس سے دعا کرتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تونے ہمیں بہترین اولاد دیدی تو ہم تیرا شکر کرنے والے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ ان کو بہترین اولاد دے دیتا ہے تو وہ دونوں شرک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ ان تمام چیزوں سے بلند ہے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۸۹ تا ۱۹۰

زَوْجٌ	جوڑا
لِيَسْكُنَ	تا کہ وہ سکون حاصل کرے
تَغَشّٰى	وہ چھا جاتا ہے
حَمَلَتْ	اس نے اٹھالیا
حَمْلًا خَفِيْفًا	ہلکا سا بوجھ
مَرَّتْ	وہ چلی۔ پھری

تشریح: آیت نمبر ۱۸۹ تا ۱۹۰

ان آیات میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پہلا انسان (حضرت آدمؑ) اور پہلی عورت (حضرت حوا) کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اپنے دست قدرت سے بنایا۔ میاں اور بیوی کے بنانے اور پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں ذہنی سکون، جسمانی لذت اور راحت حاصل کریں۔

۲) دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کے ملنے سے محض جسمانی سکون اور لذت ہی حاصل نہ ہو بلکہ ایسی نسلیں تیار ہوں جن سے کائنات میں رونق پیدا ہو۔

۳) جب میاں اور بیوی کا اختلاط ہوتا ہے تو اس سے ایک ہلکا سا حمل ٹھر جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عورت چلتی پھرتی ہے۔ وضع حمل کا وقت بہت نازک ہوتا ہے اس میں زچہ اور بچہ دونوں کی جان کو خطرہ ہوتا ہے۔ حمل اور وضع حمل کے دوران بچے کے ماں اور باپ بہت سی جذباتی کیفیات سے گذرتے ہیں یہی فکر رہتی ہے کہ بچہ صحیح سالم بھی پیدا ہوگا یا نہیں صورت شکل کیسی ہوگی خوبصورت ہوگا یا بدشکل بدعقل ہوگا یا صاحب عقل و فہم وغیرہ وغیرہ جیسے جیسے وضع حمل کا وقت قریب آنے لگتا ہے تو یہ جذباتی کیفیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور دونوں مل کر اللہ سے دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہماری اولاد کو خیر و خوبی سے پیدا فرما اور وہ پیدا ہونے والا بچہ نیک بخت ہو۔ خوبصورت ہو وغیرہ دونوں کی زبان پر یہی ایک دعا ہوتی ہے جب اللہ کی قدرت سے بچہ

پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان اس کو بھول جاتا ہے کہ اس نے اپنے پروردگار سے کس قدر گڑ گڑا کر دعائیں کی تھیں اور اب وہ شرک شروع کر دیتا ہے اور اپنے دیوی دیوتا کے نام پر چڑھاوے چڑھانا شروع کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر ان غیر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو ہمیں اتنی اچھی اولاد نصیب نہ ہوتی۔ انسان کا یہ معاملہ صرف اولاد تک نہیں بلکہ زندگی کے ہر نازک موڑ پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اے اللہ میرا یہ کام کر دے مجھے صحت و تندرستی عطا فرما دے اور جب اس کو صحت و تندرستی اور راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں تو اللہ کے ساتھ وہ اس طرح شرک کرتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر صاحب کی دوا سے مجھے یہ فائدہ ہوا۔ فلاں تدبیر کی وجہ سے مجھے یہ کامیابی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انسان کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے غیر اللہ کی طرف وہ تمام خوبیاں منسوب کر دیتا ہے جو اللہ نے اسے اپنی قدرت سے عطا فرمائی تھیں۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ڮ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۸

کیا وہ اللہ کے ساتھ ان کو شریک کرتے ہیں جو خود بنائے جاتے ہیں لیکن وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ نہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری بات نہ مانیں گے تمہارے لئے دونوں باتیں برابر ہیں ان کو پکارو یا خاموش رہو۔

بے شک وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تم ہی جیسے بندے ہیں۔ تم ان کو پکارو تو ان کو چاہئے کہ وہ جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چل سکتے کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے۔ کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکتے ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے شریکوں کو بلالاؤ میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے مہلت نہ دو بے شک میرا ساتھی تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہی اپنے نیک اور صالح بندوں کا حمایتی ہے۔ اور وہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے۔ اگر تم ان کو دیکھو تو ایسا لگے گا کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۸

لَا يَخْلُقُ	پیدا نہیں کرتا
لَا يَتَّبِعُوْكُمْ	وہ تمہاری پیروی نہ کریں گے
صَامِتُوْنَ	چپ رہنے والے
عِبَادٌ	(عَبْدٌ)۔ بندے
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا	پھر چاہیے کہ وہ کہا مانیں
اَرْجُلٌ	(رِجْلٌ)۔ پاؤں
يَمْشُوْنَ	وہ چلتے ہیں

یَبْطِشُوْنَ	وہ پکڑتے ہیں
کِیْدُوْنِ	تم میرے خلاف تدبیریں کرو
لَا تُنْظِرُوْنِ	مجھے مہلت نہ دو
وَلِیِّ َ اللّٰهُ	میرا حمایتی اللہ ہے
یَتَوَلّٰی	وہ سنبھالتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۸

سورۃ الاعراف چونکہ ختم پر ہے چنانچہ اس سورت کی تمام باتوں کو شرک کی نفی میں مختصر جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اور یاددھانی کے طور پر ان کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ضروری ہدایات دی جارہی ہیں۔

یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ مکہ کی زندگی میں مشرکین مکہ کا سلوک آپ کے ساتھ اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ کیا رہا ہوگا۔

شرک میں تین چیزیں ملی جلی ہوتی ہیں (۱) عقیدہ (۲) مظاہر عقیدہ یعنی بت درخت، سانپ، آگ، جادو، بارش، کڑک وغیرہ۔ (۳) رسومات پرستش

ان تینوں باتوں میں سب سے اہم مظاہر عقیدہ ہیں ان کے گرد ہی عقیدے اور پرستش کے سارے طریقے گھومتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان آیات کا ہدف یہ مظاہر ہی ہیں ان دنوں بھی اور آج بھی بتوں اور شرک کی دوسری چیزوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے یہاں قرآن کریم کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱) یہ بت جو لوگوں کے ہاتھوں سے تراشے ہوئے ہیں اپنی تخلیق میں دوسروں کے ہاتھوں کے محتاج ہیں نہ خود ہل سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں ایک چیونٹی کو بھی پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی ان کو توڑ دے تو یہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے جس کا جی چاہے وہ توڑ دے یا پھینک دے یہ احتجاج بھی نہیں کر سکتے۔ جو اس قدر بے بس اور بے حس ہوں وہ نہ تو خالق ہیں نہ مالک ہیں نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

۲) ان کے پاس نہ دماغ ہے نہ دل ہے جو صحیح اور غلط راہ کے درمیان تمیز کر سکے۔

۳) یہ اسی طرح کی مخلوق ہیں جیسے اور مجبور و محکوم ہیں۔

۴) ان میں دعا قبول کرنے یا نہ کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے مانگنے والوں کو دے

سکیں۔

۵)ان کے پاس نہ پاؤں ہیں، نہ ہاتھ، نہ آنکھیں نہ کان۔ان کے چہروں پر قلم سے یا پینٹ سے آنکھیں بنادی گئی ہیں مگر وہ ایسی آنکھیں ہیں جن میں کوئی نور اور روشنی نہیں ہے۔

۶) یہ مجہول و مفعول اگر سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ بگڑے ہوئے کو سنوار سکتے ہیں۔

پھر ایسی بے حقیقت چیزوں سے مانگنا اور ان کو اپنا حاجت روا ماننا کہاں کا انصاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مومنو! آج ساری دنیا اس دھوکے میں مبتلا ہے ان کو ہماری طرف سے باخبر کردو اور ان کی بند آنکھوں کو کھول دو۔اور اس راستے میں کسی طرح کی فکر مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اسکے راستے پر چلنے والوں کا خود محافظ ہے۔یہ بت اور ان کے ماننے والے اہل ایمان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

یہ وہ دلائل ہیں جو ان کے من گھڑت معبودوں کے خلاف بیان کئے گئے ہیں ان دلائل کی موجودگی میں کسی ہٹ دھرمی، کج بحثی اور کسی طرح کی باتوں کی گنجائش نہیں ہے لیکن پھر بھی ان بتوں کا بازار کیوں گرم ہے۔غور کیا جائے تو صرف یہ بات نکل کر آئے گی کہ اس میں ذاتی مفاد اور ہر عمل کرنے کی آزادی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ

بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹۹ تا ۲۰۲

(اے نبی!) آپ درگزر کیجئے بھلائی کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کر لیجئے اور اگر شیطان آپ کو وسوسہ ڈال کر ابھارے تو اللہ کی مدد مانگ لیجئے۔

بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں جب ان کو شیطان کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ (چونک اٹھتے ہیں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ان کو صاف

نظر آنے لگتا ہے۔اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی کی طرف کھینچتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ اس میں کمی نہیں کرتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹۹ تا ۲۰۲

خُذْ	اختیار کر
اَلْعَفْوُ	درگزر کرنا
وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ	اور نیکی کا حکم کر
اَعْرِضْ	منہ پھیر لے۔ پرواہ نہ کر
یَنْزَغَنَّ	چھیڑ چھاڑ کرتا ہے
نَزْغٌ	وسوسہ۔کوئی خیال
یَمُدُّوْنَ	وہ کھینچتے ہیں
اَلْغَیُّ	گمراہی
لَا یُقْصِرُوْنَ	وہ کمی نہیں کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۹۹ تا ۲۰۲

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اخلاق کریمانہ کے مقام پر فائز فرمایا ہے۔آپ کی شان یہ ہے کہ خلق عظیم آپ کی سیرت کا اعلیٰ ترین پہلو ہے۔آپ نے دشمنوں کے ساتھ بھی کرم کے وہ انداز اختیار فرمائے ہیں جس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔آپ ساری کائنات کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں لیکن زندگی میں بعض ایسے مواقع بھی آ جایا کرتے ہیں جہاں انسان جذباتی طور پر ہل کر رہ جاتا ہے۔غزوہ احد ایک ایسا معرکہ تھا جس میں نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ان کے جسم کے تمام اعضا کو کاٹ ڈالا گیا۔کلیجہ چبایا گیا جب نبی کریم ﷺ نے اپنے پیارے چچا کی لاش کو دیکھا تو آپ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے کفار کی اس حرکت پر آپ کی طبعیت میں شدید غصہ کا پیدا ہونا ایک لازمی چیز ہے آپ کی زبان مبارک سے شدت غم کی وجہ سے یہ نکل گیا کہ جن لوگوں نے حضرت حمزہؓ کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے

میں ان کے ستر آدمیوں کے خلاف یہی معاملہ کروں گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے ہمارے پیارے نبی ﷺ آپ کے خلق عظیم اور حلم ومتانت کے یہ بات شایان شان نہیں ہے کہ آپ کسی سے بدلہ لیں بلکہ آپ درگذر کریں۔ نیک کاموں کی تعلیم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ فرمالیں۔ شیطان کا کام تو وسوسے ڈالنا ہے لیکن اگر کبھی دل میں اس طرح کا کوئی خیال پیدا ہو تو آپ اللہ کی پناہ میں آجایئے کیونکہ جو تقویٰ والے ہیں جب شیطان سے ان کو کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں تو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں لیکن جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں وہ شیطان ان لوگوں کو گمراہی کی طرف اس طرح کھینچے چلا جاتا ہے کہ وہ اس میں کمی نہیں کرتے۔

امام تفسیر حضرت ابن جریرؒ نے اس سلسلہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے جبریل امین سے ان آیات کے متعلق پوچھا حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر یہ جواب دیا کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو شخص آپ پر ظلم وزیادتی کرے آپ اس کو معاف کردیں جو آپ سے ہاتھ کھینچ لے اس کو سب کچھ دیں اور جو آپ سے تعلق قطع کرلے اس سے پھر بھی ملیں۔ قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں ان آیات میں امت کے لئے جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) بے شک شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کی گئی ہے تو اس سے اس کا پورا پورا بدلہ لیا جاسکتا ہے لیکن کسی کی زیادتی کے باوجود اس کو معاف کردینا اور انتقام کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود اس سے انتقام اور بدلہ نہ لینا اخلاق کریمانہ ہے۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے امتیوں کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) معاف کردینے کے بعد لوگوں کی خیر خواہی بھلائی اور نیکی پر مائل کرنے کے جذبے میں کوئی کمی نہ آئے بلکہ پہلے کی طرح دوسروں کی بھلائی کیلئے کام کرتے چلے جانا یہ بھی بہت بڑے ظرف اور عزم وہمت کی بات ہے۔

(۳) جاہلوں اور نادانوں کا کام تو یہی ہے کہ وہ اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہی رہتے ہیں لیکن اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ جاہلوں کے پیچھے پڑکر اپنی منزل کھوٹی نہیں کرتے بلکہ ان کو نظر انداز کر کے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔

(۴) شیطان کا کام انسانوں سے دشمنی نکالنا۔ ان کو بہکانا اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی جذباتی موقع آئے اور شیطان کسی طرح کے وسوسے ڈالنے کی کوشش کرے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرلیا کرو تاکہ شیطان کی فریب کاری تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

(۵) فرمایا کہ جو لوگ تقویٰ کی زندگی اختیار کرتے ہیں جب بھی انہیں شیطان کی طرف سے کسی وسوسے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اپنے رب کی عبادت وبندگی اختیار کرلیتے ہیں اگر غفلت کا پردہ پڑ بھی جائے تو وہ اللہ کے ذکر سے اس طرح اس عمل سے ہٹ جاتے ہیں کہ پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے اور وہ شیطان کے دھوکے اور فریب سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

(٦) اس کے برخلاف جو لوگ شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں وہ ان کو فریب دے کر بدعملی اور گمراہی میں اس طرح کھینچتا چلا جاتا ہے کہ پھر اس کا اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو مذکورہ آیات سے ثابت ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان اخلاق کریمانہ کا پیکر بن جاتا ہے۔ اور ان کے برخلاف چلنے سے انسان شیطان کے وسوسوں فریب اور دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں جو الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں اگر دیکھا جائے تو اس میں نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے ماننے والے صحابہ کرامؓ اور پوری امت کو بہت جامع ہدایات دی گئی ہیں۔ فرمایا گیا (۱) خُذِ الْعَفْوَ (۲) وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (۳) اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (۴) اِسْتَعِذْ بِاللهِ (۵) تَذَكَّرُوْا۔

۱) خُذِ العفو. درگذر کر دیجئے، معاف کرنے کو اختیار کیجئے سرسری برتاؤ کو قبول کر لیجئے۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اپنے دشمنوں، مخالفوں اور زیادتی کرنے والوں سے درگذر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ غصہ اور خوشی دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹتا ہے میں اس سے جڑوں۔ جو مجھے میرے حق سے محروم کر دے میں اسے اس کا حق دوں۔ جو شخص میرے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کرتا ہے میں اس کو معاف کر دوں۔

آپ جب صحابہ کرامؓ کو تبلیغ اسلام یا جہاد کے لئے بھیجتے تو اس کی نصیحت فرماتے کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ان کو سختی اور مشکلات میں مت ڈالنا، ان کو خوشخبریاں دینا محض سزائیں ہی نہ دینا۔

یہ آپ کے ارشادات ہیں لیکن فتح مکہ کے دن آپ نے جس طرح اپنے خون کے پیاسوں کو معاف کر دیا اور ان کے ظلم و ستم سے درگذر فرمایا وہ تاریخ انسانی کا عظیم واقعہ ہے جس کی مثال پوری تاریخ انسانیت میں ملنا مشکل ہے۔ دشمنوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنا اور اس کی باتیں کرنا بہت آسان ہے لیکن جب وہ لوگ سامنے ہوں جنہوں نے ایسے ایسے ظلم کئے ہوں جو ناقابل بیان ہوں طاقت و قوت ہونے کے باوجود بھی ان کو معاف کر دیا جائے اسی کو اخلاق کریمانہ کہتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ اسی اخلاق کریمانہ کے پیکر ہیں۔ آپ نے ساری دنیا کو دشمنوں سے بہترین معاملہ کرنے کو عملاً کر دکھایا جو ایک بہترین مثال ہے۔

۲) وَاْمُرْ بالعُرف. نیک اور بہتر باتوں کی تعلیم دیجئے۔ عرف کے معنی نیکی بھلائی اور خیر خواہی کے ہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو حقیقی نیکی ہو۔ نیکیوں اور بھلائی کی باتوں کو پھیلانا اور ان کی تعلیم دینا اس امت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں امت محمدیہ ﷺ کو بہترین امت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر تم نیکیوں کی تعلیم دیتے ہو اور تمام برائیوں سے روکتے ہو۔ گویا ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی اور دوسروں کو بھی نیک اور بھلے کاموں پر آمادہ کرتا رہے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے بھی بہترین نمونے چھوڑے ہیں جن پر ساری انسانیت ناز کر سکتی ہے نبی کریم ﷺ کے جاں نثاروں نے ہمیشہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے وہ کام کئے ہیں جو بے مثال

ہیں۔اور آج کائنات میں جو بھی روشنی نظر آتی ہے وہ ان ہی کا فیض نظر ہے۔

۳) اعرض عن الجاهلين ۔ جاہلوں سے کنارہ کر لیجئے۔ جاہل صرف اسی کو نہیں کہتے کہ جس نے تعلیم حاصل نہ کی ہو بلکہ سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو کسی کی عزت و عظمت سے ناواقف ہو کر ایسے جاہلانہ کام کر گزرے جس سے دوسروں کی دل آزاری، دل شکنی اور محرومی پیدا ہو جائے۔ فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ یہ نالائق، جاہل اور احمق لوگ آپ کی شان اور عظمت سے ناواقف ہیں۔ اگر ان کو آپ کی شان اور عظمت معلوم ہو جائے تو کبھی ایسی حرکتیں نہ کریں۔ آپ ایسے لوگوں کو نظر انداز کیجئے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اللہ خود ان سے نبٹ لے گا۔ آپ اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہیئے اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور نیکی کے ہر کام کو پورے جذبے سے جاری رکھئے۔

۴) استعذ باللہ ۔ اللہ کی پناہ طلب کر لیجئے۔ اس کی حفاظت میں آجایئے۔ اصل میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ شیطانی وسوسے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ شیطان کی مجال نہیں ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام پر اپنا داؤ چلا سکے۔ شیطان کی یہ تو ہمت نہیں ہے کہ وہ انبیاء کرامؑ سے کوئی گناہ کرا سکے۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کبھی بشریت کے تقاضے سے کوئی ایسا خیال آجائے جو بظاہر خطا ہو (حالانکہ انبیاء کرامؑ کی طرف کسی خطا کی نسبت بھی خطا ہے) تو اللہ کی پناہ میں آجانے سے وہ بات دور ہو جاتی ہے فرمایا گیا کہ اس وقت اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ جب تک کوئی بات خیال کی حد تک ہو اور عمل میں نہ ڈھل جائے تو وہ گناہ نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سوچنے کی حد تک یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ چاند، سورج، ستاروں کو اپنا معبود کہتے ہیں ان میں سے میرا رب کونسا ہو سکتا ہے؟۔ جب وہ چاند، سورج، ستاروں کو ایک لگے بندھے نظام کے تحت دیکھتے ہیں کہ وہ وقت پر نکل رہے ہیں اور ڈوب رہے ہیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہ تو کسی اور کے تابع ہیں جو ان کو اپنی رفتار سے چلا رہا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ چلا اٹھے کہ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا اور میری قوم جن مشرکانہ باتوں میں مبتلا ہے میں ان میں سے کسی کے ساتھ کسی شرک میں نہ شریک رہا ہوں اور نہ ہوں گا۔

اس واقعہ کو اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ سوچ کی بھی کچھ منزلیں ہوتی ہیں جب تک وہ عمل میں نہ ڈھل جائیں یا ان پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک ان پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ ہر خطا اور گناہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن اگر کبھی کوئی ایسا خیال آجائے جو بظاہر گناہ ہے تو شیطان کے مقابلے میں اللہ کی پناہ مانگ لینے سے اللہ کی مدد پہنچ جاتی ہے۔

۵) تذکروا ۔ آخری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر ایسی بڑی نعمت ہے کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے گا تو شیطان کے کسی وسوسے کا اس پر اثر نہیں پڑے گا لیکن وہ لوگ جو شیطان کی پیروی کرنے والے ہیں شیطان کا ان پر اتنا گہرا اثر پڑتا ہے کہ وہ ان کو گمراہیوں کی آخری حدوں تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والے کبھی بھی شیطان کے وسوسوں اور فریب کے سامنے بے بس نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطانی وسوسوں اور فریب سے محفوظ فرمائے۔ ''آمین''

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۰۳

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے کوئی نشان کیوں نہ چھانٹ کر پیش کی۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی وحی آتی ہے یہ تو بصیرت کی روشنیاں ہیں جو تمہارے رب کی طرف سے ہیں اور ہدایت و رحمت ایسی قوم کے لئے ہے جو ایمان لاتی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۰۳

اِجْتَبَيْتَ تو نے پسند کیا

بَصَائِرُ بصیرتیں۔ سمجھ کی باتیں

تشریح: آیت نمبر ۲۰۳

کفار اور مشرکین اعتراض برائے اعتراض کے طور پر کہتے تھے کہ اے نبی ﷺ! آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں...... لیکن ہم اس بات کو کیسے تسلیم کرلیں۔ آپ ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے کوئی ایسی چیز لاکر دکھایئے جسے دیکھ کر ہم یقین کرلیں کہ واقعی آپ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ ہر نبی نے جب بھی اللہ کے دین کی طرف بلایا تو جن لوگوں کو ماننا تھا انہوں نے مان لیا لیکن جن کو نہیں ماننا تھا وہ یہی کہتے تھے کہ ہمیں پہلے معجزہ دکھاؤ تو ہم تمہارے اوپر ایمان لائیں گے۔ جب اللہ کے حکم سے وہ کوئی معجزہ دکھا دیتے تو کہتے کہ یہ معجزہ نہیں ہے یہ تو جادو ہے

ہم اس کو نہیں مانتے۔

کفار مکہ جب بھی نبی کریم ﷺ سے کسی معجزہ کا مطالبہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کفار سے یہی سوال فرماتے کہ آج تم معجزہ دکھانے کی باتیں کرتے ہو کیا تم سے پہلے لوگوں نے معجزات کے مطالبے نہیں کئے تھے۔ انہوں نے معجزات دیکھ کر کب اسلام قبول کیا ہے جو تم معجزہ آنے کے بعد اسلام قبول کرلو گے؟۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ سے وہ بہت سے معجزات ثابت ہیں جو آپ کی سیرت پاک کے واقعات میں محفوظ ہیں لیکن قرآن کریم سے بڑھ کر اور کونسا معجزہ ہوگا۔ وہ قرآن کریم جس کی چھوٹی سے چھوٹی ایک سورۃ بنالانے کے لئے اس وقت بھی چیلنج تھا اور صدیاں گذرنے کے باوجود آج بھی چیلنج ہے جس قرآن کریم کے سامنے ساری دنیا عاجز ہے اس سے بڑھ کروہ لوگ اور کس معجزہ کا مطالبہ کررہے ہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو ہر نبی کا معجزہ ان کی نبوت کی طرح ان کے زمانہ تک محدود تھا جب وہ نبی چلے گئے تو ان کا معجزہ بھی اسی زمانہ میں ختم ہوگیا لیکن نبی کریم ﷺ کی شان نبوت جس طرح قیامت تک جاری رہے گی اسی طرح قرآن کریم کا یہ معجزہ بھی قیامت تک قائم و دائم رہے گا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ دنیا سائنس میں جتنی ترقی کرتی چلی جائے گی انسان کی معلومات اپنی ذات اور کائنات تک جتنی وسیع ہوتی جائے گی قرآن کا معجزہ ہونا اور ثابت ہوتا جائیگا اور الحمدللہ ثابت ہوتا جارہا ہے۔ دنیا کے جھوٹے مذاہب اور ان کی تعلیمات سائنس کی ترقیوں کے ساتھ ہی ختم ہوتی جائیں گی لیکن قرآن کریم وہ معجزہ ہے جس کی شان بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ معجزہ طلب کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے جو قرآن کریم وحی کیا گیا ہے میں تو اس کی اتباع کرنے والا ہوں۔ یہی قرآن کریم بصیرت کی روشنی ہے۔ یہی رحمت ہے یہی معجزہ ہے۔ اگر تم بھی اس پر ایمان لے آؤ تو یہ قرآن کریم تمہارے لئے بھی رحمت و کرم کا سبب بن جائے گا۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا
لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ
تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ
لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿٢٠٦﴾ السجدۃ

ع ۲۴ ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ۲۰۴ تا ۲۰۶

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو خوب غور سے سنو۔ خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے گڑگڑا کر اور صبح وشام ڈرتے ہوئے زبان سے اور ہلکی آواز سے یاد کرتے رہئے اور غفلت والوں میں سے نہ ہو جائیے۔ بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے اسی کی تسبیح کرتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۰۴ تا ۲۰۶

قُرِئَ	پڑھا گیا۔ پڑھا جاتا ہے
اِسْتَمِعُوْا	غور سے سنو
اَنْصِتُوْا	خاموشی اختیار کرو
فِیْ نَفْسِکَ	اپنے دل میں
بِالْغُدُوِّ	صبح کے وقت
اٰصَالٌ	(اَصُلٌ)۔ دن کا آخری وقت۔ رات
لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ	وہ تکبر نہیں کرتے ہیں
یُسَبِّحُوْنَ	وہ تسبیح کرتے ہیں
یَسْجُدُوْنَ	وہ (اللہ کو) سجدہ کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۲۰۴ تا ۲۰۶

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ قرآن کریم اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے یہاں آیت نمبر ۲۰۴ میں اس کے سننے کے آداب ہیں نمبر ۲۰۵ میں اس کے پڑھنے کے آداب ہیں اور آخری آیت میں ان لوگوں کی شناخت ہے جو قرآن کریم پڑھتے سمجھتے اور عمل کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی تمام کیفیات اسی وقت دل پر اپنا پورا اثر ڈالتی ہیں جب ان کو تمام تر توجہ اور یکسوئی کے ساتھ سنا جائے اور پڑھا جائے۔ تلاوت قرآن کے وقت ادھر ادھر کی باتیں کرنا منع ہے۔ قرأت کا لطف اور مزہ اس وقت ہے جب ایک تلاوت کر رہا ہو اور دوسرے خاموشی، ادب اور احترام سے سن رہے ہوں سب ایک ساتھ پڑھیں گے تو تلاوت انفرادی بن جائے گی اور جب ایک پڑھے گا اور دوسرے خاموشی سے سنیں گے تو یہ عمل اجتماعی عمل بن جائے گا۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت اور لاتعداد حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز میں ایک شخص (امام) پڑھنے والا ہو اور بقیہ سب خاموشی سے سننے والے ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم سب پر نازل فرمائے گا۔ حدیث کی رو سے دراصل امام کی قرأت سارے مقتدیوں کی قرأت ہے جب امام تلاوت کر رہا ہے تو گویا وہ سب کی نمائندگی کر رہا ہے اور دنیا میں یہی سب سے بہتر طریقہ شمار ہوتا ہے۔ تو ان آیات میں پہلے ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو سب خاموش رہیں کان لگا کر سنیں تو اللہ اپنا رحم و کرم فرمائے گا۔

دوسرا ادب یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور انکساری کے ساتھ، خوف کے ساتھ آہستہ آہستہ یا زور سے صبح و شام پکارتا رہے تا کہ اس کا شمار اہل غفلت میں نہ ہو۔ قرآن کریم کا پڑھنا اور سننا درحقیقت بہترین ذکر الٰہی ہے خواہ وہ نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر۔ ذکر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ مگر صبح و شام اطمینان سے اور سکون سے اللہ کو یاد کیا جائے تو اللہ کی رحمتیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

ذکر الٰہی کی دو صورتیں ہیں (۱) دل ہی دل میں معرفت حقیقی کی کوشش کرے الفاظ سے ہو، زبان سے یا دل سے مگر اس میں ادب واحترام کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ عموماً ہلکی آواز سے تلاوت کرتے تھے آپ کا ارشاد تھا کہ میں جس کو سنانا چاہتا ہوں وہ سن رہا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ ذرا اونچی آواز سے پڑھتے تھے آپ کا فرمانا تھا کہ میں اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تا کہ شجر و حجر بھی سن لیں

اور جولوگ غفلت میں پڑے سور ہے ہیں وہ اللہ کی یاد کے لئے بیدار ہو جائیں اسی کیفیت کو جب نبی کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم اپنی آواز کو ذرا اونچا کرو اور اے عمرؓ تم اپنی آواز کو ذرا دھیما کرلو۔ اللہ کو اعتدال پسند ہے۔ اسی سورۃ کی آخری آیت میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ:

جولوگ اپنے رب کی قربت اور رضا وخوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ تلاوت وتہجد، صوم وصلوٰۃ، تبلیغ وجہاد اور ہر طرح کی عبادت کسی کو دکھانے کے لئے نہیں بلکہ وہ محض اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ اللہ کے ہوجاتے ہیں اللہ ان کا ہوجاتا ہے وہ عاجزی انکساری اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت وبندگی سے تکبر نہیں کرتے وہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔

سورۃ علق میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بندہ اپنے رب سے اس وقت بہت قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ کرتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۹ تا ۱۰

• قال الملا • واعلموا

سورۃ نمبر ۸

الانفال

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ الانفال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ نمبر	8
رکوع	10
آیات	75
الفاظ وکلمات	1253
حروف	5522
مقام نزول	مکہ مکرمہ

☆"انفال" (نفل کی جمع ہے) زیادہ، زائد چیز۔ شریعت میں اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو جنگ میں دشمن سے حاصل ہوتا ہے۔

☆ یہ سورۃ غزوہ بدر کے بعد ۲ھ میں نازل ہوئی جس میں صلح و جنگ، امن وسلامتی اور مال غنیمت کی تقسیم کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں پیش آیا۔ یہ مسلمانوں کا سب سے پہلا رمضان تھا اور کسی مسلح گروہ سے باقاعدہ جنگ کا پہلا تجربہ تھا۔

☆ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی فریق سے جنگ کی جاتی تھی تو جو شخص جس کو قتل کرتا یا اس سے مال غنیمت چھین لیتا وہ اسی کی ملکیت بن جاتا تھا۔

غزوہ بدر حق و باطل کی وہ جنگ ہے جس نے کفار کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور مسلمانوں کو عظیم فتح عطا فرمائی۔

☆ غزوہ بدر چونکہ اچانک پیش آیا جس کا پہلے سے کوئی تصور بھی نہ تھا۔ غزوہ بدر کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں گونج رہا تھا اور کچھ بحث و مباحثہ بھی ہو رہا تھا کہ مال غنیمت کے لئے اسلام کا کوئی ضابطہ یا اصول ہے؟ یا ہم پرانے دستور کے مطابق اس مال غنیمت کے مالک ہیں۔

☆ سورۃ الانفال کی آیات میں جب یہ اصول ارشاد فرمایا گیا کہ اہل ایمان کو اس جنگ میں یا آئندہ کسی جنگ میں جب بھی کوئی مال غنیمت ہاتھ آئے تو تمام چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانتیں ہیں۔ جس کو جو چیز حاصل ہو وہ اپنے رسول ﷺ کے سامنے لا کر ڈھیر کر دے۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ کل مال غنیمت میں سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں اور پانچواں حصہ نبی کریم ﷺ، ان کے رشتہ داروں اور غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی فرشتوں سے مدد فرمائی۔

☆ یہ ابتدائی حکم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس بات پر اجماع امت ہے کہ اب کل مال غنیمت کی تقسیم امیر المومنین کے حکم کے مطابق ہوگی۔

۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں صلح و جنگ کے اسلامی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔

فرمایا کہ اے مومنو! تم اس وقت کا تصور تو کرو جب تم بہت ہی کمزور تھے اور تمہیں ہر وقت یہ خوف لگا رہتا تھا کہ وہ لوگ تمہیں اچک کر نہ لے جائیں لیکن پھر اللہ نے تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں حلال اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

جب قرآن کریم میں مال غنیمت کا حکم آ گیا تو صحابہ کرامؓ نے اس حکم کے آگے گردنیں جھکا دیں اور دور جہالت کے ہر طریقہ کو پاؤں تلے روند ڈالا۔

☆ جیسا کہ آپ تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے کہ غزوہ بدر بغیر کسی پیشگی تیاری کے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اچانک پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو زبردست فتح عطا فرمائی جس سے کفار مکہ اور مشرکین کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی۔ حق و باطل کے اس معرکہ نے جہاں کفار مکہ کے تکبر، غرور اور طاقت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا وہیں دین اسلام، رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی دہشت سے کفار کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا اور ان کے دل کسی نامعلوم خوف سے لرزنے لگے۔

سورۃ الانفال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ا تا ۴

وہ آپ سے انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں تعلقات کی اصلاح کرتے رہو۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

مومن وہ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے ایمان والے لوگ ہیں ان کے رب کے پاس ان کے بڑے درجات' مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۴

اَلْاَنْفَالُ	(نَفَلٌ)۔ مال غنیمت
اَصْلِحُوْا	درست کرلو۔ اصلاح کرلو
ذَاتَ بَیْنِکُمْ	تم آپس میں۔ (ذَاتَ۔ والا۔ بَیْنَ۔ درمیان)
ذُکِرَ اللّٰہُ	اللہ کا ذکر کیا گیا
وَجِلَتْ	(وَجِلٌ)۔ ڈر گئی۔ (ڈر گئے)
تُلِیَتْ	تلاوت کی گئی۔ (پڑھا گیا)
زَادَتْ	اضافہ ہو گیا۔ بڑھ گئی
یَتَوَکَّلُوْنَ	وہ بھروسہ کرتے ہیں
یُقِیْمُوْنَ	وہ قائم کرتے ہیں
رَزَقْنَا	ہم نے دیا
یُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ کرتے ہیں
رِزْقٌ کَرِیْمٌ	عزت کی روزی۔ عزت کا رزق

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۴

انفال۔ نفل کی جمع ہے جس کے معنی ''زائد'' کے آتے ہیں۔ شرعی طور پر اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہوتا ہے اسی کو مال غنیمت بھی کہتے ہیں۔

یہ سورت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت کا آغاز ''انفال'' کے لفظ سے کر کے اہل ایمان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ایک مومن جب دشمن سے جنگ کرتا ہے تو اس کا مقصد مالی اور مادی فائدے حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ دنیا کی اخلاقی ذہنی اور روحانی انتظامی اصلاح کرنا ہے۔ وہ جنگ پر اس وقت آمادہ ہوتے ہیں جب مخالف طاقتیں ان کے خلاف حملہ کردیں، سازشیں کرنے لگیں یا جب دعوت و تبلیغ کے ذریعے اصلاح کو ناممکن بنادیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنگ کا اصل مقصد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری اور دین اسلام کے ابدی اور سچے اصولوں کی سربلندی ہے۔ جنگ کے دوران دشمن سے جو کچھ مال و دولت حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت ہے وہ اس اعلیٰ مقصد سے ہٹ کر الگ ایک چیز ہے جس پر صرف اللہ اور اس کے رسول کا

حق ہے۔اللہ اور اس کے رسول جس طرح اور جیسے چاہیں گے اس کو تقسیم کریں گے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس وقت کے جنگی پس منظر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تا کہ انفال کی حقیقت پوری طرح اجاگر ہو کر سامنے آجائے۔

تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں جاں نثاران رسول ﷺ ہر طرح کی اذیتوں اور ہجرت کی صعوبتوں سے گذر کر جب مدینہ منورہ آگئے تو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں نے مدینہ میں بھی صحابہ کرامؓ کو چین سے نہ رہنے دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں صحابہ کرامؓ کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں تھی کہ وہ دشمنان اسلام کی کسی اذیت کا جواب دیں بلکہ دشمن پر ہاتھ تک نہ اٹھانے کو پسند کیا گیا تھا مگر جب بدر کے میدان میں مسلمانوں پر جنگ کو مسلط کر دیا گیا تو اللہ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت دیدی۔ شدید بے سروسامانی کے باوجود کفار مکہ کے ایک ہزار کے لشکر کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح نصیب ہوئی۔ جنگ کے بعد مسلمانوں کو کفار کا بہت سا مال اور جنگی سامان ہاتھ آیا۔ چونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو جنگ کا پہلا تجربہ تھا اور دوسری طرف جنگ کے وہ انداز ان کے سامنے تھے جن کا پہلے سے رواج تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ جس شخص نے جنگ کے دوران دشمن سے جو کچھ مال و دولت لوٹا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوتا تھا۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا تھا۔ مال غنیمت کے لئے چونکہ دین اسلام میں اب تک کوئی واضح ہدایت نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے رائے کا اختلاف ہونا قدرتی بات تھی۔

پرانے رسم ورواج کے مطابق بعض صحابہ کرامؓ کا یہ خیال تھا کہ جس نے دشمن سے جو کچھ لوٹا ہے وہ اسی کا ہے بعض صحابہ کرامؓ کی نظر میں مال غنیمت کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ اس مال کو تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے کیونکہ سب کی مشترکہ کوششوں سے دشمن کو شکست دی گئی ہے خواہ وہ اس جنگ میں شریک تھے یا وہ اللہ کے رسول کے حکم کے تحت مختلف ذمہ داریاں نبھار ہے تھے۔ رائے کے اسی اختلاف کو دور کرنے اور اسلامی جنگوں میں مال غنیمت کی تقسیم کے اصول متعین کرنے کیلئے یہ آیتیں نازل کی گئیں۔ ان آیات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ یہ مال غنیمت ایسی کوئی اہم چیز نہیں ہے کہ جس پر اختلاف اور بحث کر کے آپس میں انتشار پیدا کیا جائے کیونکہ اہل ایمان جب بھی جنگ کرتے ہیں تو اس میں ان کی ذاتی غرض یا لالچ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کو اصل ایمان سمجھتے ہیں اور ان کو جس طرح کرنے کے لئے کہا جائے وہ اس کو اسی طرح کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ دشمن سے حاصل ہونے والے مال و دولت، چھوٹی اور بڑی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانت ہے جس کو جو کچھ مال غنیمت ملے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لا کر جمع کرا دے اللہ اور اس کے رسول جس طرح چاہیں گے اس کو مجاہدین میں تقسیم کریں گے تا کہ کسی مومن کے دل میں یہ بات پیدا نہ ہو کہ وہ جنگ اس لئے کر رہا ہے کہ مال و دولت یا کسی ملک یا سلطنت پر قبضہ کر کے اس کو اپنی ذاتی ملکیت بنا لے گا۔

(۳) فرمایا گیا کہ اللہ کا خوف آپس میں اتحاد و اتفاق اور باہمی صلح مندی اور اللہ اور رسول کی اطاعت وفرماں برداری، اسی

کی ذات پر مکمل بھروسہ، نماز قائم کرنا اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنا، جب اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو ان کے ذریعہ ایمان میں اور پختگی آجانا۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دلوں کا روشن ہو جانا یہ ایک مومن کے ایمان کی پہچان ہے یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے بڑے درجات ہیں ان کی مغفرت کا سامان اور عزت کی روزی کا انعام موجود ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿٥﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ۸

(اے نبی ﷺ) جیسا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ (بدر کی طرف) روانہ کیا۔ بے شک اہل ایمان میں سے ایک جماعت اس کو گراں سمجھ رہی تھی۔ وہ حق ظاہر ہونے کے بعد بھی آپ سے بحث کر رہے تھے جیسے وہ موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور یاد کرو جب اللہ نے دو جماعتوں میں سے ایک (کی فتح) کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی۔ اور تم چاہتے تھے کہ کانٹا نہ لگے اور وہ تمہاری ہو جائے۔ جب کہ اللہ چاہتا تھا کہ اپنے احکامات کے ذریعہ حق کو حق ثابت کر دکھائے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ وہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے خواہ مجرموں کو (کتنا ہی) ناگوار گذرے۔

لغات القرآن آیت نمبر۵تا۸

اَخْرَجَ	نکالا
بَیْتٌ	گھر
لَکٰرِھُوْنَ	البتہ برا سمجھنے والے ہیں۔ ناگوار محسوس کرنے والے ہیں
یُجَادِلُوْنَ	وہ جھگڑتے ہیں
تَبَیَّنَ	کھل گیا۔ کھل چکا۔ واضح ہوگیا
کَاَنَّمَا	جیسے۔ گویا کہ وہ
یُسَاقُوْنَ	وہ ہانکے جارہے ہیں
یَنْظُرُوْنَ	وہ دیکھ رہے ہیں
یَعِدُ	وہ وعدہ کرتا ہے
اِحْدٰی	کوئی ایک
اَلطَّآئِفَتَیْنِ	دو جماعتیں
تَوَدُّوْنَ	تم پسند کرتے ہو
غَیْرُ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ	کانٹا نہ لگے
اَنْ یُّحِقَّ	یہ کہ وہ ثابت کردے
یَقْطَعُ	وہ کاٹتا ہے
دَابِرٌ	(دُبُرٌ)۔ جڑ۔ بنیاد
یُبْطِلُ	وہ باطل کرتا ہے۔ مٹاتا ہے
کَرِہَ	برا لگا

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ۸

درحقیقت غزوہ بدر ہر اعتبار سے اس قدر فیصلہ کن تاریخی واقعہ ہے جس نے کفار مکہ کو نہ صرف ذلت آمیز شکست سے دوچار کردیا تھا بلکہ غیر متوقع حالات نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ یہ غزوہ ۱۷ رمضان المبارک کو ہوا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا رمضان تھا اور اس سے پہلے با قاعدہ جنگ بھی نہ ہوئی تھی اس لئے یہ بہت ہی نازک وقت تھا مسلمانوں کا فقر و فاقہ، وطن سے بے وطنی، بے سروسامانی، ایک ہزار فوج سے مقابلہ اور وہ بھی مدینہ منورہ سے باہر کافی دور۔ ایک طرف ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ سے گذرنے والا وہ قافلہ تھا جو مکہ والوں کی دولت سے مالا مال تھا۔ دوسری طرف مکہ سے آنے والا وہ لشکر تھا جو انتقام اور اپنی طاقت وقوت پر ناز کرتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا کہ ان دونوں میں سے جس طرف بھی قدم بڑھائے جائیں گے فتح وکامرانی مسلمانوں کا مقدر ہوگی۔ لیکن اس کا فیصلہ کیسے ہوگا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جب بھی کسی بات میں بالخصوص نازک حالات میں مشورہ کیا جاتا ہے تو رائے کا اختلاف ضرور ہوا کرتا ہے اور مشورہ کی جان بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اپنی بات کہنے کی آزادی حاصل ہو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بھی پورے خلوص اور آزادی سے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ ان صحابہ کرامؓ میں جہاں وہ اولوالعزم لوگ تھے جنہوں نے بے خوف وخطر اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کرلیا تھا وہیں وہ حضرات بھی تھے جو کسی انجانے خوف سے پریشان تھے اور آسان راستہ کی طرف مائل تھے مسلسل پریشانیوں کی وجہ سے وہ اس طرف مائل تھے کہ سب سے پہلے ابوسفیان کے قافلے کو ٹھکانے لگادیا جائے اور پھر کفار مکہ سے مقابلہ کیا جائے یا کوئی ایسا راستہ تلاش کرلیا جائے جس میں کانٹا بھی نہ لگے اور مسئلہ بھی حل ہوجائے۔ یہ تو مشورے کا ایک اختلافی انداز تھا لیکن جب نبی کریم ﷺ نے مال ودولت سے لدے ہوئے قافلہ کو چھوڑ کر کفار مکہ کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تو پھر کسی نے اختلاف نہیں کیا بلکہ عظیم ایثار وقربانی کا وہ عمل پیش کیا جس پر کائنات کا ذرہ ذرہ فخر کرتا رہے گا۔ جس سے کفار کی کمر بھی ٹوٹ گئی اور ساری دنیا کے سامنے حق حق بن کر چمک اٹھا اور باطل باطل ہوکر رہ گیا اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کو اسی حق وصداقت کی سربلندی کے لئے اپنے گھر سے نکلوایا اور میدان جنگ میں پہنچایا تاکہ حق کا بول بالا ہو۔ یہ بات اگرچہ کچھ لوگوں کو گراں تھی اور وہ ایسا سمجھ رہے تھے کہ جیسے جانتے بوجھتے وہ موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہوں حالانکہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے اس بات کا وعدہ کرلیا تھا کہ آج یہ جاں نثار جس طرف بھی قدم بڑھائیں گے فتح وکامرانی ان کے قدم چومے گی لیکن اللہ کی مرضی یہ تھی کہ اہل ایمان لشکر کفار سے مقابلہ کرکے اپنا ایثار وقربانی پیش کریں تاکہ کفر کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا جائے اور حق وصداقت کی شمع کو اس طرح روشن کردیا جائے کہ سچ سچ بن کر جگمگا اٹھے اور جھوٹ باطل ہوکر رہ جائے خواہ یہ واقعہ کسی کو کتنا بھی ناگوار کیوں نہ ہو۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹ تا ۱۴

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے پھر اس نے تمہاری فریاد سن کر کہا کہ میں تمہاری ایسے ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو مسلسل (پے در پے) چلے آئیں گے۔

یہ تو ایک خوش خبری تھی جو اللہ نے تمہارے اطمینان قلب کے لئے بھیج دی تھی لیکن (یاد رکھو) مدد تو صرف اللہ ہی کی مدد ہوتی ہے (وہ اللہ جو) زبردست اور حکمت والا ہے۔

یاد کرو جب اس نے تمہارے اوپر ایک اونگھ (سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت) کو طاری کر دیا تھا تاکہ تمہیں اس سے سکون مل جائے (یاد کرو) جب اس نے آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسایا تھا تاکہ تم اپنا میل کچیل صاف کر کے صفائی و پاکی حاصل کرو اور شیطان کے وسوسوں کی ناپاکی بھی دور ہو جائے۔ تاکہ تمہارے دل مضبوط ہو جائیں اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے۔

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کر کے کہا تھا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کے (دلوں کو) جمائے رکھو میں بہت جلد کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دوں گا تم (کفار کی) گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ان کے ایک ایک پور پر چوٹ لگاؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی روش کو اختیار کیا ہے اور یاد رکھو جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔ (قیامت میں اللہ کہے گا کہ) یہ ہے وہ تمہاری سزا جس کا تم مزا چکھو اور یقیناً کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب مقرر ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹ تا ۱۴

تَسْتَغِيْثُوْنَ	تم فریاد کرتے ہو
اِسْتَجَابَ	جواب دیا۔ قبول کیا
مُمِدٌّ	مدد کرنے والا
اَلْفٌ	ہزار
مُرْدِفِيْنَ	ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ لگاتار آنا
بُشْرٰی	خوش خبری
لِتَطْمَئِنَّ	تاکہ مطمئن ہو جائیں
عَزِيْزٌ	زبردست۔ اللہ کی صفت ہے
يُغَشِّيْ	وہ چھا جاتا ہے
اَلنُّعَاسُ	اونگھ (نینداور جاگنے کی درمیانی حالت)
لِيُطَهِّرَكُمْ	تاکہ وہ تمہیں پاک کر دے

يُذْهِبَ	وہ لے جاتا ہے۔ وہ جاتا ہے
رِجْزُ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی گندگی
لِيَرْبِطَ	تاکہ وہ باندھ دے
يُثَبِّتَ	جمادیتا ہے
اَلْاَقْدَامُ	(قَدَمٌ) قدم
ثَبِّتُوْا	تم جمادو
اُلْقِيْ	میں ڈال دوں گا
اَلرُّعْبُ	ہیبت۔ ڈر
اِضْرِبُوْا	مارو۔ سزادو
فَوْقَ	اوپر
اَلْاَعْنَاقُ	(عُنُقٌ)۔ گردنیں
بَنَانٌ	انگلیوں کے پورے۔ جوڑ جوڑ
شَآقُّوْا	نافرمانی کی۔ جھگڑا کیا

تشریح: آیت نمبر ۹ تا ۱۴

یہاں پے درپے تین واقعات کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو رہتی دنیا تک اپنے اندر اہم سبق رکھتے ہیں۔

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ نے بدر کی جنگ سے پہلے دونوں فوجوں کا جائزہ لیا تو آپ نے نہایت عاجزی اور انکساری سے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو جلد پورا کر دیجئے کیونکہ اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت فنا ہوگئی تو پھر زمین میں آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اللہ نے آپ کی دعا کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے اس طرح بھیجوں گا جو مسلسل آتے رہیں گے یہ بھی فرمادیا کہ یہ ایک خوش خبری ہے تاکہ مسلمانوں کو یقین ہوجائے کہ غیب کی مدد ان کے شامل حال ہے اور فتح یقینی ہے۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر نیند اور جاگنے کی درمیانی کیفیت اطمینان وسکون کی ''اونگھ'' طاری کردی۔ یہ ایک ایسی ہلکی سی اونگھ تھی کہ جب صحابہ کرامؓ کی آنکھ کھلی تو وہ بالکل تازہ دم اور پرسکون تھے۔

دوسری طرف کفار مکہ نے آتے ہی سب سے پہلے میدان جنگ کے لئے اس علاقہ کا انتخاب کیا جہاں پانی تھا اور مسلمان جو پہاڑی کی طرف تھے وہ پانی سے محروم تھے۔ اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ تیز بارش برسادی جس سے کفار کا میدان کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا جس میں چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا تھا اور جو علاقہ نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کے پاس تھا اس کی ریت دب گئی، پانی کا ذخیرہ کرلیا گیا۔ صحابہ کرامؓ خوب نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد غسل کی حاجت بھی ہو سکتی ہے اور وہ خوف و ہراس کی کیفیت بھی ہو سکتی ہے جس میں بعض صحابہؓ پریشان تھے۔

(۳) تیسرا واقعہ وہ ہے جس کا تعلق پردہ غیب سے ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اہل ایمان جو تیر چلائیں اس کو نشانے پر لگا دو اور یہ نشانے کافروں کی گردنوں اور جوڑ جوڑ پر لگیں اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تمام فرشتوں سے ارشاد ہوا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں اللہ نے یہ بھی فرمادیا کہ میں بہت جلد کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈال دوں گا کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن شدید کرب میں مبتلا ہو جائیں گے اور اپنی حماقتوں کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

ان آیات کا مطلب ایک ہی ہے کہ وہ عوامل جو ہمیں بہت زبردست اور دل ہلا دینے والے نظر آتے ہیں ان سے خوف کھانا اور پریشان ہونا بیکار ہے زیادہ اہم عوامل وہ ہیں جو نظر نہیں آتے مثلاً اللہ کی غیبی مدد فرشتوں کی آمد، بشارت، نیند، بارش، کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ان سب چیزوں کا تعلق غیب سے ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ ٱلْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِىَ ٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۸

اے ایمان والو! جب تم میدان جنگ میں ان کافروں کے مقابل ہو کر (جنگ کر رہے ہوتو) ان سے پیٹھ مت پھیرو اور یاد رکھو۔ اس دن جو ان سے پیٹھ پھیرے گا وہ غضب کا شکار ہو جائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔ البتہ وہ شخص جو (کسی جنگی مصلحت کی وجہ سے) دشمن کے لئے گھات لگا رہا ہو یا اپنی جماعت سے جاملنے کی کوشش کر رہا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

آپ نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے۔ اور جب آپ (مٹھی بھر خاک) ان پر پھینک رہے تھے تو وہ آپ نہیں بلکہ اللہ پھینک رہا تھا تا کہ وہ مومنوں کو اچھی طرح آزمالے۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یہ (اہل ایمان کے لئے ان کی) تدبیر تھی لیکن اصل میں یہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵ تا ۱۸

لَقِيْتُمْ	تم نے ملاقات کی۔ تم ملے
زَحْفٌ	لڑائی
لَا تُوَلُّوْا	تم نہ پھیرو
يَوْمَئِذٍ	اس دن
مُتَحَرِّفٌ	پینترا بدلنے والے۔ (جنگی چال)
مُتَحَيِّزٌ	ملنے والے
رَمَيْتَ	تو نے پھینکا
رَمٰى	اس نے پھینکا
بَلَاءٌ حَسَنٌ	اچھی طرح آزمانا
مُوْهِنٌ	سست اور ضعیف کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۸

دراصل جنگ ہو یا امن۔ زندگی کا میدان ہو یا پریشانی کے حالات جو لوگ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں وہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے حقدار ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جو میدان چھوڑ کر اور پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہیں کبھی کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں کیا کرتے۔

ان آیات میں اس بات کو فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! جب بھی کسی جنگ میں تمہارا مقابلہ کفار سے ہو تو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور ان کو پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گا اور اس کے لئے جہنم جیسا بدترین ٹھکانا اس کا مقدر بن جائے گا البتہ اگر کوئی جنگی مصلحت ہو تو اور بات ہے مثلاً اس لئے میدان جنگ سے پیچھے ہٹا جائے تاکہ دشمن آگے بڑھ آئے اور وہ اس گمان میں اپنی مضبوط پوزیشن کو چھوڑ دے کہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں اور جب کفار آگے بڑھ آئیں تو ان پر ایسا وار کیا جائے کہ دشمن کو شکست کھا کر بھاگنا پڑے۔ جنگ موتہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسی جنگی حکمت عملی کو اختیار کیا اور دشمن کو شکست فاش دیدی۔

پیچھے ہٹنے کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ امیر کے حکم سے اپنی فوج کے کسی بڑے حصے سے جا کر ملنا ہوتا کہ جمع ہو کر اور پلٹ کر حملہ کیا جائے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کسی حال میں دشمن کو پیٹھ دکھانا مومن کی شان نہیں ہے اسی طرح کی اور آیات اہل ایمان کی رہنما تھیں اور انہوں نے ڈٹ کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کیا کامیابیاں حاصل کیں اور دشمن کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

دوسری بات جو پچھلی آیات میں واضح طور پر کہی گئی ہے اور یہاں بھی دوبارہ ارشاد فرمائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہار جیت کا فیصلہ محض انسانی کوششوں سے نہیں ہوتا بلکہ غیبی مدد کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی کوششوں پر اعتماد کے بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔ کفار کا بھروسہ اور اعتماد ظاہری فوج، ہتھیار، مال اور خزانہ پر ہوتا ہے لیکن، مومنوں کا اعتماد سراسر نصرت الٰہی پر ہوتا ہے۔ کافر تو تلوار پر بھروسہ کرتا ہے لیکن مومن کے ہاتھ میں تلوار نہ بھی ہو وہ محض اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے ایمان و یقین کو پیش کرتا ہے اور اللہ کی مدد سے کامیاب ہو جاتا ہے۔

غزوہ بدر میں اہل ایمان کے پاس نہ سواریاں تھیں نہ تلواریں جب کہ مکہ کے کفار ہتھیاروں اور سواریوں سے لیس تھے۔ لیکن اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار مکہ کو شکست فاش ہوئی اور بے سرا سامانی کے باوجود مسلمانوں کو تاریخی فتح نصیب ہوئی۔ سچ ہے جنگیں جذبوں سے لڑی جاتی ہیں ہتھیاروں سے نہیں۔

اسی بات کو اللہ نے یہاں جنگ بدر کی مثال دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ تم نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کفار کو اللہ نے قتل کیا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر تمہاری کیا مجال تھی کہ تم دشمن کا بال بھی بیکا کر سکتے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خاک کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ گویا ہم نے پھینکی تھی ورنہ یہ نتیجہ کبھی ظہور میں نہ آتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جہاد بدر میں دشمنوں کی بڑی تعداد دیکھ کر اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے

دعا فرمائی جواب میں اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیلؑ آئے اور کہا کہ ایک مٹھی بھر ریت لشکر کفار کی طرف پھینک دیجئے آپ نے ایسا ہی کیا ہر کافر جنگجو کی آنکھوں میں وہ ذرے پہنچ گئے وہ وقتی طور پر دیکھنے سے محروم ہو گئے اتنی دیر میں مسلمانوں کے تیروں نے ان میں تباہی مچادی۔ اللہ نے ان آیتوں میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے مجاہدو! تم اپنی کوششوں اور سعی و عمل پر ناز نہ کرو یہ تو اللہ کی فتح و نصرت تھی جس نے قدم قدم پر تمہارا ساتھ دیا۔ جس کے حکم سے فرشتے آئے، بارش برسائی گئی اور تم تازہ دم ہو گئے کفار قتل ہوئے اور خاک کے ذرات نے اپنا کرشمہ دکھایا تمہارے ہاتھ پاؤں دل و دماغ تیر و تفنگ جو استعمال کئے گئے ہیں تو محض اس لئے کہ تمہاری آزمائش ہو تم جنت کے حق دار قرار پاؤ اور کافروں کو معلوم ہو جائے کہ لشکر ہو یا کر و فر ان کی ہر چال کو الٹ دیا جائے گا اس بات کی مزید وضاحت اس کے بعد کی آیات میں فرمائی گئی ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ع ۲ ۹ ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۴

اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے پاس فیصلہ آ گیا۔ اگر تم باز آ گئے تو وہ تمہارے لئے بہتر

ہے اور اگر تم نے یہی کیا تو پھر ہم بھی یہی کریں گے۔ اور تمہاری یہ کثرت تمہارے کام نہ آئے گی۔ بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن کر اس سے منہ نہ پھیرو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے ہیں۔

بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں میں وہ لوگ بدترین ہیں جو بہرے اور گونگے بن رہے ہیں اور بات کو نہیں سمجھتے۔ اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو وہ ان کو سننے کی توفیق دیتا اور اگر وہ ان کو سنوا دیتا تو وہ ضرور بھاگ جاتے اور منہ پھیر لیتے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو جس وقت وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے اور اس بات کو (اچھی طرح) جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بلا شبہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۴

تَسْتَفْتِحُوْا	تم فیصلہ چاہتے ہو
تَنْتَهُوْا	تم رک جاؤ
تَعُوْدُوْا	تم پلٹ جاؤ گے
نَعُدْ	ہم پلٹ جائیں گے
لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز فائدہ نہ دے گا
فِئَة	جماعت۔ گروہ
كَثُرَتْ	بہت ہے
سَمِعْنَا	ہم نے سن لیا
شَرُّ الدَّوَابِّ	جان داروں میں بدترین
اَلصُّمُّ	بہرے
اَلْبُكْمُ	گونگے

اَسْمَعَ	وہ سنوادیتا
اِسْتَجِيْبُوْا	تم حکم مانو
دَعَاكُمْ	اس نے تمہیں بلایا
يُحْيِيْكُمْ	وہ تمہیں زندگی دیتا ہے
يَحُوْلُ	(حَوْلٌ)۔وہ آڑ بن جاتا ہے۔بیچ میں آجاتا ہے
اَلْمَرْءُ	مرد

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۴

ان آیات میں چند بہت ہی بنیادی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

(۱) جب مکہ کے کفار مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے اس وقت لشکر کفار کے سرداروں نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر اللہ سے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی کہ:

"اے اللہ دونوں لشکروں میں جو اعلیٰ وافضل ہو دونوں فریقوں میں جو زیادہ ہدایت پر ہو، دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ کریم اور شریف ہو اور دونوں میں سے جو دین افضل ہو اس کو فتح عطا فرما"

ان جاہلوں اور احمقوں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ ہر بات میں وہی اعلیٰ وافضل ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ حق پر نہیں ہیں (نعوذ باللہ) اسی لئے انہوں نے اس خوش گمانی میں ایسی دعا کی جو خود ان کے حق میں الٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تم تو حق کی فتح چاہتے تھے تو لو تمہارے سامنے حق کی فتح آگئی ہے اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو بہتر ہے توبہ کے دروازے ابھی کھلے ہوئے ہیں اگر تم اپنی پرانی روش سے باز آجاؤ تو اس دنیا اور آخرت میں فائدہ ہی فائدہ ہے لیکن اگر تم نے وہی حرکتیں جاری رکھیں تو ہم بھی سابقہ نتائج دکھادیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس طرف بھی متوجہ کردیا کہ اگر تم دوبارہ لاؤ لشکر لے کر آؤ گے تو تمہاری کثرت تمہارے کام نہ آسکے گی اور تم منہ کی کھا کر واپس لوٹو گے۔ یہ قرآن کریم کی ایک پیشین گوئی بھی تھی کہ یہ کفار اپنی روش سے باز نہ آئیں گے اور اپنی طاقت کو اپنی کثرت کے گھمنڈ میں آزماتے رہیں گے لیکن اللہ نے اس طرف اشارہ کردیا کہ اللہ اور اس کی ساری کائنات کی قوتیں اہل ایمان کے ساتھ ہیں۔

(۲) ان آیات میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ:

جب تم نے اللہ کے ایک معبود ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا زبانی اور قلبی اقرار کرلیا ہے تو آگے بڑھو اور اپنے عمل کو اس کی شہادت بنادو۔ لیکن تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنہوں نے زبانی اقرار تو کرلیا لیکن جب عمل کا وقت آیا تو انہوں نے بھاگ نکلنے کے ہزار راستے تلاش کرلئے ، اور بہرے ، گونگے ، بے عقل جانوروں کی طرح ہوگئے۔

فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کی جائے گی تو ہر کامیابی نصیب ہوگی لیکن اگر بہرے گونگے بن کر زندگی گذاری گئی تو بدنصیبی ہی مقدر بن سکے گی۔

تمام جان داروں میں واحد ذمہ دار اگر ہے تو وہ انسان ہے وہی "خلیفۃ اللہ فی الارض" یعنی زمین میں انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کیا۔ اس نے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے اڑادیا تو یہ اس کی شان اور رتبہ کے خلاف بات ہوگی جو زبان سے دوسروں کو نہ سنائے جو اللہ کی آیات میں غور وفکر نہ کرے نہ سمجھے نہ سمجھائے تو کیا وہ اللہ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدترین نہیں ہوگا؟

دین اسلام کو سمجھنے کے لئے سننا اور پڑھنا یعنی سمع وبصر کا استعمال ضروری ہے علم کی تعریف قرآن کریم میں بار بار آئی ہے۔ پڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کو نازل کیا ہے جس کی ابتداء ہی "اقرأ باسم ربک" (اپنے رب کے نام سے پڑھو) سے ہوئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے ساتھ اپنے عظیم رسول کو بھی بھیجا ہے جو ان آیتوں کو پڑھ کر سناتے ہیں جو اس کتاب کی تعلیم دیتے اور اس کی حکمتوں کو بیان کرتے ہیں اور دلوں کے زنگ کو مانجھ کر صاف کرتے ہیں فرمایا کہ جو شخص ان کا حکم سنے گا، ان کا کہا مانے گا ان کی اطاعت کرے گا تو وہ اللہ ہی کی اطاعت وفرماں برداری کرے گا۔

سننے والے چار طرح کے ہوتے ہیں (۱) وہ جو کانوں سے سنتے ہیں مگر اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے نہ فہم نہ عقیدہ نہ عمل (۲) وہ جو سنتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں مگر نہ عقیدہ نہ عمل (۳) وہ جو سنتے ہیں سمجھتے ہیں اور عقیدہ بھی رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ (۴) وہ جو سنتے ہیں سمجھتے ہیں۔ ایمان لاتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں سمعنا واطعنا ان کا بنیادی عقیدہ ہوتا ہے۔

پہلی قسم والوں کو ان آیات میں "شر الدواب" (جان داروں میں بدترین) کہا گیا ہے دوسری قسم والے کفار اور منافقین ہیں تیسری قسم گناہ گار مسلمانوں کی ہے جو حق سے قریب تر ہیں چوتھی قسم ان مومنوں کی ہے جو اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اور جو کچھ وہ سنتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا وآخرت میں کامیاب وبامراد ہونے والے ہیں۔ ایمان والوں سے فرمایا جارہا ہے کہ جب تم نے دیکھ لیا کہ فتح ونصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور زندگی کے ہر میدان میں وہ اہل ایمان کی مدد کرتا ہے تو لازم ہے کہ تم اپنے اپنے ایمان کو اور پختہ کرلو اور جب کبھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سنو تو اس پر فوراً عمل کرو ہچکچاہٹ ، بہانہ اور پیچھے ہٹنا یہ سب باتیں ایمان کے خلاف ہیں۔ فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا کہ جب ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی گئی تو وہ بہرے گونگے بن کر رہ گئے۔

جنگ بدر میں بعض منافقین بہانے بنا کر پیچھے ہٹ گئے تھے میدان کارزار تک کوئی نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کو وہاں تک جانے کی توفیق ہی نہیں دی گئی تھی اگر وہ وہاں جاتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگتے، جاسوسی کرتے یا دشمنوں سے جا کر مل جاتے اگر ان میں بھلائی کا کچھ مادہ ہوتا تو اللہ انہیں سننے اور عمل کرنے کی توفیق ضرور دیتا یہ اہل ایمان کے لئے اچھا ہی ہوا کہ صرف سچائی پر قائم لوگوں نے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اور منافقین اس میدان کارزار تک نہ پہنچ سکے۔

(۴) آخر میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے تو لپک کر اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرو۔ فرمایا گیا کہ جہاد ہی وہ چیز ہے جس میں ملت کی زندگی ہے۔ اور ملت ہی کی زندگی سے افراد کی زندگی وابستہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون جہاد میں شریک ہوا اور کون بہانے بناتا رہا۔ وہ ہر انسان کے دل میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی ایک ایک نبض کو پہچانتا ہے۔ اس بات کا فیصلہ اس دنیا میں سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن ایک دن تم سب کو اس کے پاس جمع ہو کر اپنا اپنا حساب پیش کرنا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

اور اس آزمائش (وبال) سے ڈرتے رہو جو تم میں سے صرف ظالموں پر ہی نہ پڑے گی اور تم (اس بات کو) جان لو کہ اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

یاد کرو جب تم زمین میں بہت تھوڑے تھے اور تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ تمہیں لوگ اچک کر نہ لے جائیں۔ پھر اس نے تمہیں ٹھکانا دیا اور تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں حلال و پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

لَاتُصِيبَنَّ	تمہیں نہیں پہنچے گا
يَتَخَطَّفُ	وہ اچک لے گا
اٰوٰى	اس نے ٹھکانا دیا
اَيَّدَ	اس نے قوت دی
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے

تشریح: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶

قرآن کریم میں اس بات کو بار بار ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب کسی بستی میں کوئی وبا آتی ہے تو اس کی لپیٹ میں صرف وہی لوگ نہیں آتے جنہوں نے گندگی پھیلا کر وبا کو دعوت دی ہے بلکہ وہ تمام لوگ بھی آجاتے ہیں جو اپنی انفرادی زندگی میں بہت صاف ستھرے رہے ہوں۔

اسی طرح جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اس کی زد میں نہ صرف قصور وار اور خطا کار پکڑے جاتے ہیں بلکہ وہ سب لوگ بھی آجاتے ہیں جو شخصی زندگی میں بڑے پاک دامن رہے ہیں۔

اس لئے ہر صاحب ایمان پر فرض ہے کہ وہ ان گناہوں کو جو وبائے عام کی صورت اختیار کر سکتے ہیں بنیادوں پر ہی اس کو روکنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اگر یہ بند ٹوٹ گیا تو اس سیلاب میں ہر کس و ناکس بہہ جائے گا۔ اس وبا اور گناہ کو جڑ پر روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ تبلیغ و نصیحت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ یہ تبلیغ و نصیحت انفرادی سطح سے اٹھا کر اجتماعی سطح تک بلند کی جائے۔ ایک ایسی تنظیمی اور اجتماعی کوشش اور جدوجہد ہو جو برے لوگوں کو ان کی برائی سے روکنے اور اچھے لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف راغب کرنے میں معاون ہو پھر بھی اگر بری اور گندی ذہنیت کے لوگ ماننے کیلئے تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف جماعتی طور پر کسی جہاد سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

یہی بات سورۃ الاعراف کی آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶ میں اصحاب السبت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہی گئی ہے۔ جب عذاب الٰہی آیا تو لپیٹ میں وہ بھی آگئے جو نہایت نیک اور پاکباز تھے صرف وہی لوگ بچائے گئے جنہوں نے اللہ کا دین پہنچانے کی جدوجہد کی تھی۔

پچھلی آیات میں کہا گیا ہے کہ جہاد روح حیات ہے اور ملت ہی کی زندگی سے افراد کی زندگی وابستہ ہے۔ اسی سورت میں اس

بات کو ایک اور انداز سے دہرایا گیا ہے کہ جب سیلاب آئے گا تو وہ نیک و بد سب کو بہا کر لے جائے گا۔اس لئے اس سیلاب کے آگے مضبوط بند باندھنے کی ضرورت ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلقۂ اثر میں کسی جرم اور گناہ کو جڑ نہ پکڑنے دیں ورنہ گناہ گار اور بے گناہ سب اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے روایت کی ہے کہ لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دے (ترمذی)

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قانونی حدود توڑنے کے گناہ گار ہیں اور جو لوگ قدرت کے باوجود انہیں گناہ سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز میں اوپر نیچے دو طبقے ہوں نیچے والوں نے پانی حاصل کرنے کے لئے جہاز میں سوراخ کر دیا۔اوپر والے ان کی اس حرکت کو دیکھ رہے ہوں مگر منع نہ کرتے ہوں جب جہاز ڈوبے گا تو اوپر والے اور نیچے والے دونوں ہی پانی میں غرق ہو جائیں گے۔ چنانچہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں ''فتنۃ'' سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کر دینا ہے یعنی خیر کے کاموں کو پھیلانا اور برے کاموں سے روکنے کا سلسلہ جب بند ہو جائے گا تو پھر اللہ کا عذاب ایسی بستی کی طرف متوجہ ہو جایا کرتا ہے۔

بعض مفسرین نے لفظ ''فتنۃ'' سے مراد ترک جہاد لیا ہے خصوصاً اس وقت جب کہ مسلمانوں کے خلیفہ وقت نے جہاد کی عام دعوت دیدی ہو اس وقت ترک جہاد کا وبال عوام و خواص سب پر پڑے گا۔اور قرینہ یہ ہے کہ اس سورت کی پچھلی آیات میں بھی ترک جہاد کرنے والوں اور میدان جنگ سے بھاگنے والوں کی مذمت کی ہے۔

سورۃ الانفال میں جہاد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہ چبھتی ہوئی مثال پیش کی ہے جو سب پر ابھی بیتی ہے۔یعنی ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ تم مکہ مکرمہ میں مختصر تھے کمزور و مجبور اور بے کس تھے اور ہر وقت ڈرے سہمے رہتے تھے کہ کہیں کفار تمہیں چٹکیوں میں نہ مسل دیں۔لیکن اللہ کے حکم سے تم نے ہجرت کی اپنوں کو چھوڑا اور مدینہ کو اپنا ٹھکانا بنایا اس نے تمہیں ٹھکانا عطا فرمایا پھر تم نے اللہ کی راہ میں (بدر میں) جہاد کیا بے سرو سامانی کے باوجود اس نے تمہیں فتح و نصرت عطا فرمائی سامان و اسباب کے دروازے تم پر کھل گئے اور ساری دنیا پر تمہاری دھاک بیٹھ گئی اگر ہجرت اور جہاد نہ کرتے تو یہ سب کچھ حاصل نہ ہوتا اور دشمن تمہیں فنا کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کرتا اس لئے ہجرت اور جہاد کیلئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔

شکر گذاری صرف یہی نہیں ہے کہ زبانی طور پر ہی شکر ادا کر دیا جائے بلکہ دین اسلام کی بقاء ترقی اور عظمت کے لئے اور باطل سے ٹکرانے کی مزید تیاری جاری رکھی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

ع ۳ ۹ ۱۷

ترجمہ: آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو جب کہ تم جانتے ہو۔ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں ایک آزمائش ہیں اور بیشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان (جو چیز حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہو) عطا کردے گا۔ اور تمہاری خطاؤں کو معاف کر کے تمہاری بخشش کردے گا۔ اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹

لَا تَخُوْنُوْا	خیانت نہ کرو
فِتْنَةٌ	آزمائش
فُرْقَانٌ	حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹

اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! یہ جسم وجاں مال واسباب یہ بال بچے۔ یہ علم وعقل یہ صحت وفراغت یہ اقتدار واختیار اپنے اور پرائے غرضیکہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی تمہارے پاس ہے سب اللہ کی امانت ہے۔ تم صرف ایک امانت دار ہو ان چیزوں کو اسی طرح استعمال کرو جس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمہیں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان کو استعمال کرنے کا وقت بارہ مہینے اور گھنٹوں میں چوبیس گھنٹے ہیں ہوش پانے سے ہوش کھونے تک ہے۔ جو خیانت کرنے والے ہیں وہ تبلیغ دین سے بھاگتے ہیں کیونکہ اس میں علم وعقل اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تنظیم اور تنظیمی کاموں سے بھاگتے ہیں کیونکہ اس میں "انا اور نفس" کو مارنے کی اور اطاعت امیر اور نظم وضبط کی ضرورت ہے وہ جہاد سے بھاگتے ہیں کیونکہ اس میں اہل وعیال سے چھوٹنے کا خطرہ ہے۔ وقت، آرام اور جان ومال کی قربانی کا سوال ہے۔ سامان زندگی اور سامان عیش وآرام کو تج دینے کا سوال ہے۔

کون ہے جو یہ باتیں نہیں جانتا۔ کون ہے جب اس کی امانت میں خیانت ہوتی ہے تو وہ تڑپ نہیں اٹھتا۔ لیکن کس بے ضمیری سے وہ ان امانتوں میں خیانت کرتا ہے جو اللہ نے اس کے پاس رکھوائی ہیں اور جو لوگوں نے اس کے پاس رکھوائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جان ومال علم وعقل یہ صحت وفراغت نہ صرف اللہ کی امانتیں ہیں بلکہ ان سے سب کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ کا زبان اور دل سے اقرار اہل ایمان کو ان امانتوں میں خیانت اور دوسروں کے حقوق میں کمی سے روکتا ہے۔ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن کا صحیح طریقہ سکھاتا ہے۔ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بندے کا ایک امتحان ہیں دیکھیں کون بے خطر آتش نمرود میں کود پڑتا ہے اور کون لب بام محو تماشا رہتا ہے۔

اس آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے شک مال ودولت اور اولاد میں بڑی کشش ہے یہ کشش ہی بڑی آزمائش ہے لیکن جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان شکر گذار بندوں کے لئے اللہ نے بے شمار انعامات اور نعمتوں کا خزانہ محفوظ کر رکھا ہے جو انہیں جنت میں عطا کیا جائے گا۔

آگے فرمایا کہ اے مومنو! تم اپنے دل میں خشیت الٰہی پیدا کرو ہر قدم جو تم اٹھاؤ ہر کام جس کو تم ہاتھ لگاؤ پہلے غور کر لو کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور رضا شامل ہے یا نہیں۔ اگر اس میں اللہ ورسول کی اطاعت ہے تو اس کو کر ڈالو اور اگر اللہ اور رسول کی اطاعت کے خلاف ہے تو اس راستے سے ہٹ جاؤ اس مسلسل عمل سے تمہارے اندر ایک سلامتی کا مزاج پیدا ہو جائے گا۔ ایک قوت تمیزی زور پکڑ لے گی۔ ایک ضمیر زندہ وتابندہ ہو جائے گا۔ تم خود اپنا فیصلہ آپ کر سکو گے۔ اور قرآن وسنت کی روشنی تمہاری رہنما بن جائے گی۔

اللہ بڑے فضل وکرم والا ہے" یہ آیت امید ہے۔ آیت توکل ہے آیت تقویٰ ہے۔ آیت ہدایت ہے آیت وعدہ ہے اور آیت جنت ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا
قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا
هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ
أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ
فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

اور یاد کرو جب وہ کافر آپ کے خلاف سازش کررہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا قتل کردیں یا آپ کو (وطن سے) نکال دیں۔ وہ اپنی سازشیں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اور جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں کہتے ہیں کہ 'ہم نے سن لیا' اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام بناسکتے ہیں۔ یہ سوائے پرانے قصے کہانیوں کے اور کیا ہے۔

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے سچ ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسادے یا ہمارے لئے دردناک عذاب لے آ۔

(بات یہ ہے کہ) اللہ ایسا نہیں ہے کہ جب آپ ان کے درمیان موجود ہیں تو ان کو عذاب دے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ (کچھ لوگ) اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے بھی موجود ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

یَمْکُرُ	وہ تدبیر کرتا ہے
لِیُثْبِتُوْکَ	تاکہ وہ تجھے قید کرلیں
خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ	بہترین تدبیر کرنے والا
اَسَاطِیْرُ	(اُسْطُوْرَۃ)۔ پرانی کہانیاں۔ لکھی ہوئی چیز
اَللّٰھُمَّ	میرے اللہ
اَمْطِرْ	برسادے
حِجَارَۃ	(حَجَر)۔ پتھر
اَنْتَ فِیْھِمْ	تو ان میں ہے (آپ ﷺ ان میں ہیں)
یَسْتَغْفِرُوْنَ	وہ معافی مانگتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

وہ آخری دن جب آپ ﷺ ہجرت سے پہلے شہر مکہ میں تھے۔ اور بہت سے صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حبشہ اور دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے کفار مکہ آثار وقرائن سے یقین کر چکے تھے کہ اب حضرت محمد ﷺ بھی ہجرت کر جانے والے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہجرت کی صورت میں ان کے سامنے کیا کیا خطرات پیش آئیں گے اس لئے آگے کی پالیسی طے کرنے کے لئے کفار ومشرکین کے سرداروں میں ایک اہم اجلاس ''دارالندوہ'' میں ہوا جس میں حبشہ میں سفارتی ناکامی اور مسلمانوں کی آہستہ آہستہ ہجرت نے کچھ سوالات ہر شخص کے ذہن میں پیدا کر دیئے تھے باہمی مشورہ ہوا اور اس بات پر غور کیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ کو

(۱) قید کر دیا جائے۔ (۲) ان کو قتل کر دیا جائے۔ (۳) یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔

ان تمام باتوں میں اس بات کا خطرہ تھا کہ اس قبائلی نظام میں حضور اکرم ﷺ کا قبیلہ بنو ہاشم ان سب اقدمات پر کوئی بھی انتقامی کارروائی کر سکتا ہے۔ ابو جہل کی اس تجویز پر سب نے اتفاق کر لیا کہ سب قبیلوں سے ایک ایک نوجوان کو لے لیا جائے وہ سب حضور ﷺ کے دروازے پر جمع ہوں سب کے پاس تیز تلواریں ہوں اور سب مل کر بیک وقت حضور ﷺ پر حملہ کر دیں اور ان کی زندگی ختم کر دیں (نعوذ باللہ) ان کا خیال تھا کہ حضرت محمد ﷺ کا قبیلہ سارے قبیلوں سے بدلہ نہ لے سکے گا اور خون بہا پر راضی ہو جائے گا اور اس کا ادا کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ سب نے اس تجویز کو نہ صرف پسند کیا بلکہ یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ اس تجویز پر آج رات ہی عمل کیا جائے۔ اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل امین نے سارا واقعہ نبی کریم ﷺ کو بتا دیا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے عظیم صحابی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ نے فوری طور پر مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جو ذہنی طور پر

پہلے سے تیار تھے اور ایک اونٹ اسی وقت کے لئے تیار کر رکھا تھا وہ خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ لوگوں کی بہت سے امانتیں آپ کے پاس تھیں آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جانا تا کہ دشمن یہ سمجھے کہ میں سو رہا ہوں۔ اور صبح کو لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کر کے خود بھی مدینہ منورہ آ جانا۔

چنانچہ اسی رات تمام دشمن قبیلوں کے نوجوان تلواریں لے کر آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو گئے صبح کو جب آپ ﷺ باہر نہیں نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ آپ کے بستر پر ہیں پوری قوم اس ناکامی پر تڑپ کر رہ گئی اور آپ کو تلاش کرنے کے لئے صحرا میں بکھر گئی۔ آپ نے غار ثور میں تین دن قیام کیا کفار تلاش کرتے کرتے مایوس ہو گئے اور آپ ﷺ نے بڑی احتیاط اور خاموشی سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی جان پر کھیل کر اور ہر طرح کے خطرات مول لے کر اللہ کی اس امانت کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ ادھر حضرت علیؓ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کر رہے تھے لیکن صدیق اکبرؓ اللہ کی امانت یعنی حضرت محمد ﷺ کی حفاظت میں جاں نثاری کا عظیم نذرانہ پیش کر رہے تھے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ وہ لوگ اپنی سازشوں میں لگے ہوئے تھے اور اللہ جو بہترین تدبیریں کرنے والا ہے بہترین تدبیر فرما رہا تھا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی اس بات کو نقل کیا ہے کہ وہ کفار کہا کرتے تھے کہ جس قرآن کو حضرت محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں وہ اتنا عظیم کلام نہیں ہے کہ ہم نہ کہہ سکیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس میں سوائے پرانے زمانے کے قصوں کے اور کیا ہے وہ قرآن کریم کو حقیر سمجھتے تھے۔ اسی طرح صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کی باتوں کو نظر انداز کر کے کہتے کہ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس عذاب کو ہمارے اوپر لے آیئے۔ ہمارے اوپر پتھر برسانے ہیں تو پتھر برسا دیجئے یا جو دردناک سے دردناک عذاب ہو وہ ہم پر لے آیئے۔ اس کا جواب حق تعالیٰ شانہ نے یہ دیا کہ جب تک دو صورتیں رہیں گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو نازل نہیں کرے گا۔ جب تک (۱) اے نبی ﷺ آپ ان کے اندر موجود ہیں (۲) اور جب تک لوگ توبہ و استغفار کرتے رہیں گے۔ درحقیقت ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف صاف ارشاد فرما دیا ہے کہ اے کفار مکہ تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کا وجود تمہارے اندر اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔ سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اللہ تو عذاب نازل کر دیتا لیکن جب تک تمہارے اندر اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور استغفار کرنے والے صحابہ کرامؓ موجود ہیں عذاب نازل نہیں کرے گا۔ لیکن جب تم نے اپنی سازشوں سے خود ہی اس نعمت کی ناقدری کی ہے اور تم ان دونوں سے محروم ہو گئے تو اب اللہ کا عذاب آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔

تاریخ گواہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد مکہ میں اتنا شدید قحط پڑا کہ لوگ کتے اور بلیاں ہی نہیں بلکہ گھاس تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے دوسرے یہ کہ مکہ کے کفار کا زوال اس دن سے شروع ہو گیا تھا جس دن آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی جس کے نتیجے میں رسوا کن شکستوں نے ساری دنیا میں ان کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا تھا اور فتح مکہ کے بعد وہ وقت بھی آیا جب یہ سارے مجرم شرمندگی سے سر اور آنکھیں جھکائے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنی جان و مال کی بھیک مانگ رہے تھے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ
عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ
تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا
فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا
فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا
تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

ع ۴ ۹ ۱۸

ترجمہ: آیت نمبر ۳۴ تا ۴۰

اور ایسی ان میں کون سی بات ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے گا جب کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام

سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے مالک نہیں ہیں۔اس کے متولی تو ان کو ہونا چاہیے تھا جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔اور بیت اللہ میں ان کی نماز سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے۔پھر تم اس کفر کے سبب جس کو تم کرتے ہو عذاب چکھو۔

بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے اور اپنے مال کو اللہ کے راستے سے روکنے میں خرچ کرتے ہیں اور وہ خرچ کرتے رہیں گے مگر اس پر ان کو افسوس ہوگا۔پھر وہ مغلوب کئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

تا کہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے جدا کردے۔ایک گندگی کو دوسری پر ڈال کر ان سب کو ایک ڈھیر کی طرح جمع کر کے جہنم میں جھونک دے۔یہ وہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے! کہ اگر وہ (اپنی حرکتوں سے) رکتے ہیں تو جو کچھ گذر چکا وہ ان سے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر وہی کریں گے تو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا (وہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا)

اور ان سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ (جڑ و بنیاد سے) مٹ نہ جائے اور دین سب کا سب اللہ کے لئے نہ ہوجائے۔پھر اگر وہ رک جاتے ہیں تو بیشک جو کچھ وہ کریں گے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔اور اگر پلٹ گئے تو یہ بات جان لو کہ بلاشبہ اللہ تمہارا ساتھی ہے۔وہی اچھا ساتھی اور بہترین مددگار ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۴ تا ۴۰

مُكَاءٌ	سیٹیاں
تَصْدِيَةٌ	(صَدٰی)۔تالیاں بجانا
لِيَصُدُّوْا	تا کہ وہ روک دیں
لِيَمِيْزَ	(يَمِيْزُ) تا کہ وہ الگ الگ کردے
اَلْخَبِيْثُ	گندگی
اَلطَّيِّبُ	پاکیزگی
يَرْكُمَ	(رَكَمَ)۔وہ ڈھیر بنادے گا۔گٹھا بنادے گا

اِنْ يَّنْتَهُوْا	اور اگر وہ رک جائیں
سَلَفَ	گذر گیا
اِنْ يَّعُوْدُوْا	اور اگر وہ پلٹ جائیں
مَضَتْ	گذر گئی
سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ	پہلے لوگوں کا طریقہ
مَوْلٰى	ساتھی
نِعْمَ الْمَوْلٰى	بہترین ساتھی
نِعْمَ النَّصِيْرُ	بہترین مددگار

تشریح: آیت نمبر ۳۴ تا ۴۰

قریش مکہ نے خیر مانگنے کے بجائے اللہ سے یہ مانگا کہ ان پر پتھروں کی بارش کردی جائے یا دردناک عذاب بھیج دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدر کے میدان میں زبردست شکست تمہارے لئے اس لئے عذاب الیم ہے کہ اس نے قریش کی دھاک ختم کردی اور وہ ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے انکے بہترین لیڈر اور کمانڈر یا مار دیئے گئے یا قید کر لئے گئے اور وہی مسلمان جن کو سب سے کمزور سمجھ لیا گیا تھا ہر ذہن پر چھا گئے تھے پتھروں کے مقابلہ میں ان کے لئے یہ زیادہ سخت سزا اور عذاب ہے۔ ان آیات میں قریش مکہ کے چند اہم گناہ گنوائے گئے ہیں جو ان پر سخت سزاؤں کا جواز بھی بنتے ہیں یہ سزائیں غزوہ بدر سے شروع ہو کر فتح مکہ پر ختم ہوتی ہیں جو ان کمزور مسلمانوں کے ذریعہ ان کو دلوائی گئیں جن پر تیرہ سال تک عرب کی سرزمین کو نہ صرف تنگ کر دیا گیا تھا بلکہ ان سے ہر خوشی کو چھین لینے کی کوشش کی گئی تھی۔

ان کے گناہوں کی فہرست تو طویل ہے چند گناہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱) ان کا پہلا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے گھر اور مسجد حرام میں اللہ کا نام لینے اور بیت اللہ کے طواف سے مسلمانوں کو روکا، ان کا گھمنڈ یہ تھا کہ وہ مسجد حرام کے متولی ہیں ان کا یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہیں آنے دیں اور جس سے ناراض ہوں اس کو اس سے روک دیں۔

قرآن کریم کا جواب یہ ہے کہ مسجد حرام اور بیت اللہ کسی شخص یا قوم کی ذاتی ملکیت نہیں ہے نا سمجھ بچے، دیوانے، جھگڑنے

والے اور بے حرمتی کرنے والے اور کافروں کے سوا کسی کو اللہ کے گھر میں داخل ہونے سے روکنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے دوسرے یہ کہ مسجد کا متولی اور منتظم وہی ہوسکتا ہے جو پرہیزگار ہو۔ فرمایا کہ موجودہ قریش نہ پرہیزگار ہیں نہ دین دار کوئی اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کو ہراساں کرنے کے لئے سیٹیاں بجانا تالیاں پیٹنا ننگے ہوکر طواف کرنا ہر ظلم و جبر کے طریقے کو اختیار کرنا۔ کیا ان کی یہی عبادت ہے؟

قریش کی جنگی دھاک اور ہیبت تو میدان بدر میں ختم ہوکر رہ گئی تھی اب عرب قبائل پر ان کی دھونس تھی وہ یہ تھی کہ ہم خانہ کعبہ کے متولی ہیں اس لئے منظور نظر ہیں اس کو بھی قرآن کریم کے اس جواب نے ہلا کر رکھ دیا کہ مسجد کا متولی ظالم و جابر اور بدکار نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ نے ان کی نماز کے متعلق بیان کر کے کہ وہ سیٹیاں اور تالیاں پیٹنے کو عبادت سمجھتے ہیں یہ واضح فرمادیا کہ یہ انتہائی غلط اور ناسمجھی کی بات ہے۔ اللہ کے اس ارشاد نے ان کی عبادت کے ڈھول کا پول کھول کر رکھدیا۔

۲) قریش کا دوسرا گناہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے مسلمانوں کے خلاف نہ صرف سازشیں کرتے ہیں بلکہ یہ کفار و مشرکین بار بار مال و دولت جمع کرتے ہیں۔ اور اللہ کے راستے سے روکنے پر خرچ کرتے ہیں چنانچہ جنگ بدر، احد اور احزاب میں انہوں نے بہت سرمایہ لگایا اور گنوایا۔ سوائے حسرت و افسوس اور پچھتاوے کے ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ فرمایا کہ یہ لوگ اپنا سرمایہ مال و دولت اسی طرح اسلام دشمنی میں لگاتے رہیں گے اور گنواتے رہیں گے مگر ہر کوشش کا نتیجہ ان کی توقع کے برعکس ہی نکل رہا ہے اور نکلتا رہے گا۔

فرمایا کہ ''ایک دن وہ مغلوب ہوکر رہیں گے'' ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی پیشین گوئی فرمادی ہے اور دوسری پیشین گوئی یہ فرمادی ہے کہ کفار ایک دن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو انبار در انبار جمع کر کے ان کو گندگی کا ڈھیر بنادے گا اور پھر اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے گا۔

یہ آیت ایک طرف آیت وعید ہے اور دوسری طرف آیت وعدہ ہے۔ فرمایا ''اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی نیچ حرکتوں سے باز آجاؤ۔ اگر تم باز آگئے اور ان حرکتوں سے رک گئے تو اب تک جو کچھ کر چکے ہو اللہ اسے معاف فرمادے گا اور آیت وعدہ کے ساتھ دعوت بصیرت و عبرت بھی ہے۔

''اگر وہی حرکتیں کرو گے تو دیکھ لو پہلی قوموں کے ساتھ اللہ کا کیا معاملہ ہوا ہے''

ان آیات میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اے مومنو! تم اس وقت تک قتال و جہاد کرتے رہو جب تک فتنہ دنیا سے مٹ نہ جائے۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۳ میں ارشاد ہے کہ ''تم ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لئے ہوجائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی جائز نہیں ہے۔

ان آیات میں اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں نہ صرف جہاد بلکہ قتال (جنگ) کو عین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہنی چاہئے کہ اسلام دنیا سے کفار و مشرکین کو نہیں بلکہ کفر و شرک کے فتنے کو مٹانے کی بات کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام انسانوں

سے نہیں ان کے برے اعمال اور گناہوں سے نفرت سکھاتا ہے، مشرکین وکفار سے نہیں بلکہ شرک وکفر کو فتنہ قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کفار ومشرکین مملکت اسلامیہ میں رہتے ہیں تو شوق سے رہیں ان کو اپنے عقیدے پر چلنے کی اور عبادت کرنے اور زندگی کے اسباب مہیا کرنے کی آزادی ہے۔ اگر وہ فتنہ پیدا نہ کررہے ہوں تو ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ فتنہ اٹھا رہے ہوں اور اسلامی قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کررہے ہوں تو ان رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے انتہائی اقدامات کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر وہ جزیہ دے کر پرامن شہری بن کر رہتے ہیں تو ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے۔

آیت نمبر ۳۹ میں فرمایا گیا کہ:

''اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے''

اس کی بہترین تفسیر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جس کو بخاری ومسلم میں نقل کیا گیا ہے آپ نے فرمایا۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ دشمنان اسلام سے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کلمے کو قبول نہ کرلیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو ان کے خون اور مال وآبرو سب محفوظ ہو جائیں گے۔ البتہ اسلامی قانون کے ماتحت کسی جرم کی وجہ سے ان کو سزا دی جاسکتی ہے۔ ان کے دلوں کا حساب اللہ پر رہے گا کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ اور اعمال اسلام کو قبول کررہے ہیں یا یہ نفاق کی کوئی چال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے محض اپنی جان بچانے کی خاطر یا کسی جنگی یا سیاسی مصلحت کے طور پر اسلام لانے کا اقرار کیا ہے تو پھر بھی اللہ کا حکم ہے کہ انہیں امان دی جائے۔ اور ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جائے جب تک پورے طور پر ان کی منافقت ثابت نہ ہو جائے۔ اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اللہ ہی ان کے لئے بہتر فیصلہ فرما سکتا ہے۔ یہ حسن اتفاق اور دین اسلام کی جاذبیت ہے کہ تاریخ میں اب تک ایسا نہیں ہوا کہ گروہ کے گروہ نے منافقت کے ارادے سے کلمہ پڑھا ہو۔ انفرادی طور پر بھی منافقت کا ارادہ بہت شاذ ونادر رہے۔

ابوداؤد میں مختلف صحابہ کرامؓ سے یہ روایات نقل کی گئی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

جو شخص کسی معاہد پر (یعنی ایسے شخص پر جس نے اسلامی حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا عہد کرلیا ہو) ظلم کرے یا اس کو نقصان پہنچائے یا اس سے کوئی ایسا کام لے جو اس کی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر ہو یا اس کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر حاصل کرلے تو میں قیامت کے دن اس مسلمان کے خلاف اس معاہد شخص کی حمایت کروں گا۔

آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ: اگر کوئی معاہد فرد یا جماعت اپنے معاہدہ سے پھر جائے۔ یا اگر مشرکین وکفار اپنی پست حرکتیں جاری رکھیں تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہارا بہترین حامی وناصر ہے۔ جب تمہیں اس کی حمایت ونصرت حاصل ہے تو اس میں ان دشمنان اسلام سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۱

جان لو! تمہیں جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل ہوتا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو کچھ ہم نے اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر فیصلے کے دن (بدر کے دن) نازل کیا ہے جب کہ (کفر و اسلام کی) دونوں فوجیں بھڑ گئی تھیں (اس پر ایمان لائے ہو) اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۱

اِعْلَمُوْا	جان لو
غَنِمْتُمْ	جو تم نے مال غنیمت لیا
خُمُسٌ	پانچواں حصہ
اِبْنُ السَّبِيْلِ	مسافر
عَبْدُنَا	ہمارا بندہ
يَوْمُ الْفُرْقَانِ	فیصلہ کا دن
اِلْتَقٰى	مل گئیں
اَلْجَمْعٰنِ	دو جماعتیں۔ دو فوجیں

تشریح: آیت نمبر ۴۱

نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے جنگوں میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ جنگ میں جو کچھ دشمن کا مال و دولت، لونڈی غلام ہاتھ آتے تھے وہ اسی کے ہو جاتے تھے جو دشمن سے لوٹ لیا کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے جہاں اور ہزاروں انقلابی اور اصلاحی اقدامات سے صحابہ کرامؓ کی ایک مقدس جماعت تیار کی تھی وہیں جنگی صورت حال میں بھی ان کو زندگی کے اصول عطا فرمائے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت اور اس کا ہر فرد جو اپنی اصلاح کے لئے نبی کریم ﷺ کے ہر حکم اور ہدایت کا منتظر رہتا تھا غزوہ بدر میں جوان کے لئے باقاعدہ جنگ کا پہلا تجربہ تھا وہ اس بات کے منتظر تھے کہ اس سلسلہ میں ہماری کیا رہنمائی کی جاتی ہے۔ ایک طرف ان کے سامنے وہ طریقہ تھا جس پر وہ ہمیشہ سے قائم تھے کہ جنگ میں جو چیز جس کے ہاتھ لگ گئی وہ اسی کی ہے دوسری طرف ان کے لئے اس سلسلہ میں واضح ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں اختلاف رائے ہو گیا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ہدایت کے لئے سورہ انفال کو نازل فرمایا۔ تاکہ دنیا داروں اور اہل ایمان کی جنگوں کا فرق واضح کر دیا جائے۔

سورہ انفال کی ابتداء ہی میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ اہل ایمان اپنے نفس کے لئے کسی سے جہاد نہیں کرتے اور نہ کریں گے بلکہ محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے وہ ہر طرح کے جہاد و قتال کیلئے اقدامات کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے ان آیات میں مسلسل انعامات کا اعلان فرما کر اس بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جب ہر طرح اسی کا کرم رہا ہے تو مال و دولت لونڈی اور غلام حتیٰ کہ سوئی اور اسکا دھاگا بھی ہاتھ آتا ہے تو وہ سب کا سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کل مال میں سے چار حصے مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے ہوگا۔ اسی لئے ہر جہاد کے بعد رسول اکرم ﷺ اعلان فرما دیا کرتے تھے کہ:

لوگو! یہ مال غنیمت تمہارے لئے ہیں اس میں میری ذات کا سوائے پانچویں حصے کے اور کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی میں تمہارے اجتماعی معاملات میں خرچ کرتا ہوں لہٰذا ایک ایک سوئی اور دھاگا تک لا کر رکھ دو۔ کوئی چھوٹی بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو۔ ایسا کرنا بہت برا ہے اور اس کی سزا دوزخ ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں مال غنیمت کی تقسیم کا ایک ایک اصول واضح ہو گیا لیکن پانچویں حصے (خمس) کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب تک نبی کریم ﷺ اس دنیاوی حیات میں رہے اس وقت تک یہ پانچواں حصہ آپ کے اور آپ کے اہل خاندان، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جاتا تھا لیکن جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب یہ حصہ

بھی غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے تو رہ گیا مگر آپ کا یہ حصہ ساقط ہو گیا امت کے اکثر علماء کی یہی رائے ہے اور یہی رائے سب سے بہتر ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِىْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِىْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِىْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۴

یاد کرو جب تم ادھر والے کنارے پر تھے اور وہ دوسرے کنارے پر۔ قافلہ تم سے نیچے (اترائی میں تھا) اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو وعدے کی مخالفت کرتے (وقت پر نہ پہنچتے) لیکن اللہ نے تمہیں (جمع کر دیا) کہ وہ کام پورا ہو جائے جو کہ ہونے والا تھا۔ تا کہ جو شخص ہلاک ہو واضح دلیل سے ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور یاد کرو (اے نبی ﷺ) جب اللہ نے آپ کو خواب میں (ان کافروں کی

تعداد کو) کم کر کے دکھایا۔ اور اگر وہ ان کی تعداد زیادہ کر کے دکھاتا تو وہ نہ صرف ہمت ہار جاتے بلکہ معاملہ میں جھگڑ پڑتے۔ لیکن اللہ نے تمہیں اس (اختلاف) سے بچالیا بے شک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔

اور یاد کرو جب تم (بدر میں) ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اس نے (کفار کو) تمہاری آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور تمہیں ان (کافروں) کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا تا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دکھائے جو ہو کر رہنے والا تھا۔ اور سارے کام بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۲ تا ۴۴

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا	قریب کے کنارے پر
بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی	دور کے کنارے پر
اَلرَّکْبُ	قافلہ
اَسْفَلَ	نیچے
تَوَاعَدْتُّمْ	تم نے وعدہ کیا
مِیْعَادٌ	مدت مقرر
لِیَقْضِیَ	تا کہ فیصلہ کردے
اَمْرٌ	کام
مَفْعُوْلٌ	کیا گیا
لِیَهْلِکَ	تا کہ ہلاک ہو جائے
بَیِّنَةٌ	پہچان کر
یَحْیٰ	زندہ رہے گا
یُرِیْکَهُمْ	تمہیں دکھایا اس نے
مَنَامٌ	نیند۔ خواب
لَفَشِلْتُمْ	البتہ تم بزدلی دکھاتے

لَتَنَازَعْتُمْ	البتہ تم ضرور جھگڑتے
سَلَّمَ	اس نے حفاظت کی
فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ	تمہاری آنکھوں میں
قَلِیْلٌ	تھوڑے
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ	کام لوٹائے جائیں گے

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۴

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے دس رکوعوں میں مسلسل جہاد وقتال کے متعلق بیان فرمایا ہے یہ آیات جو صرف حکمت عملی کے اصول وقوانین سے بحث نہیں کرتیں بلکہ جغرافیہ ترتیب عمل نقشہ جنگ اور نفسیات وغیرہ سے بھی بحث کرتی ہیں بلکہ اللہ کے ان غیبی فیصلوں کو بھی بتاتی ہیں کہ جب اللہ نے دونوں فریقوں کو سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا جہاں جنگ کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

اپنے اپنے گھروں سے نکلتے وقت صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ تھا کہ انہیں قریش کے مرتب و مسلح لشکر جرار سے مقابلہ کرنا ہے وہ تو ابوسفیان کے اس تجارتی قافلے کا راستہ کاٹنے کے لئے آ رہے تھے جو مدینہ کے راستے سے گذر رہا تھا اسی لئے نہ ان کے پاس جنگ کے ہتھیار تھے نہ سواریاں تھیں اور نہ وہ ذہنی طور پر اس جنگ کے لئے تیار تھے۔ اسی طرح قریشی لشکر کو ذرا بھی خبر نہ تھی کہ انہیں مدینہ منورہ سے بہت پہلے بدر کے مقام پر جنگ سے واسطہ پڑے گا۔ وہ تو اس مگن میں تھے کہ بدر میں تین دن پڑاؤ ڈالیں گے خوب رنگ رلیاں منائیں گے اور پھر مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ تو بدر کے میدان میں اسلامی لشکر کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے اسی لئے اپنی اس شرمندگی کو مٹانے اور اپنے لشکریوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ابو جہل نے کہا کہ یہ مسلمان تو ہمارے اونٹوں کا ایک لقمہ ہیں ان کی حیثیت ہی کیا ہے!

دوسری طرف چونکہ مسلمان تین سو تیرہ تھے نیز پورے ہتھیار اور جنگ کا ساز وسامان بھی نہ رکھتے تھے اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ ذہنی طور پر بھی تیار نہ تھے۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ دشمن کی تعداد تین گنا ہے اور ہر طرح کے ہتھیاروں اور انتقامی جذبوں سے بھرپور ہیں تو شائد وہ کم ہمتی دکھاتے اور شدید اختلاف ہو جاتا اس لئے مصلحت غیبی سے یہ انتظام کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی گئی جو آپ نے صحابہ کرامؓ کو بتا دی تھی خاص طور پر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں تو مسلمانوں کی نگاہوں میں دشمن کی تعداد کم دکھائی گئی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے دشمن کی صفوں پر نظر ڈالی تو نوے یا سو کے قریب نظر آئے۔ دوسری طرف دشمن کی نگاہوں میں بھی مسلمان بہت تھوڑے نظر آ رہے تھے تاکہ دشمنان اسلام بھی کسی بڑے مقابلہ کی توقع پر گھبرا نہ جائیں اسی لئے بعض روایات کے مطابق ابو جہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو مسلمانوں

کی تعداد سو سے زیادہ نہیں لگتی

اہل ایمان اور کفار کو ایک دوسرے کی نگاہوں میں کم دکھانے سے قدرت کا فیصلہ یہ تھا کہ آج کھرا اور کھوٹا واضح ہو کر دنیا کے سامنے آ جائے۔ اسی لئے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے ''یوم الفرقان'' فرمایا یعنی حق و باطل کے فیصلے کا دن۔ اللہ نے اپنی سنت کے مطابق باطل کو نیچا کر دکھایا کیونکہ جب بھی حق نکھر کر سامنے آتا ہے تو باطل کی مجال نہیں ہے کہ وہ حق کے سامنے ٹھہر سکے۔ غزوہ بدر نے ساری دنیا پر واضح کر دیا کہ یہ جنگ دو نظریات کے درمیان جنگ تھی۔ اسلام بمقابلہ کفر کی بمقابلہ زیادتی۔ اس جنگ اور اس کے نتیجے کے بعد اب جس کا جی چاہے وہ اسلام کا ساتھ دے اور جس کا دل چاہے وہ کفر کے راستے پر چلے لیکن جو بھی اس حق کے راستے پر چلے گا اس کا نتیجہ یہی ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل کو نیچا ہو کر رہنا ہے۔ صرف ہمت کی ضرورت ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۷

اے ایمان والو! جب تمہارا کسی (کافروں کی جماعت سے) مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور خوب اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح و کامیابی حاصل کرو۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ تم صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے لوگوں کو دکھاتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہوئے نکلے۔ حالانکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۵ تا ۴۷

فَاثْبُتُوْا پس جمے رہو

اُذْكُرُوا اللّٰهَ اللہ کو خوب یاد کرو

لَا تَنَازَعُوْا آپس میں نہ جھگڑو

فَتَفْشَلُوْا پھر تم بزدل ہو جاؤ گے

تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی

اِصْبِرُوْا صبر کرو

خَرَجُوْا جو نکلے

مِنْ دِيَارِهِمْ اپنے گھروں سے

رِئَاءَ النَّاسِ لوگوں کو دکھاتے

يَصُدُّوْنَ وہ روکتے ہیں

مُحِيْطٌ گھیرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۷

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد وقتال کے چھ قوانین بتائے ہیں جو اہل اسلام کے لئے رہبر ورہنما ہیں۔

(۱) ثابت قدمی (۲) اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر (۳) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت (۴) آپس میں میل محبت اور اختلافات سے دور (۵) صبر وتحمل (۶) دکھاوے اور ریاکاری سے بچنا۔

(۱) ثابت قدمی سے مراد دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا صرف اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرنا لیکن یہاں صرف ثابت قدمی ہی نہیں بلکہ ثابت قلبی بھی ہے کیونکہ جب تک قلب مضبوط نہ ہو قدم بھی مضبوط نہیں ہوتے۔

(۲) ذکر اللہ کی کثرت۔ اگر دیکھا جائے تو دنیا کی ہر قوم نے اپنی فوج میں حوصلہ اور ہمت پیدا کرنے کے لئے کچھ ترانے بنا رکھے ہیں کیونکہ زبان سے کچھ خاص کلمات ادا کئے بغیر مارچ کرتی ہوئی فوج میں حوصلہ نہیں بڑھتا۔ کسی بھی غیر اسلامی ترانے میں اللہ کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ شان صرف دین اسلام کی ہے جس نے چودہ سو سال پہلے ذکر اللہ کا نسخہ پیش کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی فوجیں

نعرہ تکبیر ''اللہ اکبر'' کے ساتھ مارچ کرتی تھیں جس سے دشمنوں کے دل دہل جایا کرتے تھے۔ وہ جہاد و قتال میں صرف اللہ کا ذکر کرتے تھے اس سے ان کے دلوں میں قوت کا سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔ کاش کہ آج بھی اہل ایمان ہر غیر اسلامی اور غیر اللہ کے ناموں کا نعرہ چھوڑ کر صرف اللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں تو کفر کے ایوانوں میں آج بھی زلزلے آسکتے ہیں۔ اور اللہ کے نام اور اس کے ذکر سے دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ہزاروں کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

(۳) زندگی کے ہر میدان میں ثابت قدمی اور ذکر اللہ کی کثرت کے ساتھ تیسری چیز جو فرمائی گئی ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری اور احکامات کا ماننا ہے۔ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی اللہ کی غیبی امداد کو انسان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

(۴) آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے۔ بزدل ہو جاؤ گے اور اللہ و رسول ﷺ کے دشمنوں پر جو تمہارا رعب اور ہیبت ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں ایک بہت بڑا ہتھیار ''رعب'' ہے۔ یہ مسلمانوں کی ہیبت اور رعب ہی تھا جس نے کفار کے دلوں میں ہلچل مچا کر رکھ دی تھی اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی ساری طاقت اس لئے جھونک دیتے تھے کہ ان پر مسلمانوں کا رعب طاری تھا۔ آج جو اہل ایمان کے مقابلے میں کفار بے دھڑک اور بے خوف ہو کر حملے کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے آپس میں اپنے اختلافات کو اتنا بڑھا لیا ہے کہ ہم ایک ذہن و فکر پر نہ رہے اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر دشمن ہم پر جری ہو گیا ہے۔ اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔

(۵) ثابت قدمی۔ ذکر اللہ کی کثرت اللہ و رسول کی اطاعت آپس میں اتحاد و اتفاق اور میل محبت کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل ایک دوسرے کو برداشت کرنا۔ اللہ کی راہ میں ڈٹ جانا، پامردی دکھانا۔ ڈر، لالچ اور ہر طرح کے خوف سے بے نیاز ہو کر استقلال اور پامردی کے ساتھ دین کی سربلندی کے لئے کوششیں کرنا یہ بھی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ صبر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ صبر و تحمل اختیار کریں گے میں ان کے ساتھ ہوں۔

(۶) دکھاوے اور ریا کاری سے پرہیز۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ کفار کا لشکر اپنی طاقت و قوت کا بے جا مظاہرہ کرتا۔ ڈینگیں مارتا اور اپنی تعداد اور دولت کا رعب جماتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن جب اس کا واسطہ اہل ایمان سے پڑا تو ان کی شیخی اور دکھاوا ہوا میں اڑ گیا۔ فرمایا کہ اہل ایمان صرف اللہ کی بڑائی بیان کریں، اور صبر و تحمل کا دامن تھام کر کثرت سے ذکر اللہ کرتے رہیں کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

اور یاد کرو جب شیطان نے ان کے برے کاموں کو بھی ان کی نظروں میں خوش نما بنا کر دکھایا اور اس نے کہا ان لوگوں میں سے آج کے دن کوئی (تمہارے اوپر) غالب نہ آسکے گا اور میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر جب اس نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر یہ کہتے ہوئے گھوم گیا کہ میں تم سے لاتعلق ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

اور (یاد کرو) جب منافقین اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض تھا کہا کہ (ان مسلمانوں کو) ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ اور (یاد رکھو) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

زَيَّنَ	خوبصورت بنادیا
لَا غَالِبَ	کوئی غالب نہ آسکے گا
جَارٌ	پڑوسی
تَرَاءَ تْ	دیکھا
نَكَصَ	الٹا پھر گیا

عَقِبَيْهِ	(عَقِبَيْنِ. عَقِبٌ)۔ایڑیاں
اِنِّیْ بَرِیْءٌ	بے شک میں الگ ہوں۔میرا کوئی واسطہ نہیں ہے
اِنِّیْ اَرٰی	بے شک میں دیکھ رہا ہوں
لَا تَرَوْنَ	تم نہیں دیکھ رہے ہو
غَرَّ	دھوکے میں ڈال دیا
هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں کو

تشریح: آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

ان آیات میں اہل ایمان کو شیطان کی چال بازیوں سے ہوشیار رہنے کے لئے فرمایا جارہا ہے کیونکہ شیطان سو بھیس بدل کر ایمان والوں کو اپنے جال میں پھنسالیتا ہے۔

مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کفار کا یہ لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو راستے میں بنو کنانہ تھے جن سے قریش کی ہمیشہ سے دشمنی چلی آرہی تھی اور ان کو اس بات کا خوف تھا کہ بنو کنانہ کہیں قریشیوں کا راستہ نہ روک لیں اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کریں۔شیطان جو یہ چاہتا تھا کہ اپنے ماننے والوں کو ذلیل ورسوا کرادے بنو کنانہ کے سردار سراقہ ابن مالک کے بھیس میں شیطان نے ابوجہل سے یہ کہا کہ تم گھبراؤ نہیں اس موقع پر میرا قبیلہ تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کرے گا تمہیں بنو کنانہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔اس کا میں ذمہ لیتا ہوں تم میری پناہ میں ہو۔آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ابوجہل اور قبیلہ قریش اس یقین دہانی پر مطمئن ہو کر آگے بڑھ گئے اور اہل ایمان کو مٹانے کے لئے اور شیر بن گئے۔جب کفار نے مسلمانوں سے شکست کھائی اور وہ واپس آرہے تھے تو مکہ واپس جا کر انہوں نے کہا کہ ہمیں جھوٹی تسلیاں دے کر سراقہ ابن مالک نے مروادیا۔جب یہ اطلاع اس کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ تم جنگ کے ارادے سے کب مکہ سے نکلے ہو۔ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے تب مجھے پوری صورتحال کا علم ہوا۔ابوجہل نے کہا کہ کیا تم فلاں فلاں دن نہیں آئے تھے اور اپنے تعاون کا یقین نہیں دلایا تھا۔وہ حیران ہو کر قسمیں کھاتا رہا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ شیطان سراقہ کی شکل بنا کر آیا تھا۔اس بات کو اللہ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ شیطان مختلف انداز سے لوگوں کو بہکاتا اور ان کو شرمندہ ہونے پر مجبور کرتا ہے۔

نتیجہ کے طور پر اللہ نے فرمایا ہے کہ:

(۱) شیطان کفار و مشرکین اور منافقین کو ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا کر دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے دھوکہ کھا جائیں۔

(۲) وہ ان کو اس بات پر اکساتا اور ورغلاتا ہے کہ آج تمہارے برابر کوئی نہیں ہے۔

(۳) انسانی روپ میں اپنی بھرپور مدد کا یقین دلاتا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ شیطان کے اس فریب سے صرف اہل ایمان ہی بچتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کفر و شرک کی راہوں پر چل پڑتے ہیں وہ شیطان کے جھانسے میں بہت جلد آجاتے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ جب وہ اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے تو پھر نافرمانی کیوں کرتا ہے جواباً عرض ہے کہ دنیا میں بے شمار کفار و مشرکین ایسے ہیں جو ٹھیک خطرے اور مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ خطرہ ٹل جاتا ہے تو پھر وہ پہلے کی طرح گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۴

اور کاش کہ (اس وقت کو) تم دیکھتے جب فرشتے ان کافروں کی جان نکالتے ہیں اور وہ فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہیں (اور کہتے جاتے ہیں کہ) تم جہنم کا عذاب چکھو۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں کے آگے (جیسے بھی) اعمال بھیجے ہیں (ان کا نتیجہ ہے) اور بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

قوم فرعون اور جو ان سے پہلے تھے ان کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا پھر اللہ نے ان کو ان کے گناہوں میں پکڑ لیا۔ بے شک اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جب کسی قوم کو اپنی کوئی نعمت دیتا ہے تو اس وقت تک اس کو ان سے نہیں چھینتا جب تک وہ اپنے طرز عمل کو نہ بدل ڈالیں۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قوم فرعون اور جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کے ساتھ اللہ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ہم نے قوم فرعون کو غرق کر دیا اور ان میں سے سب کے سب ظالم تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۴

یَتَوَفّٰی	موت دے گا
یَضْرِبُوْنَ	ماریں گے
وُجُوْہٌ	(وَجْہٌ)۔ چہرے
قَدَّمَتْ	آگے بھیجا
ظَلَّامٌ	بہت زیادہ ظلم کرنے والا
اَلْعَبِیْدُ	(عَبْدٌ)۔ بندے
کَدَاْبِ	جیسا کہ دستور تھا۔ جیسا کہ طریقہ تھا
اٰلِ	اولاد

اَخَذَ	اس نے پکڑ لیا
ذُنُوْبٌ	(ذَنْبٌ)۔ گناہ
قَوِیٌّ	مضبوط۔ طاقتور
لَمْ یَکُ	(لَمْ یَکُنْ)۔ نہیں ہے
مُغَیِّرٌ	تبدیل کرنے والا
اَنْعَمَھَا	اس نے انعام کیا
حَتّٰی یُغَیِّرُوْا	جب تک وہ بدل نہ ڈالیں
مَا بِاَنْفُسِھِمْ	اپنے دلوں کی کیفیت۔ حالت
اَھْلَکْنَا	ہم نے ہلاک کر دیا
اَغْرَقْنَا	ہم نے غرق کر دیا

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۴

اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے وہ سارا عالم ہم بندوں کی نظروں سے چھپالیا ہے جو نزع، قبر اور برزخ میں ہوتا ہے ورنہ اگر واقعی ہم اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ سکتے تو ہم میں شاید کوئی بھی کافر نہ ہوتا۔ ہمارا امتحان تو یہ ہے کہ علم الیقین کے ذریعہ حق الیقین تک پہنچ جائیں۔ اگر عین الیقین کے ذریعہ پہنچتے تو امتحان کیا ہوتا۔

یہاں پر قرآن کریم ہمیں علم الیقین بخشتا ہے کہ کافر (مشرک اور منافق) جب مرنے لگتا ہے تو موت کے فرشتے اس کی پیٹھ پر، چہرے پر کولھے پر، پاؤں پر سر پر آگ کے گرز برساتے ہیں آگ کے کوڑے اور آگ کی زنجیریں مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ ابھی کیا ہوا آگے نار سقر کا عذاب باقی ہے اور وہ تمہارا منتظر ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے اعمال کی کمائی ہے ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

یہ آیات اور ان کا حکم عام ہے یعنی تمام ان لوگوں کے ساتھ جو کافر ہیں ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن سیاق و سباق کا تعلق چونکہ غزوہ بدر سے ہے اس لئے یہ خصوصی طور پر ان کافروں سے متعلق ہے جو وہاں قتل کئے گئے۔ ان آیات کا خطاب نبی کریم ﷺ سے نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں سے ہے کیونکہ ان ہی کو نصیحت اور عبرت کی ضرورت ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ عذاب چند کافروں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دائمی سنت رہی ہے کہ وہ غور فکر کے لئے

مظاہر فطرت میں ہزاروں لاکھوں چیزیں ایسی پیدا کر دیتا ہے جو وحدت، رحمت، قدرت، حکمت، ربوبیت اور عدالت کی طرف دل و دماغ کو دعوت دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ نصیحت کے لئے اپنی کتابوں اور نبیوں رسولوں کو بھیجتا ہے۔ پھر بھی کوئی قوم یا کوئی فرد آنکھیں بند کر لے، کانوں میں روئی ٹھونس لے، سگ دنیا بن جائے، آیات سے بغاوت کرے۔ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے تو پھر اللہ کا عذاب آ دبوچتا ہے اور پھر اس سے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

یہی کچھ فرعون اور آل فرعون کے ساتھ ہو چکا ہے اور اسی طرح ان سے پہلی قوموں کے ساتھ بھی اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا تو ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہا یہ وہ قومیں تھیں جن کو اللہ نے بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا تھا مگر وہ کفر ان نعمت کی گناہ گار ہوئیں۔ اللہ کا اصول یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو دی گئی نعمتیں اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ ان نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کی حد نہ کر دیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین و کفار مکہ اور منافقوں کو بتا دیا ہے کہ اللہ کی یہی سنت تم پر بھی پوری ہوگی۔ آج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن کریم ایک عظیم نعمت کے طور پر تمہارے سامنے ہیں۔ اگر تم نے ان کی ناقدری کی تو پھر تم دنیا کی اور قوموں کی طرح برے انجام سے نہ بچ سکو گے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

ع ۷
۱۰
۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵۵ تا ۵۹

بے شک اللہ کے نزدیک مخلوق میں بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی بدترین ہیں جنہوں نے آپ سے معاہدہ کیا پھر انہوں نے اپنے

معاہدہ کو ہر مرتبہ توڑ ڈالا اور وہ (اس کے برے انجام سے بھی) نہیں ڈرتے۔

پھر اگر تم (ایسے لوگوں کو) جنگ میں پاؤ تو ان کو ایسی سزا دو جو ان کے بعد آنے والے بھی یاد رکھیں اور جب (اے نبی ﷺ) آپ کو کسی قوم سے بد دیانتی (بدعہدی) کا اندیشہ ہو تو پھر ان سے کئے ہوئے عہد کو ان کے آگے (کھلم کھلا) پھینک دیجئے۔ بے شک اللہ کو بد دیانت لوگ پسند نہیں ہیں۔

وہ کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ آگے نکل گئے ہیں کیونکہ وہ اللہ کو عاجز نہ کر سکیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۵ تا ۵۹

عَاهَدْتَّ	تو نے معاہدہ کیا
يَنْقُضُوْنَ	وہ توڑتے ہیں
لَا يَتَّقُوْنَ	وہ ڈر نہیں رکھتے
تَثْقَفَنَّهُمْ	تو ان کو پائے
اَلْحَرْبُ	جنگ
شَرِّدْ	تو بھگا دے۔ تو سزا دے ان کو
خَلْفَهُمْ	جو ان کے پیچھے ہیں
تَخَافَنَّ	تجھے ڈر ہو۔ خوف ہو
خِيَانَةٌ	بے ایمانی۔ بد دیانتی
اَنْبِذْ	پھینک دے
سَوَاءٌ	برابری
لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتا
اَلْخَائِنِيْنَ	خیانت کرنے والے
لَا يَحْسَبَنَّ	وہ گمان نہ کریں۔ وہ نہ سمجھیں

سَبَقُوْا	وہ آگے بڑھ گئے۔ وہ بچ گئے
لَا يُعْجِزُوْنَ	وہ عاجز و بے بس نہیں کر سکتے

تشریح: آیت نمبر ۵۵ تا ۵۹

سورۃ الانفال میں نہ صرف ان اصولوں کو پیش کیا گیا ہے جو میدان جنگ میں لڑنے سے متعلق ہیں بلکہ ان اصولوں اور قوانین کو بھی بہت زوردار انداز میں پیش کیا گیا ہے جو چیزیں جنگ کو جنم دیتی ہیں یا جنگ کو روک دیتی ہیں۔ ہم دوسروں کے ساتھ، اللہ کے دشمنوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں جو لوگ عہد کرنے کے باوجود اس کو توڑ دیتے ہیں ان کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کریں ان باتوں کو ان آیتوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(۱) وہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدترین ہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

(۲) جو اہل ایمان سے معاہدہ کرنے کے بعد ہر مرتبہ توڑ دینے کے عادی ہیں اور وہ اس کے برے انجام سے نہیں ڈرتے۔

ان آیات میں مدینہ کے یہودی قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر سے متعلق پھر ارشاد ہے اور مکہ کے ان کفار کی طرف بھی واضح اشارہ ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے اس کو توڑ دیا تھا۔

ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے یہودی قبائل سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان اختلاف رائے کے وقت رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہوگا۔ اور حملہ کے وقت مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی کسی اعتبار سے بھی کوئی امداد نہ کریں گے۔

مگر ان یہودیوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اور خاص طور پر غزوہ احد کے موقع پر نہ صرف اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے سردار کعب ابن اشرف نے خود مکہ جا کر اور مشرکین مکہ کو جوش دلا کر اپنی حمایت کا یقین دلایا اور ان کو جنگ احد میں لا کھڑا کیا۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قیامت تک ایسے لوگوں کے متعلق احکامات عنایت فرمائے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ۔

اگر کسی قوم سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ دشمن کی مدد کرتی ہے یا اہل ایمان کے خلاف جنگ میں حصہ لیتی ہے تو ایسی قوم کے ساتھ بھی دشمنوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

اور اس کو ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ پھر وہ اپنی بدنیتی پر حسرت و افسوس ہی کرتی رہ جائے۔

(۲) اگر کسی قوم سے معاہدہ ہے لیکن اس کے باوجود اس کے چند افراد دشمنوں کی مدد کرتے ہیں یا اہل ایمان کے خلاف جنگ میں حصہ لیتے ہیں تو فرمایا کہ پھر ان چند افراد کی قوم کے خلاف نہیں بلکہ ان ہی افراد کے خلاف کارروائی کر کے ان کو کیفر کردار تک

پہنچایا جائے گا۔

(۳) فرمایا گیا کہ اگر کسی قوم سے معاہدہ ہے اور اس کے طور، طریق دیکھ کر اہل ایمان کو خطرہ پیدا ہو جائے کہ یہ قوم معاہدہ کی پابند نہ رہے گی بلکہ عین وقت پر دغا دے جائے گی تو اہل ایمان کو حق حاصل ہے کہ پوری قوم کو پیشگی نوٹس دے کر اس کا معاہدہ واپس کر دیں۔ لیکن معاہدہ واپس کرنے کے بعد ان کے خلاف کسی کارروائی کی اجازت نہیں دی جائیگی۔

اس بنیاد پر نبی کریم ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کوئی قوم معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے "عہد کا بند" نہ کھولے۔ اگر وہ خیانت پر اتر آئیں تو ان کو برابری کی بنیاد پر جواب دیا جائے۔

(۴) اگر فریق ثانی علی الاعلان معاہدہ توڑ چکا ہے اور مسلمانوں کے خلاف کارروائی کا مجرم ہے تو پھر اس کے خلاف بغیر کسی نوٹس کے بھی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

یہ اشارہ قریش مکہ کی طرف ہے جنہوں نے معاہدہ کے باوجود مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کی اور صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر اللہ نے مکہ مکرمہ کو فتح کرادیا۔

اللہ نے فرمایا کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ لوگ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو وہ کسی خوش گمانی میں نہ رہیں کیونکہ ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی ہوسکتی ہے۔ اور واقعتاً مکہ کے کفار کو معاہدہ کی خلاف ورزی بہت مہنگی پڑی اور انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنی موت کو دعوت دے ڈالی اور مکہ فتح ہو کر رہا۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٠ تا ٦٢

اے (مومنو!) تم اپنی ہمت کے مطابق جو کچھ ہو سکے (دشمنوں کے خلاف) اپنی طاقت اور پلے ہوئے گھوڑوں کو (مقابلے کے لئے) تیار رکھو تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے نامعلوم دشمنوں پر جنہیں تم نہیں جانتے صرف اللہ جانتا ہے "اپنی دھاک بٹھا دو"۔ اور (یاد رکھو) اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرتے ہو بغیر کسی کمی اور نقصان کے تمہیں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔

اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو آپ بھی صلح کے لئے جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے بیشک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اور اگر وہ (اس صلح کے ذریعہ) آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو بے شک آپ کے لئے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے قوت دی اور اہل ایمان کو (آپ کا مددگار بنا دیا)۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٠ تا ٦٢

اَعِدُّوا	تیاری رکھو۔ تیاری کرو
اِسْتَطَعْتُمْ	جتنی تمہاری طاقت ہے
قُوَّةٌ	طاقت۔ ہیبت
رِبَاطُ الْخَيْلِ	پلے ہوئے گھوڑے
تُرْهِبُوْنَ	تم ہیبت طاری کرتے ہو
عَدُوُّ اللّٰهِ	اللہ کے دشمن
اٰخَرِيْنَ	دوسرے
يُوَفَّ	پورا کر دیا جائے گا

جَنَحُوْا	وہ جھکیں۔ مائل ہوں
اَلسَّلْمُ	صلح
اِجْنَحْ	تو جھک جا
تَوَكَّلْ	بھروسہ کر
يَخْدَعُوْكَ	وہ آپ کو دھوکہ دیں گے
حَسْبُكَ اللّٰهُ	اللہ آپ کو کافی ہے
اَيَّدَكَ	اس نے تجھے طاقت دی۔ تیری مدد کی
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے

تشریح: آیت نمبر ٦٠ تا ٦٢

غزوہ بدر کے پس منظر میں اہل ایمان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ اے اہل ایمان تم دشمن کی چالوں سے ہوشیار رہو۔ غزوہ بدر کی کامیابی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ جب تم نے دشمن کو ایسی چوٹ دیدی ہے جس سے اس کے اوسان خطا ہو گئے ہیں تو وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح تم پر کسی بھی وقت حملہ کرسکتا ہے۔ لہٰذا تم ہر طرح کے ہتھیاروں سے تیاری کرلو اس میں غزوہ بدر کے بعد سے غزوہ تبوک تک کی پیشین گوئی فرمادی گئی ہے۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کہ جہاں تک ہو سکے تمام جنگی قوتوں کے ساتھ ایک لشکر قائمہ تیار رکھو تا کہ جیسے ہی دشمن سے کوئی خطرہ ہو تو تم اس خطرے سے نبٹنے کیلئے تیار رہو۔ تا کہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور تمہارے معلوم اور نامعلوم دشمنوں پر ایسی ہیبت اور رعب طاری رہے کہ وہ فوری طور پر کوئی کارروائی کرتے ہوئے دس مرتبہ غور کریں۔

ان دنوں عربوں میں باقاعدہ فوج رکھنے کا رواج نہ تھا۔ جب ضرورت ہوئی لوگوں کو آواز دی گئی۔ رضا کار دوڑے دوڑے اس آواز پر جمع ہو گئے جلدی جلدی جو سامان مہیا کرنا تھا وہ کر دیا گیا اور چند گھنٹوں یا چند دنوں میں فوج کو دشمن کے مقابلے میں اتار دیا گیا۔ پھر جب لڑائی ختم ہو جاتی تو پھر سارے سپاہی اپنے اپنے کام کی طرف لوٹ جاتے۔

یہ اسلام ہے جس نے پہلی مرتبہ دنیا میں لشکر قائمہ یعنی باضابطہ اور مستقل فوج کی ضرورت کا احساس کیا اور وہ بھی اس طرح کہ وہ فوج ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس ہو۔ تا کہ اس کا رعب دشمنوں پر اس طرح پڑ جائے کہ وہ پھر پلٹ نہ سکیں۔ چنانچہ جنگ احد میں جب کفار مکہ کو شدید جانی و مالی نقصان اٹھا کر احد کے میدان سے بھاگنا پڑا تو نبی کریم ﷺ کے حکم سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی سرکردگی میں دشمنوں کے پیچھے مجاہدین کا ایک دستہ دوڑا دیا گیا جس کے رعب سے دشمن واپس مکہ جانے پر مجبور ہو گیا اور اس کو پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اسی طرح جنگ موتہ کے بعد شہنشاہ روم تبوک کے مقام پر لاکھوں فوجیوں اور ہتھیاروں کے باوجود مقابلہ کی جرأت نہ کرسکا اور اس کو میدان سے بھاگنا پڑا۔ دشمن پر رعب اور ہیبت سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کی بدولت غزوات میں بہت کم جانی نقصان ہوا اور نتیجہ زیادہ بہتر سامنے آیا۔

ان آیات میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جنگ کی تیاری ہو یا عمل کا میدان ہر جگہ ہر طرح کی مالی قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے اگر ملت کے افراد اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں تو اس سے بڑی رکاوٹوں کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ اے مومنو! تم اللہ کے راستے میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ نہ صرف تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا بلکہ اس میں تمہاری آخرت کا اس طرح سامان کر دیا جائے گا کہ تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

تیسرا اصول یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح کرنے میں دیر نہ کی جائے کیونکہ دین اسلام جو امن و سلامتی کا دین ہے۔ ایک نظریہ حیات ہے اس کے آگے بڑھنے میں وہی موسم زیادہ بہتر ثابت ہوتا ہے جب امن و سلامتی ہو۔ لہٰذا جب بھی کفار اور دشمنان اسلام کی طرف سے صلح کی بات کی جائے تو اس میں اہل ایمان کے قدم سب سے آگے ہونے چاہئیں۔ اگر وہ اس صلح سے کوئی جنگی چال یا اپنے دام فریب میں پھنسانے کیلئے مکر کر رہے ہوں گے تو فرمایا گیا کہ اللہ پر بھروسہ کر کے صلح مندی کی طرف آ جاؤ۔

اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت اور پلے ہوئے گھوڑوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس قدر ممکن ہو اس جنگی طاقت کو حاصل کر لو تا کہ اللہ کا اور تمہارا دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہ رہے۔ چونکہ نزول قرآن کے وقت فوجی طاقت و قوت اور پلے ہوئے گھوڑے جو جنگ کے مقصد کے لئے پالے جاتے تھے یہی اسلحہ تھا۔ لیکن آج دنیا میں اسلحہ کا انداز بہت مختلف ہو گیا ہے تو اس آیت کا مفہوم آج بھی یہی ہے کہ اس زمانہ کے مطابق جو بھی جنگ میں طاقت اور اسلحہ تیار کیا جاتا ہے اس کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ اس آیت میں صرف قوت جمع کرنے کا ہی ذکر موجود نہیں ہے بلکہ اصل چیز ہے ''ترھبون بہ'' یعنی جس سے تم دشمن پر رعب جما سکو۔

اگر ہم آج تلواریں گھوڑے لیکر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے تو رعب تو دور کی بات ہے اپنی جان بچانا ہی مشکل ہو جائے گا۔ اگر ایٹمی جنگ ہے تو ہمیں ایٹمی جنگ کے ہی وہ ہتھیار تیار کرنے ہوں گے جن کے ذریعہ ہم دشمن کے ہتھیاروں کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ اور مقابلہ میں دشمن کو تہس نہس کرنے کا موقع ہاتھ آ سکے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۗ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

ع ۸ / ۶ / ۴

ترجمہ: آیت نمبر ۶۳ تا ۶۶

(وہی تو ہے) جس نے ان کے دلوں میں محبت و الفت ڈال دی۔ اگر آپ زمین میں جو کچھ ہے وہ خرچ کر کے ان کے دلوں میں محبت ڈالنا چاہتے تو نہ ڈال سکتے بلکہ اللہ نے ان کے دلوں میں محبت ڈالی ہے۔ بے شک وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اے نبی ﷺ آپ کو اور ان

لوگوں کو جو آپ کا حکم مانتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اللہ ہی کافی ہے۔اے نبی ﷺ! مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے (اور یقین دلا دیجئے کہ) اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو مجاہد ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کی قوم ناسمجھ قوم ہے۔

اب اللہ نے تم سے تخفیف (کمی) کردی اور اس نے جان لیا کہ تمہارے اندر کمزوری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوہزار پر غالب آجائیں گے۔اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٣ تا ٦٦

اَلَّفَ	محبت ڈال دی
اَنْفَقْتَ	تو نے خرچ کیا
حَرِّضْ	رغبت دلائیے۔آمادہ کیجئے
عِشْرُوْنَ	بیس
مِأَتَیْنِ	دوسو
لَا یَفْقَھُوْنَ	وہ نہیں سمجھتے ہیں
اَلْئٰنَ	اب۔اس وقت
خَفَّفَ	ہلکا کردیا
مِائَۃٌ	ایک سو
اَلْفٌ	ایک ہزار

تشریح: آیت نمبر ۶۳ تا ۶۶

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ دشمن کے مقابلے میں ہر ممکن قوت کو حاصل کرو تا کہ تمہارے دشمنوں پر تمہارا رعب جم جائے۔ ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اصل قوت و طاقت ہتھیار ہی نہیں ہوتے بلکہ ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ محبت، قربانی بھائی چارہ اخوت، اتحاد و اتفاق، یک سوئی، یک نظری سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر کوئی قوم بہت سے ہتھیار جمع کرلے لیکن ان میں ڈسپلن، نظم وضبط اور سب سے بڑھ کر اتحاد و اتفاق بھائی چارہ اور ایثار و قربانی کا یہ انداز نہ ہو تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اپنی جگہ بہت اہم ہیں ان کی تیاری میں کمی نہ کی جائے لیکن دشمن کے مقابلے میں اصل چیز جنگ کرنے والوں کا اتحاد و اتفاق ہے جو میدان کارزار میں انتہائی مؤثر ہتھیار ہے۔ آج ہم اپنی ملت میں دیکھتے ہیں کہ ان کی حکومتیں اسلحہ اور فوج پر تو سارا زور صرف کر دیتی ہیں لیکن اس جذبہ کو پیدا نہیں کرتیں جو ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے کا عظیم جذبہ ہوا کرتا ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ "جذبہ" محض نعروں اور باتوں سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے جب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے دین پر چل کر اللہ کو راضی کر لیا جائے۔ آج ہماری سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہم دوسری قوموں کی نقل کر کے ان کا انداز اختیار کرتے ہیں اور دین اسلام جو ساری قوتوں کا ذریعہ ہے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

(۲) اہل ایمان کی ہتھیاروں اور اتحاد و اتفاق کے بعد ایک اور نہایت اہم قوت ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ اللہ کے راستے میں جہاد و قتال کرنا۔ یعنی یہ جہاد و قتال صرف اور صرف اللہ کے راستے میں اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہمارے سامنے ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کرنے یا دشمن کو صرف نیچا دکھانے کیلئے جہاد و قتال نہیں کیا بلکہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کیلئے فرمایا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ ملکوں کو فتح کرنا مقصد نہیں تھا لیکن جب اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے جدوجہد کی تو ساری دنیا کی حکومتیں اور ان کی طاقتیں بھی ان کے قدموں کی دھول بن گئیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد جب مقصد زندگی صرف مملکتوں اور اقتدار کا حصول رہ گیا تو ساری دنیا نے ہمیں پچھاڑ کر رکھ دیا۔ اس لئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اے نبی ﷺ! آپ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرتے رہئے۔ اور اس سے بے نیاز ہو جائیے کہ فتح حاصل ہوگی یا حاصل نہ ہوگی۔ صاف بات یہ ہے کہ قوت کا زمانہ ہو یا ضعف اور کمزوری کا اگر مومن مومن ہوں گے تو غلبہ اور فتح و نصرت ان کے قدموں کی خاک بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لئے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم تھوڑے بھی ہو گے اور اللہ پر تمہارا اعتماد ہوگا تو فتح و کامرانی تمہاری ہوگی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

ع ٩ / ٥ / ٥

ترجمہ: آیت نمبر ٦٧ تا ٦٩

نبی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ ان کو اچھی طرح کچل نہ ڈالے۔ (کیا تم) دنیا کا (تھوڑا سا) سامان چاہتے ہو۔ حالانکہ اللہ تو آخرت دینا چاہتا ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو اس کے بدلے میں ایک بہت بڑا عذاب تمہیں پہنچ جاتا۔ جو تمہیں غنیمت میں سے حلال اور پاکیزہ مال ملے اس کو کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ٦٧ تا ٦٩

اَسْرٰی	(اَسِیْر)۔ قیدی
حَتّٰی یُثْخِنَ	جب تک کہ سختی نہ کی جائے
عَرَضَ الدُّنْیَا	دنیا کا سامان
لَوْ لَا کِتَابٌ	اگر لکھا ہوا نہ ہوتا
سَبَقَ	جو گذر گیا

لَمَسَّكُمْ	البتہ تمہیں پہنچ جاتا
اَخَذْتُمْ	تم نے لیا
غَنِمْتُمْ	تم نے مال غنیمت لیا

تشریح: آیت نمبر ٦٧ تا ٦٩

نبی کریم ﷺ جو ساری دنیا کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں آپ نے ہر موقع پر ہر اس طریقے کو اختیار فرمایا جس میں نرمی اور سہولت کا پہلو شامل ہو۔ یہاں تک کہ مشورہ میں بھی آپ اس بات کو پسند فرماتے تھے جس میں لوگوں سے نرمی کا انداز اختیار کیا گیا ہو۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ غزوہ بدر مسلمانوں کے لئے پہلا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے پندرہ سال تک صحابہ کرامؓ کافروں اور مشرکوں کے ظلم سہتے رہے چونکہ ان کو جواب دینے اور کسی کے ظلم و ستم کا عملی جواب دینے کی ممانعت تھی تو وہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے نرم مزاجی کی طرف مائل تھے۔ غزوہ بدر ایک باقاعدہ مسلح جنگ تھی جب کہ صحابہ کرامؓ اس کے لئے کسی طرح بھی تیار نہ تھے لیکن اللہ کی مصلحت ان مجاہدین کو جنگ کی طرف لے گئی اور پھر اس جنگ کے ذریعہ کفر و شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔

کفار مکہ کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر ہی قید کر لئے گئے۔ قید ہونے والے کوئی غیر نہ تھے بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن سے نبی کریم ﷺ اور مہاجرین مکہ کی قرابت داری بھی تھی اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ یہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جب مشورہ کیا جاتا ہے تو اس میں ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں کسی طرح کے تکلف کو پسند نہیں فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ پوری آزادی رائے کے مطابق پورے ادب و احترام کے ساتھ اپنی رائے کو پیش کیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے اس موقع پر بھی اپنے تمام صحابہ کرامؓ مجاہدین سے مشورہ کیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور دیگر اصحاب کرامؓ نے چند احادیث میں اس کو تفصیل سے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ جب بدر کی جنگ کے بعد کفار مکہ کے ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ اس کے لئے کوئی اللہ کا واضح حکم موجود نہیں ہے لہٰذا کیا کیا جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سب قیدی اپنے رشتہ دار اور بھائی تو ہیں۔ اگر ان کو کچھ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور نرم سلوک کیا جائے تو شاید کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی اولادیں ہمارے دست و بازو بن جائیں۔ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی اسی کی تائید فرمائی۔ اس

کے برخلاف حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ اگر ان کو ختم کر دیا جائے تو اس سے کفر و شرک کا سر کٹ جائے گا اور مشرکین پر ہماری ہیبت طاری ہو جائے گی اور آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور اللہ کے راستے سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا۔ دوسری طرف ان مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا۔ کہ ہم نے اللہ کے معاملے میں اپنی رشتہ داریوں کا بھی خیال نہیں کیا۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے جو بھی کسی کا عزیز و قریب ہو وہ اپنے عزیز و قریب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے۔

رائے کا یہ اختلاف بڑا شدید تھا اور بڑا جذباتی لمحہ تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اکثریت میں صحابہ کرامؓ کی رائے پر عمل کیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کی رائے پر عمل کیا جاتا تو کفر و شرک کی کمر ٹوٹ جاتی لیکن نبی کریم ﷺ جو ہمیشہ نرمی کے معاملے کی طرف رغبت فرماتے تھے آپ نے نرمی کا فیصلہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا کہ جب تک کفر کی طاقتوں کو کچل کر نہ رکھ دیا جائے اس وقت تک ان کفار کے ساتھ کوئی نرم معاملہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بات پر تنبیہ فرما دی ہے کہ اللہ کو یہی پسند ہے کہ ابھی کفار کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے۔ بعض روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ اس مشورے میں اگر حضرت عمر فاروقؓ اختلاف نہ کرتے تو اللہ کا مقرر عذاب آ جاتا۔ مگر مشورہ کی برکت سے اللہ نے اس عذاب سے اہل ایمان کو محفوظ رکھا۔ معلوم ہوا کہ مشورہ میں بہت برکت ہے۔

چونکہ اس آیت میں تہدید فرمائی گئی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ ڈر گئے کہ یہ فدیہ جو وصول کیا گیا ہے اس کو استعمال کیا جائے یا نہیں چونکہ یہ بھی مال غنیمت تھا اس آیت میں فرما دیا گیا کہ مال غنیمت حلال ہے اس کو کھایا جائے استعمال کیا جائے بس اللہ کا خوف ہمیشہ پیش نظر رہے۔ اللہ تو بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم و کرم کرنے والا ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

ترجمہ: آیت نمبر ۷۰ تا ۷۱

اے نبی ﷺ! جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی معلوم کرے گا تو جو تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے دے گا اور تمہیں معاف کر دے گا۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔
اور اگر وہ آپ سے بد دیانتی (بدعہدی) کریں گے تو انہوں نے اس سے پہلے بھی خیانت کی ہے (جس کی وجہ سے اللہ نے) تمہیں ان پر قابو عطا کر دیا ہے۔
اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۰ تا ۷۱

یُؤْتِکُمْ	وہ تمہیں دے گا
خَیْرٌ	زیادہ بہتر
اُخِذَ	لیا گیا
اَمْکَنَ	اس نے قوت دی

تشریح: آیت نمبر ۷۰ تا ۷۱

یہ قیدی کون تھے؟ یہ وہی کفار و مشرکین تھے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا، قتل کیا، نقصان پہنچایا، وحشیانہ مظالم کئے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں پھر بھی ایک دفعہ توبہ کرنے کا موقع دے دیا۔
اس شرط کے ساتھ آئندہ معافی کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اے قیدیو! آج تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اور جو کچھ مال غنیمت ہے وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا شرط یہ ہے کہ اللہ نے اگر تمہارے عمل اور کردار میں خیر کو جان لیا اور تم نے بھی آئندہ شرارتیں کرنے سے

اپنے آپ کو روک لیا تو وہ رب سب پر مہربان ہے تم پر بھی مہربانی فرمائے گا۔ اہل ایمان کو اس بات پر تسلی دی گئی ہے کہ یہ قیدی اپنی آزادی کا فدیہ دے رہے ہیں اور ان کو چھوڑا جا رہا ہے اگر انہوں نے پھر بھی اپنی روش کو قائم رکھا اور شرارتیں کرتے رہے تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انہوں نے پہلے بھی ایک دفعہ اپنے وعدہ اور معاہدہ کو توڑا ہے۔ انجام سامنے ہے۔ اگر انہوں نے آئندہ اس نرمی سے غلط فائدہ اٹھایا تو پھر سے ان کا یہی بلکہ اس سے بھی زیادہ برا حال ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّ
نَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ
يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ
وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ
حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ
وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۲ تا ۷۵

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی تو یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان تو لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تو ان کی رفاقت کا آپ سے اس وقت تک تعلق نہیں ہے جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں۔ اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا لازمی ہے سوائے اس قوم کے جن سے تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔

اور وہ لوگ جو ایمان لائے، انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی یہی سچے مومن ہیں۔

ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب میں رشتے دار ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک اور حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۲ تا ۷۵

جَاهَدُوْا	انہوں نے جہاد کیا
اٰوَوْا	ٹھکانا دیا۔ سہارا دیا
وَلَايَةٌ	ساتھ۔ رفاقت
اِسْتَنْصَرُوْا	وہ مدد مانگیں
عَلَيْكُمْ	تم پر (لازم) ہے
اَلنَّصْرُ	مدد کرنا

مِيْثَاقٌ	عہد و معاہدہ
اِلَّاتَفْعَلُوْهُ	اگر تم نے ایسے نہ کیا
فَسَادٌ	تباہی
رِزْقٌ كَرِيْمٌ	عزت کی روزی
اُولُو الْاَرْحَامِ	رحم والے۔ رشتہ دار
اَوْلٰى	زیادہ قریب

تشریح: آیت نمبر ۷۲ تا ۷۵

مکہ مکرمہ میں صحابہ کرامؓ نے ایمان واسلام کے لئے جو قربانیاں دیں وہ ایسی ایثار و قربانی کی مثالیں ہیں جن کی مثال تاریخ انسانی میں ملنا مشکل ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ابتداء میں تمام تر قربانیوں کے باوجود اگر کسی نے ہجرت نہیں کی تو صاف صاف فرمادیا گیا کہ ان کا دین وایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر وہ ہجرت کر لیتے ہیں تو یہ ان کے صاحب ایمان ہونے کا ثبوت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر ہجرت بھی کر لی ہے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر وہ مدینہ آگئے اور انہوں نے اپنے جان و مال دونوں کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا وہ سچے مومن ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے مکہ سے آنے والے مہاجرین کو مدینہ میں پناہ دی اور ان کے ساتھ بے مثال قربانیوں کے نمونے پیش کئے۔ وہی مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے ساتھی ہیں دوست ہیں اور رفیق ہیں۔

لیکن وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی ان کے لئے فرمایا کہ نبی ﷺ پر اور اہل ایمان پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی سے تمہارا معاہدہ نہیں ہے اور وہاں کے مسلمان تم سے مدد مانگیں تو تم ان کی مدد کر دو یہ تم سب کی ذمہ داری ہے۔

یہ ہجرت کی شرط فتح مکہ کے بعد ختم کر دی گئی تھی فرمایا کہ یہ اہل ایمان تو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے

کفر کی روش اختیار کی وہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ لیکن اے اہل ایمان اگر تم نے ایمان والوں کی مدد نہ کی تو زمین فتنہ وفساد کا اکھاڑہ بن جائے گی اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر انصار و مہاجرین کے درمیان ''مواخات'' بھائی چارے کو قائم فرمایا یعنی ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا۔

انصار مدینہ نے بے مثال ایثار کے نمونے پیش کئے اپنی جائیدادوں تک میں مہاجرین کو شامل فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ بشارت عطا فرمائی کہ یہ سچے مومن ہیں یہ ایک دسرے کے دوست اور ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عزت کی روزی اور رزق عطا فرمائے گا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور اہم بات پر اس سورت کو ختم فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بعد جتنے مہاجرین تم میں آ کر ملتے جائیں تمہارے ساتھ رہ کر دین کی عظمت و سربلندی کے لئے کوشش کرتے جائیں وہ تمہارے بھائی ہیں ان کے تمام تر تعلقات ایک جیسے ہیں البتہ اگر پہلے مہاجرین کے قریبی رشتے دار مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں تو پھر وہ اپنے رشتے داروں کے وارث ہوں گے اور اللہ کی کتاب میں قرابت داروں کا جو حصہ مقرر ہے اس کے مطابق وراثت کی تقسیم ہوگی نئے بھائی چارہ کی وجہ سے وہ وراثت سے محروم نہ رہیں گے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۰ تا ۱۱

• واعلموآ • یعتذرون

سورۃ نمبر ۹

التَّوبَة

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۃ التوبہ

سورۃ نمبر	9
رکوع	16
آیات	129
الفاظ وکلمات	2537
حروف	11360
مقام نزول	مدینہ منورہ

☆اس سورۃ کے دونام آتے ہیں۔(۱) سورہ توبہ (۲) سورہ برأت

☆توبہ کے معنی پلٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔ جب کوئی اللہ کا بندہ گناہوں سے نادم ہوکر سچے دل سے اللہ کی طرف یعنی نیکیوں کی طرف پلٹتا ہے تو اس کو توبہ کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں چند صحابہ کرامؓ کی توبہ قبول کی گئی ہے اس لیے اس کا نام سورہ توبہ رکھا گیا ہے۔

☆سورہ براءت...... براءت کے معنی چھٹکارا پانا۔ بیزاری اور نفرت کا اظہار کرنا ہے۔ چونکہ کفار و مشرکین مسلسل اپنی عہد شکنیوں کے مجرم تھے اس لیے مسلمانوں نے جو معاہدے کیے تھے ان کو ختم کر کے کفار و مشرکین کو حرمین سے نکالنے اور کفار و مشرکین کی بدعہدیوں سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کو سورہ براءت بھی فرمایا گیا ہے۔

اس سورت کے دونام ہیں سورہ توبہ اور سورہ برات۔

☆قرآن کریم کی تمام سورتوں کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس لیے کی جاتی ہے کہ پڑھنے والے کو حصول برکت کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایک سورۃ ختم ہوکر دوسری سورۃ شروع ہوگئی ہے۔ اس لیے اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے۔ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

قرآن کریم کی ہر سورۃ کی ابتداء بسم اللہ سے کی جاتی ہے صرف اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی۔

☆اس سلسلے میں بہت سے حضرات نے بہت سی باتیں کہی ہیں مگر حضرت عثمان غنیؓ جو کہ جامع القرآن ہیں جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جب بھی کوئی سورۃ یا آیات نازل ہوتیں تو آپ ﷺ کسی لکھنے والے کو بلا کر اسی وقت لکھوا دیتے۔ سورہ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ سورہ توبہ آخری زمانے میں نازل ہوئی۔ ان دونوں سورتوں کے مضامین جو جہاد و قتال سے متعلق ہیں اس قدر ملتے جلتے اور ایک جیسے ہیں کہ میں سمجھا کہ سورہ توبہ سورہ انفال کا جزو ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی کوئی خاص وضاحت سامنے نہیں آئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اور ان مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی ہے یعنی توبہ قبول کر لی جنہوں نے ایسی تنگی و پریشانی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں پھر وہ ان پر متوجہ ہوا۔ بے شک اللہ ان پر مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اور ان تین لوگوں پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا۔ یہاں تک زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر ایسا بوجھ بن گئی تھی کہ ان کی جانوں پر بن آئی تھی۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر کوئی ٹھکانا ہے تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ ان تینوں حضرات حضرت کعب ابن مالک، مرارہ ابن ربیع اور حضرت ہلال ابن امیہ کی توبہ کو قبول کر لیا۔

سے رخصت ہو گئے۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ کو نہیں لکھا۔

☆ اب سورہ توبہ کی جب بھی تلاوت کی جائے گی تو عام دستور کے مطابق اس کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی جائے گی نہ پڑھی جائے گی، البتہ اگر کسی نے اس سورۃ کے درمیان سے تلاوت شروع کی تو اس میں اعوذ باللہ کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور قبائل کے کفار و مشرکین سے آپس میں جنگ نہ کرنے کے معاہدے کیے ہوئے تھے مگر ان کی طرف سے مسلسل عہد شکنیوں اور بد عہدیوں کی وجہ سے فتح مکہ کے بعد حرمین کی سرزمین کو کفار و مشرکین کے وجود سے پاک کرنے کے احکامات دیئے تاکہ وہ تمام معاہدات جو پہلے سے کیے گئے تھے اب ختم کر کے حرمین کی سرزمین میں قیامت تک کفار و مشرکین کا داخلہ ممنوع کر دیا جائے۔ فرمایا گیا ہے کہ چار مہینے یا کسی جاری معاہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد اگر کفار و مشرکین اس سرزمین کو نہ چھوڑیں تو پھر ان سے قتال کیا جائے گا تاکہ کفر و شرک کے فتنے سے یہ سرزمین ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے گی۔

سُوْرَةُ التَّوْبَة

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ۝١
فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ
وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى
النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ
رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ
غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۝٣ اِلَّا
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ
يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ
وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ
اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ
اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ ع

ترجمہ: آیت نمبر ۱ تا ۶

اللہ اور اس کے رسول نے ان مشرکوں سے ہاتھ اٹھالیا ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے (اس کو توڑ دیا تھا) تم سرزمین حرم میں چار مہینے اور چل پھر لو اور اچھی طرح جان لو کہ تم اللہ کو عاجز و بے بس نہیں کر سکتے اور بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل ورسوا کر کے رہے گا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حج اکبر کے دن اعلان عام کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ مشرکوں سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ پھر اگر تم توبہ کرتے ہو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اور اگر تم نے کفر کی روش کو قائم رکھا تو یاد رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے نبی ﷺ) ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ہے دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے۔

سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے، جنہوں نے وعدہ میں بدعہدی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان سے معاہدہ کی مدت کو پورا کرو۔ بے شک اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے پھر جب اشھر الحرم (احترام والے چار مہینے) گذر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کرو، انہیں پکڑو، گھیرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ مغفرت کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی بھی پناہ مانگے تو آپ اس کو اس وقت تک پناہ دیدیجئے جب تک وہ اللہ کا کلام نہ سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۶

بَرَآءَةٌ (بَرِءَ)۔ چھٹکارا پانا۔ جان چھڑانا

عٰهَدْتُّمْ تم نے معاہدہ کیا تھا

سِيْحُوْا چلو پھرو

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ چار مہینے

غَيْرُ مُعْجِزِ اللّٰهِ	اللہ کو بے بس نہیں کر سکتے
مُخْزِيْ	رسوا کرنے والا
اَذَانٌ	اعلان ہے
اَلْحَجُّ الْاَكْبَرُ	بڑا حج (جس حج میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی)
تُبْتُمْ	تم نے توبہ کرلی
تَوَلَّيْتُمْ	تم پلٹ گئے
لَمْ يَنْقُصُوْا	کمی نہ کی
لَمْ يُظَاهِرُوْا	مدد نہ کی
اَتِمُّوْا	تم پورا کرو
اِنْسَلَخَ	نکل گیا
اُقْتُلُوْا	جہاد کرو
وَجَدْتُّمُوْهُمْ	تم نے ان کو پایا
خُذُوْا	پکڑو
اُحْصُرُوْا	گھیرو
اُقْعُدُوْا	بیٹھو
كُلَّ مَرْصَدٍ	ہر گھات کی جگہ
تَابُوْا	انہوں نے توبہ کرلی
اَقَامُوْا	انہوں نے قائم کیا
اٰتَوْا	انہوں نے دیا
خَلُّوْا	چھوڑ دو

سَبِيْلٌ	راستہ
اِنْ اَحَدٌ	کوئی ایک
اِسْتَجَارَکَ	آپ سے پناہ مانگے
اَجِرْهُ	اس کو پناہ دے دے
حَتّٰى يَسْمَعَ	یہاں تک کہ وہ سن لے
اَبْلِغْهُ	اس کو پہنچا دے
مَاْمَنَه'	اس کی حفاظت کی جگہ

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۶

سورۃ توبہ اور سورۃ براءت اس کے دونام ہیں۔ اس سورت میں تین مخلص مسلمانوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر ہے اس لئے اس کو سورۃ توبہ کہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کفار و مشرکین سے ہاتھ اٹھا لینے اور بری الذمہ ہونے کے اعلان کی وجہ سے اس کو سورۂ براءت کہتے ہیں۔

قرآن کریم کی ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھی ہوئی ہوتی ہے جو صرف اس بات کی علامت ہے کہ ایک سورت ختم ہونے کے بعد دوسری سورت شروع ہو رہی ہے۔ بسم اللہ قرآن کریم کی ایک آیت تو ہے جو سورۂ نمل میں آئی ہے لیکن ہر سورت کا جز نہیں ہے۔

عام طریقے کے مطابق اس کے شروع میں ''بسم اللہ'' کیوں نہیں لکھی گئی یہ ایک سوال ہے؟ جس کا صحابہ کرامؓ اور علماء کرام نے جواب تحریر فرمایا ہے۔

(۱) حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ سورۂ انفال اور سورۂ براءت دو سورتیں ہیں یا ایک سورت ہے۔ مضمون کے لحاظ سے ایک سورت لگتی ہیں ممکن ہے دو سورتیں ہوں اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی کوئی واضح ہدایت مجھے یاد نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں جنگی اصول اور عام رواج کے مطابق جب کوئی ایسا ''نقض

معاہدہ" (معاہدہ توڑنا) کی مراسلت ہوتی تھی تو اس میں اللہ کا نام نہیں لکھتے تھے چونکہ اس سورت میں کفار و مشرکین سے براءت، بے زاری اور دست برداری کا اعلان کیا گیا ہے ممکن ہے اس وجہ سے بسم اللہ نہ لکھی گئی ہو۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

بہرحال امت کے نزدیک یہ دو سورتیں شمار کی جاتی ہیں اسی لئے سورۂ انفال کے بعد جب سورۂ توبہ شروع ہوتی ہے تو کچھ جگہ خالی ہوتی ہے جس میں بسم اللہ نہیں ہوتی۔

مسئلہ کی رو سے اب جب بھی سورۂ براءت شروع کی جائے گی تو اس کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی جائیگی اور نہ پڑھی جائیگی لیکن اگر کسی شخص نے سورۂ براءت کا کچھ حصہ پڑھ لیا اور رک گیا تو دوبارہ تلاوت کرتے وقت اعوذ باللہ کے ساتھ بسم اللہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ سورۂ برأت کے پہلے رکوع (آیت نمبر۱ تا نمبر۶) میں کفار و مشرکین سے دست برداری کے اعلان اور اس پر عمل کرنے کا جو بھی حکم دیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ۶ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرامؓ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ بیت اللہ جو اللہ کا گھر ہے اس میں موافق، مخالف، دوست اور دشمن کسی کو زیارت بیت اللہ سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ جب کفار مکہ کو یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور ڈیڑھ ہزار صحابہؓ رسول ﷺ عمرہ کرنے کے لئے حدیبیہ کے مقام تک پہنچ چکے ہیں تو وہ گھبرا اٹھے وجہ یہ تھی کہ اگر نبی مکرم ﷺ عمرہ ادا کر کے واپس جاتے ہیں تو قریش کی ہوا اکھڑ جائے گی اور اگر منع کرتے ہیں تو ساری دنیا میں یہ رسوائی ہوگی کہ اللہ کی عبادت سے اللہ کے بندوں کو روک دیا گیا پہلے تو کفار مکہ نے کچھ ایسی سازشیں کیں جن سے دنیا پر ظاہر کر دیا جائے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ عبادت کے لئے نہیں بلکہ جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں مگر ان کی ہر سازش اور چال کو نبی کریم ﷺ نے ان پر ہی الٹ دیا۔ بالآخر وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم مسلمانوں کو عبادت سے تو نہیں روکتے لیکن اس سال ایک معاہدہ کر لیتے ہیں تاکہ آئندہ سال مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت اور سہولت دیدی جائے۔ چنانچہ ایک معاہدہ دس سال کے لئے طے پا گیا جس کو تاریخ میں "صلح حدیبیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفار مکہ نے اندرونی اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے معاہدہ تو کر لیا۔ لیکن اس کا مقصد صرف وقت کو ٹالنا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ اور ان کے حلیفوں نے ایسی سازشیں، حملے اور خفیہ کارروائیاں شروع کر دیں جن سے اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی گئیں۔ چونکہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کفار مکہ کی طرف سے کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ بغیر کسی خون خرابے کے ۸ ہجری میں مکہ کو فتح کر لیا۔ مکہ فتح ہونے کا مطلب یہ تھا کہ پورے جزیرۃ العرب پر آپ کا اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا قبضہ ہو چکا ہے۔ لیکن کفار و مشرکین چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح اپنی انتقامی کارروائیوں میں مشغول رہتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب پر آپ کا مکمل کنٹرول ہو چکا تھا۔ لیکن اندرونی اور بیرونی خطرے بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار و مشرکین سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان عام کیا جاتا ہے کہ مشرکین سے جو معاہدہ کیا گیا تھا

اب اس سے دست برداری کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اب ان کی حفاظت حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ چار مہینے کی مدت دی جاتی ہے جس میں یہ اپنے مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ کرسکتے ہیں (۱) چار مہینے کے اندر اندر جو شخص کسی بھی جگہ جا کر اپنا ٹھکانا بنا سکتا ہو وہ بنالے (۲) یا وہ کفر و شرک سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنا چاہے تو کرلے (۳) لیکن اگر چار مہینے کی یہ مدت گذر گئی تو پھر ان کے صفایا کرنے میں کسی بھی کوشش کو نظر انداز نہیں کیا جائیگا۔ جہاں یہ پائے جائیں گے ان کو گھیر کر تاک تاک کر قتل کیا جائے گا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر حج کے عظیم اجتماع میں جا کر اس بات کا اعلان کردو۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی تم بھی جا کر ان آیتوں کو پڑھ کر سب کو سنادو اور اس کا اعلان عام کردو۔

چنانچہ ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا اعلان کیا گیا۔ ۱۰ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا تو اس موقع پر صرف اہل ایمان اس حج میں شریک تھے کفار و مشرکین کو نکال دیا گیا تھا۔ یہی وہ حج ہے جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے یہ آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی کا آخری حج تھا اس حج کو حج اکبر فرمایا گیا ہے اور واقعتاً اگر کوئی حج اکبر تھا تو وہ وہی تھا جس میں نبی کریم ﷺ اور صرف اہل ایمان شریک تھے اس کے بعد کسی حج کو حج اکبر نہیں کہا جاسکتا مگر یہ کہ حج اکبر حج اصغر کے مقابلے میں بولا جائے کیونکہ اہل عرب عمرے کو حج اصغر کہتے ہیں اسی بنیاد پر امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ایام حج کو حج اکبر کا دن کہنے سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ایام حج کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں عمرہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ جو حج جمعہ کے دن پڑ جائے وہ حج اکبر ہوتا ہے یہ بات صحیح نہیں۔ یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کے روز ہو جائے لیکن اس بنیاد پر اسے حج اکبر کہنا عوامی اصطلاح ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ شریعت کی رو سے اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان آیتوں میں پہلا حکم تو یہ تھا

(۲) دوسرا حکم یہ فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جس معاہدہ سے براءت کا اظہار فرمایا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ اگر کسی قوم سے کوئی معاہدہ موجود ہے تو اس کا خیال رکھا جائے اور اپنی طرف سے معاہدہ کو نہ توڑا جائے۔

(۳) یا اگر کسی قوم سے کوئی ایسا معاہدہ ہے جس کی مدت مقرر ہے تو اس مدت کو اور اس معاہدہ کو پورا کیا جائے۔

(۴) چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ اگر کوئی مشرک آپ ﷺ سے پناہ کی درخواست کرے تو آپ اس کو۔ صرف اس وقت تک پناہ دے سکتے ہیں، اس کی حفاظت کرسکتے ہیں جب تک وہ اللہ کا کلام نہ سن لے۔ اگر وہ اللہ کا کلام سن کر ایمان لے آئے اور اسلامی احکامات نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرلے تو فرمایا کہ اب اس کا راستہ چھوڑ دو۔ لیکن اگر وہ اپنی کفر کی روش پر قائم رہتا ہے تو اس کو اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دیا جائے۔

(۵) پانچویں بات یہ فرمائی گئی کہ جب اشھر الحرم گذر جائیں یعنی رجب ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ ان چار مہینوں کے گذرنے کے بعد پھر تم جہاں بھی مشرکین کو پاؤ۔ گھیرو اور ہر گھات میں بیٹھ کر ان کو قتل کردو اور ان کے ساتھ کسی طرح کی نرمی کا معاملہ اختیار نہ کرو۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ
اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا
لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۷ كَيْفَ وَاِنْ
يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸
اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ
اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۱۰ فَاِنْ تَابُوْا
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ
وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا
اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۱۲

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین سے کیسے کوئی معاہدہ قائم رہ سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان سے سیدھا معاملہ کرو۔ بے شک اللہ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔ (ان سے صلح) کیسے رہ سکتی ہے اگر وہ تمہارے اوپر غلبہ حاصل کرلیں تو پھر وہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں گے نہ کسی

قول وقرار کا۔ وہ تمہیں (چکنی چپڑی) باتوں سے بہلا رہے ہیں مگر ان کے دل مخالف ہیں اور ان میں سے اکثر تو نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی گھٹیا قیمت پر بیچ دیا اور وہ اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ کیسے برے کرتوت ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں۔ مؤمنوں کے معاملہ میں نہ وہ کسی قرابت داری کا خیال کرتے ہیں اور نہ کسی معاہدہ کا۔ یہی لوگ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور ہم ان لوگوں کے لئے آیات کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں جو لوگ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن وطنز کریں تو تم کفر کے سرداروں کو قتل کرو۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ شائد کہ وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۱۲

اِسْتَقَامُوْا سیدھے ہیں
اِنْ یَّظْهَرُوْا اگر وہ غالب آجائیں
لَا یَرْقُبُوْا لحاظ نہ کریں گے
اِلًّا قریبی دوستی۔ رشتہ داری
ذِمَّةٌ عہد۔ معاہدہ
یُرْضُوْنَ وہ راضی کرتے ہیں
اَفْوَاهٌ (فُوْهٌ)۔ منہ
اِشْتَرَوْا خرید لیا۔ لے لیا
ثَمَنًا قَلِیْلًا گھٹیا قیمت۔ تھوڑی قیمت
اَلْمُعْتَدُوْنَ حد سے نکل جانے والے
اِخْوَانٌ (اَخٌ)۔ بھائی
نَكَثُوْا توڑ دیں
اَیْمَانُهُمْ اپنی قسمیں

طَعَنُوْا	طعنے دیں۔ برائیاں نکالیں
اَئِمَّۃُ الْکُفْرِ	کفر کے سردار۔ سرغنے

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۱۲

قرآن کریم کی ان آیات سے جو ہدایات ربانی فراہم ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) وہ معاہدے جو رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام کے پاس اور اس کے آس پاس کے قبیلوں یعنی بنو کنانہ، بنو خزاعہ اور بنی حمیرہ کے ساتھ کئے تھے وہ اپنی آخری مدت تک قائم رہیں گے۔ فرمایا کہ اگر وہ سیدھے طریقے پر چلتے ہیں۔ اپنے معاہدوں کی پابندی کرتے ہیں تو اہل ایمان پر بھی تمام معاہدوں کی پابندی لازم ہے لیکن اگر وہ خود ہی اس عہد و معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں تو بے شک اللہ کو احتیاط پسند ہے مگر ہر قوم سے وہی معاملہ کیا جائے جو اس نے مسلمانوں سے کیا ہوا ہے۔

(۲) ان مشرکین کے ساتھ عہد و معاہدہ کی پابندی نہیں ہو سکتی جنہوں نے دشمنان اسلام کی مدد کر کے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ بلکہ معاہدہ کرتے وقت ہی ان کی نیت میں اخلاص نہ تھا وہ چکنی چپڑی باتیں جو ظاہراً ان کی زبان پر تھیں وہ باطناً ان کے دل میں نہ تھیں۔ آج بھی ان کے دل کدورت اور نفرتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ذرا بھی قابو پا جائیں تو اہل اسلام پر حملہ کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے۔ نہ قرابت کا لحاظ کریں گے نہ کسی معاہدہ کا ہمیشہ زیادتی ان ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

فرمایا کہ ان مشرکوں کے ساتھ معاہدہ کی پابندیاں بھی نہیں ہو سکتیں، اگر چہ ان کے اندر کچھ اچھے لوگ بھی ہیں مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو نافرمان اور گناہ کے دل دادہ ہیں۔ جن کے دلوں میں ذرا بھی اللہ کا خوف نہیں ہے وہ اس مادی دنیا کے پیچھے پاگل بنے ہوئے ہیں حالانکہ دنیا کا فائدہ عارضی ہے۔ اور اس ابدی اور عظیم ترین فائدہ کو چھوڑ رہے ہیں جس کا نام خوشنودی الٰہی ہے۔

(۳) فرمایا کہ اس سب کے باوجود اسلام نے معافی اور درگذر کا دروازہ اب بھی کھلا رکھا ہے۔ اگر وہ اب بھی توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ لوگ ملت اور اخوت اسلامی میں داخل ہو سکتے ہیں۔

(۴) لیکن اگر انہوں نے اسلام دشمنی اور معاہدہ شکنی کی روش کو اپنایا تو پھر ان کے سرغنوں سرداروں اور کفر کے لیڈروں کو تلواروں کی نوک پر رکھا جائے گا کیونکہ وہ اب تلوار سے نیچے کسی طرح نہیں مانیں گے۔ معاہدہ توڑنے والوں کے ساتھ نیا معاہدہ بیکار ہے۔ فرمایا کہ ان تمام باتوں کے باوجود اگر وہ اب بھی کفر و شرک سے توبہ کر کے دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرلیں اور

صلوۃ وزکوۃ کے ذریعہ اپنی اصلاح کرلیں تو وہ نہ صرف ملت اسلامیہ کا ایک فرد بن جائیں گے بلکہ ان کے ماضی کے حالات اور عہد شکنیوں سے بھی اہل ایمان تعرض نہیں کریں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو صلوۃ وزکوۃ کا انکار کردے وہ مسلم نہیں ہے وہ مشرک وفاسق ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں کچھ لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے اسی آیت سے استدلال کر کے فرمایا تھا کہ اگر وہ زکوۃ کا انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا کیونکہ ایسے لوگ کتنے بھی اچھے اعمال کرتے ہوں اسلام کے اس عظیم رکن کی توہین برداشت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ جھوٹی نبوت کے دعویداروں کے ساتھ ساتھ مانعین زکوۃ کے خلاف بھی جہاد کیا اور ان سے کافروں جیسا سلوک کیا گیا۔

(۵) فرمایا گیا کہ اگر وہ اپنے عہد و معاہدے اور قسموں کو توڑتے ہیں اور اسلام کو طعن وطنز کے نشتروں سے زخمی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے سرغنوں اور سرداروں کے خلاف اقدامات کئے جائیں وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ دین کے آڑے آرہے ہیں۔ یہ اپنے ذاتی مفادات کے لئے عوام کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ جو لوگ دین اسلام کی طرف آنا چاہتے ہیں یہ ان کو طرح طرح کے نعرے دے کر اس سے روک رہے ہیں لہٰذا راستے کی اس رکاوٹ کو دور کر کے ان سرداروں سے قتال کیا جائے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ع ۸/۱۰/۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

(اے مومنو!) کیا تم ایسی قوم سے قتال نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں (معاہدہ) کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو نکالنے کی سازش کی۔ پہلے انہوں نے تم سے چھیڑ چھاڑ کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اگر تم مومن ہو۔ تم ان سے قتال کرو تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے۔ انہیں رسوا کر دے اور ان پر تمہیں فتح و نصرت اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے اور ان کے دلوں سے غصے کو نکال دے۔ وہ جس پر چاہتا ہے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ علم و حکمت والا ہے۔

کیا تم یہ سمجھ بیٹھے کہ یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں۔

اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا جگری (راز دار) دوست نہ بناؤ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کی پوری طرح خبر رکھتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

هَمُّوْا	انہوں نے ارادہ کیا
اِخْرَاجُ	نکالنا
بَدَءُ وْا	انہوں نے ابتدا کی
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
اَتَخْشَوْنَ	کیا تم ڈرتے ہو
اَحَقُّ	زیادہ حق دار ہے
اَنْ تَخْشَوْهُ	یہ کہ تم اس سے ڈرو

يُخْزِ	وہ رسوا کرے گا
يَشْفِ	شفادے گا
صُدُوْرٌ	(صَدْرٌ)۔ سینے
يُذْهِبُ	دور کردے گا
غَيْظٌ	غصہ
اَمْ حَسِبْتُمْ	کیا تم نے سمجھ لیا
اَنْ تُتْرَكُوْا	یہ کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے
لَمَّا يَعْلَمِ	ابھی تو معلوم ہی نہیں ہوا
لَمْ يَتَّخِذُوْا	نہیں بنایا
وَلِيْجَةٌ	گہرا دوست۔ جگری دوست

تشریح: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۶

فتح مکہ کے بعد اگرچہ مشرکین کا زور اور جنگی طاقت دم توڑ چکی تھی لیکن سانپ ابھی تک سانس لے رہا تھا دین اسلام کی پالیسی یہ ہے کہ اللہ و رسول کے دشمنوں سے جس حد تک ممکن ہو آسانی کا معاملہ کیا جائے لیکن اگر وہ اپنی سازشوں اور حرکتوں سے باز نہیں آتے تو ان کے خلاف راست اقدام کیا جائے اور فتنہ کا سر کچل دیا جائے۔ ان ہی اقدامات میں سے ایک قدم یہ تھا کہ اب ایک خاص مدت کے بعد کوئی مشرک اور کافر حرم مکہ میں داخل نہ ہونے پائے اور مشرکین کا کوئی عمل دخل حج اور خانہ کعبہ کے انتظامات سے نہ رہے۔ اس طرح ان کی مالی منصبی اور دوسری طاقتوں کو ختم کردیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں اور ان کے دین کے خلاف مرکز میں بیٹھ کر سازشیں نہ کرسکیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان رسوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جن پر مشرکین کی خاص طاقت اور خاص آمدنی قائم تھی۔

چنانچہ اب خطرہ یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ، کفار اور مشرکین آپس میں گٹھ جوڑ کر کے ایک مرتبہ پھر اپنی بچی کچھی طاقت اسلام کے خلاف نہ لگادیں اور جنگ کے شعلے نہ بھڑک اٹھیں تو اب فرمان الٰہی کا رخ اہل ایمان کی طرف پھر گیا ہے جس میں ہر طرح کے

خطروں اورسازشوں سے نبٹنے کے لئے زبردست الفاظ میں جہاد کی تلقین کی گئی ہے۔

فرمایا گیا کہ اے مومنو! کیا تم ایسی قوم سے جہاد وقتال کے بارے میں پس پیش کررہے ہو جنہوں نے نہ صرف اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ انہوں نے تمہارے رسول ﷺ کے خلاف بھی ہر وہ سازش کی ہے جوان کے امکان میں تھی۔ انہوں نے تمہارے رسول ﷺ کو وطن سے بے وطن کیا ہے۔ان کے خلاف سازشیں کی ہیں۔اپنی طاقت وقوت کا غلط استعمال کیا ہے ابتداءانہوں نے کی ہے اب ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جواللہ سے ڈرتا ہے اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا ڈراور خوف نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اے مومنو! تم سے پہلی قوموں نے نافرمانی کی، انبیاء کرامؑ کوستایا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو ان پر ہر طرح کا عذاب بھیجا گیا جن سے وہ قومیں ہلاک اور برباد ہوگئیں اوراپنا برا انجام اپنی موت کے بعد اس دنیا میں نہ دیکھ سکیں لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ یہ خونی درندے جنہوں نے اہل ایمان کے جذبوں کا نہ صرف مذاق اڑایا ہے بلکہ ان کے خلاف ہر طرح کے اقدامات اور سازشوں کے جال پھیلانے میں کسر نہیں رکھی۔ ان پر وہ عذاب نہ آئیں جو پہلی نسلوں پر آئے تھے بلکہ ان کو عذاب تمہارے ہاتھوں سے دلوائے۔انہیں ذلت وخواری کے اس مقام تک پہنچادے جہاں ان کا تصور بھی نہ گیا ہو۔ یہ ان کے لئے اللہ کا بہت بڑا عذاب ہوگا لیکن ساتھ ہی ساتھ اللہ اہل ایمان کی مدد کر کے ان کے دلوں کو سکون سے بھر دے گا۔ کفار کی ذلت تو اپنی جگہ ان اہل ایمان کے چہروں کی خوشی ان سے برداشت نہ ہوگی جن کو کل تک یہ حقیر سمجھتے رہے تھے۔ اس سے بڑا ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔اہل ایمان کے دلوں کو ٹھنڈک اور ہدایت بھی اسی راستے سے ملے گی۔

ایک اور سوال تھا کہ فتح مکہ کے موقع پر اور اس کے بعد بہت سے مشرکین اور کفار نے دین اسلام کو قبول کرلیا تھا۔ بظاہر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں یا نہیں۔ ان کا امتحان ضروری ہے جہاد ہی وہ کسوٹی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو الگ کردیتی ہے۔اب جو جہاد سامنے آتا ہوا نظر آرہا تھا اس میں بہت سے نئے مومنین کا رشتہ مشرکین سے تھا بلکہ ان کے قدیمی مفادات نظام جاہلیت سے وابستہ تھے اس لئے امتحان بھی ضروری تھا۔

فرمایا گیا کہ ابھی تو اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جو جہاد کی طرف مائل ہوں گے ان کے ایمان کو جانچنا چاہتا ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مخلص ہے اور کس کے قلبی تعلقات اور دوستی کفار ومشرکین سے ہے۔اور کون اللہ ورسول ﷺ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ جب یہ لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوجائیں گے تو وہ یقیناً جنت کی ابدی راحتوں کے مستحق بن جائیں گے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖۚ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

مشرکین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ اپنے کفر پر خود گواہ ہوں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے اعمال (ان کے شرک کے سبب) غارت ہو گئے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اللہ کی مسجدیں تو وہ آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں رکھتا۔ توقع ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت حاصل کرنے والے ہیں۔ اور کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے کے کام کو اس کے برابر سمجھ لیا ہے جو شخص اللہ پر، اور آخرت پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وہ لوگ جو ایمان لائے۔ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب و بامراد ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت، اپنی رضا و خوشنودی اور ایسی جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جس میں حاصل ہونے والی نعمتیں ہمیشہ رہیں گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

اَنْ یَّعْمُرُوْا	یہ کہ وہ آباد کریں
شٰھِدِیْنَ	گواہ ہیں (گواہی دینے والے)
حَبِطَتْ	ضائع ہوگئی (ضائع ہوگئے)
اَلنَّارُ	آگ
لَمْ یَخْشَ	نہیں ڈرتا (نہیں ڈرا)
عَسٰی	شاید کہ۔ امید ہے کہ
اَلْمُھْتَدِیْنَ	ہدایت پانے والے
اَجَعَلْتُمْ	کیا تم نے بنا لیا ہے
سِقَایَۃٌ	پانی پلانا
عِمَارَۃٌ	تعمیر کرنا۔ آباد کرنا۔ بسانا

لَا يَسْتَوٗنَ	دونوں برابر نہیں ہیں
لَا يَهْدِىْ	ہدایت نہیں دیتا
اَعْظَمُ	بہت بڑا
اَلْفَآئِزُوْنَ	کامیاب ہونے والے
رِضْوَانٌ	خوشنودی
نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ	ہمیشہ رہنے والی نعمتیں
اَبَدًا	ہمیشہ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بہت بڑا اجر۔ بدلہ

تشریح: آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ اور مسجد حرام سے بتوں کو ہٹوا دیا تھا۔ اس طرح اللہ کا گھر بتوں سے پاک صاف ہو گیا، کفار و مشرکین سے ان کے ظلموں کا بدلہ لئے بغیر ان کو عام معافی دیدی گئی تھی چنانچہ مشرکین اب بھی نماز، حج اور طواف اپنے باطل طریقوں پر کرنے کے لئے آزاد تھے۔ جہاں اہل ایمان ان ارکان کو ادا کرتے وہیں کفار و مشرکین اپنے طریقوں سے کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ حج کے عظیم اجتماع میں اگر ایک طرف اہل ایمان ہوتے تو دوسری طرف کفار و مشرکین بھی اپنے طریقے پر حج اور اس کے ارکان کو ادا کرتے تھے۔

فتح مکہ کے اگلے ہی سال حضور اکرم ﷺ نے اس بات کا اعلان کرنے کیلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حج کے عظیم اجتماع میں اپنی طرف سے بھیج دیا کہ اب آئندہ سال سے عبادت کا کوئی باطل طریقہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جب یہی سورۂ انفال کی آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ کہہ کر روانہ کر دیا کہ حج کے اجتماع عام میں ان آیات کو پڑھ کر سنا دیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات یہ ہیں کہ آئندہ سال سے حج میں کوئی مشرک و کافر شرکت نہ کر سکے گا۔ اور کسی کو ننگے ہو کر طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

آیت نمبر ۱۷ کے ذریعے یہ اعلان بھی ہو گیا کہ نہ صرف مسجد حرام کی بلکہ کسی مسجد کی بھی کوئی خدمت مشرکین انجام نہ دے سکیں گے۔

آیت نمبر ۱۸ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آئندہ سے مساجد کی خدمت صرف وہی لوگ انجام دے سکیں گے جو نماز اور زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں گے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں گے۔

آیت نمبر ۱۹ کی شان نزول کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ۔

مشرکین مکہ اس بات پر بہت فخر و غرور کیا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کی حفاظت و ترقی کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب ان کے والد اور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جنہوں نے اس وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا اور غزوہ بدر میں گرفتار کر لئے گئے تھے۔ جب ان کو کفر و شرک میں رہنے سے عار دلائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں کرتے ہو اور ہماری بھلائیوں کا ذکر نہیں کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے اس کا انتظام کرنے اور حجاج کرام کو پانی پلانے جیسی مقدس خدمات کے بھی متولی و منتظم ہیں۔ اس پر قرآن میں آیت نمبر ۱۷ تا ۱۹ نازل ہوئیں جن میں اس بات کو وضاحت سے ارشاد فرمادیا گیا ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام کا انتظام کرنا اور دوسری خدمات سرانجام دینا ایمان باللہ ایمان بالآخرۃ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں اللہ کے نزدیک ایسے ایمان لانے والوں اور مجاہدین کا بہت بڑا رتبہ اور مقام ہے اور ان کے لئے جنت کی راحتیں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی۔ جنت کی دائمی نعمتیں ان کی منتظر ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تصور سے بھی زیادہ وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ ایسے نجات پانے والے اور کفر و شرک میں مبتلا رہ کر اللہ کے گھر کی نگہبانی کا دعویٰ کرنے والے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مسجدوں کو آباد رکھنا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے۔ اس میں جو عمارت کا لفظ آیا ہے اس کے کئی معنی ہیں (۱) ظاہری در و دیوار کی تعمیر (۲) مسجدوں کی حفاظت، صفائی ستھرائی اور ضروریات کا انتظام کرنا (۳) نماز اعتکاف، تلاوت، حفظ قرآن درس و تدریس وغیرہ مسجد کے اندر انجام دینا۔ ظاہر ہے یہ سارے کام اب وہی سرانجام دیں گے جو اہل ایمان و اہل توحید ہیں۔ مشرکین کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی واضح ہے کہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین سے چندہ لے کر مسجدوں کی تعمیر اور اس کا انتظام حرام ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حرام و حلال کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ ان کے پاس عام طور سے کمائی سود، شراب، زنا کاری اور حرام ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کفار سے چندہ لے کر مسجد تعمیر کرے گا تو نہ صرف اس پر کوئی ثواب نہیں ہوگا بلکہ حرام کمائی سے اللہ کا گھر تعمیر کرنے کا ایسے لوگوں کو عذاب بھی ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مسجدوں کی آبادی و تعمیر کے لئے چار چیزوں کو بنیادی طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ (۱) ایمان۔ (۲) نماز۔ (۳) زکوٰۃ۔ (۴) جہاد۔ بین السطور یہ بات بہت واضح طور پر کہی گئی ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کسی ایک صفت کی بھی کمی ہوگی وہ مسجدوں کی آبادی میں حصہ نہیں لے سکتا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾

۳ ع ۸ ۹

ترجمہ: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا۔ اور بھائی بند ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کرتے ہیں تو ان کو اپنا رفیق (دوست) نہ بناؤ۔ اور جو بھی ان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا۔
(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے، خاندان والے اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

لَا تَتَّخِذُوْا	تم نہ بناؤ
اٰبَآءُ كُمْ	اپنے باپ دادا کو

اِخْوَانُكُمْ	تمہارے اپنے بھائیوں کو
اَوْلِيَآءَ	دوست
اِنِ اسْتَحَبُّوْا	اگر وہ پسند کریں
عَشِيْرَةٌ	خاندانی۔کنبہ والے
اِقْتَرَفْتُمُوْا	تم نے اس کو کمایا
تَخْشَوْنَ	تم ڈرتے ہو
كَسَادٌ	تجارتی نقصان
مَسٰكِنُ	گھر
تَرْضَوْنَ	تم پسند کرتے ہو
اَحَبُّ	زیادہ محبوب۔پسندیدہ
تَرَبَّصُوْا	انتظار کرو
حَتّٰى يَاْتِىَ	یہاں تک کہ آجائے

تشریح: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

یہ دو آیتیں گذشتہ مضامین کے پس منظر میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں جن کے گہرے اثرات معاشرت، معیشت، تمدن و تہذیب، ملکی اور غیر ملکی اور صلح و جنگ وغیرہ سب پر پڑتے ہیں

(۱) یہ آیتیں خونی اور ایمانی رشتوں کی سرحدوں کو متعین کر دیتی ہیں۔

(۲) یہ آیات بتاتی ہیں کہ نازک حالات میں کس پر اعتماد کیا جائے۔ملکی اور خاندانی زندگی کی ذمہ داریاں کن لوگوں کے سپرد کی جائیں۔

(۳) کہاں دھوکا ہو سکتا ہے اور کہاں نہیں ہو سکتا

رشتہ داروں، قرابت والوں خصوصاً والدین، بھائی، بہن، بیوی اور بچوں کے حقوق کو صحیح طور پر ادا کرنے پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے مگر آیت نمبر ۲۳ میں بتا دیا گیا کہ ان رشتوں اور تعلقات کی ایک حد مقرر ہے۔جہاں رشتہ داریاں اور خون کے تعلقات ایمان سے ٹکرا جائیں۔وہاں ایمانی رشتہ ہی سب سے بڑھ کر رشتہ ہے۔اس وقت وہی دوست ہے وہی ساتھی ہے۔اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

اگر ایک طرف اللہ ورسول ﷺ کی فرماں برداری، فریضہ جہاد، اسلام کی بقاء وترقی کا سوال ہو اور دوسری طرف رشتہ داریوں کا خیال ہو، مال، تجارت، کھیتی باڑی، باغات اور محلات ہوں اور وہ سب کچھ ہو جس کے دام فریب میں زندگی پھنسائے رکھتی ہے تو اس وقت مومن کا رخ کس طرف ہوگا۔ خون کے رشتوں کی طرف اپنے وقتی مفادات کی طرف یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دین کی سچائیوں کی طرف۔ اس کا فیصلہ خود ہر شخص کو کرنا ہے۔ اور اس کو اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں یہ تعلقات اور رشتہ داریاں زیادہ عزیز ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کا منتظر رہنا چاہئے۔

وہ کون سی چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ، اس کے رسول ﷺ، جہاد اور ہجرت سے روکنے والی ہیں۔ رشتہ داروں کی محبت، مکان، دوکان، جائداد، مال اور منصب۔ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے کلمہ پڑھنے والوں کو ہجرت مدینہ سے روکا مگر غزوہ بدر میں وہ عظیم خلوص بھی موجزن تھا کہ جہاں اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے بھائی بھائی اور باپ بیٹا آپس میں ٹکرا گئے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۷

اللہ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی (اسی نے مدد کی) جب تم نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آیا اور زمین فراخی کے باوجود تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر میدان چھوڑنے لگے تھے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنوں

پر تسکین قلب کو نازل کیا۔ اور وہ فوجیں اتاریں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے اور (اسی طرح) اس نے کافروں کو سزا دے ڈالی۔ اور ان کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا تو بہ قبول کر لے گا۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا۔ نہایت مہربان ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۵ تا ۲۷

مَوَاطِنُ	(مَوْطِنٌ)۔ مقامات۔ موقعے
اَعْجَبَتْ	پسند ہے
لَمْ تُغْنِ	کام نہ آئی
ضَاقَتْ	تنگ ہوگئی
رَحُبَتْ	وسعت۔ پھیلاؤ۔ گنجائش
وَلَّيْتُمْ	تم نے منہ موڑا
مُدْبِرِيْنَ	پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے
سَكِيْنَةٌ	سکون۔ اطمینان
جُنُوْدٌ	(جُنْدٌ)۔ لشکر
لَمْ تَرَوْا	تم نے نہیں دیکھا

تشریح: آیت نمبر ۲۵ تا ۲۷

ان تین آیتوں میں جنگ حنین میں مسلمانوں کی شکست اور پھر فتح و نصرت کی نعمت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مکہ معظمہ سے پندرہ کلو میٹر دور طائف کے راستے میں ''حنین'' واقع ہے۔ فتح مکہ سے مشرکین کی کمر ٹوٹ چکی تھی لیکن ان کے ایک جنگ جو قبیلہ بنو ہوازن نے اسلام کے مقابلے میں ہزاروں کی فوج کو جمع کر لیا تھا۔ ان کے سردار قبیلہ مالک بن عوف نے (جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا) اپنی جنگی قوت پر خاص محنت کر کے اپنی پوری طاقت و قوت کو ''حنین'' کے مقام پر جمع کر لیا تھا۔ البتہ ان کی دو شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب نے شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ مالک بن عوف نے حکم دیا تھا کہ ہر سپاہی اپنے بال بچوں اور اپنے تمام مال و متاع کے ساتھ میدان جنگ میں آئے تا کہ میدان جنگ سے بھاگنے کا تصور بھی نہ رہے۔ جب نبی کریم ﷺ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے بنو ہوازن کے حملے سے پہلے ہی چودہ ہزار کا لشکر تیار کر کے ان پر حملے کی تیاری شروع

کردی۔غزوہ حنین سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں نے کبھی پیش قدمی نہیں کی تھی۔اتنی بڑی تعداد اور اسلحہ کو دیکھ کر اہل ایمان میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بنو ہوازن اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے ہم کامیاب ہو کر لوٹیں گے۔اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے فوجوں اور اسلحہ پر ناز اور فخر اللہ کو پسند نہیں آیا۔جب بنو ہوازن کو اتنے بڑے لشکر کی اچانک آمد کا علم ہوا تو وہ گھبرا گئے انہوں نے اس مقام سے جہاں سے مسلمانوں کی فوج کو گذرنا تھا پہاڑی کے دونوں ناکوں اور پہاڑوں پر اپنے بہترین تیر انداز مقرر کر دیئے تھے۔جیسے ہی مسلمان ان کے تیروں کی زد میں آئے بنو ہوازن نے ایک بھرپور حملہ کر دیا۔چاروں طرف سے تیروں کی بوچھار ان کے لئے اتنی اچانک تھی کہ وہ اپنی صفوں کو برقرار نہ رکھ سکے۔اور صحابہ کرامؓ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔یہی وہ موقع تھا جہاں نبی کریم ﷺ جن کے چاروں طرف جاں نثار اپنی پیٹھ پر تیر کھا رہے تھے مسلمانوں میں حوصلہ پیدا کرنے کیلئے فرمایا کہ ''میں سچا نبی ہوں۔میں جھوٹا نبی نہیں ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں حضور ﷺ نے ادھر ادھر بھاگنے والوں کو للکارا تو تمام صحابہ کرامؓ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اللہ نے ان پر ''تسکین قلب'' کو نازل فرمایا اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے تمام حالات کا جائزہ لے کر نبی کریم ﷺ کے حکم سے اچانک اتنا زوردار حملہ کیا کہ دشمن اپنے قدم نہ جما سکا۔کفار کا پورا لشکر اور اس کے سردار مالک بن عوف کو نہ صرف بدترین شکست ہوئی بلکہ وہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ،چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت ہاتھ آیا اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم مسلمانوں کو کتنے ہی مقامات پر فتح و نصرت سے نوازا تھا لیکن جب تمہیں اپنی کثرت کا گھمنڈ ہو گیا تھا تو نہ صرف تمہیں شکست ہوئی بلکہ زمین اپنے پھیلاؤ اور فراخی کے باوجود تم پر ایسی تنگ ہو گئی تھی کہ اگر اللہ تمہارے اوپر ''سکینہ'' یعنی تسکین قلب نازل کر کے تمہاری فرشتوں سے مدد نہ کرتا تو تم اپنا وجود بھی سنبھال نہ سکتے۔لیکن اللہ نے کافروں کو نہ صرف شکست سے دوچار کیا بلکہ ان کو ایسی سزا دی گئی جو تاریخ میں ایک یادگار ہے۔پھر اس کے بعد اللہ نے کفر کی طاقت کو توڑ کر جس کو چاہا ہدایت کی توفیق عطا فرما دی وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

اس واقعہ سے چند باتیں سامنے آتی ہیں جن سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اہل ایمان کو اللہ پر بھروسہ کر کے زندگی کے ہر میدان میں فتح و کامرانی نصیب ہو گی لیکن جب بھی وہ اپنی طاقت و قوت پر بے جا فخر و غرور کریں گے اور اللہ کے بجائے اسباب پر بھروسہ کریں گے ان کو شکست سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

(۲) جب بھی اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ کر کے عاجزی و انکساری کا طریقہ اختیار کیا جائیگا تو اللہ اپنی مدد اور فرشتوں کو بھیج کر ان سے اہل ایمان کی حفاظت فرمائے گا۔

(۳) کافروں کے لئے یہی بڑی سزا ہے کہ وہ میدان جنگ میں سخت ذلت و شکست کھائیں آخرت میں جو بھی عذاب ہے وہ تو بہت شدید ہے۔

(۴) اگرچہ ان آیات میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن احادیث و روایات میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے بہت بڑی

تعداد میں قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ بقیہ قیدی مجاہدین کے قبضے میں بطور مال غنیمت دیدیئے گئے تھے اور اب ان کی ملکیت تھی لیکن آپ نے مجاہدین سے خواہش ظاہر فرمائی تو مجاہدین نے انتہائی ایثار سے کام لیتے ہوئے خوش دلی سے یہ قیدی آپ کے حوالے کر دیئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی مرضی زبردستی مسلط نہیں کی بلکہ خواہش کا اظہار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کا یہ عظیم ایثار و قربانی کا جذبہ تھا کہ انہوں نے بغیر کسی لالچ کے اپنا سب کچھ نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ دوسری بات جس کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس جنگ کے لئے آپ نے مکہ والوں سے ہتھیار اور سامان ادھار لیا تھا۔ حالانکہ آپ زبردستی بھی لے سکتے تھے مگر آپ نے وہ مشرکین مکہ سے اسلحہ اور کچھ سامان بطور قرض لیا۔ فتح ہو جانے کے بعد آپ نے وہ ہتھیار اور سامان ان لوگوں کو واپس کر دیئے اس سے آپ کی عظمت، دیانت اور امانت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۸

اے ایمان والو! مشرکین سرتاپا (ہر لحاظ سے) گندے ہیں۔ اس لئے وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں۔ اور اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو تو اگر اللہ چاہے اپنے فضل و کرم سے تمہیں بے نیاز کر دے گا۔ بے شک وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۸

نَجَسٌ	گندگی۔ ناپاکی
عَامٌ	سال
عَيْلَةٌ	محتاجی
يُغْنِيْ	مال دار کر دے گا۔ بے نیاز کر دے گا

تشریح: آیت نمبر ۲۸

ان آیات میں مشرکین کو نجس یعنی سر سے پیر تک ناپاک ہی ناپاک قرار دیا گیا ہے۔ جسمانی طور پر بھی اور روحانی حیثیت سے بھی......(۱) وہ طہارت و پاکیزگی کا اہتمام نہیں کرتے۔ وہ جنابت، حیض ونفاس وغیرہ کے بعد پاک صاف ہونے کا کوئی تصور نہیں رکھتے جس کو یہ صفائی کہتے اور سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک صفائی ستھرائی نہیں ہے (۲) ان کے عقیدوں کی گندگی، ان کے عبادت کے طریقے، ان کے کلام میں فحاشی اور ننگا پن، شرک، کفر اور فسق و فجور میں مبتلا رہنا بھی ایسی واضح گندگی ہے جس سے ان کی روحانیت گندگی میں ملوث ہو کر رہ گئی ہے (۳) بیت اللہ اور مسجد حرام میں ان کے بے خوف اور بے دھڑک آنے جانے سے ان کی ہمتیں بڑھتی ہیں اور وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کسر نہیں چھوڑتے لہٰذا ایسے گندہ مزاج، بدعقیدہ، سازشی اور نجس لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس سال تو اپنی حرکتوں اور آنے جانے میں لگے رہیں لیکن اس کے بعد ان کو مسجد حرام میں داخلے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہاں پر لفظ مسجد حرام استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ زور خاص مسجد حرام پر ہے لیکن قرآن کریم اس لفظ سے تمام حرم مکہ مراد لیتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے ظاہر ہے۔ معراج مصطفیٰ ﷺ کا آغاز حرم سے نہیں ہوا بلکہ حضرت ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا جو اس وقت حرم سے باہر تھا روایات میں آتا ہے کہ حضرت نبی مکرم ﷺ کے پاس جب حضرت جبرئیل معراج پر لے جانے کے لئے حاضر ہوئے تو اس وقت آپ اپنی بہن حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے۔ قرآن کریم میں جس جگہ بھی لفظ مسجد حرام آیا ہے وہاں عام طور پر پورا حرم مکہ مراد ہے یعنی وہ علاقہ جس کی حد بندی اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے فرمائی تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے میقات کے اندر مقامات کو حرم قرار دیا ہے جس میں قیامت تک کسی کافر کا داخل ہونا قطعاً حرام ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف مسجد حرام ہی میں کفار کا داخلہ منع ہے یا یہ حکم تمام مساجد کیلئے ہے جبکہ یہ ثابت ہے کہ خود نبی مکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنو ثقیف کے وفد کو (جو سب کے سب کافر و مشرک تھے) مسجد ہی میں ٹھہرایا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے چند لونڈی غلام اور بعض مشرکین کو بھی مسجد نبوی میں حاضری کی اجازت دی۔ جب صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ قوم تو نجس ہے آپ نے جواب دیا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑے گا (جصاص) یعنی وفد یا فرد کو خاص حالات میں آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اللہ کے گھروں کو کفار و مشرکین کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ان کو عام مسجدوں سے بھی دور ہی رکھا جائے۔

اس آیت کے دو مقاصد واضح ہیں (۱) حرم کعبہ بلکہ حرم کعبہ سے مشرکانہ عقائد اور رسوم عبادت کو خارج کرنا ملک عرب کو صرف اور صرف دین اسلام کے لئے وقف کرنا (۲) مشرکین کو اس بات کا موقع نہ دینا کہ وہ جاسوسی یا سازش کریں یا عام باشندوں میں مل جل کر اپنے شرک و کفر کا پرچار کر سکیں۔ ظاہری یا خفیہ کارروائیوں میں مبتلا ہو کر مسلمانوں اور ان کی مملکت کو

نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ آیت ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور اسی سال حج کے عظیم اجتماع میں کھلے عام اس کا اعلان کر دیا گیا کہ کفار و مشرکین اس سال کے بعد "حرم" سے دور رہیں۔ اور ان کو کسی بھی حالت میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم اسی وقت کیلئے نہیں تھا بلکہ قیامت تک یہی حکم جاری رہے گا۔

آگے فرمایا گیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کفار و مشرکین کے جانے سے تمہاری مارکیٹیں اور بازار سنسان ہو جائیں گے یا تم فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ تو یاد رکھو اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ رزق وہ دیتا ہے۔ انسان کسی کو رزق پہنچانے کا ٹھیکیدار نہیں ہے۔ وہ اللہ تمہیں اپنے فضل و کرم سے بے نیاز کر دے گا۔

آج جو حرمین شریفین میں امن و سکون ہے اس کی وجہ بھی یہی اللہ کا وعدہ ہے کہ "وہ تمہیں دوسروں سے بے نیاز کر دے گا"۔ کاش آج سارا عالم اسلام اسی طرح کفار و مشرکین اور ان کی امداد سے بے نیاز ہو کر کفار و مشرکین کی سازشوں سے محفوظ ہو جائے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ
ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ع ۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۲۹ تا ۳۱

ان اہل کتاب سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ دین حق کو اپنا دین مانتے ہیں ان سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اور یہودی عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں (اور اسی طرح) نصاریٰ مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہ ان کی زبانی باتیں ہیں۔ یہ ان باتوں کو نقل کرتے ہیں جو ان سے پچھلی نسل بکا کرتی تھی۔ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ اور (اس طرح) انہوں نے مسیح ابن مریم کو بھی (اپنا معبود) بنالیا ہے۔ حالانکہ اللہ جو کہ ایک ہے اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جن کو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۹ تا ۳۱

قَاتِلُوْا	جہاد کرو۔ قتال کرو
لَا يُحَرِّمُوْن	حرام نہیں کرتے ہیں
لَا يَدِيْنُوْن	چلتے نہیں ہیں
حَتّٰى يُعْطُوْا	جب تک وہ نہ دیں
اَلْجِزْيَةُ	جزیہ۔ خراج جو اسلامی حکومت میں کافروں سے لیا جاتا ہے
عَنْ يَّدٍ	ہاتھ سے
صَاغِرُوْنَ	ماتحت ہو کر رہنے والے
يُضَاهِئُوْنَ	وہ دوسروں کی نقل کرتے ہیں۔ برابری کرتے ہیں
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ	اللہ ان کو غارت کردے

اَنّٰی یُؤْ فَکُوْنَ	یہ کہاں الٹے پھرے جارہے ہیں
اَحْبَارٌ	(حِبْرٌ)۔ عالم
رُھْبَانٌ	(رَاھِبٌ)۔ درویش
اَرْبَابٌ	(رَبٌّ)۔ پروردگار
مَا اُمِرُوْا	حکم نہیں دیا گیا
سُبْحَانَ	پاک ذات۔ بے عیب ذات

تشریح: آیت نمبر ۲۹ تا ۳۱

اس سورت میں اب تک قتال کے جو بھی احکامات آئے ہیں ان کا تعلق مشرکین سے ہے۔ صحابہ کرامؓ یہ سوچتے تھے کہ اہل کتاب کے خلاف قتال و جہاد جائز ہے یا نہیں؟

ان آیات نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کیخلاف بھی جہاد و قتال کی اجازت دیدی ہے اس بنا پر کہ غزوہ تبوک میں مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے عیسائیوں سے تھا۔

یہاں ان اہل کتاب کو مشرکین اور کفار کی صف میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کی چار وجوہات ہیں (۱) وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے (۲) وہ قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتے (۳) حرام کو حرام نہیں سمجھتے (۴) دین حق کو اپنا دین نہیں مانتے۔ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اہل کتاب کے مشرک ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہودی حضرت عزیزؑ کو اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور اس طرح وہ کثرت الوھیت کے قائل ہیں۔ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ کیا ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟ نہیں بلکہ انہوں نے اپنے بڑوں سے جیسا سنا اس کو طوطے کی طرح دھرا دیا کسی کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ کسی کو اللہ کی بیوی۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اللہ انہیں غارت کرے وہ کہاں اور کس سمت میں چلے جارہے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ سچائی سامنے آرہی ہے۔ جہاں تک میں نے موجودہ عیسائیوں کو دیکھا ہے وہ جس طرح حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویروں کو اپنی عبادت گاہوں میں لارہے ہیں عجب نہیں کہ پچاس/سو سال میں عیسائی قوم بھی باقاعدہ بت پرست قوموں میں شمار ہونے لگ جائے۔ کیونکہ ان کے علماء اور ان کے مذہب کی تعلیمات کی گرفت عیسائیوں اور یہودیوں پر روز بروز کمزور پڑتی جارہی ہے۔

یہ فرزندیت کی کہانی کیوں گھڑی گئی ہے؟ تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر و نواہی کو دوسرے درجہ میں رکھا جا سکے۔ جو احکام پسند آئیں انہیں مان لیا جائے جو احکامات پسند نہ آئیں ان کو چھوڑ دیا جائے۔

اوامر ونواہی کا ایک نیا ضابطہ بنایا جائے جو حسب موقع ترمیم واضافہ کیا جا سکے۔ چنانچہ اگر تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے عوام پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے اپنی کتابوں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور اب ان کا مذہب ایک رسم سے زیادہ نہیں رہا۔

ان آیات میں قتال کی انتہا بھی بتا دی گئی ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ اہل کتاب اور اہل کفر وشرک اپنے ہتھیار رکھ دیں اور پرامن رہنے پر راضی ہوں اور جزیہ ادا کریں بالفاظ دیگر ملکی انتظام کے تمام اختیارات ان سے چھین لئے جائیں اور وہ مسلمانوں میں ذمی بن کر رہیں تو ان سے قتال نہ کیا جائے بلکہ جزیہ ادا کرنے کے بدلہ میں اسلامی حکومت ان کے جان ومال کی محافظ ہوگی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عوام کی بھی مذمت کی ہے جو اپنی عقل استعمال نہیں کرتے اور باپ دادوں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں اور ان کے احبار ورہبان کی گھڑی ہوئی کہانیوں کو علم کا درجہ دے رہے ہیں اور ان پر عمل کر رہے ہیں اللہ نے فرمایا کہ اس نے تو صرف ایک ہی حکم دیا ہے کہ ایک اللہ کی بندگی اور عبادت کی جائے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہی خالق ورازق ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

ترجمہ: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۳

وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں حالانکہ اس کو مکمل کئے بغیر وہ نہ رہے گا۔ اگرچہ وہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین کو تمام مذہبوں پر غالب کر دے۔ خواہ مشرکین کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۲ تا ۳۳

اَنْ يُّطْفِئُوْا — یہ کہ وہ بجھا دیں

نُوْرُ اللّٰهِ — اللہ کی روشنی

یَاْبَی اللّٰهُ	اللہ نہیں مانے گا
اَنْ یُّتِمَّ	یہ کہ وہ پورا کردے
کَرِہَ	ناگوار گذرا
لِیُظْهِرَهٗ	تاکہ وہ غالب کردے

تشریح: آیت نمبر ۳۲ تا ۳۳

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ہزاروں ان گنت نعمتوں سے نواز ہے۔ ''عقل'' ان میں ایک بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ یہ فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے انہیں اللہ پسند نہیں کرتا۔

لیکن جس طرح آنکھ دیکھنے میں روشنی کی محتاج ہے اسی طرح عقل'' روحانی روشنی اور نور الہی کی محتاج ہے'' اگر انسانی عقل کی مناسب رہنمائی کے لئے وحی الٰہی کی روشنی نہ ہو تو زندگی کے اندھیروں اور حیات کی وادیوں میں بھٹکنا انسان کا مقدر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل و فکر کی رہنمائی کے لئے اپنا کلام، روشنی اور نور بنا کر خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا تاکہ آپ ان سچائیوں کے اصولوں کو اپنی سیرت پاک میں ڈھال کر ہر ایک دل میں اتار دیں اور انسانی عقل سے اس کو سنوار کر بہترین اسوہ حسنہ بنادیں۔

انسانی عقل تو وقتی مفادات کے بھنور میں پھنسی رہتی ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی زندگی جو ایک بہترین اور کامل نمونہ زندگی ہے عقل کی بہترین رہنما ہے جو انسانی عقل کو شریعت کے تابع کر دیتی ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے اس ''نور مبین'' اور کتاب ہدایت اور اپنے اسوہ حسنہ کو کفار و مشرکین کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس دین کو نہ صرف مٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ بلکہ زندگی بھر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ ہم جب چاہیں گے اپنی پھونکوں سے اس چراغ کو بجھادیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں یہ ارشاد فرمادیا کہ کفار و مشرکین کی یہ بھول ہے کہ وہ اللہ کی اس روشنی اور نور کو جب چاہیں گے بجھادیں گے۔ اللہ نہ صرف اس دین مبین اور اس روشنی کو مکمل کر کے رہے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اپنی سیرت پاک کے ذریعہ دنیا کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے اسی دین حق اور دین ہدایت کو ساری دنیا کے مذہبوں اور نظریات پر غالب کر کے چھوڑیں گے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ کفار و مشرکین کی تمام تر کوششیں اور مخالفتیں بھی اس نور کی شعاعوں کو ماند نہ کر سکیں اور نہ کر سکیں گی۔

آج ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ساری دنیا کے فلسفی مفکر، مدبر اور سائنسداں مدتوں آسمان کی بلندیوں،

زمین کی وسعتوں، سمندر کی گہرائیوں اور ذروں کی تابانیوں میں تحقیق، جستجو اور نظریات میں بھٹکنے کے بعد اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ انسان کا بھلا اور کامیابی اگر کسی دین اور نظریہ زندگی میں ہے تو وہ صرف دین اسلام اور نبی مکرم ﷺ کی مبارک زندگی ہے۔ وہ زبان سے برملا اعلان نہ بھی کریں مگر یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ انسانی معلومات ایجادات، طرح طرح کے ذرائع اور سائنسی ترقیات جتنی بھی آگے بڑھتی جارہی ہیں دین اسلام کی سچائیاں اسی قدر کھلتی چلی جارہی ہیں۔ اس کے برخلاف وہ مذاہب جن کی بنیاد جن بھوتوں بادشاہوں اور جھوٹی کہانیوں پر ہے ان کا جھوٹ اور بے بنیاد ہونا ثابت ہوتا جارہا ہے۔ اسی لئے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ سائنس کی ترقیات سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے انسان ان معلومات کے ذریعہ جتنا بھی آگے بڑھے گا اور بیدار ہوگا اسلام کے ہر اصول کی تابانی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اور ایک وقت آئے گا کہ انسان کو اسلام کے قدموں پر اپنا سر جھکانا ہی پڑے گا اور من گھڑت جھوٹے مذہبوں سے انسانوں کی جان چھوٹ جائے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ
وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا
فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ
هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۴ تا ۳۵

اے ایمان والو! بے شک بہت سے احبار (علماء) اور رھبان (درویش) لوگوں کا مال ناحق طریقہ پر کھا جاتے ہیں اور وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی ﷺ) آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔

جس دن ہم ان (کے خزانے کو) جہنم کی آگ میں تپائیں گے پھر اس سے ان کی پیشانیوں ان کے پہلوؤں اوران کی پیٹھ کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ تمہارا خزانہ جوتم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا ہوا تھا۔ پس تم نے جو کچھ جمع کرر کھا ہے اس کا مزا چکھو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۴ تا ۳۵

لَيَاْ كُلُوْنَ	البتہ وہ کھاتے ہیں
يَصُدُّوْنَ	وہ روکتے ہیں
يَكْنِزُوْنَ	جمع کرتے ہیں
اَلذَّهَبُ	سونا
اَلْفِضَّةُ	چاندی
لَا يُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ نہیں کرتے ہیں
بَشِّرْ	خوش خبری دے دیجیے
يُحْمٰى	آگ میں دھونکایا گیا ہے
تُكْوٰى	داغ لگایا جائے گا
جِبَاهٌ	(جِبْهٌ)۔ پیشانی۔ ماتھا
جُنُوْبٌ	(جَنْبٌ)۔ پہلو
كَنَزْتُمْ	تم نے جمع کیا
ذُوْقُوْا	تم چکھو

تشریح: آیت نمبر ۳۴ تا ۳۵

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ رسول ﷺ کا کام یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو ہر مذہب اور طریقہ زندگی پر غالب کر دیں تا کہ ساری دنیا سچائی کی اس روشنی میں اپنی منزل تلاش کر سکے۔

ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ لوگ جو باطل پر جمے ہوئے ہیں اور اسی میں سرگرم ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کا

طریقہ زندگی 'حق' ہے بلکہ ان کے مذہبی رہنماؤں کا وہ لالچ ہے جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں وہ ناجائز طریقوں اور مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ لوگوں کی جیبیں خالی کر کے اپنے سونے چاندی کے ڈھیروں میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

ان کی اس کمزوری کا اثر یہ ہے کہ طاقت وروں اور مال داروں کا طبقہ اپنے مقاصد کے لئے جس طرح چاہتا ہے مذہب کے اصولوں کو اپنے حق میں تبدیل کرالیتا ہے اور وہ اس مذہب فروشی کو عیب نہیں سمجھتے۔ ایک مقصد پر ان دونوں کا سمجھوتہ ہوتا گیا ہے کہ عوام کو جس طرح ممکن ہو لوٹو اور مذہب کے نام پر بے وقوف بناؤ۔ ان کو جاہل رکھ کر ان کے بھولے پن سے جتنا ممکن ہو ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔ تاریخ گواہ ہے کہ حکومت اور کلیسا کے اس گٹھ جوڑ نے ہر اس شخص کے سر کو تن سے جدا کر دیا جس نے اس گٹھ جوڑ کے خلاف سر اٹھانے کی کوشش کی بالآخر انقلاب فرانس نے ایسے مذہب اور مذہبی گٹھ جوڑ سے جب نجات حاصل کی تب اس نے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ کیونکہ جھوٹے سہارے کبھی حقیقت نہیں بن سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی رہنما جو ''احبار'' اور رہبان کہلاتے ہیں انہوں نے حق پرستی کا راستہ چھوڑ کر دنیا پرستی کا طریقہ اپنا لیا تھا جب انہوں نے محسوس کیا کہ دین اسلام اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی انقلابی سیرت ان کے بنائے ہوئے تصوراتی قلعوں اور ان کی تمناؤں کے گھروندوں کو تہس نہس کر دیں گے تو انہوں نے اس طریقہ زندگی کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عیسائیوں یہودیوں کے وہ مذہبی رہنما جو ناجائز طریقے پر لوگوں کے مال ہضم کر جاتے ہیں اور وہ مال کے ڈھیر لگا کر اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور اس کو صحیح جگہ خرچ نہیں کرتے ان کے لئے جہنم کی ابدی اور دردناک زندگی مقدر کر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ وہ وقت کس قدر عبرت ناک ہوگا جب ان کے اسی مال سے جو وہ جمع کرتے رہے ہیں۔ جہنم کی آگ دہکا کر اس سے ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ وہ مال جسے تم جمع کر کر کے رکھتے تھے، وہ خزانہ جسے تم جمع کر کے خوش ہوتے تھے آج وہ جہنم کے انگارے بنا دیئے گئے ہیں اور اب وہی جہنم تمہارے لئے تیار کر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ جس دولت کو وہ اپنی عزت بنا کر اس پر ناز کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن ان کی ذلت اور رسوائی کا سبب بن جائیگی۔

آگے کی آیات میں اہل ایمان کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ دنیا پرستی، دین بے زاری یہ تو کفار اور مشرکین کا طریقہ ہے، جس کی وجہ سے ان کا مذہب انسانوں کے مفاد کی بھینٹ چڑھ گیا اور وہ مال و دولت ان کے کچھ بھی کام نہ آیا نہ آئے گا۔ اگر تم نے بھی ان کے طریقے اختیار کئے تو تمہارا انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوگا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ

اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِىۡۤءُ زِيَادَةٌ فِى الۡكُفۡرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوۡا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمۡ سُوۡۤءُ اَعۡمَالِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾

ع ۵ / ۸ / ۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۳۶ تا ۳۷

بے شک اللہ کے نزدیک اس دن سے جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا مہینوں کی تعداد ''بارہ مہینے'' ہے۔ان ہی میں سے چار مہینے حرمت وادب والے ہیں یہی بہترین سیدھا دین ہے۔تم ان مہینوں میں اپنے اوپر زیادتی نہ کرو۔اورتم سب مل کران مشرکین سے قتال کرو۔جیسا کہ وہ سب مل کرتم سے جنگ کرتے ہیں اور یہ سمجھ لو کہ اللہ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے۔نسی (مہینوں کا آگے پیچھے کرنا) کفر میں ایک اضافہ ہے جس سے یہ کافر گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ کسی سال کسی حرام مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں وہ اس کی گنتی کو پورا کرلیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا بھی حلال کرلیں۔ان کے برے اعمال ان کی نظروں میں خوبصورت بنا دیئے گئے ہیں۔اور اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۶ تا ۳۷

عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ — مہینوں کی گنتی

اِثْنَا عَشَرَ	بارہ
اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ	چار احترام والے
اَلدِّيْنُ الْقَيِّمُ	سیدھا سچا دین
كَآ فَّةٌ	مکمل۔ پورے طور پر
اَلنَّسِیْٓءُ	مہینہ کو بدل دینا
يُضَلُّ	بہکائے گئے
يُحِلُّوْنَ	وہ حلال کرتے ہیں
يُحَرِّمُوْنَ	وہ حرام کرتے ہیں
زُيِّنَ	خوبصورت بنا دیا گیا
سُوْٓءُ اَعْمَالِ	برے عمل

تشریح: آیت نمبر ۳۶ تا ۳۷

اللہ تعالیٰ نے جب سے موجودہ نظام فطرت کو قائم فرمایا ہے اسی دن سے اللہ کے نزدیک چاند جو موجودہ تحقیق کے مطابق زمین کے گرد گھومتا ہے۔ اس کی گردش ۲۹ یا ۳۰ دنوں میں مکمل ہوتی ہے ہر گردش ایک ماہ ہے اس طرح ایک سال بارہ مہینوں کا ہے لیکن ان میں چار مہینے یعنی ذی قعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب کو محترم قرار دیا گیا ہے ان حرمت کے مہینوں میں ایک طرف جنگ کرنے کو سختی سے منع کیا گیا ہے اور دوسری طرف ثواب بڑھا کر عبادت کی کشش میں اضافہ کر دیا۔ ان مہینوں کا احترام ہر نبی کی شریعت میں رہا ہے۔

حضور پرنور ﷺ کے زمانہ میں عرب کے کفار و مشرکین نے ''نسی'' کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا یعنی اپنی جنگی اور دوسری سہولتوں کے پیش نظر نہ صرف سال میں مہینوں کی تعداد کو گھٹا بڑھا لیا کرتے تھے بلکہ مہینوں کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے جس مہینے کو چاہا اس کو رمضان کہہ دیا۔ جس مہینے کو چاہا محرم کہہ دیا۔ اس طرح مہینوں کی گنتی بھی پوری ہو جاتی تھی اور حرام مہینوں کو اپنے مقاصد کے لئے حلال بھی کر لیتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک قبیلہ ایک مہینے کو رجب کہتا تھا دوسرا اسی کو رمضان کا مہینہ کہتا تھا۔ اس

طرح اللہ نے ماہ وسال کا جو نظام قائم فرمایا تھا وہ سارا کا سارا اگڑ بڑ کر کے رکھ دیا گیا تھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو وضاحت سے فرما دیا ہے کہ اسلام اپنے مہینوں کو قمری حساب سے گنتا ہے اس میں بڑی سہولتیں اور بڑی مصلحتیں ہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ سال کے مہینوں کی تعداد میں کوئی اضافہ کمی یا تبدیلی کر سکے۔

ان آیات میں دوسری بات اہل اسلام سے یہ کہی جارہی ہے کہ ''اشہر الحرم'' کا احترام تم پر لازمی ہے لیکن اگر کفار و مشرکین تمہارے اوپر حملہ کرتے ہیں تو تم اس میں اختلاف نہ کرو سب مل کر ان سے جہاد و قتال کرو۔ اگر وہ احترام کرتے ہیں تو تم بھی کرو لیکن اگر وہ اس کے احترام کو اٹھاتے ہیں اور تم سے جنگ کرتے ہیں تو تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو بلکہ ان سے مقابلہ کرو۔ اللہ نے فرما دیا کہ اللہ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

ترجمہ: آیت نمبر ۳۸ تا ۳۹

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں نکلتے اور زمین کی طرف گرتے جا رہے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے۔ جب کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا سامان بہت کم ہے۔

اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہ نکلو گے تو تمہیں شدید ترین سزا ملے گی اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو تبدیل کر جائے گا۔ اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۸ تا ۳۹

مَالَکُمْ تمہیں کیا ہو گیا؟

اِنْفِرُوْا نکل پڑو

اِثَّاقَلْتُمْ تم گرے جاتے ہو

اَرَضِیْتُمْ کیا تم خوش ہو گئے۔ راضی ہو گئے

اِلَّا تَنْفِرُوْا اگر تم نہ نکلے

یَسْتَبْدِلُ وہ بدل دے گا

لَا تَضُرُّوْا تم نقصان نہ پہنچا سکو گے

تشریح: آیت نمبر ۳۸ تا ۳۹

یہ آیات غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں۔ غزوہ تبوک جو نبی کریم ﷺ کی حیات دنیوی کا آخری غزوہ تھا اس وجہ سے ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے تمام بادشاہوں اور چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے سرداروں کے پاس اپنے وفود بھیجے جن کے ذریعہ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی ان ہی میں سے ملک شام کی سرحد سے متصل قبائل میں بھی آپ نے اپنے وفد بھیجے۔ ان لوگوں نے سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پندرہ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ کسی طرح قائد وفد حضرت کعب بن عمیر غفاریؓ بچ کر نکل آئے۔ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ کو اس کا بہت رنج اور افسوس ہوا۔ اسی زمانہ میں حضور اکرم ﷺ نے بصریٰ کے رئیس و سردار شرجیل کے نام ایک خط بھی بھیجا شرجیل جو قیصر روم اور سلطنت روم کی طاقت پر نازاں تھا اس نے قائد وفد حضرت حارث بن عمیرؓ کو پہلے تو قید کیا اور پھر سامنے بلا کر نہ صرف ان کی توہین کی بلکہ قتل کرا دیا جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی سرکوبی کے لئے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر روانہ کیا تا کہ ان جیسے قبائل کو سر اٹھانے کی جرأت و ہمت نہ ہو چنانچہ جب یہ لشکر موتہ کے مقام پر پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کے مقابلے میں ایک لاکھ کا لشکر موجود ہے بعض لوگ گھبرا گئے کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ یہ بھی مشورہ ہوا کہ اس صورت حال کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو کر دی جائے تا کہ مدینہ منورہ سے

مزید فوج ان کی مدد کے لئے آ جائے مگر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی پر جوش تقریر نے ان کے بدن میں حرارت پھونک دی جس میں انہوں نے فرمایا کہ مسلمانو! آگے بڑھو اور کفار کا مقابلہ کر دیا تو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا یا شہادت کی موت نصیب ہوگی چنانچہ مسلمان ایمان کی حرارت کے ساتھ آگے بڑھے اگرچہ ایک کے بعد ایک سپہ سالار شہید ہوئے مگر اللہ نے ان کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کے بعد جب سپہ سالاری کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ کا انتخاب کیا گیا تو انہوں نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس جنگ موتہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بے حد خوشی ہوئی مگر سلطنت روما اور عیسائی دنیا میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور اب ان کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان کسی بھی وقت سلطنت روم سے ٹکر لے سکتے ہیں۔ قیصر روم نے لاکھوں کی تعداد میں اپنے فوجیوں کو جمع کر لیا اور تیاری شروع کر دی تا کہ وہ مدینہ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ جب نبی کریم ﷺ کو سلطنت روم کی ان تیاریوں کا پتہ چلا تو آپ نے اچانک اعلان فرما دیا کہ ہم تبوک کی طرف کوچ کریں گے۔ یہ وہ موقع تھا جہاں آپ نے صحابہ کرامؓ سے ہر طرح کی امداد کا مطالبہ فرمایا صحابہ کرامؓ نے اپنی ہمت سے بھی بڑھ کر اپنا سب کچھ آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے تو ایثار و قربانی کی مثالیں قائم فرمائیں لیکن دوسری طرف منافقین بھی کھل کر سامنے آ گئے اور انہوں نے طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کر دیئے تا کہ وہ کسی طرح اس جہاد سے اپنی جان بچا سکیں۔ یہ وقت بھی بڑا نازک تھا کیونکہ فصلیں تیار تھیں۔ جن فصلوں پر ان کا سال بھر کا گذارہ تھا منافقین کو اس کا بہانہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم کیسے جا سکتے ہیں عسرت و تنگی کا زمانہ ہے فصلیں تیار ہیں گرمی کا شدید موسم ہے۔ ان ہی میں بعض وہ تھے جو منافق نہ تھے مگر کچھ سستی اور کاہلی میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے اس کے برخلاف تمام صحابہ کرامؓ نے خوب بڑھ چڑھ کر اس جہاد میں حصہ لیا اور عظیم ایثار و قربانی کا جذبہ پیش کیا۔ سورۂ توبہ میں آگے اس کی تفصیلات آئے گی۔

اس طرح آپ تیس ہزار کا ایک عظیم لشکر لے کر بہت تیزی سے تبوک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ جب قیصر روم کو معلوم ہوا کہ مسلمان بہت تیزی کے ساتھ سلطنت شام کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو وہ گھبرا گیا اور اس نے مقابلہ کرنے کے بجائے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی اور وہ مقابلہ پر نہ آ سکا۔ آپ نے تبوک کے میدان میں بیس دن تک دشمن کا انتظار کیا اور آس پاس کے قبائل کو مطیع کرتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس موقع پر سورہ توبہ کی آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا جب تمہیں جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم اپنے مفاد کیلئے زمین کی طرف جھکتے چلے جاتے ہو کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی زیادہ بہتر ہے۔ اور آج تم

فصلوں کے اور گرمی کے موسم کے بہانے کر کے اللہ کے راستے سے رک رہے ہو۔ صاف صاف فرمادیا گیا کہ اگر تم اللہ کے راستے میں نہیں نکلو گے تو اللہ تمہارا اور تمہاری حمایت کا محتاج نہیں ہے وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو ایمان کی توفیق عطا کر کے اس سے یہ کام لے لے گا۔ تم تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے لیکن تم اپنا بہت کچھ نقصان کر بیٹھو گے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۱

اگر تم نے اس (نبی ﷺ) کی مدد نہ کی تو (یاد کرو) اللہ ان کی اس وقت بھی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا تھا۔ وہ دو میں دوسرے تھے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے ان پر سکینہ (تسکین قلب) کو نازل کیا اور ان کی مدد ایسے لشکر سے کی جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور (اس طرح) اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا اور اللہ کی بات کو اونچا کر دکھایا۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

سامان تھوڑا ہو یا زیادہ تم نکل پڑو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے اگر تم جانتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۰ تا ۴۱

خِفَافٌ ہلکے

ثِقَالٌ بھاری

تشریح: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۱

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب تمہیں اللہ کے راستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم زمین میں گڑتے چلے جاتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہاری مدد کے بغیر کامیاب نہ ہو سکیں گے فرمایا کہ یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی کی مدد کے محتاج نہیں ہیں۔ ہجرت کے وقت اللہ نے کفار کے مقابلے میں اپنے رسول ﷺ کی جس طرح مدد کی تھی وہ آج بھی بغیر کسی وسیلے اور ذریعہ کے اپنے رسول کی مدد کر سکتا ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تم اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ نہ دو گے تو یاد رکھو اس وقت اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی تھی جب کہ کفار نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اس وقت ایک ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ آپ تن تنہا نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف مکہ کے کفار اور ان کا جوش انتقام تھا اور دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ اور رسول ﷺ کے معتمد حضرت ابوبکر صدیقؓ ساتھ میں تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو تلاش کرتے کرتے کفار مکہ غار ثور تک پہنچ گئے جہاں یہ دونوں چھپے ہوئے تھے اور دشمنوں کے پاؤں نظر آنے لگے اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اب کیا ہوگا؟ جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا تھا کہ گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ نے ان پر تسکین قلب کو نازل کیا اور ایسے فرشتوں سے مدد فرمائی جو ظاہری نگاہوں سے دیکھے نہیں جا سکتے تھے لیکن اللہ نے اپنی بات کو اونچا کر دکھایا اور کفار کی بات اور ان کے برے ارادے ذلت و خواری سے دوچار ہوئے۔

ان آیات میں ایک دفعہ پھر صاف صاف الفاظ میں فرمادیا گیا ہے کہ یہ تو اہل ایمان کی سعادت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ساتھ ہو جائے۔ اور وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو اپنی زندگی بنالیں لیکن اللہ اور اس کا رسول ﷺ نہ پہلے کسی کی مدد کے محتاج تھے نہ آج ہیں۔ وہ اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنے دین کو سر بلند کر دیتا ہے اور کفر کو آج بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑے گا اور آئندہ بھی اس کا یہی حشر ہوگا۔

فرمایا کہ اے مومنو! تم اس بات کا انتظار نہ کرو کہ آج تمہارے پاس کچھ ہے یا نہیں تم ہلکے ہو یا بھاری، ہر حال میں اللہ کے راستے میں نکل پڑو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو اللہ کے لئے پیش کر دو تمہارے لئے اسی میں بہتری اور آخرت کی سعادت ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ
وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ
لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ
قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ
اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ
اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

ع ۵ ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۶

اگر مال غنیمت قریب اور سفر آسان ہوتا تو یہ ضرور ساتھ ہو لیتے لیکن انہیں تو یہ راستہ ہی دور کا نظر آ رہا ہے۔ اور جلد ہی یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔ وہ اپنے ہاتھوں خود اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔

(اے نبی ﷺ) اللہ نے آپ سے درگذر کیا لیکن آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی جب تک یہ ظاہر نہ ہو جاتا کہ کون ان میں سے سچے ہیں اور کون ان میں سے جھوٹے لوگ ہیں۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کر رہے ہیں وہ آپ سے (کبھی) اجازت نہیں مانگیں گے۔ اور اللہ اہل تقویٰ کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے صرف وہ لوگ اجازت مانگ رہے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک وشبہ میں ڈول رہے ہیں۔

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اسکے لئے (کچھ نہ کچھ تو) تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے ہی کو پسند نہیں کیا۔ پھر اس نے ان کو روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۲ تا ۴۶

عَرَضٌ	اسباب۔ مال غنیمت
سَفَرٌ قَاصِدٌ	آرام والا سفر
لَاتَّبَعُوْکَ	البتہ وہ آپ کے پیچھے چل پڑتے
بَعُدَتْ	دور لگا
اَلشُّقَّةُ	فاصلہ۔ حصہ
اِسْتَطَعْنَا	ہماری استطاعت ہوتی
عَفَا اللّٰهُ	اللہ نے معاف کر دیا
لِمَ اَذِنْتَ	آپ نے کیوں اجازت دی؟
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	جب تک واضح نہ ہو جاتا
صَدَقُوْا	جنہوں نے سچ کہا
لَا يَسْتَاْذِنُوْ	وہ اجازت نہیں مانگتے
اِرْتَابَتْ	شک کیا

رَيْبٌ	شک
يَتَرَدَّدُوْنَ	وہ بھٹک رہے ہیں
لَاَعَدُّوْا	البتہ وہ تیاری کرتے
كَرِهَ اللّٰهُ	اللہ نے پسند نہیں کیا
اِنْبِعَاثٌ	اٹھنا
ثَبَّطَ	ہم نے جمادیا۔روک دیا
اُقْعُدُوْا	بیٹھے رہو

تشریح: آیت نمبر ۴۲ تا ۴۶

تاریخ گواہ ہے کہ جب جنگیں لڑی جاتی ہیں تو ان میں موسم، وسائل، قوم کی حمایت فتح وشکست میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ان کو نظر انداز کر کے گھر میں بیٹھ کر جنگیں کرنا مشکل ہے لیکن اگر دور دراز جا کر دشمن سے مقابلہ کرنا ہو تو اس میں اور بھی زیادہ وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں مسلسل مسلمانوں کی شرکت نے ان کو تھکا کر رکھ دیا تھا۔تھکی ماندی قوم کبھی بھی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی دوسری طرف سخت گرم موسم، طویل ترین سفر، راستے میں ریت کے طوفانوں اور ٹیلوں سے واسطہ، کھلا میدان، پانی کی شدید کمی جھلسا دینے والی لو کے تھپیڑے تیسری طرف یہ کہ کھجوریں پک چکی تھیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب فصل تیار ہو جس پر سارے سال کے گذر بسر کا دارومدار ہو اس وقت نکلنا فقر وفاقہ کو دعوت دینا ہے۔ چوتھے یہ کہ اتنی بڑی سلطنت سے ٹکر لینے میں جتنے وسائل کی ضرورت تھی وہ بھی مہیا نہیں تھے ان حالات میں جنگ کا تصور بڑا بھیانک تھا مگر اس موقع پر صحابہ کرامؓ کا جوش وخروش ایثار وقربانی، اطاعت وفرماں برداری کے وہ بے مثال کارنامے سامنے آئے جن کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔یہ وہ جاں نثار صحابہ کرامؓ تھے جن کے نزدیک یہ سارے بھیانک تصورات اور موسم کی سختیاں کچھ حیثیت نہ رکھتی تھیں وہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کو اللہ ورسول ﷺ کے حوالے کر دیا۔

دوسری طرف وہ منافق تھے جو اپنے مفادات کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے وہ بھی کھل کر سامنے آ گئے انہوں نے طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کر دیئے۔چونکہ نبی کریم ﷺ انتہائی نرم مزاج اور فضل وکرم کے پیکر تھے اس لئے جب بھی

کسی شخص نے آ کر کوئی بہانہ پیش کیا تو آپ نے اس کو مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دیدی۔ جس نے جو سہولت چاہی وہ اس کو دیدی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلسل آیتیں نازل فرمائیں کہ جن سے منافقین کے لئے جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کہیں قریب کا سفر ہوتا اور خوب مال غنیمت ملنے کی توقع ہوتی تو یہ ضرور ساتھ ہو لیتے لیکن یہاں تو جان پر بن رہی ہے انہیں یہ سفر بہت دور کا سفر نظر آ رہا ہے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلائیں گے کہ ہمارے اندر ذرا بھی طاقت نہیں ہے۔ اگر طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بہانے نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اور یہ جو بہانے بنا رہے ہیں اللہ کو معلوم ہے کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ اے ہمارے پیارے حبیب ﷺ آپ نے اپنے مزاج کے اعتبار سے بعض لوگوں کو اجازت دے کر نرمی کا معاملہ کیا ہے لیکن اگر آپ ان کو آزما کر دیکھ لیتے کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے تو یہ کہیں بہتر ہوتا۔

فرمایا کہ بہر حال وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں وہ کبھی آپ کے پاس اجازت لینے نہیں آئیں گے۔ اللہ ایسے نیک اور متقی لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے لیکن وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دل ہمیشہ شک وشبہ میں ڈولتے رہتے ہیں وہ ہزاروں بہانے بنا کر آپ سے اجازت مانگنے آ جائیں گے۔ اگر وہ واقعی اللہ کے راستے میں نکلنے کی تیاری کرتے کچھ تو معلوم ہوتا مگر جنہوں نے پیچھے بیٹھ رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے وہ تو پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہیں گے۔ اللہ بھی ایسے بدطینت لوگوں کو اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق نہیں دیتا۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۷ تا ۴۹

اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو سوائے خرابی کے اور کچھ پیدا نہ کرتے۔ وہ تمہارے درمیان فتنے پھیلانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے نظر آتے ہیں۔ تمہارے اندر ان کے کچھ جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ انہوں نے پہلے بھی فتنے اٹھائے تھے اور تمہاری تدبیروں کو الٹ دیا تھا یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا۔ اور ان کو ناگوار ہونے کے باوجود اللہ کا حکم غالب ہو کر رہا۔

ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اجازت دیدیجئے اور ہمیں کسی فتنے میں نہ ڈالئے۔ سنو! یہ تو فتنے میں پڑ ہی گئے اور یقیناً جہنم ان کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

لغات القرآن   آیت نمبر ۴۷ تا ۴۹

مَازَادُوْا	انہوں نے اضافہ نہ کیا
خَبَالٌ	خرابی
اَوْضَعُوْا	وہ دوڑتے پھرتے ہیں
خِلٰلَکُمْ	تمہارے درمیان
یَبْغُوْنَ	وہ تلاش کرتے ہیں
سَمّٰعُوْنَ	بہت سننے والے۔ جاسوس
قَلَّبُوْا	انہوں نے الٹا ہے
لَا تَفْتِنِّیْ	مشکل میں نہ ڈالے
سَقَطُوْا	وہ گر پڑے

تشریح: آیت نمبر ۴۷ تا ۴۹

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس غزوہ تبوک کے موقع پر جہاں وہ اہل ایمان ہیں جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ہر طرح اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں وہیں وہ منافق بھی ہیں جو اس موقع پر عذر اور

معذرت کررہے ہیں ان ہی آیات کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب انہوں نے اپنا مزاج ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نہ ماننے کا بنالیا ہے تو اللہ نے بھی ان کو اس نیک عمل میں شرکت کی توفیق نہیں دی۔ اہل ایمان سے فرمایا جارہا ہے کہ ان کا پیچھے بیٹھ رہنا تمہارے لئے مفید بھی ہے۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو سوائے خرابی کے اور کچھ پیدا نہ کرتے، فتنے پھیلانا، غلط پروپیگنڈا کرنا، طرح طرح کی افواہیں پھیلانا ان کا کام ہے۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو ان کے فتنوں سے بچنا مشکل ہو جاتا۔ دراصل یہ پہلے بھی ایسی حرکتیں کر چکے ہیں۔ اب بھی کر رہے ہیں اور ایسے لوگ اسی طرح کی حرکتیں کرتے رہیں گے اب ان کا کام دوسروں کے لئے تمہاری جاسوسی کرنا ہے اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں یہیں رہنے کی اجازت دیجئے اور ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالئے۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ آزمائشوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں یہ تو اس میں مبتلا ہو چکے۔ اب تو صرف ایک بات کی کمی ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے اور یہ بن کر رہیں گے۔

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُّصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۲

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انہیں وہ بری لگتی ہے۔ اور اگر تمہیں مصیبت پہنچ جائے تو خوشیوں کے ساتھ یہ کہہ کر پلٹتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہمیں تو وہی پہنچتا ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے (مقرر کر دیا ہے) وہ ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ کب تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل کرے گا یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں سزا دلوائے گا۔ تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۲

تَسُؤْهُمْ	ان کو بری لگتی ہے
اَخَذْنَا	ہم نے لے لیا
اَمْرَنَا	اپنا اختیار۔ اپنا کام
فَرِحُوْنَ	وہ خوش ہو رہے ہیں
لَنْ يُّصِيْبَنَا	ہمیں ہرگز نہ پہنچے گی
مَوْلٰنَا	ہمارا مالک
اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ	دو بھلائیوں میں سے ایک

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۲

ان آیات میں منافقین کی ایک اور عادت اور کم ظرفی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔

یہ منافقین بظاہر تو مسلمان بنے ہوئے تھے لیکن جب کوئی فتح یا کامیابی کی اطلاع آتی تو انہیں دکھ ہوتا تھا اور جب مسلمانوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا تو خوشی سے دیوانے ہو جاتے اور اپنی اس دلی خوشی کو دباتے ہوئے کہتے کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ ایسا ہوگا یا ہمیں تو پہلے ہی یہ خطرہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایسا نقصان پہنچے گا اس لئے ہم شریک نہیں ہوئے اور ہم نے اپنے آپ کو اس نقصان سے بچا لیا۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اہل ایمان کے ذریعہ یہ دلوایا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارا مالک تو اللہ ہے اس نے ہمارے لئے مقدر فرما دیا ہے۔ یہ کامیابی، ناکامی فتح و شکست سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اہل ایمان کو یہ اعتماد دیا گیا کہ اگر بظاہر اس دنیا میں ناکامی ہو جائے تو کیا ہوا آخرت کی کامیابی تو یقینی ہے۔

ان آیات میں اہل ایمان کو دو باتوں کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ اللہ نے ہمارے لئے جو کچھ

مقدر کر دیا ہے وہ مل کر رہے گا اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور وہ جو کچھ نہ دینا چاہے ساری دنیا مل کر بھی اس کو دلوا نہیں سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ پر ہی توکل اور بھروسہ کیا جائے۔

لیکن توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ آدمی، کاہلی، غفلت، بے تدبیری میں مبتلا ہو جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ بس جو تقدیر میں ہے وہ مل کر رہے گا بلکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی پوری تیاری کرے، تدبیر میں کمی نہ کرے پھر اللہ کی کارسازی پر مکمل اعتماد کر کے آگے بڑھے۔ اس کے بعد جو بھی نتیجہ سامنے آئے اس کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرلے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۳ تا ۵۷

آپ ﷺ، کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا زبردستی، اللہ تمہارے کسی خرچ کو قبول نہ کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نافرمان قوم ہو۔ ان کے دیئے مال کو قبول کرنے میں اس کے سوا اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور نماز میں سستی اور کاہلی سے آتے ہیں اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں وہ خوش دلی سے نہیں کرتے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کو ان کے مالوں اور اولادوں کی (کثرت) تعجب میں نہ ڈال دے۔ اللہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں اس کے ذریعہ سزا دے اور جب ان کی جانیں نکلیں تو وہ کافر ہی ہوں۔ وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہی ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (تم سے) خوف زدہ ہیں۔ اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا گھسنے کیلئے کوئی غار مل جائے تو وہ منہ اٹھا کر وہیں جا گھسیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۳ تا ۵۷

طَوْعًا	خوشی سے
كَرْهًا	زبردستی
لَنْ يُتَقَبَّلَ	ہرگز قبول نہ کیا جائے گا
لَا يَاْتُوْنَ	وہ نہیں آتے
كُسَالٰى	سستی کرنے والے
لَا يُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ نہیں کرتے
كٰرِهُوْنَ	زبردستی
لَا تُعْجِبْكَ	تجھے حیرت میں نہ ڈالے
تَزْهَقَ	وہ نکالے
يَحْلِفُوْنَ	وہ قسم کھاتے ہیں
قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ	وہ لوگ جو ڈرتے ہیں
يَجِدُوْنَ	وہ پائیں گے
مَلْجَاً	ٹھکانا
مَغٰرٰتٌ	غار
مُدَّخَلٌ	داخل ہونے کی جگہ۔ گھسنے کی جگہ
يَجْمَحُوْنَ	سرکشی کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۵۳ تا ۵۷

خطاب کا رخ ان منافقین کی طرف ہے جو جہاد میں جسم و جان کھپانے کو تیار نہ تھے البتہ دنیا دکھاوے اور اپنی لاج رکھنے کیلئے کچھ چندہ کے طور پر رقم دے کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لئے فرمایا کہ تمہارا یہ مال قبول نہیں ہوگا چونکہ تم لوگ فاسق یعنی نافرمان ہو اور تمہارا شمار کافروں میں ہے فرمایا کہ تمہارا مال اس لئے قبول نہیں ہے کہ تمہارا عمل اس کے برخلاف ہے جو تم زبان سے کہتے ہو۔ ثبوت کے طور پر فرمایا کہ تمہاری نمازیں، کاہلی اور سستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اس میں خوش دلی کے بجائے ایسا لگتا ہے کہ کوئی تاوان اور جرمانہ ادا کر رہے ہو۔ مال اور اولاد کی کثرت نے انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ یہ کوئی بہت برگزیدہ اور نیک لوگ ہیں حالانکہ اللہ نے ان کی بدعملی کی وجہ سے ان کے مال اور ان کی اولادوں کو ان کے لئے عذاب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان چیزوں کی کثرت حالت کفر میں زحمت اور حالت ایمان میں رحمت ہے۔

کافر مال سمیٹنے، جمع رکھنے، حفاظت کرنے، مزید پیدا کرنے اور ان کی نمائش میں اتنا مبتلا رہتا ہے کہ وہ نہ حرام دیکھتا ہے نہ حلال۔ نہ اسے فکر آخرت کی ذہنی فرصت ہے۔ نہ وہ اللہ کے کام میں اس کو خرچ کرتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ عذاب در عذاب کے دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے جب وہ مرتا ہے تو کافر رہ کر ہی مرتا ہے اور حسرت و افسوس کے ساتھ اپنا سارا مال و متاع یہیں چھوڑ کر جاتا ہے۔ یہ لوگ منافق کیوں بنے؟ فرمایا کہ ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو مدینہ چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے جب مدینہ میں دین اسلام کی شمع روشن ہوئی اور وہاں اس دین نے قدم جمائے تو انہیں اپنے مال و متاع کی خیر و عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ ظاہری طور پر مسلمان بن جائیں۔ اب دین اسلام کی دن دونی رات چوگنی ترقی دیکھ دیکھ کر وہ اس حد تک بدحواس ہوتے جا رہے ہیں کہ اگر ان کو کوئی بھی چھپنے کی جگہ مل جائے تو وہ پہلی فرصت میں بھاگ جائیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ

فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

۷ ع ۱۷ ۱۳

ترجمہ: آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹

اور ان میں سے بعض تو وہ لوگ ہیں جو آپ پر صدقات (کی تقسیم) میں طنز واعتراض کرتے ہیں پھر اگر ان کو اس میں سے کچھ دیدیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اس میں سے ان کو نہ دیا جائے تو وہ منہ پھلا لیتے ہیں۔

اور کاش وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو دیا ہے اور یہ کہتے کہ ہمیں اللہ (کی ذات ہی) کافی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہت جلد ہمیں اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دے گا اور یہ کہتے کہ ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)

لغات القرآن آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹

یَلْمِزُ	طعنے دیتا ہے
اُعْطُوْا	دیا گیا
رَضُوْا	خوش ہو گئے
یَسْخَطُوْنَ	وہ ناراض ہوتے ہیں
حَسْبُنَا اللّٰهُ	ہمیں اللہ کافی ہے
سَیُؤْتِیْنَا	جلد ہی ہمیں دے گا
رٰغِبُوْنَ	رغبت کرنے والے۔ مائل ہونے والے

تشریح: آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹

ہر دور میں اللہ کے دشمنوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے دلی بغض وعدات اور دشمنی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں جس سے عام لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اور جو بھی مرکزی شخصیت ہو اس پر ایسے الزامات لگا دیئے جائیں جس سے تحریک اور اس کے کام چلانے والے بدنام ہو جائیں اور آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔ نبی کریم ﷺ سے منافقین کو ایک خاص بغض تھا اس لئے اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ ہمیں کب ان کو بدنام کرنے کا موقع ملتا ہے جب

بھی کوئی ایسی بات نظر آتی کہ وہ اس کو دوسرا رنگ دے کر مسلمانوں کے دلوں میں شک وشبہ پیدا کر سکتے ہیں تو موقع سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کرتے۔ چنانچہ آپ کو جب بھی مال غنیمت حاصل ہوتا تو آپ اللہ کے حکم کے مطابق اس میں سے پانچواں حصہ رکھ کر بقیہ تمام مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے۔ اور وہ پانچواں حصہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حصہ قرار دیا گیا تھا وہ بھی غریب رشتہ داروں مسکینوں محتاجوں اور یتیموں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا نیز جو بھی صدقات حاصل ہوتے آپ اس کو بھی تمام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور زکوٰۃ وصدقات کو اپنی اولاد اور خاندان والوں کے لئے ممنوع قرار دیتے تھے۔ منافقین کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو ان کی خواہش اور توقع کے مطابق مل جاتا تو خاموش رہتے اور اگر ذرا ان کی توقع کے خلاف ملتا تو اپنی گندی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے انصافی اور ناراضگی کا شور مچا کر ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اس کا جواب تو اللہ نے اگلی آیت میں دے دیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اللہ نے اس کی تقسیم کا دائرہ مقرر کر دیا ہے لیکن اس جگہ یہ فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ جس طرح صدقات کو تقسیم کرتے ہیں اس پر راضی رہتے ہوئے یہ کہتے کہ ہمیں تو ہمارا اللہ کافی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہمیں بہت جلد اپنی عنایتوں سے نوازے گا اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کو وہ سب کچھ دیتا جو ان کی توقع اور خواہش سے بھی زیادہ ہوتا۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٦٠

صدقات (زکوٰۃ) تو صرف ان لوگوں کا حق ہے جو غریب اور محتاج ہوں اور وہ لوگ جو ان (صدقات کی وصولی) پر مقرر ہوں اور (اور ان لوگوں کے لئے ہیں) جن کے قلب کو (اسلام کی طرف) مائل کرنا ہے غلاموں کی گردنیں چھڑانے قرض داروں کے قرض، اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والے محتاج) اور جو لوگ مسافر ہوں ان کے لئے۔ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۰

مَسٰکِیْنُ (مِسْکِیْنٌ) محتاج

اَلْعٰمِلِیْنَ کام کرنے والے

اَلْمُؤَلَّفَۃُ مائل کرنا

اَلرِّقَابُ (رَقَبَۃٌ)۔ گردنیں

اَلْغٰرِمِیْنَ (اَلْغَارِمُ)۔ جرمانہ بھرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۶۰

دین اسلام ہر مومن کو ایک غیرت ایمانی عطا کرتا ہے اور اس کو ہر اس جگہ سے دور کر دیتا ہے کہ جہاں اس کی غیرت متاثر ہو سکتی ہے یا اس کو اپنی حاجت کیلئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اسی لئے یہ ذمہ داری حکومت اسلامی کی رکھی گئی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے حالات پر نظر رکھے جو اپنی غیرت کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لئے زکوٰۃ و صدقات کے نظام کو قائم فرمایا گیا ہے تاکہ آج وہ شخص جو اپنی سی کوشش کے باوجود حالات کے سامنے بے بس ہو گیا ہو اس کو معاشرہ کا با اعتماد فرد بنانے کے لئے سہارا دیا جائے۔ آج وہ زکوٰۃ لینے والا ہو تو کل وہ دوسروں کو زکوٰۃ دینے کے قابل بن سکے۔ اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو موجودہ دور کی زکوٰۃ کی تقسیم جو بھیک بن کر رہ گئی ہے اور وہ زکوٰۃ جو معاشرہ میں حالات کو سدھار دیا کرتی تھی بڑا واضح فرق نظر آئے گا۔ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حضرت معاذ ابن جبلؓ نے یمن سے ایک بڑی رقم یہ کہہ کر مدینہ منورہ بھیج دی تھی کہ اے امیر المومنین اب پورے یمن میں ہر شخص زکوٰۃ دینے والا بن گیا ہے اور کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں رہا۔ جب پہلی صدی مکمل ہوئی تو حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے دور حکومت میں لوگ اپنی زکوٰۃ جھولیوں میں لئے پھرتے تھے اور ان کو کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ آج اس دور میں ہم نے زکوٰۃ کا کوئی نظام قائم نہ کر کے زکوٰۃ خوروں کی (بھکاریوں کی) ایک اچھی خاصی جماعت تیار کر دی ہے جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ خود یا کچھ لوگ غریبوں کا نام لے کر زکوٰۃ جمع کرتے ہیں اور اپنے عیش و آرام پر خرچ کرتے ہیں۔ کاش کہ وہ نظام پھر سے قائم ہو جائے جس میں زکوٰۃ ہر بے سہارا انسان کو بے غیرت بنائے بغیر عزت نفس کے ساتھ جینا سکھا دے۔ آج جو حالات اور سود خوروں کے جال میں پھنس کر تڑپ رہے ہیں ان کو سہارا مل جائے۔ اور وہ بھی معاشرہ کا بہترین فرد بن کر دوسروں کے لئے سہارا بن جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ مصرفوں کا ذکر فرما دیا ہے جن میں صدقات (زکوٰۃ) کی رقم کو خرچ کیا جائے گا۔

(۱) قرآن و حدیث میں نفل و واجب صدقات کا بھی ذکر ہے لیکن جو صدقہ فرض ہے وہ زکوٰۃ ہے یہاں صدقات سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔

(۲) جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ

مسلمانوں کے دولت مندوں سے زکوٰۃ لے کر مسلمانوں کے حاجت مندوں میں تقسیم کر دی جائے۔

(۳) سابق آیت میں ہے کہ منافقین الزام دھرتے تھے کہ حضور پرنور ﷺ (نعوذ باللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیتے اس کے جواب میں آپ نے ایک شخص کو جو مانگنے کھڑا ہوا تھا فرمایا:

صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالے نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے۔ اگر تم ان آٹھ میں شامل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں (تفسیر قرطبی۔ ص ۱۶۸۔ ج ۸)

(۴) فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی زندگی گذارنے میں دوسروں کا محتاج ہو سخت افلاس اور بدحالی کا شکار ہو وہ اپنی گذر بسر کیلئے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

(۵) مسکین وہ خوددار اور غیرت مند شخص ہے جو اپنی نبیادی ضروریات میں بھی دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جائے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کرے نہ اپنے حال کو کسی پر ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہو یہ بھی زکوٰۃ لینے کا حق رکھتا ہے۔

(۶) عاملین۔ یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر اسلامی حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے ہوں جن کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو وصول کر کے اس کی حفاظت اور حساب کتاب رکھیں ان کارکنوں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ ان کا غریب و مسکین ہونا ضروری نہیں ہے اگر چہ وہ خود اپنی جگہ صاحب نصاب ہوں مال دار ہوں تب بھی وہ اسی زکوٰۃ و صدقات سے بقدر کفایت اپنا متعین حق لے سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ متعین حق اسکی وصول کردہ رقم کے نصف سے زائد نہ ہو۔ نیز یہ کہ عامل ہاشمی نہ ہو۔

(۷) تالیف قلب۔ عام حالات میں ایک ایسا شخص جس نے دین اسلام کی سچائیوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا ہو تو مسلم ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس کے خاندان والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو تو ایسا شخص جو اپنوں سے کٹ کر مسلمانوں کی برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس شخص کی زکوٰۃ سے مدد کرنا تالیف قلب کہلاتا ہے تاکہ وہ حالات سے مجبور ہو کر پھر کفر کی طرف نہ لوٹ جائے اگر وہ حاجت مند ہے تو زکوٰۃ سے اس کی مدد کر کے اس کی دل داری کی جاسکتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بعض حالات میں ایسا کیا ہے۔ جب مسلمان مضبوط ہو گئے تو خلفاء راشدین نے اس پر عمل اس لئے نہیں کیا کہ اسلام کے مضبوط ہونے کی وجہ سے اب تالیف قلب کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اگر کسی بھی دور میں اس کی ضرورت ہو تو قرآن کریم میں زکوٰۃ کا ایک مصرف اس کو بھی بنایا گیا ہے کہ نئے مسلمان ہونے والوں کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ ان شرائط کے ساتھ دی جاسکتی ہے جسکا ذکر کتب فقہ میں ہے۔

(۸) رقاب۔ پانچواں مصرف ہے گردنیں چھڑانا۔ غلاموں کو آزاد کرانا۔ دراصل یہ دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کا فیض ہے کہ آج دنیا سے غلام اور باندیوں کا رواج ختم ہو چکا ہے لیکن ایام جاہلیت میں غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار چلا کرتا تھا

اور انسان بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت یہ سلسلہ قائم تھا۔ اگر آپ جزیرۃ العرب پر مکمل حکمرانی کے باوجود یہ اعلان فرما دیتے کہ آج سے ہر غلام مرد و عورت آزاد ہے تو شاید یہ غلاموں کے ساتھ انصاف نہ ہوتا بلکہ ان پر ایک اور ظلم ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ غلام تو ہر کھیت، بازار، اور گھروں میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے انکو رہنے کے لئے چھت میسر تھی۔ اگر ان کو آزادی کا پروانہ مل جاتا تو پھر کوئی ان کو چھت کے نیچے آرام کرنے نہ دیتا۔ یہ لوگ بے گھر ہو کر ہزاروں مسائل پیدا کر دیتے اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ انسانی معاملہ کرنے ان کو حقوق انسانی دلانے کے احکامات ارشاد فرمائے۔ اور ہر شخص کو غلام آزاد کرنے پر جنت کی بشارتیں دیں جس کی وجہ سے لاکھوں غلام بھی آہستہ آہستہ آزاد ہوتے گئے اور ان کو معاشرہ میں بھی عزت کا مقام ملتا چلا گیا قرآن کریم میں مختلف غلطیاں کرنے پر گناہوں کے کفارے کیلئے غلام کو آزاد کرنا فرض کیا گیا۔ نیز زکوٰۃ جو ایک اہم عبادت ہے اس کا ایک مصرف غلاموں کی گردنیں آزاد کرنا بھی ہے۔ گویا اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنا عبادت قرار دے دیا۔ ان تمام اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج اسلام کے فیض سے دنیا سے غلامی کا رواج ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

(۹) الغارمین۔ قرض داروں کا قرض اتارنا۔ ایسے لوگوں کی زکوٰۃ سے مدد کی جائے گی جو بعض حالات کی بنا پر قرض کے بوجھ تلے دب چکے ہوں ان کو قرض سے نکالنا۔ یہ بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن بعض فقہاء کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر کسی نے یہ قرض کی رقم لے کر عیاشی اور فضول خرچی میں اڑا دی ہو تو وہ اس زکوٰۃ کا مستحق نہ ہوگا کیوں کہ اس طرح ایک غلط بات کی حمایت کرنا ہے جو عبادت کی روح کے خلاف ہے۔

۱۰) فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اللہ کی راہ سے مراد عموم نہیں بلکہ خصوص ہے اگر فی سبیل اللہ کے لفظ کو عام سمجھ لیا جائے تو پھر یہ ساری فہرست جو دی گئی ہے بیکار ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ یہ سارے ہی کام فی سبیل اللہ ہیں۔ بعض حضرات نے تو لفظ فی سبیل اللہ کو اتنا عام کر دیا ہے کہ مساجد کی تعمیر، ہسپتالوں، اسکولوں اور پلوں کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ کو لگانا شروع کر دیا۔ جب کہ ان چیزوں میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ بلکہ فقہا نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی ایسے بے سرو سامان مجاہدین کی امداد میں ان کے سفر خرچ کیلئے، ان کی سواری اور جنگی اسلحہ کی خریداری پر خرچ کرنا زکوٰۃ کا ایک بہترین مصرف ہے۔

۱۱) ابن السبیل۔ یعنی وہ مسافر جو اپنے شہر اور گھر میں خواہ مال دار ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ کسی ایسے حالات میں پھنس جائے کہ جہاں اس کی امداد کرنا ضروری ہو تو زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ اس میں ایک احتیاط کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ ہاشمی و مطلبی ہوں یعنی جو سید کہلاتے ہیں تو ان کو زکوٰۃ نہ دی جائے بلکہ کچھ اور طریقوں سے ان کی مدد کی جائے۔ کیونکہ سیّدوں کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

زکوٰۃ کے بقیہ مسائل کو فقہ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

اوران میں سے بعض لوگ نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو کان ہیں (کانوں کے کچے ہیں) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ کان تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔ جو اللہ پر ایمان رکھتا اور مومنوں پر اطمینان رکھتا ہے اور تم میں سے ان کے لئے رحمت ہے جو ایمان لے آئے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے خوش ہو جاؤ حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ مستحق ہیں کہ وہ راضی ہو جائیں کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو اس کیلئے وہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور وہ بڑی رسوائی ہوگی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

يُؤْذُوْنَ — تکلیف پہنچاتے ہیں

اُذُنٌ	کان ہے (یعنی کچے کانوں کے ہیں)
لِیُرضُوا	تا کہ وہ راضی کریں
اَحَقُّ	زیادہ حقدار
یُحَادِدُ	مقابلہ کرتا ہے۔نافرمانی کرتا ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

گذشتہ آیات سے منافقین اوران کی حرکتوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا جارہا ہے۔وہ نبی کریم ﷺ پر یہ گستاخانہ الزام لگاتے تھے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ صدقات کی تقسیم میں بے انصافی کرتے ہیں اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اسی طرح صدقات کی تقسیم فرماتے ہیں جس طرح قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔ان آیات میں ان منافقین کی ایک اور حماقت کا ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ کا مزاج انتہائی نرم اور شفیقانہ تھا آپ اپنوں اور غیروں کی غلطیوں کو فوراً ہی نہیں پکڑتے تھے بلکہ آپ اپنے حسن اخلاق، مروت اور خاموشی سے اس کو نظر انداز کر جایا کرتے تھے۔آپ کے حسن اخلاق کو منافق ایک کمزوری سمجھتے تھے۔جب وہ منافق آپس میں باتیں کرتے اور پیٹھ پیچھے طرح طرح کی بے سروپا باتیں کرتے تو کوئی کہتا اگر ہماری یہ باتیں آپ ﷺ تک پہنچ گئیں تو پھر ہماری خیر نہیں ہے تو جواب میں وہ منافقین کہتے تھے کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ہم ادھر ادھر کی باتیں کر کے آپ کو یقین دلا دیں گے کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں (کانوں کے کچے ہیں) ان کو باتوں میں لے آنا اتنا مشکل نہیں ہے وہ تو جس بات کو سنتے ہیں اس کو اسی طرح تسلیم کر لیتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان منافقین کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دینے کے لئے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نبی تو کان ہی کان ہیں۔اللہ نے فرمایا کہ ہاں وہ کان ضرور ہیں لیکن وہ صرف ان ہی باتوں کو سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہوتی ہیں وہ ایسی باتوں کو نہیں سنتے جس میں خیر وفلاح نہ ہو۔وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کی باتوں پر اطمینان رکھتے ہیں وہ اہل ایمان کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔فرمایا کہ جو لوگ ہمارے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

منافقین کی ایک اور عادت کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور اس طرح کی باتیں کرتے

ہیں کہ اہل ایمان ان سے مطمئن ہو جائیں۔ فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کا زیادہ حق دار ہیں کہ ان کی رضا و خوشنودی کے لئے کام کیا جائے۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر فرمایا کہ۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے نہ صرف جہنم کی ابدی آگ ہے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے بڑی ذلت و رسوائی کا سبب ہے جس سے انہیں پناہ مانگنی چاہیے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

ع ۸ / ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ۶۴ تا ۶۶

وہ منافق اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں (ان اہل ایمان پر) کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو (اس کو ظاہر کر دے) جو ان کے دلوں میں ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم مذاق اڑالو لیکن اللہ اس کو باہر نکال کر چھوڑے گا جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں تو وہ یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف دل لگی اور کھیل کر رہے تھے آپ ﷺ کہہ دیجئے کیا تم اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟

تم بہانے مت بناؤ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں اور دوسرے گروہ کو سزا دیں۔ اس لئے کہ یہ مجرم ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۴ تا ۶۶

یَحْذَرُ	ڈرتا ہے
تُنَبِّئُ	مطلع کردے
اِسْتَهْزِءُ وْا	مذاق اڑالو
مُخْرِجٌ	نکالنے والا
نَخُوْضُ	ہم دل لگی کررہے ہیں
نَلْعَبُ	ہم کھیل کررہے ہیں
لَا تَعْتَذِرُوْا	تم معذرت نہ کرو
اِنْ نَّعْفُ	اگر ہم معاف کردیں

تشریح: آیت نمبر ۶۴ تا ۶۶

ان آیات میں مسلسل منافقین کی بدکرداریوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے اسی میں یہ بھی تھا کہ منافقین اپنی نجی محفلوں میں بیٹھ کر اللہ کے رسول ﷺ اور اہل ایمان لوگوں کا مذاق اڑانے۔ طعن وطنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ وہ اہل ایمان جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہوتے ان کی ہر طرح ہمت شکنی کیا کرتے تھے۔ اگر کبھی یہ بات کوئی مومن سن لیتا اور پوچھتا کہ تم کیا کہہ رہے تھے تو اپنی منافقت اور گری ہوئی ذہنیت کو چھپاتے ہوئے کہتے کہ ہم تو یوں ہی کچھ مذاق میں کہہ رہے تھے ہمارا مقصد کوئی برائی کا نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک ہی سوال کیا اور وہ یہ کہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تمہارے نزدیک یہی حیثیت ہے کہ تم ان کے متعلق کوئی بات ہنسی مذاق میں کرجاؤ۔ اور سمجھتے رہو کہ کوئی بات نہیں ہے حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس بات کے حق دار ہیں کہ ادب واحترام کا ہر پہلو ملحوظ رکھا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس لئے نہیں ہیں کہ کوئی شخص ان کو یا ان کی باتوں کو تضحیک کا نشانہ بنائے۔

فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے بھی ایسا کیا ہے یا سوچا ہے درحقیقت انہوں نے ایمان لانے کے بعد کافرانہ حرکت کی ہے جو ناقابل معافی جرم ہے۔

اب یہ تو اللہ کی شان کریمی ہے کہ وہ ان منافقین میں سے جس کو چاہے معاف کردے اور جس کو چاہے عذاب دے کیونکہ یہ سب کے سب اللہ کے مجرم ہیں۔

وقف لازم

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا
اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۶۸﴾
كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ
وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ
نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ۬ وَقَوْمِ
اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۷ تا ۷۰

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ برائی کا حکم دیتے اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ بے شک منافقین بہت نافرمان ہیں۔

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کفار سے ایسی جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے۔ اور ان پر اللہ کی لعنت رہے گی اور وہی ان کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب ہے۔ (یہ اسی طرح ہیں) جیسے ان سے پہلے والے تھے جو تم سے زیادہ طاقت وقوت والے اور مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھالیا تم اپنے حصے کا فائدہ حاصل کرلو جس طرح تم سے پہلے والوں نے فائدے اٹھائے۔ اور تم (بری باتوں میں) وہیں گھس رہے ہو جہاں وہ گھسے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہوکر رہ گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کیا انہیں ان قوموں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں قوم نوح، قوم عاد وقوم ثمود، قوم ابراہیم، مدین والے اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۷ تا ۷۰

يَأْمُرُوْنَ	وہ حکم دیتے ہیں۔ سکھاتے ہیں
اَلْمُنْكَرُ	بری بات
يَنْهَوْنَ	وہ روکتے ہیں
اَلْمَعْرُوْفُ	(نیکیوں سے)۔ نیکیاں
يَقْبِضُوْنَ	وہ روکتے ہیں
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھوں کو
نَسُو اللّٰهَ	انہوں نے اللہ کو بھلا دیا
نَسِيَهُمْ	اس نے ان کو بھلا دیا
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ	ہمیشہ کا عذاب
اَشَدُّ	زیادہ شدید
اِسْتَمْتَعُوْا	انہوں نے فائدہ حاصل کیا

اِسۡتَمۡتَعۡتُمۡ	تم نے فائدہ اٹھالیا
خَلَاقٌ	حصہ
خُضۡتُمۡ	تم گھسے
کَالَّذِیۡ	جیسا کہ وہ
اَلَمۡ یَاۡتِ	کیا نہیں آئی
نَبَاٌ	خبر۔ اطلاع
اَلۡمُؤۡتَفِکٰتُ	الٹی ہوئی بستیاں

تشریح: آیت نمبر ۶۷ تا ۷۰

منافقین کی تمام بری حرکات کا مسلسل ذکر کیا جارہا ہے آیت نمبر ۶۷ سے آیت نمبر ۷۲ تک اس بات کو تفصیل سے مقابلہ کرکے بیان کیا گیا ہے کہ مومن اور منافق کی صحیح پہچان اور مقاصد کیا کیا ہیں سب سے پہلے ان آیات میں منافقین کی چند علامتیں بتائی گئی ہیں۔

۱) پہلی علامت تو یہ ہے کہ منافق مرد اور منافق عورتیں نفسیاتی اور ذہنی طور پر ایک ہی ہیں۔

۲) جہاں کہیں برائی ہوتی دیکھیں گے وہ دوڑ کر پہنچ جائیں گے اور اگر کہیں نیکی کا کام ہورہا ہوگا تو اس میں رکاوٹ ڈالنے کی بھرپور کوششوں میں لگ جائیں گے۔ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

۳) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ ہر نیک کام سے اپنے ہاتھوں کو باندھے رکھیں گے کہ ان کی جان چلی جائے لیکن ایک پیسہ بھی کسی نیک کام میں خرچ نہ ہونے پائے۔ کنجوسی ان کا مزاج ہوتا ہے۔

۴) چوتھی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو بھلا بیٹھے ہیں فرمایا گیا کہ اگر وہ اپنی من مانی میں لگے ہوئے ہیں تو اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔ اگر انہوں نے ہمیں بھلا دیا تو ہم بھی ان کو بھلا دیتے ہیں فرمایا کہ درحقیقت یہ نافرمان لوگ ہیں اور یہی ان کا مزاج بن کر رہ گیا ہے فرمایا کہ ان جیسے منافقین کے لئے اور کفار کے لئے اللہ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس میں نہ صرف یہ ہمیشہ رہیں گے بلکہ ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور عذاب ان کے سروں پر کھڑا رہے گا۔ فرمایا کہ یہ لوگ ان گذری ہوئی قوموں کی طرح ہیں جنہوں نے طاقت وقوت، مال اور اولاد کی کثرت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر منافقت اور کفر وشرک میں انتہا کردی تھی لیکن انجام کیا ہوا؟ انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کے تمام اعمال برباد ہو کر رہ گئے اور سوائے نقصان کے اور کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

فرمایا کہ انہوں نے اپنے کفر وشرک اور نفاق سے وقتی فائدے خوب اٹھائے تم بھی اٹھا رہے ہو۔ وہ کفر وشرک کی وادیوں

میں بھٹکتے رہے تم بھی بھٹکتے رہو لیکن تمہیں ان کا انجام سامنے رکھنا چاہئے کہ آج وہ اپنے وقتی مفادات، بلڈنگوں، مال و دولت اور اولاد کو اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے بلکہ وہ سب اسی دنیا میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ تم بھی سب کچھ اسی دنیا میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، مدین والے اور ان بستیوں والے جنکی بستیاں ان پر الٹ دی گئی تھیں ان کے پاس اللہ کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے لیکن جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو وہی ان کی دولت اور اولادیں ان کے لئے عذاب کا سبب بن گئیں۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا وہ تو اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے لیکن انسان اپنی بدعملیوں میں مبتلا ہو کر اللہ کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ پر وہ خود ظلم اور زیادتی کرتا ہے اور اپنے لئے گڑھے کھود لیتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

مومن مرد اور مومن عورتیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ جو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں جن پر اللہ بہت جلد رحم و کرم فرمائے گا۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نفیس رہائش گاہیں سدا رہنے والے باغات میں اور اللہ کی رضا و خوشنودی اس سے بڑھ کر ہے۔ وہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

یُطِیْعُوْنَ	اطاعت کرتے ہیں
سَیَرْحَمُ	بہت جلد وہ رحم کرے گا
مَسٰکِنُ طَیِّبَۃٌ	پاکیزہ مکانات
اَکْبَرُ	زیادہ بڑا۔زیادہ بڑھ کر
اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	بڑی کامیابی

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۲

گذشتہ آیات میں منافقوں کی علامات بیان کی گئی تھیں اور بتایا گیا تھا کہ ان کا انجام کیا ہے ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی پہچان کیا ہے اوران کا انجام کیا ہے؟ یہ درحقیقت ایک تقابلی موازنہ ہے تاکہ منافقین اور مومنین کا فرق واضح طور سے سامنے آجائے۔

۱) منافقین کا آپس میں وقتی مفادات پراشتراک اور تعاون توضرور ہے لیکن وہ ایک دوسرے کے دوست نہیں ہیں اسی لئے فرمایا گیا "بعضھم من بعض" لیکن مومنین کے لئے فرمایا گیا "بعضھم اولیاء بعض" یعنی مومن ایک دوسرے سے ذاتی دوستی اور قلبی بھائی چارہ رکھتے ہیں یہ دوستی خالص فی سبیل اللہ ہوتی ہے اس لئے ان کی دوستی اور قلبی تعلق بہت پائیدار اور مضبوط ہوتا ہے غائب اور حاضر دونوں صورتوں میں وہ ایک دوسرے کے مخلص ہوتے ہیں ایک ہی مقصد کے تحت رہنے اور باہم مل جل کر ایک امیر کے تحت کام کرنے سے ان کا جذبہ خلوص ومحبت بڑھتا جاتا ہے۔

۲) منافقین کا کام یہ ہے کہ وہ برائی کے کاموں میں مدد کے لئے اور نیکیوں کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے اور اس کی روک تھام کے لئے اپنی تمام تر طاقتیں لگادیتے ہیں جب کہ مومنین نیکی کے کاموں میں مدد کے لئے اور برائیوں کی روک تھام اور انسداد میں اپنی توانائیاں لگادیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود بھی اور دوسرے بھی نیکیوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔انہیں گناہوں سے نفرت اور نیکیوں اور نیک کام کی توفیق مل جائے۔

۳) وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔یعنی وہ صرف نماز ہی نہیں پڑھتے بلکہ وہ مساجد کا ایسا انتظام کرتے ہیں کہ جس میں نمازوں کا نظام قائم ہوسکے۔نمازیں جماعت کے ساتھ ہوں، جہاں اذان، وضو اور امامت کا باقاعدہ انتظام ہو۔اس کے معنی ہیں کہ وہ ایک ایسی سوسائٹی قائم کرتے ہیں جس میں ایک دوسرے سے تعاون، خلوص اور اجتماعیت کی شان ہوتا کہ وہاں سے کافی مقدار میں ایسے لوگ نکل سکیں جو صلوٰۃ باجماعت کیلئے اپنے دوسرے بھائیوں کو جمع کرسکیں ایک دوسرے کے

دکھ سکھ میں شریک ہوسکیں اس سوسائٹی کے قائم ہونے سے ان میں تبلیغ تنظیم اور جہاد کے جذبے بیدار ہوتے ہیں وہاں اسلام ایک زندہ وتابندہ قوت بن کر ابھرتا ہے۔ صلوۃ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک مقدس معاہدہ ہوتا ہے اور وہ معاہدات، تنظیم اور جہاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ محض ظاہری بے جان رسمیات کا نام نماز نہیں ہے بلکہ نماز کا ایک ایسا نظام قائم ہوتا ہے جس میں اخوت، محبت اور ایک دوسرے سے ہمدردی کے جذبات پروان چڑھتے ہوئے دکھائی دیں۔

۴) وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ آج کل زکوٰۃ انفرادی طور پر نکالی جاتی ہے جس میں کسی تنظیم کو دخل نہیں ہے اس لئے زکوٰۃ جو مسلمانوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے وہ محض خیرات اور بھیک بن کر رہ گئی ہے جس سے وہ نتائج سامنے نہیں آرہے ہیں جو اس عبادت کو قائم کرنے کا مقصد تھا۔

۵) اہل ایمان کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں۔ اسی لئے ان سے رحمت کا بھی وعدہ ہے اور جنت کا بھی جہاں انہیں اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوگی اور یہی ان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۳

اے نبی ﷺ! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۳

جَاهِدْ	جہاد کیجئے
اُغْلُظْ	سختی کیجئے
مَاْوٰى	ٹھکانا
بِئْسَ الْمَصِيْرُ	بدترین ٹھکانا

تشریح: آیت نمبر ۷۳

مومنین اور منافقین کی تمام علامتیں اور پہچان بتانے کے بعد نبی کریم ﷺ کو باضابطہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ ان کفار اور منافقین کے خلاف ایسی کوششیں کی جائیں جس سے وہ اس بات کا بخوبی اندازہ کرلیں کہ اسلام کوئی ایسا نرم چارہ نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے وہ اس کو اپنے حق میں استعمال کرلے بلکہ اپنی قوت وطاقت سے ان پر سختی کا اظہار کردیجئے۔ اس حکم کی اہمیت میں کلام نہیں ہے لیکن یہاں قتال کا نہیں بلکہ جہاد کا حکم دیا جارہا ہے۔ جہاد کیا ہے؟ جہاد درحقیقت ایک تحریک ہے۔ جس کے بہت سے پہلو اور بہت سے انداز ہوسکتے ہیں اور جسکی حکمت عملی موقع اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیل کی جاسکتی ہے۔ جہاد تبلیغ سے شروع ہوتا ہے اور قتال پر ختم ہوتا ہے۔ اگرچہ قتال جہاد میں شامل ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جہاد قتال ہو۔ جہاد عموماً پر امن ہوتا ہے۔ جہاد مصدر ہے۔ جس کے معنی پوری طاقت لگا دینا، دین کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کوشش اور جدوجہد کرنا، خواہ زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ قلم سے خواہ عقل وتدبیر سے خواہ تلوار سے۔ جہاد اسلام کی اپنی اصطلاح ہے۔ اس کے معنی ہیں مسلسل پرخلوص کوشش ایک تنظیم، ایک امیر کے تحت اور خالص فی سبیل اللہ جدوجہد کرنا۔

یہاں پر جو جہاد کا حکم ہے اس کے لازمی معنی قتال کے نہیں ہیں بلکہ بہتر ہے کہ تلوار سے ہٹ کر کفار اور منافقین کا قافیہ تنگ کردیا جائے ”ان پر سختی کیجئے“ کے قطعاً یہ معنی ہیں کہ ان سے سختی سے نمٹا جائے اور ان کو بتادیا جائے کہ مسلمان کمزور اور نرم چارہ نہیں ہیں۔ ان کیلئے تبلیغ کا راستہ تو ضرور کھلا رکھا جائے لیکن اس کے علاوہ ان پر ہر راستہ بند کردیا جائے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

ان آیتوں کے نازل ہونے کے وقت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو تقریباً نو سال ہو چکے تھے۔ ابھی تک جزیرۃ العرب کے کفار ومشرکین اور منافقین سے مقابلہ تھا لیکن جب مسلمانوں کو پوری قوت وطاقت حاصل ہو چکی تھی تو اب سلطنت روما سے دو دو ہاتھ کرنے کی پوزیشن سامنے موجود تھی فرمایا کہ اب ان آستینوں کے سانپوں کے ساتھ نرمی کی ضرورت نہیں ہے ورنہ یہ لوگ بڑے مسائل پیدا کردیں گے۔ اس لئے ان کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اور ان کو اپنے وجود سے الگ تھلگ کردیا جائے۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی مقام نہیں ہے ان کے لئے جہنم مقرر کردی گئی ہے اس بدترین ٹھکانے میں ان کو ذلت ورسوائی سے واسطہ پڑے گا۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا
وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا
بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۴ تا ۷۸

وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ حالانکہ انہوں نے ضرور کلمہ کفر کہا ہے اور اسلام لانے کے بعد کفر کیا اور انہوں نے ایسا فیصلہ کیا تھا جو ان کو نہ مل سکا۔

اور انہوں نے یہ صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دیا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اور دنیا میں ان کے لئے کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ (اے اللہ) اگر تو نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے عطا کیا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور ہم خوب نیک کام کریں گے۔ پھر جب اس نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا کیا تو وہ کنجوسی کرنے لگے۔ وہ پھر گئے اور وہ منہ پھیر کر چلنے والے ہیں۔

پھر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس دن تک جس دن وہ اس سے ملیں گے اس

کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشیوں کا علم ہے اور اللہ تمام غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۴ تا ۷۸

ھَمُّوْا	ارادہ کیا
لَمْ یَنَالُوْا	ان کو نہیں ملا
مَا نَقَمُوْا	انہوں نے بدلہ نہیں لیا
اَغْنٰی	بے نیاز کر دیا
خَیْرٌ	زیادہ بہتر
لَئِنْ اٰتٰنَا	البتہ اگر ہمیں دیا
لَنَصَّدَّ قَنَّ	البتہ ہم صدقہ کریں گے
لَنَکُوْ نَنَّ	البتہ ہم ضرور ہوں گے
بَخِلُوْا	انہوں کے کنجوسی کی
اَعْقَبَ	نتیجہ یہ ہوا
یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ	جس دن اس سے ملیں گے
اَخْلَفُوْا	انہوں نے خلاف کیا
اَلَمْ یَعْلَمُوْا	کیا وہ نہیں جانتے
سِرٌّ	بھید۔ چھپی ہوئی چیز
نَجْوٰی	سرگوشی۔ کان میں چپکے چپکے باتیں کرنا
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ	غیبوں کا جاننے والا

تشریح: آیت نمبر ۷۴ تا ۷۸

منافقین کس حد تک جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اللہ سے وعدہ خلافی کرتے ہیں اس کی گواہی میں واقعات زندگی سے دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔قرآن کریم اور مصنوعی مذاہب کی کتابوں میں ایک واضح فرق ہے۔قرآن کریم نے ابتداء سے انتہا تک تاریخ کی سب سے بڑی انقلابی تحریک کی قیادت وراہنمائی کی ہے جب کہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کا کسی مختصر ترین تحریک سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔قرآن کریم ہی وہ کتاب زندگی ہے جو واقعات زندگی سے بھرپور مثالیں پیش کرسکتی ہے۔

قرآن کریم نے پردہ رکھنے کے لئے نہ تو وہ بات بتائی ہے جس سے منافقین مکر جائیں نہ کہیں کسی منافق کا نام لیا ہے۔مگر قرائن کہتے ہیں کہ چند منافقین نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ تبوک سے واپس آ جائیں اور ایک گھاٹی کے پاس سے گذریں تو ان پر حملہ کر کے آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کردیں۔حضرت جبرئیل امین نے اللہ کے حکم سے آپ کو بروقت خبر دیدی اور آپ نے دوسرا راستہ تبدیل کر کے بڑی تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی فرمائی تاکہ آپ جلد از جلد مدینہ منورہ پہنچ جائیں اور منافقین کی سازش ناکام ہو جائے۔

اس سلسلے میں منافقین میں سے کسی نے ایک بات کہی تھی جسے ایک صحابی رسول ﷺ نے سن لیا اور بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچادی۔حضور ﷺ نے جب اس منافق کو طلب کیا تو وہ اللہ کی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلانے لگا کہ اس نے ایسا نہیں کہا تھا۔اس پر ان صحابی نے بھی قسم کھائی کہ یہ جھوٹا ہے اس نے واقعتاً وہ بات کہی تھی۔اسی وقت وحی نازل ہوئی جس میں صحابی رسول ﷺ کا سچا ہونا اور منافق کے جھوٹا ہونے کی طرف اشارہ کردیا گیا۔اس پر منافق شخص نے اپنے گناہ اور غلطی کا اعتراف کرلیا اس نے سچے دل سے توبہ کی اور از سر نو مسلمان ہو گیا۔

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منافقین اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ وہ نبی مکرم ﷺ کے قتل کا منصوبہ تک بنا سکتے ہیں۔ان سے ہوشیار رہنے کی سخت ضرورت ہے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ بروقت اپنا منصوبہ مکمل نہ کرسکے اوز بر ی طرح ناکام رہے۔

ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بظاہر مومن نے حضور اکرم ﷺ سے فرمائش کی کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ کی دعا کردی جائے۔آپ ﷺ نے ازراہ شفقت اس کے لئے دعا فرمادی۔اس کے مویشی اور مال و دولت میں خوب اضافہ ہو گیا۔حالانکہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے گا لیکن مال و دولت ملتے ہی اس نے کنجوسی اختیار کرلی۔اس پر نبی کریم ﷺ نے علی الاعلان افسوس کا اظہار فرمایا۔آیت نمبر ۷۷ میں سزا کے طور پر اللہ نے اس کے نفاق کو اور مضبوط کردیا جو پوری زندگی اس کے دل سے نہ نکل سکا۔حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں منافقت اور ذلت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ منافق یہ سمجھتے ہیں کہ ان منافقین کے واقعات، منصوبہ بندی اور سازشیں اللہ جو کہ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے اس کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔نہیں بلکہ وہ اللہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

ع ۱۰ ۸ ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۷۹ تا ۸۰

وہ لوگ جو ان مومنوں پر الزام لگاتے ہیں جو خوشی سے خیرات کرتے ہیں؛ اور وہ ان لوگوں پر الزام لگاتے ہیں جن کو صرف اپنی محنت اور مزدوری کا صلہ ملتا ہے۔ پھر وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ ان کا تمسخر اڑاتا ہے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(اے نبی ﷺ) آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۹ تا ۸۰

اَلْمُطَّوِّعِيْنَ	نیکی کرنے والے
لَا يَجِدُوْنَ	وہ نہیں پاتے ہیں
جُهْدَهُمْ	اپنی کوشش اور محنت
يَسْخَرُوْنَ	وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق کرتے ہیں

اِسْتَغْفِرْ	دعائے مغفرت کر
سَبْعِيْنَ	ستر
مَرَّةً	ایک مرتبہ۔ مرتبہ
لَنْ يَّغْفِرَ	وہ ہرگز معاف نہ کرے گا

تشریح: آیت نمبر ۷۹ تا ۸۰

صحابہ کرامؓ جو رسول اکرم ﷺ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار رہتے تھے ان کو جو بھی میسر ہوتا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے کم ہو یا زیادہ۔ منافقین جن کو صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری کا ہر انداز برا لگتا تھا کوئی بھی موقع ہوتا طعن وطنز سے باز نہیں آتے تھے اور ہر بات میں کوئی نہ کوئی ایسا پہلو نکال لیتے جس سے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ اگر کوئی اللہ کے راستے میں زیادہ دیتا تو وہ اس کو دکھاوا اور ریا کاری کا نام دیدیتے تھے۔ کوئی اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا سا ایثار کرتا تو یہ منافقین ان کی تھوڑی چیز کا مذاق اڑاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو دل کی خوشی سے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے صدقات دیتے ہیں یہ منافقین ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور جو لوگ اپنی محنت مزدوری سے کما کر تھوڑا سا صدقہ کرتے ہیں یہ ان پر پھبتیاں کسنے میں کمی نہیں کرتے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اہل ایمان کا کیا مذاق اڑائیں گے اللہ ان منافقین سے خود ایک بھیانک مذاق کر رہا ہے اور یہ لوگ دردناک عذاب کے مستحق بن چکے ہیں۔

احادیث میں صحابہ کرامؓ کے صدقات دینے کی اس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ خاتم الانبیاء ﷺ نے اہل ایمان کو صدقات دینے کی طرف رغبت دلائی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نے ایک سو وسق کھجوریں پیش کیں جو چار ہزار درہم قیمت کی تھیں۔ ایک صحابی نے جو غریب تھے اپنی محنت مزدوری سے حاصل ہونے والی کمائی میں سے ایک صاع کھجوریں پیش کیں۔ جن دو صحابہ نے چار چار ہزار درہم صدقہ کئے تھے ان کے متعلق تو منافقین نے ریا کاری اور دکھاوے کا الزام لگا دیا اور جن صحابی نے ایک صاع کھجوریں پیش کی تھیں ان کا خوب مذاق اڑایا کہ بھلا ایک صاع کھجور بھی کوئی دینے کی چیز تھی۔ غرض یہ کہ ان منافقین کا کام یہی تھا کہ جس طرح ممکن ہو صحابہ کرامؓ کے ایثار و قربانی کے جذبوں کو پامال کرنے کے لئے طرح طرح کی باتیں کی جائیں اور ہمت بڑھانے کے بجائے ان کی ہمتیں پست کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق بہت تفصیل سے ارشاد فرمایا اور پھر ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ! یہ منافقین اپنے نفاق اور

کفر میں اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں ان کے لئے نبی ﷺ کی دعائے استغفار خواہ وہ ستر مرتبہ ہی کیوں نہ ہو کوئی فائدہ نہ دے گی اور اللہ ان کو معاف نہ کرے گا۔

اس آیت کے ضمن میں مفسرین نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کا انتقال ہو گیا تو عبداللہ ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی جو انتہائی مخلص صحابی رسول تھے انہوں نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ میرے والد کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کیجئے حضور اکرم ﷺ نے اپنا قمیص دیا کہ عبداللہ ابن ابی پر ڈال دیا جائے اور آپ ﷺ اس کے لئے نماز جنازہ پڑھانے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پورے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جس نے پوری زندگی اسلام کے خلاف فلاں فلاں کام کئے۔ جب کہ اللہ نے بھی فرمادیا ہے کہ ایسے منافقین کے لئے دعائے مغفرت کی جائے یا نہ کی جائے خواہ دعائے مغفرت ستر مرتبہ بھی کی جائے اللہ اس کو معاف نہ کرے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرؓ اس کو معاف کرنا یا نہ کرنا یہ تو اللہ کا کام ہے مجھے اللہ نے اختیار دیا ہے کہ میں اس کے لئے دعائے استغفار کروں یا نہ کروں۔ لہٰذا میں اس کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا چنانچہ آپ نے اس رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھائی دعاء مغفرت کی اور آپ قبرستان اس کی تدفین میں بھی شریک ہوئے۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہو گئی ولاتصل علی احد منھم۔ یعنی اے نبی ﷺ آپ ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھایئے اور نہ اس کی تدفین میں شرکت فرمایئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ واضح حکم آ گیا تو آپ نے اس کے بعد پھر کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا فسق وفجور اور منافقت واضح ہو تو اس کی نماز جنازہ سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ
خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ
حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ
جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے (جنگ میں) جانے کے بعد اپنے بیٹھنے پر خوش ہیں۔ جن کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ناگوار ہے اور وہ یوں کہتے ہیں کہ گرمی میں نہ نکلو۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ شدید گرم ہے کاش وہ سمجھتے۔
وہ تھوڑا سا ہنس لیں پھر وہ بہت روئیں گے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲

فَرِحَ	خوش ہو گیا (ہو گئے)
اَلْمُخَلَّفُوْنَ	پیچھے رہ جانے والے
بِمَقْعَدِهِمْ	اپنے بیٹھ رہنے سے
خِلٰفَ	مخالفت
كَرِهُوْا	انہوں نے برا سمجھا
اَنْ يُّجَاهِدُوْا	یہ کہ وہ جہاد کریں
لَا تَنْفِرُوْا	نہ نکلو
اَلْحَرُّ	گرمی
اَشَدُّ حَرًّا	زیادہ گرم
فَلْيَضْحَكُوْا	پس چاہیے کہ وہ ہنسیں
وَلْيَبْكُوْا	اور چاہیے کہ وہ روئیں
يَكْسِبُوْنَ	وہ کماتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے اس جہاد میں شرکت سے بچنے

اور مال ودولت حاصل کرنے کیلئے ہزاروں بہانے بنائے تھے وہیں وہ جاں نثار اور مجاہدین صحابہ بھی تھے جو ہر چیز سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کی رضا وخوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ومحبت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے جہاد میں شریک ہونے کو سعادت سمجھ رہے تھے۔ فرمایا گیا کہ یہ منافق جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں گھر پر بیٹھے رہ گئے اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے کو برا سمجھا ہے اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اتنی شدید گرمی کے موسم میں سفر نہ کرو۔ ان کے لئے فرمایا کہ یہ تو دنیا کی گرمی ہے لیکن جب تمہیں تمہارے اعمال کے بدلے میں جہنم میں ڈالا جائے گا اس جہنم کی آگ اور گرمی کا تو دنیا کی گرمی سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اس دنیا کی گرمی تو چند دن کی ہوتی ہے پھر موسم بدل جاتا ہے لیکن جہنم کی گرمی تو ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ کاش اس بات کو اسی دنیا کی عارضی زندگی میں سمجھ لیا ہوتا۔ آج تم جتنی خوشیاں منا سکتے ہو منالو۔ لیکن پھر تمہیں بہت زیادہ رونا پڑے گا۔

ان آیات میں جہنم کی شدت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں جہنم کی اس آگ کو انتہائی شدید کہا گیا ہے جس کا تصور اس دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ جو بھی کافر اور مشرک ہیں ان کو اس جہنم میں ڈالا جائے گا جس کا ذکر کیا گیا ہے لیکن منافقین کے لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں اس لئے ڈالے جائیں گے کہ وہ کافرانہ حرکتیں بھی کرتے تھے اور دھوکا دینے کے لئے مسلمانوں میں شریک بھی رہتے تھے تو ایک سزا ان کے کفر کی ہے اور ایک سزا ان کی اہل ایمان کو دھوکہ دینے کی ہے۔ اسی طرح آج وہ لوگ جو عیسائی، یہودی یا مشرک ہیں ان کی سزا جہنم ہے لیکن وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا بھی دگنی ہے وجہ یہ ہے کہ ایک تو یہ کفر کہ وہ ختم نبوت کا عملاً انکار کرتے ہیں اور دوسری سزا اس بات کی کہ وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے ان جیسے اعمال کرتے ہیں اور کفار ومشرکین سے ساز باز بھی رکھتے ہیں۔ منافقین اور قادیانی درحقیقت ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جیسے مکاروں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخٰلِفِينَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۳

پھر اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لائے اور پھر وہ لوگ (آپ کے ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کہیں بھی ہرگز نہ نکل سکو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر تم کسی دشمن سے لڑو گے۔ اس لئے کہ تم نے پہلی مرتبہ میں بیٹھے رہنے کو پسند کیا۔ اب تم ان کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے بیٹھنے پر خوش ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۳

رَجَعَکَ — تجھے لوٹائے
اِسْتَاْذَنُوْکَ — وہ تجھ سے اجازت مانگیں
لَنْ تَخْرُجُوْا — تم ہرگز نہ نکلو گے
مَعِیَ — میرے ساتھ
اَبَدًا — ہمیشہ
رَضِیْتُمْ — تم راضی ہو گئے
اُقْعُدُوْا — تم بیٹھے رہو
اَلْخٰلِفِیْنَ — پیچھے رہ جانے والے

تشریح: آیت نمبر ۸۳

غزوہ تبوک جو بہت اہم غزوہ تھا اس میں جو منافقین حیلے بہانے کر کے اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ ہماری جان چھوٹ گئی ان کے متعلق مسلسل آیات میں وعیدیں آ رہی ہیں تا کہ قیامت تک اب کسی کو اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی حیلے بہانے کی جرأت نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ اے نبی ﷺ آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے کہ اب اگر جہاد و قتال کا

موقع آئے گا تو تمہیں اس جہاد میں نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی اور یہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ مل کر کسی دشمن سے نہ لڑ سکیں گے۔

منافقین کے لئے یہ سب سے بڑی وعید ہے کہ اب آئندہ کوئی منافق مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنان اسلام سے جنگ نہ کر سکے گا۔ یہ منافقین کے لئے سب سے بڑی بدنصیبی اور محرومی کا اعلان ہے۔ اللہ نے اس کی وجہ بھی بتادی ہے کہ جب منافقین سے پہلی مرتبہ یہ کہا گیا تھا کہ وہ اللہ کے لئے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اس کی راہ میں نکلیں جب انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو اب اللہ نے ان کو اس نعمت جہاد سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔ جو ایک بہت بڑی محرومی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۴

اور اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ان پر کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھئے اور نہ آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔ اور ان کو موت نہ آئے گی مگر اس حال میں کہ وہ نافرمان ہوں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۴

لَا تُصَلِّ	تو نماز نہ پڑھ
لَا تَقُمْ	تو کھڑا نہ ہو
مَاتُوْا	وہ مر گئے

تشریح: آیت نمبر ۸۴

ان منافقین کی پہلی محرومی تو یہ ہوئی کہ اب ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے اور اب ان کو آئندہ کسی جہاد

میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں یہ فرمادیا گیا کہ اے نبی ﷺ! اگر ان منافقین میں سے کوئی مرجائے تو آپ نہ تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں نہ دعائے مغفرت کریں اور نہ اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت فرمائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں وجہ بھی ارشاد فرمادی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ نافرمانی کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔

محدثین و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں منافقین کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

اس آیت سے نتیجہ کے طور پر یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ منافقت کرنے والوں کے (جن کا نفاق واضح ہوا ان کے) جنازوں پر مومنوں کو نماز نہ پڑھنی چاہئے نہ پڑھانی چاہئے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۵ تا ۸۹

(اے نبی ﷺ) آپ کو ان کے مال اور ان کی اولادیں تعجب میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کو اسی دنیا میں ان چیزوں کے بدلے عذاب دے اور ان کی جانیں اس طرح نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔

اور جب کوئی سورت (کا ٹکڑا) ان پر نازل کیا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے جو طاقت رکھتے ہیں آپ سے اجازت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اگر اجازت ہو تو) ہم رک جانے والوں کے ساتھ بیٹھ جائیں۔

وہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں (درحقیقت) ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے اور وہ اس کو نہیں سمجھتے۔ رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں ان ہی لوگوں کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ان کے لئے اللہ نے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بڑی کامیابی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۵ تا ۸۹

تَزْھَقَ — نکلے۔ نکالے

اُولُوا الطَّوْلِ — طاقت والے

ذَرْنَا — ہمیں چھوڑ دے

طُبِعَ — مہر لگا دی گئی

لَا یَفْقَھُوْنَ — وہ نہیں سمجھتے ہیں

اَلْمُفْلِحُوْنَ — کامیابی حاصل کرنے والے

اَعَدَّ — تیار کر رکھا ہے

تشریح: آیت نمبر ۸۵ تا ۸۹

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں ہی فرمادیا تھا کہ ان کے اموال اور اولادیں مومنوں کیلئے تو رحمت ہی رحمت ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لیکن کفار اور منافقین کے لئے بڑی آفت ہیں چونکہ وہ ساری زندگی اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔ جہاد تو بڑی بات ہے انہیں اسلام کی معمولی عملی خدمت کی توفیق بھی نہیں ہوتی وہ مرتے دم تک دین اسلام اور اس کے عملی پہلوؤں سے بھاگتے پھرتے ہیں۔ ان کفار و منافقین کو آخرت میں جو سزا ہوگی اس کا تو اس دنیا میں تصور بھی ممکن نہیں ہے لیکن دنیا میں ان کے لئے سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ ان کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوگی۔ غرضیکہ ان کے مال اور ان کی اولادیں دنیا اور دین دونوں میں وبال ہیں۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے طاقت و قوت رکھنے والے ہٹے کٹے نوجوانوں کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کریں تو ان کی زبانوں پر یہی ہوتا ہے کہ ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہیں جو یہاں ٹھہر گئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہنے پر راضی اور خوش ہیں یہ کسی سمجھ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اس طرح بدنصیبی کی مہریں لگادی ہیں کہ کوئی اچھی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی

لیکن اس کے برخلاف رسول اللہ ﷺ اور وہ جاں نثار جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں ان کے نزدیک ان کے مال اور جانوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اپنے مالوں اور جانوں سے وہ جہاد کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں مقدر کردی گئی ہیں ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی گئی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو دنیا کی عارضی زندگی، وقتی آرام اور چند مفادات کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور جہاد سے جان چرا رہے ہیں ان کے لئے ابدی جہنم ہے جب کہ ان اہل ایمان کیلئے جو اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو اللہ و رسول کی رضا پر خرچ کر رہے ہیں ان کے لئے دین و دنیا کی تمام بھلائیاں لکھ دی گئی ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ آج دنیا میں نہ تو وہ اہل ایمان موجود ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کی اطاعت کی تھی اور نہ وہ کفار، مشرکین اور منافقین جنہوں نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تھی لیکن ان کی تاریخ اور زندگی کے حالات سب کے سامنے ہیں۔ ان پر آج بھی فخر کیا جاتا ہے جنہوں نے اللہ و رسول ﷺ کی فرماں برداری کی۔ لیکن نافرمانوں کی طرف تو ان کی اولاد بھی

نسبت کرنے میں فخر محسوس نہیں کرتی۔ یہ تو اس دنیا کا معاملہ ہے آخرت میں بھی ایسے لوگوں کا کوئی مقام نہ ہوگا اور ابدی جہنم ان کا مقدر بنا دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی بربادی کا سامان کرلیا ہے۔

اس کے برخلاف اہل ایمان رسول ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے اپنے مالوں اور جان کی پرواہ نہیں کی ان کی عزت اس دنیا میں بھی ہے، ہر دل میں ان کی عظمتیں موجود ہیں اور ان کی نسبت پر بھی فخر کیا جاتا ہے۔ ان کا آخرت میں کیا اعلیٰ مقام ہوگا شاید اس دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ
كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ
مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾
وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ
مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ
حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

اور کچھ دیہاتیوں میں سے بہانے بناتے آئیں گے تاکہ آپ ان کو اجازت دے دیں اور

وہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا ہے ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کمزوروں، بیماروں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں ہے جو خرچ کرنے کے لئے اپنے پاس کچھ بھی نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخلص ہیں۔ اور نیکیاں کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو آپ کے پاس آئے کہ انہیں بھی سواری دیدی جائے اور آپ نے ان سے کہا کہ ایسی کوئی سواری نہیں ہے کہ جس پر میں تمہیں سوار کرادوں وہ اس حال میں لوٹتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں کہ وہ (آج) کچھ بھی نہیں رکھتے کہ اس کو وہ خرچ کریں۔

الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور اس پر راضی ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ (درحقیقت) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور وہ (اس کے انجام سے) واقف نہیں ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

اَلْمُعَذِّرُوْنَ	معذرت پیش کرنے والے
اَلْاَعْرَابُ	دیہاتی
لِیُؤْذَنَ	تاکہ اجازت دی جائے
سَیُصِیْبُ	جلد ہی پہنچے گا
اَلضُّعَفَآءُ	کمزور۔ ضعیف
اَلْمَرْضٰی	مریض
لَا یَجِدُوْنَ	وہ نہیں پاتے ہیں
حَرَجٌ	گناہ۔ تنگی

نَصَحُوْا	نصیحت کی۔انہوں نے نصیحت کی
اَلْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکار
اَتَوْکَ	تیرے پاس آئے
لِتَحْمِلَ	تاکہ تو سوار کرادے
لَا اَجِدُ	میں نہیں پاتا ہوں
اَعْيُنٌ	(عَيْنٌ)۔آنکھیں
تَفِيْضُ	بہہ رہی ہیں
اَلدَّمْعُ	آنسو
حَزَنٌ	رنج وغم
اَلَّا يَجِدُوْا	یہ کہ وہ نہیں پا رہے ہیں
اَلسَّبِيْلُ	راستہ۔الزام
اَغْنِيَآءُ	مالدار ہیں

تشریح: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳

اعراب، اعرابی کی جمع ہے۔ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو شہروں کے باہر چھوٹی چھوٹی جگہوں پر رہتے ہیں گاؤں دیہات ان کا مسکن ہوتا ہے۔شہر کے لوگ پھر بھی علم، تہذیب اور شائستگی سے قریب ہوتے ہیں لیکن جو لوگ دیہات اور چھوٹی جگہوں پر ہوتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت شہریوں سے مختلف ہوتی ہے ان کے رہنے سہنے کے طریقے ان میں وہ مزاج پیدا نہیں کرتے جو مناسب فضا میسر ہونے پر انسان کو شہروں میں حاصل ہوتے ہیں۔دیہاتیوں کی دوسری خصوصیت ان کی سادگی اور سادہ مزاجی بھی ہوتی ہے ان کو ''اعراب'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقت کا مرض صرف شہروں تک محدود نہ تھا بلکہ بعض بدوی اور اعرابی بھی اس مرض میں مبتلا تھے جب ان سے غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد میں چلنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اپنی غربت، پریشانیوں، موسم کی سختی، جنگوں کی ناتجربہ کاری فصلوں کی تیاری جیسے سیکڑوں عذر پیش کردیئے۔اور اس جہاد میں اگر انہوں نے کچھ دیا بھی تو اس کو اس طرح

پیش کیا جیسے وہ کسی سزا کا جرمانہ ادا کر رہے ہیں فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ اہل ایمان حالات کے بھنور میں پھنس جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ لیکن ان میں جو اہل ایمان ہیں یعنی اللہ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے ہر خرچ کو اللہ سے قریب ہونے کے تصور کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ہر وقت اللہ کے رسول ﷺ کی دعاؤں کے طلب گار رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو واقعی اللہ کا قرب حاصل ہوگا وہ اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ اللہ ان کو بہت جلد اپنی رحمت میں شامل فرمائے گا۔ اور اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ منافقین تو ہزاروں بہانے اور حیلے کر کے اپنے آپ کو مطمئن کر چکے ہیں لیکن ان کا انجام بہت خراب ہے جو وہ اس دنیا میں اور آخرت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

البتہ وہ لوگ جن کو واقعی عذر ہے وہ اگر جہاد میں جانے سے عذر پیش کریں تو اللہ کے پاس ان کا عذر قبول ہوگا اور ان پر جہاد کی شرکت نہ کرنے پر کوئی عذاب نہیں ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جو بہت کمزور، اپاہج یا مجبور ہیں یا ان کے پاس جنگی ہتھیار یا وسائل نہیں ہیں اگر وہ جہاد میں شرکت نہیں کرتے تو ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

دراصل مواخذہ تو ان لوگوں سے ہوگا جو مال دار، صاحب حیثیت، صحت مند ہیں جو جہاد میں شرکت کر سکتے ہیں مگر پھر بھی وہ طرح طرح کے عذر پیش کر کے جہاد سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے تبوک کے موقع پر جہاد میں جانے پر رضامندی کے بجائے طرح طرح کے عذر پیش کئے ان پر مسلسل آیات میں جہنم کی وعیدیں آرہی ہیں وجہ کیا ہے؟ جہاں تک وجہ کا تعلق ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاد ایک ایسی عبادت ہے جس میں ہر صاحب ایمان شخص کی شرکت لازمی اور ضروری ہے اس سے سوائے ان لوگوں کے جو واقعی جہاد میں شرکت کرنے کے قابل نہیں ہیں اور کسی کے لئے معافی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس کو منسوخ کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ قرآن کریم نے جہاد پر اتنا زور اسی لئے دیا ہے تاکہ قیامت تک کسی کو جہاد سے جی چرانے کی ہمت نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ وہ عظیم جذبہ ہے جس سے ساری دنیا کانپتی ہے اسی لئے ہر دور میں کفار و مشرکین نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کی عظمت کو کم کیا جائے تاکہ ملت اسلامیہ کی جو روح ہے وہ نکل جائے۔ اس کے برخلاف الحمدللہ تمام مسلمانوں نے ہمیشہ اس حکم پر لبیک کہا ہے اور قیامت تک کہتے رہیں گے۔

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرتے ہوئے جہاد کو یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے اور میں جہاد کو منسوخ کرتا ہوں۔ درحقیقت مرزا نے جہاد کا نہیں بلکہ قرآن کریم کی ان آیات کا انکار کیا ہے جو قرآن کریم میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر جہاد سے متعلق آیات آئی ہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ٩٤ تا ٩٦

جب ان کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے تو وہ عذر پیش کریں گے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم عذر پیش نہ کرو ہمیں تمہارا ہرگز اعتبار نہیں ہے۔ یقیناً اللہ نے تمہارے حالات ہمیں بتا دیئے ہیں۔ اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہارے کام دیکھے گا پھر تم غیب اور موجود کے جاننے والے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ جب لوٹ کر جاؤ گے تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگذر کرو۔ تم ان سے منہ پھیر لو۔ بے شک یہ پلید لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ سب ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ہوگا۔ وہ تمہارے آگے قسمیں کھائیں گے تاکہ آپ ان سے راضی ہو جائیں۔ پھر اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو بے شک اللہ نافرمانوں سے راضی نہیں ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ٩٤ تا ٩٦

يَعْتَذِرُوْنَ — وہ عذر کرتے ہیں۔ کریں گے

رَجَعْتُمْ	تم لوٹے
لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز یقین نہ کریں گے
نَبَّانَا اللّٰهُ	ہمیں اللہ نے بتادیا ہے
اَخْبَارٌ	حالات۔خبریں
تُرَدُّوْنَ	تم لوٹائے جاؤ گے
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ	پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا
يُنَبِّئُ	وہ بتائے گا
اِنْقَلَبْتُمْ	تم پلٹے
لِتُعْرِضُوْا	تا کہ تم درگزر کرو
اَعْرِضُوْا	درگزر کرو۔معاف کردو
يَحْلِفُوْنَ	وہ قسمیں کھائیں گے
لِتَرْضَوا	تا کہ تم راضی ہو جاؤ
لاَ يَرْضٰى	وہ راضی نہ ہوگا

تشریح: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۶

گذشتہ آیات سے منافقین کی عادتوں کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی ﷺ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس پہنچیں گے تو وہ قسمیں کھا کر اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ آپ ان کو نہ صرف معاف کردیں بلکہ ان سے آپ راضی بھی ہو جائیں۔فرمایا کہ اگر تم سب ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ان سے کبھی خوش نہ ہوگا کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں۔ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ منافقین کی تین حرکتیں ہوں گی۔

۱) جب آپ واپس مدینہ منورہ پہنچیں گے تو وہ جھوٹے عذر پیش کریں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری معذرتوں کا کوئی فائدہ نہیں چونکہ اللہ نے وحی کے ذریعہ ہمیں سب کچھ بتادیا ہے۔بے شک ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن اگر آئندہ تم ایسی حرکتیں کرتے رہے تو وہ اللہ جو کہ غیب وشھادت کا اچھی طرح علم رکھنے والا ہے وہ تم سے پورا پورا سخت حساب لے گا اور تمہیں سزادے گا۔

۲) فرمایا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان پر گرفت نہ کرو اور ان کو نظر انداز کر دو۔ فرمایا کہ یہ لوگ پلید اور گندے ہیں ان کا مقام جہنم ہے۔

۳) یہ آپ سے جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ آپ کو فریب دے سکیں اور آپ ان سے راضی ہو جائیں لیکن اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان سے کبھی راضی نہ ہوگا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان ہیں ان کی سزا جہنم ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

ع ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۹۷ تا ۹۹

(بعض) دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کیونکہ انہیں ان احکامات کا علم نہیں ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کئے ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے حالات کی گردش (برے وقت) کا انتظار کرتے ہیں۔ حالانکہ برا وقت ان پر ہی پڑنے والا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اور بعض دیہاتی وہ بھی ہیں جو اللہ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کا قرب حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ سنو! کہ بے شک وہ ان کے لئے اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ بہت جلد اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ مغفرت کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۷ تا ۹۹

اَلْاَعْرَابُ	دیہاتی۔ گاؤں کے رہنے والے
اَشَدُّ كُفْرًا	کفر میں شدید ہیں
اَجْدَرُ	زیادہ موزوں ہیں
حُدُوْدُ	حدیں
يَتَّخِذُ	وہ بناتا ہے
مَغْرَمٌ	جرمانہ۔ تاوان
اَلدَّوَآئِرُ	دائرے۔ گردش زمانہ
قُرُبٰتٌ	قربتیں۔ ثواب
صَلَوٰتٌ	دعائیں

تشریح: آیت نمبر ۹۷ تا ۹۹

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر اہل ایمان کے اخلاص اور منافقین کی زندگی کے دوہرے کردار کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ منافقین جو شہروں میں رہتے ہیں اور اپنے نفاق اور وقتی مفادات کیلئے دوہری زندگی گذار رہے ہیں وہ اپنے نفاق کی وجہ سے بدترین لوگ ہیں لیکن وہ منافقین جو شہروں کے آس پاس دیہات اور گاؤں میں رہتے ہیں وہ زیادہ برے اس وجہ سے ہیں کہ وہ اپنی جہالت، ہٹ دھرمی، اور علم و عمل سے دوری کی وجہ سے منافقت کے مرض میں زیادہ شدت سے مبتلا ہیں۔ وہ لوگ جو شہروں میں رہتے اور منافقت کرتے ہیں وہ پھر بھی علم و تبلیغ اور حضور اکرم ﷺ کی مجلسوں میں بیٹھنے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تہذیب و شائستگی رکھتے ہیں لیکن وہ لوگ جو دیہات میں رہتے ہیں وہ اپنے نفاق اور کفر میں اس کا بھی سلیقہ نہیں رکھتے وہ لوگوں کو

دکھانے کیلئے نماز اور روزہ کی ادائیگی کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں مگر اس کو اس قدر ناگواری سے ادا کرتے ہیں جیسے وہ اللہ کی عبادت نہیں بلکہ کوئی سزا بھگت رہے ہیں۔ وہ ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی بہت بڑی آفت یا مصیبت آجائے تو وہ اس دکھاوے کی عبادت و بندگی سے بھی جان چھڑا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب تو یہ دیا کہ منافقین جس بڑی آفت اور مصیبت کے منتظر ہیں وہ ضرور آئے گی مگر اہل ایمان پر نہیں بلکہ وہ مصیبت ان منافقین پر مسلط ہو کر رہے گی۔

منافقین کی عادتوں، مزاج اور اہل ایمان کے لئے بدخواہی کی تمنائیں کرنے والوں کا ذکر فرمانے کے بعد ان مومنین کا ذکر کیا جارہا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان، جرمانہ اور ٹیکس سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارا رب خوش ہوگا ہمیں اپنے رب کی رضا و خوشنودی اور قرب حاصل ہوگا۔ وہ لوگ اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اس خرچ کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مخلص اہل ایمان کے لئے فرمایا ہے ایسے لوگ نہ صرف اللہ کا قرب، رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے مستحق اور اس غفور و رحیم کی رحمتوں کے مستحق ہوں گے بلکہ دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں حاصل کریں گے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۰

اور انصار و مہاجرین میں جو سب سے (ایمان و اسلام میں) آگے بڑھ جانے والے ہیں اور جتنے لوگ ان کے پیچھے نیکی سے چلنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور ان کے لئے اللہ نے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۰

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ — سب سے پہلے ایمان لانے میں جو آگے بڑھے

اِتَّبَعُوْا	انہوں نے اتباع کیا۔ پیروی کی
اِحْسَانٌ	نیکی
رَضِيَ اللّٰهُ	اللہ خوش ہوگیا۔ راضی ہوگیا
رَضُوْا	وہ خوش ہوگئے۔ راضی ہوگئے
اَعَدَّ	اس نے تیار کر رکھا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۰۰

عام اصطلاح میں صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا ہو۔ ایمان کی حالت پر قائم رہتے ہوئے ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔ جس کو یہ مرتبہ ومقام حاصل ہوا کائنات میں نبی مکرم ﷺ اور انبیاء کرامؑ کے بعد اس سے بہتر واعلیٰ مخلوق کوئی نہیں ہے صحابہ کرامؓ بلاشک وشبہ تمام انسانوں میں ایک عظیم رتبہ اور مقام رکھتے ہیں۔ ان کے آپس میں جو خلوص اور محبت تھی وہ بھی بے مثال ہے۔ اگر ان میں بشری تقاضوں کے تحت کہیں اختلاف بھی ہوا ہے تو اس کو اختلاف اور بغض وعناد کا نام دینا انتہائی بددیانتی اور کم فہمی ہے۔ اس لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس کو مشاجرات صحابہؓ کہا جائے۔ مشاجرت شجر سے بنا ہے یعنی درخت۔ جو اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ جب بہت تیز ہوا چلتی ہے تو جس طرح درخت کی شاخیں اور پتے اس ہوا کی وجہ سے آپس میں ٹکرانے لگتے ہیں اور جب تیز ہوا بند ہوجاتی ہے تو پھر ہر شاخ اور ہر پتہ اپنی اپنی جگہ اسی طرح ہرا بھرا نظر آنے لگتا ہے جیسے پہلے تھا۔ کچھ پتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تیز آندھی کی وجہ سے کچھ درخت گر بھی جاتے ہیں پتے بکھر بھی جاتے ہیں لیکن تیز ہوائیں رک جانے کے بعد وہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح بلاشبہ صحابہ کرامؓ کی شان بھی یہی ہے کہ جب دشمنان اسلام کی پھیلائی گئی بدگمانیوں اور سازشوں سے اختلافات کی تیز آندھی چلی تو کچھ شاخیں اور پتے آپس میں ٹکرا گئے لیکن جب آندھیوں نے دم توڑ دیا تو یہ مقدس جماعت اپنے مشن اور مقصد میں سرگرم ہوگئی۔ مشاجرات صحابہ کرامؓ کو لڑائی جھگڑے کا نام دینا ان کے عظیم جذبوں کی بہت بڑی توہین ہے۔ ان مشاجرات کی وجہ سے ان صحابہ کرامؓ کو عام انسانوں کی سطح پر لا کر ان پر تنقید کو جائز قرار دینا یا کسی کو برا بھلا کہنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ یہ سب کے سب صحابہ کرامؓ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پیارے ہیں جن کی محبت جزو ایمان ہے۔ یہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی روشنی زندگی کے تاریک راستوں میں مشعل راہ ہے۔ یہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے ایثار وقربانی پر کائنات کو ناز ہے۔ اگر وہ دین اسلام کے لئے بے مثال قربانیاں نہ دیتے، اپنے گھربار کو نہ لٹاتے، اپنے مالوں اور جانوں پر اللہ کے رسول ﷺ اور دین اسلام کو برتر واعلیٰ نہ سمجھتے تو آج ہم اہل ایمان نہ کہلاتے۔ جن کے لئے اللہ اور رسول ﷺ نے بالکل صاف اور واضح الفاظ میں فرمادیا کہ دیکھو میرے بعد میرے صحابہ کو تنقید کا نشانہ

مت بنالینا ان کی محبت میری محبت ہے اوران سے بغض وعناد مجھ سے بغض وعناد ہے۔

اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں نبی مکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے کفار، مشرکین اور منافقین کے ہاتھوں وہ اذیتیں برداشت کیں جن کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ مکہ مکرمہ کی زمین ان پر تنگ کردی گئی تو وہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ پہلے حبشہ اور مختلف مقامات کی طرف ہجرت فرمائی اور جب نبی کریم ﷺ کو بھی اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا تو تمام صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ کی طرف سمٹنے اور جمع ہونا شروع ہوگئے۔ مدینہ منورہ کے وہ خوش نصیب جن کو ایمان کی دولت نصیب ہوچکی تھی ان کو نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا میزبان اور انصار بننے کا شرف حاصل ہوا ان انصار و مہاجرین نے ایک دوسرے کیلئے وہ ایثار و قربانی پیش کی جس کی مثال تاریخ انسانی میں مشکل سے مل سکے گی۔ ان بے سروسامان انصار و مہاجرین پر جنگیں مسلط کی گئیں تو انہوں نے اس زبردست امتحان میں بھی بے جگری کا عظیم مظاہرہ فرمایا۔ مکہ اور مدینہ میں انصار و مہاجرین نے جن مشکلات کو برداشت کیا اور کفار و مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا وہ درجہ اور مقام ان کو نہیں دیا جاسکتا جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے ان نیک اور مقدس ہستیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین اسلام کی سربلندی کیلئے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور جنگ وامن میں بھرپور کردار ادا کیا ان کا مقام ان سے بلند تر ہے جو ان کے بعد دین اسلام کی عظمت کو قبول کرنے والے تھے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ ایک کے بعد دوسرے تک تا قیامت جاری رہے گا۔ ان کے درجات کی بلندی ان کے جذبوں اور ایثار کے مطابق متعین ہوتی جائے گی۔ مگر ایک بات میں سب شریک ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا، ان کے ایمانی جذبوں کو قبول کرلیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے یعنی تقدیر کے ہر فیصلے کو انہوں نے اللہ کی رضا وخوشنودی کے طور پر قبول کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مخلصین کے لئے دنیا کی عزت اور جنت کی ابدی راحتوں کو مقدر فرمادیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ہم بات کو سمجھنے کے لئے ان مومنوں کو جنہوں نے ابتداء میں دین اسلام کو قبول کیا اور ان کے بعد آنے والوں نے ایمان کی روشنی کو حاصل کیا۔ دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ایمان والے (۲) ان کے بعد ان کی تقلید کرتے ہوئے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان دونوں کے درجات میں واضح فرق موجود ہے۔

(۱) ''السابقون الاولون من المهاجرين والانصار''۔ انصار و مہاجرین میں سے دین اسلام کی سربلندی کے لئے سب سے پہلے آگے بڑھنے والے جاں نثار صحابہ کرامؓ۔ ان کا سب سے بڑا مقام ہے۔

(۲) ''والذين اتبعو هم باحسان''۔ ان سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے دین اور اخلاق واعمال کی بلندی میں ان لوگوں کی تقلید کی ہے جو ان کے راستے پر چلے ہیں جو ان سے پہلے نبی کریم ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا چکے تھے۔

ان دونوں کو اور ان لوگوں کو جو ان کے راستے پر ان کی طرح چلنے والے ہیں یہ اللہ کی رضا وخوشنودی میں

دونوں برابر ہیں۔

جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی حیات دنیوی میں دین اسلام کو قبول کرلیا تھا۔ یا وہ دوسرے لوگ جوان صحابہ کرام کے راستے پر چلتے ہوئے قیامت تک آتے رہیں گے ان کے مقام کو سمجھنے کے لئے مفسرین کی رائے کو سامنے رکھا جائے تو اس آیت اور اس بات کو سمجھنے میں بہت سہولت ہوگی۔

(۱) بعض مفسرین نے ''السابقون الاولون'' سے مراد ان صحابہ کرام کو لیا ہے جو غزوہ بدر سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔

(۲) بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو صلح حدیبیہ تک ایمان لا چکے تھے

(۳) بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے دو قبلوں کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی تھیں یعنی بیت المقدس اور مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے جنہوں نے تحویل قبلہ سے پہلے پہلے نمازوں کو ادا کیا تھا۔

(۴) بعض کے نزدیک ''السابقون الاولون'' وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے بیعت رضوان سے پہلے ایمان قبول کرلیا تھا اس طرح ''والذین اتبعوھم باحسان'' سے مراد کون لوگ ہیں اس میں بھی مفسرین سے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں مگر وہ بات سب سے بہتر ہے کہ ان سے مراد اللہ و رسول ﷺ کی فرماں برداری کرنے والے صحابہ کرامؓ اور مومنین، تابعین، تبع تابعین اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان ہیں۔ یہ خوش خبری ان سب کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی راہوں پر چلنے اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

وقف منزل مع

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۲

اور جو دیہاتی آپ کے ارد گرد ہیں ان میں سے بعض منافق بھی ہیں۔ اور مدینہ والوں میں سے بھی بعض لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں (اچھی طرح) جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے۔ پھر وہ اس عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے

جو بہت بڑا عذاب ہے۔

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے جنہوں نے ایک اچھے اور برے عمل کو ملا لیا ہے، بہت جلد اللہ انہیں معاف کر دے گا بے شک اللہ مغفرت کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۲

حَوْلَکُمْ	تمہارے ارد گرد۔ آس پاس
مَرَدُوْا	اڑے ہوئے ہیں
مَرَّتَیْنِ	دو مرتبہ
یُرَدُّوْنَ	لوٹائے جائیں گے
اٰخَرُوْنَ	کچھ دوسرے لوگ
اِعْتَرَفُوْا	انہوں نے اقرار کیا
خَلَطُوْا	وہ مل گئے۔ ملایا
سَیِّءٌ	برائی۔ گناہ
اَنْ یَّتُوْبَ	یہ کہ وہ توبہ کرے گا

تشریح: آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۲

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر ان منافقین کا ذکر کیا ہے جو دیہات اور شہر مدینہ میں رہ کر بھی ایمان کی دولت سے محروم اور نفاق کے مرض میں مبتلا تھے۔ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن کے اعمال، اخلاق اور کردار کا پردہ چاک ہو چکا تھا اور اہل ایمان بھی ان کو پہچاننے لگے تھے لیکن بعض ایسے چالاک اور عیار تھے کہ ان کی سازشوں اور ان کی خباثتوں کو پہچاننا مشکل تھا جن کو اللہ ہی جانتا تھا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ کے ارد گرد دیہات اور شہر مدینہ میں ایسے ذہنی مریض منافق موجود ہیں جن کا کام ایمان اور اسلام کے ساتھ مذاق کرنا ہے بعضوں نے اپنے نفاق کو اپنی عیاری کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اور بعض ظاہر ہیں۔ آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ اللہ ان کو اس دنیا میں اور آخرت میں دوہرا عذاب دے گا۔

اس دنیا میں تو ان کے لئے یہ عذاب ہے کہ ان کو ہر وقت اس کی فکر کھائے جاتی ہے کہ کہیں ان کے دل کا حال زبان پر نہ آ جائے۔ ان کے نفاق کو کھولنے کیلئے کوئی سورت یا آیات نازل نہ ہو جائیں ان کے لئے دنیا کا یہ بھی عذاب ہے کہ مسلمان جن سے وہ انتہائی کدورت اور بغض وعناد رکھتے ہیں اس نفرت کے باوجود انہیں مسلمانوں کی عزت کرنی پڑتی ہے۔ ان کے ساتھ مل کر عبادتوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو ان پر دنیا کا عذاب ہے لیکن آخرت میں تو ان پر نہ صرف عذاب ہے بلکہ ان کو جہنم کے سب سے نچلے اور ذلیل ترین مقام میں رکھا جائے گا اور وہ کبھی اس سے نہ نکل سکیں گے۔

اصل میں منافق کوئی بھی ہو اس کا ضمیر اس پر ملامت کرتا رہتا ہے ہر وقت اس کو بے اطمینانی اور غم لگا رہتا ہے یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔ آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اس کو دنیا میں ذرا بھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنی جگہ مخلص ہیں مگر انہوں نے اپنے اچھے اعمال کے ساتھ برے اعمال کو بھی شامل کر لیا ہے۔ یعنی وہ دل میں اسلام کے لئے خلوص رکھتے ہیں مگر غزوہ تبوک کے موقع پر انہوں نے اعلان عام پر عمل نہیں کیا اور اپنی کھیتی باڑی میں لگے رہے۔ فرمایا ان کے لئے ان کی شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے دروازہ کھل سکتا ہے۔

اس سے ایک نکتہ کی بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر انسان اپنے برے اعمال کو بھی اچھا سمجھتا ہے اور اس میں نیکی کی طرف کوئی حرارت پیدا نہیں ہوتی تو اس کا خاتمہ اس کی نیت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان سے غلطی ہو جائے اور اس پر اس کو یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سے واقعی غلطی ہو گئی اور پھر وہ اس غلطی کے اعتراف کے بعد ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

(اے نبی ﷺ) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے کر انہیں پاک اور صاف کر دیجئے اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث سکون ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ اپنے بندوں کی توبہ اور صدقات کو قبول کرتا ہے۔ اور بے شک اللہ ہی تو قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اور آپ کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ پھر بہت جلد اللہ، اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان تمہارے کاموں کو دیکھ لیں گے۔ اور تم بہت جلد غیب و شہادت کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہی بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کیا گیا ہے۔ یا تو وہ ان کو سزا دے گا یا وہ ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

خُذْ	لے لو۔ لیجئے
صَدَقَةٌ	صدقہ
تُطَهِّرُهُمْ	ان کو پاک کیجئے
تُزَكِّيهِمْ	ان کے دل پاکیزہ بنایئے
صَلٰوتُكَ	آپ کی دعا
سَكَنٌ	سکون ہوگا
يَقْبَلُ	وہ قبول کرتا ہے
عِبَادٌ	بندے
يَأْخُذُ	وہ لیتا ہے
مُرْجَوْنَ	روک دیئے گئے

تشریح: آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیات حضرت ابولبابہؓ اور ان کے چھ ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ابولبابہؓ ہجرت مدینہ سے پہلے بیعت عقبہ کے موقع پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے وہ اور ان کے چھ ساتھی کم و بیش ہر جہاد میں اپنے مالوں اور جانوں سے ایثار و قربانی کا عظیم مظاہرہ کرتے رہے لیکن غزوہ تبوک کے موقع پر بعض مجبوریوں کا سہارا لے کر اس میں شرکت نہ کر سکے اور گھر بیٹھ گئے۔

جب حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو ان سب کو اپنے فعل پر سخت ندامت اور شرمندگی محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی ﷺ کے ستونوں سے باندھ لیا۔ اور انہوں نے اس بات کا عہد کیا کہ جب تک ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے معاف نہیں کیا جائے گا ہم اسی طرح بندھے رہیں گے خواہ ہمیں بندھے بندھے موت ہی کیوں نہ آ جائے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ان کو کھولا گیا۔ شکرانے کے طور پر انہوں نے اپنا وہ سب مال و متاع جو اس جہاد میں شرکت کی وجہ سے رکاوٹ بن گیا تھا سب کا سب صدقہ کر دینے کی اجازت چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے ایک تہائی مال قبول فرمایا اور اس طرح ان کے ظاہر و باطن کو پاک کیا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔

مفسرین نے ان آیات کا یہ شان نزول ارشاد فرمایا ہے لیکن یہ آیات اپنے مفہوم کے لحاظ سے عام ہیں جو اس واقعہ پر بھی منطبق کی جا سکتی ہیں اور عام مفہوم پر بھی۔ بہر حال ان آیات میں قیامت تک مسلمانوں کے لئے یہ حکم موجود ہے کہ مسلمانوں کا امیر، مملکت کے تمام لوگوں سے صدقہ وصول کر کے اس کو عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے گا۔ اس طرح صدقات واجبہ کی وصولی کی اصل ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہے جو صدقات (زکوٰۃ) وصول کر کے قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق ضرورت مندوں میں تقسیم کرے گی۔ اگر کوئی اس سے انکار کر دے تو اس کے خلاف جہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں صرف اس لئے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے جہاد کیا کہ وہ اس حکم کو حضور اکرم ﷺ کی ذات تک محدود سمجھتے تھے۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائی جو نماز اور زکوٰۃ کو اپنی تاویلوں کے من گھڑت اصولوں کے مطابق الگ الگ کر دینا چاہتے تھے۔ مانعین زکوٰۃ کا کہنا یہ تھا کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ہم سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ جب تک ہم میں رہے ہم زکوٰۃ ادا کرتے رہے جب آپ موجود نہیں ہیں تو حضرت ابوبکرؓ کو اس کا اختیار کس نے دے دیا کہ وہ ہم سے زکوٰۃ وصول کریں اس لئے حضرت عمر فاروقؓ جو دین کے معاملات میں کسی سے کسی رعایت کے قائل نہ تھے انہوں نے بھی شروع شروع میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف کسی شدید اقدام سے گریز کا مشورہ دیا لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ کے سینے کو اللہ نے کھول دیا تو انہوں نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بھرپور تائید کی اور اس طرح نماز اور زکوٰۃ کے احکامات کو اپنے من مانے طریقے پر الگ الگ کرنے کی سازش کے خلاف اعلان جہاد

کر دیا گیا۔

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ کسی آیت کا شان نزول بات کو سمجھنے کیلئے ایک اہمیت تو ضرور رکھتا ہے لیکن وہ حکم میں کسی شخص کے ساتھ خاص نہیں ہوتا بلکہ قرآن کریم کا تو ہر حکم قیامت تک اہل ایمان کے لئے حکم عام کا درجہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور صدقات کو بھی توبہ کے قبول ہونے کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ فرمایا کہ لوگو! اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی پابندی کرتے رہو۔ اگر کچھ غلطی ہو جائے تو وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ نے اس میں حضرت ابولبابہؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف معافی کا اشارہ تو کر دیا اور نبی کریم ﷺ کو ان کے لئے حکم بھی دے دیا مگر ان تین حضرات کے لئے بھی معافی کا اشارہ دے دیا جن کیلئے آسمانی فیصلے کا معاملہ بہت قریب ہے۔

چنانچہ آیت نمبر ۱۱۸ میں ان کی معافی کا بھی اعلان فرما دیا گیا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۳ ع ۱۱/۲

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۰

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار (نقصان پہنچانے والی) کفر کرنے اور مومنوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے بنائی ہے۔ اس شخص کے لئے پناہ گاہ بنائی گئی ہے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ سوائے بھلائی کے ہماری اور کوئی نیت نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں البتہ وہ مسجد (قبا) جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ صاف ستھرے رہیں۔ اور بلاشبہ اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا و خوشنودی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنیوالی کھائی کے کنارے پر رکھی ہے اور پھر وہ اس کے ساتھ جہنم کی آگ میں جا گرے۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ان کی یہ عمارت جس کو انہوں نے بنایا ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوائے اس کے کہ ان کے دل ہی فنا ہو جائیں (تو اور بات ہے) اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۰

مَسْجِدٌ ضِرَارٌ	نقصان پہنچانے والی مسجد
تَفْرِيْقٌ	اختلاف پیدا کرنے کو
اِرْصَادٌ	شکار کے لئے۔ گھات لگانے کے لئے
حَارَبَ	جس نے جنگ کی
اَلْحُسْنٰى	نیکی
يَشْهَدُ	وہ گواہی دیتا ہے
اُسِّسَ	بنیاد رکھ دی گئی
اَوَّلُ يَوْمٍ	پہلے دن
اَنْ تَقُوْمَ	یہ کہ آپ کھڑے ہوں
رِجَالٌ	مرد ہیں۔ کچھ لوگ ہیں

یُحِبُّوْنَ	جو پسند کرتے ہیں
اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا	یہ کہ وہ پاک صاف رہیں
بُنْیَانٌ	عمارت
شَفَا	کنارہ
جُرُفٌ	کمزور گڑھا۔ کھوکھلا گڑھا
هَارٌ	گرنے کو
اَنْهَارَ	وہ گر پڑا
لَا یَزَالُ	ہمیشہ
رِیْبَةٌ	شک کا کانٹا
تُقَطَّعُ	ٹکڑے ہو جائیں

تشریح: آیت نمبر ۱۰۷ تا ۱۱۰

منافقین کی سازشوں کا ذکر پچھلی آیات میں آچکا ہے۔ اب یہاں ایک نئی خطرناک سازش کا ذکر ہے۔ مدینہ میں نصاریٰ کے پیشواؤں میں سے ابو عامر (راہب) تھا جو مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنانے کا ماہر تھا جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس کی پیشوائی کا بازار ٹھنڈا پڑنے لگا۔ اس نے کئی مرتبہ نبی کریم ﷺ سے دین اسلام کے بارے میں بحثیں بھی کیں مگر سنجیدہ و باوقار جوابات نے اس کے شیطانی جذبوں کو کم ہونے کے بجائے اور بڑھا دیا اور اس نے اسلام کے دشمنوں سے مل کر طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں۔ جنگ احد۔ جنگ حنین اور جنگ احزاب وغیرہ کے بھڑکانے میں اس کی سازشوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ جب اس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو برابر کامیابیاں مل رہی ہیں اور ان کے قدم بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں تو وہ روم بھاگ گیا۔ وہاں اس نے قیصر روم کے سامنے مسلمانوں کا ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ بھی گھبرا گیا۔ غزوہ تبوک کا واقعہ بھی اسی لئے پیش آیا کہ قیصر روم نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوری قدم یہ اٹھایا اور فیصلہ کیا کہ قیصر روم کے حملہ کرنے سے پہلے ان پر حملہ کر دیا جائے تا کہ ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ آپ نے وقت کی سپر پاور کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اور اللہ نے اس میں مسلمانوں کی عزت و عظمت میں اور چار چاند لگا دیئے۔ غرضیکہ ابو عامر کی سازشوں کا جال چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ اس میں ایک بہت بڑی سازش ''مسجد ضرار'' بھی ہے۔ اس نے مدینہ کے بعض بااثر منافقین کو خط لکھا کہ تم قلب مدینہ میں ایک عمارت بناؤ جہاں تمہارے اور ہمارے آدمی تنہائیوں میں اسلام کو مٹانے کی تدبیریں کر سکیں۔ روم سے ہمارے جاسوس راہبوں کی شکل بنا کر وہاں پہنچیں گے اور دین کی جڑیں اکھاڑنے میں ہمیں ایک مضبوط مرکز مل جائے گا۔ اس کی یہ بھی

تجویز تھی کہ اس کو مسجد کا نام دے دیا جائے اور لوگوں میں مشہور کر دیا جائے کہ مسجد قبا ہم سے دور ہے ضعیفوں اور کمزوروں کو وہاں پہنچنے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ چنانچہ مدینہ کے وہ منافقین جو دین اسلام کی جڑوں کو کاٹ دینا چاہتے تھے انہوں نے مسجد قبا کے قریب ہی اس کی تعمیر کر ڈالی۔ ایک مرتبہ ان منافقین نے حضور اکرم ﷺ سے بھی درخواست کی کہ وہ اس مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو میں تبوک کی مہم میں لگا ہوا ہوں تبوک سے واپسی پر دیکھا جائے گا۔ جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں اور اس مسجد کو (۱) ضرار (نقصان پہنچانے والی)۔ (۲) کفر و انکار کی مسجد (۳) مومنوں میں تفریق پیدا کرنے کی سازش (۴) اور اس شخص کی پناہ گاہ قرار دیا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا رہا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر غزوہ تبوک سے واپسی کے فوراً بعد آپ نے اپنے چند اصحابؓ کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس عمارت کو ڈھا دو اور اس میں آگ لگا دو۔ یہ صحابہ کرامؓ اسی وقت گئے اور تعمیل حکم میں اس عمارت کو ڈھا دیا اور اس میں آگ لگا دی۔ اس طرح منافقین کی سازشوں کا مرکز تباہ کر دیا گیا۔

جہاں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''مسجد ضرار'' کی سازش کو بے نقاب فرمایا اور منافقین کی چالوں کو ناکام بنا دیا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ایسی مسجد میں قدم بھی نہ رکھیں بلکہ وہ مسجد جس کی پہلے دن سے بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے جس کے رہنے والے بھی ظاہری اور باطنی صفائی ستھرائی کے پیکر ہیں انہیں اللہ پسند کرتا ہے آپ اس میں تشریف لے جائیں۔ کیونکہ وہ مسجد (قبا) جو پہلے ہی دن سے تقویٰ کی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے وہ اس مسجد کے برابر کبھی نہیں ہو سکتی جو گرنے والی کمزور زمین کے کنارے پر بنائی گئی ہے جو بالآخر اس کو اور اس میں رہنے والوں کو لے کر جہنم کی آگ میں جھونک دی جائیگی۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے جس مسجد (مسجد ضرار) کی بنیاد رکھی ہے وہ ہمیشہ ان کے نفاق اور شک کو بڑھاتی رہے گی اور یہ سلسلہ ان کی زندگی کے خاتمے تک جاری رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۱

بے شک اللہ نے ان ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔
وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں وہ مارتے ہیں یا مارے جاتے ہیں۔ توریت، انجیل اور قرآن میں اس پر سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اور کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے تو اس سودے پر تم خوشیاں مناؤ جو تم نے اس کو بیچا ہے۔ اور وہ بڑی کامیابی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۱

اِشْتَرٰی	خرید لیا
یُقَاتِلُوْنَ	وہ لڑتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں
یَقْتُلُوْنَ	وہ مارتے ہیں
یُقْتَلُوْنَ	وہ مارے جاتے ہیں
وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا	یہ اس کا سچا وعدہ ہے اس پر
اَوْفٰی	پورا کیا
بِعَھْدِہٖ	اپنا وعدہ
اِسْتَبْشِرُوْا	خوشیاں مناؤ
بَیْعٌ	تجارت
بَایَعْتُمْ	جو تم نے بیچا۔ فروخت کیا

تشریح: آیت نمبر ۱۱۱

اس آیت کا ایک مفہوم تو عام ہے کہ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور انہوں نے ایثار و قربانی کا وہ جذبہ پیش کیا کہ اپنی جانوں اور مالوں سے زیادہ دین اسلام کی سربلندی اور رسول اللہ ﷺ کو اہمیت دے کر اپنا سب کچھ لٹا دیا تو گویا انہوں نے اپنی دنیا

کے بدلے میں آخرت اور جنت کو خرید لیا ہے اللہ نے فرمایا کہ اس معاملہ پر اللہ کی طرف سے اعلان ہے کہ یہ ایک بہترین سودا ہے اور اس میں بہت بڑی کامیابی ہے اب اگر وہ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں یا دشمنوں کا صفایا کرتے ہیں دونوں صورتوں میں ان کو جنت کی ابدی راحتیں عطا کی جائیں گی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا وہ قانون ہے جس پر توریت اور انجیل بھی گواہ ہیں اور قرآن کریم کی آیات بھی گواہی دے رہی ہیں۔ اس آیت کا دوسرا مفہوم وہ ہے جس کو اکثر مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ان آیات کا تعلق ''بیعت اُخریٰ'' سے ہے۔ اصل میں منیٰ کے قریب جمرہ عقبہ کے ساتھ جو پہاڑی سلسلہ ہے اس پر آپ نے صحابہ کرامؓ سے تین مرتبہ بیعت لی ہے۔

(۱) پہلی بیعت بعثت نبوی کے گیارہویں سال میں لی گئی جس میں چھ حضرات نے اسلام قبول فرمایا۔

(۲) اس کے بعد موسم حج میں سات مسلمانوں نے اسلام قبول فرمایا۔ اس موقع پر وہ حضرات بھی موجود تھے جنہوں نے ایک سال پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

(۳) بعثت نبوی کے تیرھویں سال میں ستر مرد اور عورتیں اسی جگہ جمع ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ کچھ ہی عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ گھر گھر دین اسلام کا چرچہ ہونے لگا۔ یہ وقت ایسا تھا جب کہ دین اسلام اور اس کے اصولوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دشمنوں اور حاسدوں کی بدنگاہیوں اور سازشوں سے بچانے کے لئے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی اس موقع پر مدینہ کے ان حضرات نے دین کی حفاظت کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر اپنی جانیں اور مال نچھاور کرنے کا عہد کیا جس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو جنت کی ابدی راحتوں کی خوش خبری سنائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی شرط کے ساتھ شرط قتال بھی رکھی ہے اگر یہ شرط نہ ہوتی پھر جان و مال خریدنے کی بات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وہ شرط خاص تھی جسے مدینہ والوں نے تسلیم کیا ہے۔ اگر چہ سورۂ توبہ مدنی ہے لیکن اس میں یہی ایک آیت مکی ہے۔

اگرچہ یہ آیت ایک خاص موقع پر نازل کی گئی ہے لیکن اس کا تعلق زمین و زمان کے تمام اہل ایمان سے ہے۔ ایمان کیا ہے؟ یہی نا کہ اللہ کے کام میں جان و مال کھپا دینا اور اس کے انعام میں جنت پانا۔

کہا گیا ہے کہ مومن وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں مارتے ہیں یا مر جاتے ہیں یعنی یا غازی بنتے ہیں یا شہید۔

ایمان کیا ہے؟ یہی نا کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نہ صرف اسلام برتیں گے بلکہ اپنی جان و مال سے اس طریقہ زندگی کی حفاظت اور تبلیغ کریں گے۔

مال اور جان انسان کی سب سے محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں کون ہے جو ان کی قربانی پر کمر بستہ ہو جائے۔ انبیاء کرامؑ اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہی وہ مطالبہ ہے کہ جس کو حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک کرتے رہے اور بہ مشکل مٹھی بھر نفوس مل سکے۔ یہ مطالبہ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ فرماتے رہے لیکن سوائے کچھ خوش نصیبوں کے کسی نے اس مطالبہ کو قابل التفات نہ

سمجھا۔خود نبی کریم خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ایک ایک گھر جا کر دین اسلام کو پہنچایا لیکن دوسو نفوس سے زیادہ آپ کے اردگرد جمع نہ ہو سکے۔ مدینہ منورہ کے ابتدائی چند برسوں میں مسلمانوں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہ تھی لیکن جب نبی کریم ﷺ کی دن رات کی کوششوں کے نتیجے میں ایک ایک شخص کے دل میں اسلام گھر کر گیا تو وہ وقت بھی آیا جب فوج درفوج جماعتوں کی جماعتیں حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ کا دین پھیلانے کے لئے جب تک ہر طرح کی جانی و مالی قربانی نہ دی جائے اس وقت تک اس کا رنگ نکھر کر سامنے نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السّٰٓئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۲

(وہ مجاہد ایسے ہیں کہ) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اللہ کی حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدے کرنے والے۔ اچھی باتیں سکھانے والے برائیوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور (اے نبی ﷺ) آپ ایمان والوں کو خوش خبری دیدیجئے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۲

اَلتَّآئِبُوْنَ	توبہ کرنے والے
اَلْعٰبِدُوْنَ	عبادت کرنے والے
اَلْحٰمِدُوْنَ	حمد کرنے والے
اَلسَّآئِحُوْنَ	سیاحت کرنے والے۔مسافروں کی زندگی گذارنے والے
اَلْاٰمِرُوْنَ	حکم دینے والے

اَلنَّاھُوْنَ	منع کرنے والے
اَلْحٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے
لِحُدُوْدِ اللّٰهِ	اللہ کی حدوں کے لئے
بَشِّرْ	خوش خبری دے دیجیے

تشریح: آیت نمبر۱۱۲

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفتیں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ نے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ان ہی اہل ایمان کی یہ بھی صفتیں بیان کی جارہی ہیں کہ وہ توبہ کرتے رہتے ہیں عبادت میں لذت محسوس کرتے ہیں ان کی زبانوں پر ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا رہتی ہے روزوں کی پابندی کرتے ہیں پوری عظمت کے ساتھ رکوع و سجدوں میں رہتے ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہر برائی کو مٹانے اور ہر نیکی کے کام کو قائم کرنے کی جدو جہد کرتے اور اللہ کی تمام حدود کو قائم رکھتے ہیں۔اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو جنت اور اس کی راحتوں کی خوش خبری عطا فرمائی ہے۔

اس جگہ مومنوں کی سات صفتیں بیان کر کے آٹھویں بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز میں اعتدال پسند ہے۔اگر ایک انسان عبادتیں کرتا ہے۔خود بھی نیکیوں پر رہتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکیوں پر قائم رکھنے کی جدو جہد کرتا ہے لیکن وہ حد اعتدال سے گذر جاتا ہے تو اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں لیکن جو لوگ ہر چیز میں اللہ کے احکامات کے پابند ہوتے ہیں ان کی بڑی شان ہے۔

اعتدال کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ نبی مکرم ﷺ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ سب سے بہترین اعتدال ہے تو یہ بات مبالغہ کی نہ ہوگی کیونکہ آپ نے زندگی کا ایک ایسا بہترین نمونہ عمل چھوڑا ہے جو بے مثال ہے۔اس کو سامنے رکھ کر جو بھی زندگی کی بنیادوں کی تعمیر کی جائے گی وہ اعتدال ہی کی زندگی کہلائے گی۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ اگر راتوں کو اللہ کی عبادت و بندگی کرنے والے ہیں تو دن بھر مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیتے بھی نظر آتے ہیں اگر ایک طرف آپ راتوں کو عبادت اور دنوں کو جہاد میں نظر آتے ہیں تو آپ اپنے گھر بار رشتہ داروں کی بھلائی میں بھی سب سے آگے نظر آتے ہیں۔امت کی اصلاح و تبلیغ میں مصروف ہیں تو ساری دنیا کے حکمرانوں کو تبلیغ دین بھی فرمارہے ہیں غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو کے ساتھ آپ اعتدال فرماتے ہیں اور یہی اسوۂ حسنہ ہے یہ حدود اللہ ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اعتدال کی زندگی عطا فرمائے۔آمین

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۴

نبی ﷺ اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے واسطے بخشش کی دعائیں مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ وہ جہنم والے ہیں۔ اور ابراہیمؑ نے جو اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کی تھی وہ ایک وعدہ تھا جو انہوں نے کیا تھا۔ پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں اس سے بے زاری کا اظہار کر دیا۔ بے شک ابراہیمؑ نرم دل اور برداشت کرنے والے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۴

اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا	یہ کہ وہ دعائے مغفرت کریں
اُولِيْ قُرْبٰى	رشتہ دار
اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ	جہنم والے
مَوْعِدَةٌ	وعدہ
تَبَيَّنَ	واضح ہو گیا
تَبَرَّاَ	وہ بیزار ہو گیا
اَوَّاهٌ	رحم دل
حَلِيْمٌ	برداشت کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۴

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جن کا شرک ظاہر ہے ان کے لئے کسی کو بھی دعا مغفرت نہیں کرنی چاہئے خاص طور پر نبی جس کا مقام بلند تر ہوتا ہے اس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے مشرک والدین یا عزیزوں کیلئے دعائے مغفرت کرے۔

فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے جو اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کی تھی وہ ایک وعدہ کی بنیاد پر تھی جو انہوں نے اپنے والد سے کر رکھا تھا اور وہ بھی اس وقت کی تھی جب کہ ان پر یہ بات واضح نہیں تھی کہ وہ جہنمی ہے یا جنتی لیکن جب اس کے کفر و شرک کی بات واضح ہوگئی تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار فرمادیا تھا۔

ان آیات کے پس منظر کے طور پر بخاری و مسلم میں ایک روایت آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جن کو اپنے چچا حضرت ابو طالب سے بے انتہا محبت تھی جنہوں نے زندگی بھر آپ ﷺ کی حمایت و نصرت فرمائی لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت ابو طالب دین اسلام کو قبول کرلیں اور کلمہ اسلام زبان سے ہی ادا کرلیں۔ حضرت ابو طالب کے انتقال کے وقت آپ کا یہ جذبہ اور بھی شدت اختیار کر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا آپ اسلام کا یہ کلمہ ادا کر لیجئے۔ حضرت ابو طالب کہنا بھی چاہتے ہوں گے مگر ابو جہل اور اس کے ساتھی یہ طعنہ دینے لگے کہ کیا مرتے وقت تم عبد المطلب کا دین چھوڑ دو گے۔ یہ سن کر حضرت ابو طالب خاموش ہو جاتے۔ اور پھر ان الفاظ پر حضرت طالب کا انتقال ہو گیا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ نے اس بات کا عہد کیا کہ میں ہمیشہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا کہ نبی کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی ایسے رشتہ دار کے لئے دعائے مغفرت کرے جس کا شرک ظاہر ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۱۶

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ کر دے جب تک ان پر بات کو کھول نہ دے تاکہ وہ اس سے بچ سکیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔

تشریح: آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۱۶

اللہ تعالیٰ جو ہم سب کا خالق و مالک ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہے اس کا طریقہ اور سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ بے نیاز ہے اس کو دنیا میں کسی کی عبادت و بندگی کی ضرورت نہیں ہے انسان ہر قدم پر اس کی عنایتوں کا محتاج ہے اور وہ ہر آن اپنے بندوں پر متوجہ رہتا ہے اس کی سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اس کو زندگی کے جنگل میں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ہدایت اور راہنمائی کا پورا پورا سامان کر دیا تاکہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے راستہ اور روشنی حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے ابتدائے کائنات سے اپنے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ قائم فرمایا۔ تمام انبیاء کرام اور اس کے رسول علیہم السلام اللہ کے احکامات کے مطابق اللہ کے بندوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ آخر میں فخر کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی کتاب قرآن مجید لے کر تشریف لائے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی فرما گئے۔ چونکہ آپ کے بعد کسی نبی اور رسول کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے اب یہ ذمہ داری امت محمدیہ کی ہے کہ وہ اس پیغام الٰہی کو لے کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچ جائے۔ (اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت پر لگاتی رہے۔) الحمد للہ نبی کریم ﷺ کی امت نے قرآن و سنت کی اس روشنی کو پھیلانے اور دنیا کی گمراہیوں کو دور کرنے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمادیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اور اس کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کا سامان کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی گم راہی کے راستے پر چلتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے جس کی سزا اس کو ضرور ملے گی۔ اللہ اپنے بندوں پر نہ تو ظلم و زیادتی کرتا ہے اور نہ ان کو گمراہ کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی فرد یا قوم کے اعمال کی گرفت کرنا چاہے تو پھر وہ فرد اور قوم نہ تو اس کی گرفت سے بچ سکتی ہے اور اگر وہی کسی کو بھٹکا دے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کو راہ ہدایت پر نہیں لگا سکتی۔ فرمایا کہ زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں ہدایت و راہنمائی اور زندگی اور موت سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ اللہ

کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن ساری کائنات قدم قدم پر اس کی مہربانیوں کی محتاج ہے۔

اس بات کو قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔ وہ کسی کے لئے گڑھے نہیں کھودتا۔ یہ انسان کی نادانی ہے کہ وہ خود اپنے اوپر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور اپنے لئے خود ہی گڑھے کھود کر اس میں جا گرتا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ
عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ
سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

۱۴ / ۸ / ۳

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۷ تا ۱۱۸

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر اور ان مہاجرین وانصار پر توجہ فرمائی ہے (توبہ قبول کرلی ہے) جنہوں نے ایسی تنگی و پریشانی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جاتے پھر وہ ان پر متوجہ ہوا۔ بے شک اللہ ان پر مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اور ان تین لوگوں پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان پر اپنی جانیں بھی ایک بوجھ بن گئی تھیں۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب اگر کوئی ٹھکانا ہے تو اللہ ہی کا ٹھکانا ہے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تا کہ وہ توبہ کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۷ تا ۱۱۸

تَابَ	وہ متوجہ ہوا
سَاعَةُ الْعُسْرَةِ	تنگی کی گھڑی۔ پریشانی کا وقت
كَادَ	قریب ہے
يَزِيغُ قُلُوبٌ	دل پھر جائیں
اَلثَّلٰثَةُ	تین
اَلَّذِيْنَ خُلِّفُوْا	جو پیچھے رہ گئے تھے
ضَاقَتْ	تنگ ہوگئی
ظَنُّوْا	وہ سمجھ گے
لَا مَلْجَاَ	ٹھکانا نہیں ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۱۷ تا ۱۱۸

جیسا کہ گذشتہ آیات میں آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے کہ غزوہ تبوک ایک ایسا موقع تھا جس نے اہل ایمان کو اور منافقین کو کھول کرر کھ دیا تھا۔ اس موقع پر جب کہ فصلیں تیار تھیں شدید گرمی کا موسم تھا اور نامعلوم منزل کی طرف جہاد کیلئے جانا تھا دو ہی راستے تھے کہ عذر کر کے گھر میں بیٹھا جائے یا سر دھڑ کی بازی لگا کر دین کی سر بلندی کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

جو اہل ایمان تھے انہوں نے اس موقع پر بے مثال قربانیاں پیش کیں اور دنیا کے ہر فائدے کو دین پر قربان کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقین نے طرح طرح کے عذر پیش کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی لیکن بعض صحابہ کرامؓ وہ تھے جو جنگ بدر تک میں شرکت کر چکے تھے جن کی طرف کسی منافقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وہ اپنی غفلت اور سستی میں غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ کا ذکر اس سے پہلے آ چکا ہے ان ہی میں سے تین صحابہ وہ تھے جن کے لئے ان آیات میں معافی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ روایات میں ان تین صحابہ کرامؓ کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت کعب ابن مالکؓ شاعر (۲) مرارہ بن ربیعؓ (۳) ہلال بن امیہؓ

ان تینوں صحابہ کرامؓ کا تعلق انصار سے تھا۔ حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت ہلال بن امیہ تو وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں

شرکت فرما چکے تھے اور حضرت کعب بن مالکؓ انتہائی مخلص اور رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشقوں میں سے تھے۔

جب نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جس نے جو عذر پیش کیا آپ نے ان کا معاملہ اللہ کی طرف چھوڑ کر اپنی طرف سے معاف کر دیا لیکن مذکورہ تینوں صحابہ کرامؓ نے کسی جھوٹ کا سہارا لئے بغیر اپنی سستی اور غفلت کا اقرار کر لیا۔ ان صحابہ کرامؓ کے اعتراف کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کی معافی کا معاملہ اللہ کی طرف چھوڑ کر فرمایا کہ تم اس وقت تک مسلمانوں سے علیحدہ رہو جب تک اللہ کی طرف سے باقاعدہ معافی کا اعلان نہ آ جائے۔

اس موقع پر جب کہ یہ تینوں انصاری بزرگ اللہ کی طرف سے معافی کے اعلان کے منتظر تھے تمام صحابہ کرامؓ نے جس نظم وانتظام اور حب رسول ﷺ کا مظاہرہ کیا اس سے صحابہ کرامؓ کی عظمت اور بھی نکھر کر سامنے آتی ہے اس سلسلہ میں حضرت کعب ابن مالکؓ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے جب بھی کسی غزوہ کے موقع پر آواز دی میں سوائے غزوہ تبوک کے ہر غزوہ میں شریک رہا۔ فرماتے ہیں کہ میرے لئے بظاہر کوئی عذر نہ تھا کیونکہ غزوہ تبوک کے موقع پر میں خوش حال اور مال دار تھا۔ فرماتے ہیں کہ میرے پاس کبھی اس سے پہلے دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں جو اس وقت موجود تھیں فرماتے ہیں کہ میں ہر روز صبح کو ارادہ کرتا تھا کہ جہاد کی تیاری کروں گا پھر میں بغیر کسی تیاری کے واپس آ جاتا۔ دن پر دن گذرتے چلے گئے میں سوچتا ہی رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ جہاد کیلئے روانہ ہو گئے پھر بھی میرے دل میں یہ آتا رہا کہ میں بھی روانہ ہو جاؤں اور تیز رفتار سواری پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جاؤں گا مگر میں سوچتا ہی رہ گیا اور اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکا۔

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں کہیں جاتا تو یہ بات مجھے غمگین اور شرمندہ کر دیتی کہ اس وقت پورے مدینہ منورہ میں یا تو وہ لوگ نظر پڑتے تھے جو منافقت کا پیکر تھے یا پھر ایسے بیمار کمزور اور بوڑھے ملتے تھے جو جنگ میں شرکت سے معذور تھے۔ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو تین مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کعب بن مالکؓ نظر نہیں آ رہے ہیں۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ جب مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اگر میں چاہتا تو اس عرصہ میں کچھ عذر اور بہانے بنا لیتا لیکن میں نے بہت غور کے بعد دل میں فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو مجھے کتنی بڑی سزا بھی کیوں نہ ملے میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش نہیں کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ جھوٹے عذر پیش کر رہے ہیں اور آپ ان کے عذر قبول فرما کر ان کا معاملہ اللہ کے سپرد فرما رہے ہیں میں آپ ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھے دیکھا۔ آپ ﷺ مسکرائے مگر آپ ﷺ کی مسکراہٹ کے پیچھے مجھے آپ ﷺ کی ناراضگی کا پوری طرح اندازہ ہو رہا تھا۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے حضرت کعبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری طرف سے رخ نہ پھیریئے کیونکہ اللہ کی قسم میں نے نفاق نہیں کیا۔ نہ دین کے معاملہ میں کسی شک وشبہ میں مبتلا ہوا۔ نہ اس میں کوئی

تبدیلی کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم جہاد میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک میں نے سواری خریدی تھی۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میں تو گفتگو کا ماہر تھا میں دنیا کے کسی عام آدمی کے سامنے ہوتا تو شاید بات کو گھما کر کہہ دیتا مگر میں نے فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو میں آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنی غفلت وسستی کا اعتراف کرتے ہوئے جو حقیقت تھی وہ صاف صاف عرض کردی۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ! یہاں تک کہ تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرمادیں۔ کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر بنی سلمہ کی طرف جارہا تھا کہ بنو سلمہ کے چند لوگ مجھے ملے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے علم کی حد تک تو تم نے کوئی گناہ اور خطا کی بات نہیں کی تھی یہ تم نے کیا حماقت کی اس وقت کوئی عذر پیش کردیتے تا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے دعائے مغفرت فرمادیتے اور وہی دعا تمہارے حق میں مغفرت کا سامان بن جاتی۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میرے دل میں آیا کہ میں لوٹ جاؤں اور ان کی کہی ہوئی بات کہہ دوں مگر میں نے پکا عہد کیا کہ مجھے سزا کوئی بھی ملے میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ میری طرح دو اور حضرات نے بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا اور ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے انتظار کرنے کیلئے فرمایا ہے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام سے منع فرمادیا۔ آپ کے ارشاد کے بعد تمام مسلمانوں نے ہم سے اس طرح رخ پھیر لیا کہ کوئی بھی نہ تو سلام کا جواب دیتا اور نہ کوئی بات کرتا تھا دنیا ایسی بدل کر رہ گئی کہ ہر طرف اجنبیت کا احساس ابھرنے لگا۔ مجھے اس کی فکر پیدا ہوگئی کہ اگر میں اسی حال میں مرگیا تو رسول اللہ ﷺ میری نماز جنازہ بھی نہ پڑھائیں گے یا اگر رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو میں عمر بھر اسی طرح لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا۔ یہ سوچ سوچ کر اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ اتنی بڑی دنیا ہونے کے باوجود میرے لئے بہت مختصر اور تنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دو انصاری صحابی مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ تو شکستہ دل ہو کر گھر میں بیٹھ رہے اور ہر وقت روتے رہتے تھے لیکن میں جوان آدمی تھا باہر نکلتا چلتا پھرتا۔ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا مگر نہ تو رسول اللہ ﷺ بات کرتے نہ صحابہ کرام سلام کا جواب دیتے نہ کوئی مجھ سے بات کرتا۔ میں بہت دل شکستہ سا ہوگیا فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس گیا جو مجھے سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ان کے باغ میں دیوار پھاند کر پہنچ گیا انہوں نے مجھ سے بات نہ کی۔ میں نے ان سے کہا کہ اے قتادہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت کرتا ہوں اس پر بھی قتادہ خاموش رہے۔ جب میں نے بار بار کہا تو انہوں نے صرف اتنا جواب دیا کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ ان کے جواب سے میں بے ساختہ رو پڑا۔ میں اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے واپس نکل گیا۔

کہتے ہیں کہ میں ایک دن بازار جارہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک قبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کیلئے شام سے مدینہ آیا کرتا تھا وہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ لوگو کیا تم کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتے ہو؟

لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہی کعب ہیں۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جو میرے نام تھا اس میں لکھا تھا کہ

''مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی ﷺ نے آپ سے بے وفائی کی ہے اور آپ کو دور کر رکھا ہے۔ اللہ نے تمہیں ذلت وخواری میں رکھنے کے لئے نہیں بنایا ہے۔ اگر تم ہمارے پاس آنا پسند کرو تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔''

کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھا اور مجھے افسوس ہوا کہ کیا اب میرا اس سے بڑا امتحان شروع ہو گیا ہے کہ اہل کفر بھی مجھ پر ترس کھانے لگے ہیں اور ان کو مجھ سے کوئی اچھی امید ہو چلی ہے فرماتے ہیں کہ سامنے ہی ایک آگ کا تنور لگا ہو تھا بادشاہ کا وہ خط میں نے اس آگ میں جھونک دیا۔

اس طرح چالیس راتیں گذر گئیں۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خاص قاصد خزیمہ بن ثابتؓ میرے پاس آرہے ہیں۔ آکر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لو میں نے پوچھا کہ کیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس سے الگ الگ رہو۔ میں نے گھر آتے ہی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے (باپ کے گھر) چلی جاؤ اور جب تک میرے معاملے کا فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک وہیں رہو۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اسی طرح پچاس دن گذر گئے تو میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا نماز پڑھ رہا تھا اور میری حالت وہ تھی جس کو اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ اچانک میں نے سلع پہاڑی کے اوپر سے کسی چلانے والے کی آواز سنی جو بلند آواز میں کہہ رہا تھا کہ اے کعب مبارک ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آواز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تھی کہ اے کعب تمہیں بشارت ہو کہ تمہاری معافی کا اعلان ہو گیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے یہ آواز سنی تو میں اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑا اور خوشی کے مارے میں رو پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرامؓ کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی۔ اب یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے لوگ مبارک باد دینے کے لئے دوڑے چلے آرہے تھے۔ بعض گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے۔ حضرت کعب اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے راستے میں لوگوں کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے مبارک ہو مبارک ہو کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

جب میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے اردگرد صحابہ کرام کا مجمع ہے میں نے داخل ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے کعب تمہیں مبارک ہو۔ تمہیں ایسے دن کی مبارک باد ہے جو دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب سے زیادہ مبارک دن ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تم نے سچ کہا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرما دیا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا دل چاہتا ہے کہ اس خوشی کے دن میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب کا سب میں اللہ کی

راہ میں صدقہ کردوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے رہنے دو یہ بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کردوں۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی انکار فرمایا جب میں نے کل مال میں سے ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ نے مجھے سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں عہد کرتا ہوں میں ہمیشہ سچ بات ہی کہوں گا اور سچ کے سوا کوئی بات زبان سے نہ نکالوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ پوری زندگی وہ اسی پر قائم رہے۔

واقعی سانچ (سچ) کو آنچ نہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے رہنے والے اور وہ دیہاتی جو ان کے اردگرد ہیں ان کے لیے یہ بات شایان شان نہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے پیچھے رہ جائیں اور یہ بھی مناسب نہیں تھا کہ ان کی (نبی ﷺ کی) جان سے اپنی جانوں کو زیادہ عزیز

رکھتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور بھوک کی جو مشقت پہنچی اور وہ جو اللہ کی راہ میں چلے جن کا چلنا کفار کو سخت ناگوار تھا یا انہوں نے دشمن سے انتقام لیا مگر یہ کہ ان کے لئے (ان سب چیزوں پر) ایک عمل صالح لکھا گیا تا کہ وہ اللہ عمل کرنے والوں کو اس سے بہتر اجر عطا فرمائے بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور وہ لوگ جو کم اور زیادہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں یا وہ جو (جہاد کے لئے) کسی وادی کو طے کرتے ہیں ان کے لئے اس کو لکھ لیا جاتا ہے تا کہ ان کو کئے ہوئے کاموں کا زیادہ بہتر اجر مل سکے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱

کُوْنُوْا	ہو جاؤ
اَلصّٰدِقِیْنَ	سچ بولنے والے
اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا	یہ کہ وہ مخالفت کریں
لَا یَرْغَبُوْا	رغبت نہ کریں
لَا یُصِیْبُ	نہیں پہنچے گا
ظَمَاٌ	پیاس
نَصَبٌ	محنت۔ مشقت
مَخْمَصَۃٌ	بھوک
لَا یَطَئُوْنَ	وہ نہیں روندتے
مَوْطِئٌ	چلنے کی جگہ
یَغِیْظُ	غصہ میں آئیں
لَا یَنَالُوْنَ	وہ حاصل نہیں کرتے
کُتِبَ	لکھا گیا۔ فرض کیا گیا
لَا یُضِیْعُ	وہ ضائع نہیں کرتا

لَا یُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ نہیں کرتے ہیں
نَفَقَۃٌ صَغِیْرَۃٌ	معمولی خرچ
لَا یَقْطَعُوْنَ	وہ نہیں کاٹتے ہیں۔وہ نہیں طے کرتے ہیں
وَادِیًا	وادی۔گھاٹی۔میدان
اَحْسَنُ	زیادہ بہتر

تشریح: آیت نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱

گذشتہ آیات میں منافقین اور مخلص اہل ایمان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے منافقین نے غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی کریم ﷺ سے جو بھی عذر پیش کیا آپ نے قبول فرما کر ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد فرما دیا اور ان کے حالات اور بیان کی مزید تصدیق نہیں فرمائی لیکن بعض وہ مخلص صحابہ کرامؓ جو کسی سستی یا غفلت کی بنا پر آپ کے ساتھ نہ جا سکے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن محض وقتی مفاد اور حضور اکرم ﷺ کی نگاہوں میں بہتر بننے کیلئے انہوں نے جھوٹ نہیں بولا۔ بے شک سچ بولنے کی وجہ سے ان کو سخت تکلیفیں اٹھانا پڑیں (جس کا تفصیل سے ذکر گذشتہ آیات میں کر دیا گیا ہے لیکن ان کو اس کا سب سے بڑا انعام یہ ملا کہ قرآن کریم میں باقاعدہ ان کی معافی کا اعلان فرمایا گیا اور ان کے ذکر کو قیامت تک قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا۔ قیامت تک قرآن کریم پڑھا جاتا رہے گا اور ان صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی زندہ جاوید رہے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے، سچ پر قائم رہنے والے صحابہ کرامؓ کو ایک مثال بناتے ہوئے اس پر چلنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور بتا دیا گیا ہے کہ تقویٰ، سچائی اور اللہ کی راہ میں تکلیفیں اٹھانا انسان کو نہ صرف اجر و ثواب اور اس کے انعامات کا مستحق بنا دیتا ہے بلکہ ان لوگوں کی زندگیاں دوسروں کے لئے ایک خوبصورت مثال بن جایا کرتی ہیں۔

ان آیات میں ان صحابہ کرامؓ کی زندگی کو ایک خوبصورت مثال بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا کہ سچ بولنا اتنی بڑی نیکی ہے کہ اگر انسان اپنی غفلت اور سستی میں کوئی لغزش بھی کر بیٹھتا ہے تو اس کا سچ اس کو زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔

اگر حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت ہلال بن امیہؓ کا ذکر گذشتہ آیات میں کر کے ان کی معافی کا اعلان کیا گیا ہے۔ سچ نہ بولتے بلکہ خدانخواستہ منافقین کی طرح بہانے بنا کر اپنی جان چھڑا لیتے تو ان کی معافی کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوتا۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ "سچ انسان کو نجات دیتا ہے اور جھوٹ انسان کو ہلاک کرتا ہے"۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچائی کی عادت اختیار کرو کیونکہ سچ بولنے سے نیکی کی توفیق ملتی ہے اور نیکی اس کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا ہے اور کوشش کر کے سچ بولنے کے

موقعے تلاش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں صادق (سچ بولنے والا) کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ انسان میں فسق (گناہ) کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور اس کا فسق اس کو جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا ہے اور کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑتا کہ جس میں جھوٹ نہ بولے یہاں تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں کذاب (جھوٹا) کا لقب حاصل کر لیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سچ بولنے سے نہ صرف نیکی اور بھلائی کی توفیق عطا کی جاتی ہے بلکہ انسان کو اللہ کی نظر میں محبوب اور جنت کا حق دار بنا دیتا ہے اس کے برخلاف جھوٹ بولنے والے کو نہ صرف گناہوں پر جرأت ہوتی ہے بلکہ وہ اللہ کی نظر میں برا اور جہنم کی ابدی آگ کا مستحق بن جاتا ہے اسی لئے سورۂ انعام میں ظالموں اور فاسقوں کی صحبت سے بچنے اور پاس بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اصل میں کبھی کبھی لمبی چوڑی تقریریں اور وعظ و نصیحت وہ کام نہیں کرتے جو چند لمحے کسی نیک عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے انسان کو نصیحت ملتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو تا کہ تمہیں تقویٰ اور پرہیز گاری کا اعلیٰ مقام حاصل ہو سکے۔

ان آیات میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جب اللہ کی راہ میں نکلنے والوں اور تکلیفیں اٹھانے والوں کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے تو ایک مومن کی کسی طرح کی سستی کاہلی اور غفلت مناسب نہیں ہے خواہ ان کو شہری زندگی حاصل ہو یا دیہاتی جو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، اور اس راستے کی سختیوں کو برداشت کرے گا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی محنت ضائع ہو گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی کا ایک ایک عمل اور کام لکھا جا رہا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر ہی ایک واقعہ احادیث میں لکھا گیا ہے کہ انسان کو کس طرح بھلائی کی توفیق ملتی ہے اور وہ نوازا جاتا ہے۔

ابوخیثمہ حضور اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو کسی غفلت یا سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہو گئے تو وہ ایک دن اپنے خوبصورت باغ میں گئے وہاں خوب گھنا سایہ تھا۔ ان کی بیوی بھی موجود تھیں۔ انہوں نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر لیا۔ چٹائی بچھا کر تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے، ٹھنڈا ٹھنڈا پانی رکھ کر ابھی کھانا ہی شروع کیا تھا کہ اچانک ان کے دل و دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی اور ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ میں تو یہاں عیش و آرام سے کھانے پینے میں لگا ہوا ہوں اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ سخت گرمی، لو اور تشنگی کے عالم میں کوہ و بیاباں طے کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس خیال کے آتے ہی میں نے سواری منگوائی، تلوار ہاتھ میں لی نیزہ سنبھالا اور اونٹنی کو دوڑاتا ہوا ریت کے ٹیلے اور پہاڑوں سے بڑی تیزی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے لشکر کے پاس پہنچ گیا حضور اکرم ﷺ نے مجھے پہچان لیا اور میں مجاہدین کے ساتھ شریک جہاد ہو گیا۔

شاید یہ آیات حضرت ابوخیثمہ صحابی رسول ﷺ یا ان جیسے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہوں واقعی صحابہ کرامؓ کی کتنی بڑی شان ہے کہ ان کی ہر قربانی اور ادا کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے محفوظ فرما دیا اور قرآن کریم نے بتا دیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں وہ زندہ جاوید ہو جایا کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ع ۱۵/۴

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۲

اور مومنوں کو یہ مناسب نہیں ہے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلتی تا کہ وہ لوگ دین کی سمجھ پیدا کر کے جب وہ ان کی طرف پلٹ کر جائیں تو وہ ان کو ڈرائیں تا کہ وہ بچتے رہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۲

لِيَنْفِرُوْا — تا کہ نکل پڑیں

كَآفَّةً — سب کے سب

لِيَتَفَقَّهُوْا — تا کہ وہ سمجھ پیدا کریں

لِيُنْذِرُوْا — تا کہ وہ ڈرائیں

رَجَعُوْا — وہ لوٹے

يَحْذَرُوْنَ — وہ بچتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۲۲

غزوہ تبوک کا موقع وہ تھا جہاں نبی کریم ﷺ نے تمام تر وسائل کے ساتھ تمام ان مسلمانوں کو جنہیں کوئی واقعی عذر نہ ہو اس جہاد میں شرکت کا حکم فرمادیا تھا کیونکہ مقابلہ روم کی سلطنت سے تھا جو اس وقت دنیا کی سپر پاور تھی اگر بروقت اقدام نہ کیا جاتا تو

رومی سلطنت مسلم مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجادیتی لیکن اتنی بڑی فوج کی پیش قدمی نے رومی سلطنت کے حوصلے پست کردیئے بلکہ اچانک اتنی بڑی فوج کو دیکھ کران کو مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہ تو ایک ''نفیر عام تھا جس میں ہر شخص کو شریک ہونا لازمی تھا جس کو بظاہر کوئی عذر نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کا حکم ہمیشہ نہیں دیا اسی لئے علماء کرامؒ نے یہ فرمایا ہے کہ جہاد کی فرضیت دوطرح ہے اگر امیر کی طرف سے ''نفیر عام'' کا حکم ہو تو پھر ہر شخص کے لئے جہاد میں نکلنا ''فرض عین'' ہو جاتا ہے جس سے بلا عذر پیچھے رہ جانا حرام ہے لیکن اگر نفیر عام نہ ہو تو حسب ضرورت کچھ لوگوں کا نکلنا سب کا نکلنا کہلائے گا اس کو ''فرض علی الکفایہ'' کہتے ہیں۔

فرض علی الکفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ جہاد پر نکل گئے اور بقیہ زندگی کے اور فرائض میں لگے رہے تو کچھ لوگوں کا جہاد میں نکلنا سب کی طرف سے شمار ہو گا۔

اس آیت مین تفقہ فی الدین ''یعنی دین کا علم حاصل کرنا اس کی سمجھ پیدا کرنے کو جہاد کے برابر قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین صرف یہی نہیں سکھاتا کہ ہر شخص ہر وقت تیر وتلوار ہاتھ میں لے کر جب تک میدان میں نہیں نکلے گا اس وقت تک وہ مجاہد نہیں کہلائے گا بلکہ اللہ کے دین میں تفقہ اور سمجھ پیدا کرنا اس کا علم حاصل کرنا بھی جہاد ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

اس بات کو اس طرح فرمایا گیا ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑی ہو'' تاکہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی طرف لاتی رہے وہ ہر گناہ کی بات سے بچتی رہے۔

جہاد بالسیف اور جہاد بالعلم اپنے اپنے وقتوں پر دونوں ہی ضروری ہیں۔ اگر امام وقت عام جہاد کا حکم دیدے تو ہر شخص کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنا مال اور جان سب کچھ قربان کرنے کیلئے میدان میں آنا فرض ہے لیکن عام حالات میں جب کہ ''جہاد بالسیف'' کا حکم نہ ہو تو علم حاصل کرنا اور زندگی کے دیگر فرائض کو پورا کرنا بھی جہاد ہی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۳

اے ایمان والو! تم ان کفار سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور تمہارے اندر وہ سختی محسوس کریں۔ اور یہ بات جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۳

یَلُوْنَ	وہ جو ملے ہوئے ہیں۔قریب ہیں
وَلْیَجِدُوْا	اور چاہیے کہ وہ محسوس کریں
غِلْظَةٌ	سختی

تشریح: آیت نمبر ۱۲۳

اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

(۱) اے مومنو! جب تم کفار سے جہاد کرو تو سب سے پہلے ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے قریب تر ہوں خواہ فاصلے کے لحاظ سے یا قرابت داری اور رشتہ داری کے لحاظ سے۔

(۲) فرمایا کہ جب تم کفار سے جہاد کرو تو دشمن تمہارے اندر ایسی جراءت وہمت اور مردانہ وار صلاحیتوں کا اندازہ کر لے جس سے اس کو دوبارہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جراءت نہ ہو۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

ان تین باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاد جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے جس میں قومی اور وطنی غیرت، مال ودولت کا حصول، تعصب وجہالت اور حکومت واقتدار کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہوتا بلکہ ایک مجاہد کا مقصد محض اللہ کے دین کی سربلندی ہوتی ہے اس کو جہاد کہتے ہیں۔فرمایا کہ کفار ومشرکین سے جب بھی قتال کیا جائے تو اس بات کا پوری طرح خیال رکھا جائے کہ جو لوگ علاقہ یا رشتہ وتعلق کے اعتبار سے سب سے قریب ہوں وہاں سے اللہ کے دشمنوں کا صفایا کیا جائے۔یہ ایک بہت بڑی حماقت ہے کہ آس پاس دشمن موجود ہوں اور آدمی ان کو چھوڑ کر دور کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا شروع کر دے۔ نبی کریم ﷺ کی یہی سنت اور طریقہ رہا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش فرمائی۔اسی طرح آپ ﷺ نے پہلے ان لوگوں سے جہاد فرمایا جو آس پاس رہ کر اللہ، رسول ﷺ اور مومنوں کے دشمن ہیں اور اپنی سازشوں کے جال پھیلائے ہوئے ہیں۔دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ بے شک دین اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اس کا مقصد جنگ وجدال نہیں ہے لیکن اگر دشمنان اسلام اللہ کے دین کو مٹانے کے درپے ہوں تو پھر ایسی جرأت وہمت سے دشمن کا مقابلہ کیا جائے کہ پھر کبھی دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان اہل ایمان کی مدد فرماتا ہے جو محض اللہ کی رضا و خوشنودی کو سامنے رکھ کر اپنا ہر کام کرتے ہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری جن کی زندگی ہوتی ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۴ تا ۱۲۷

اور جب کوئی (نئی) سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ اس سے تمہارے ایمان میں کچھ اضافہ ہوا؟ بہر حال وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں اس سے ان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں

(منافقت کا) مرض ہے ان کی گندگی میں گندگی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔اور وہ اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ وہ کسی آفت میں پھنستے ہیں پھر بھی وہ (اپنی حرکتوں سے) باز نہیں آتے اور وہ ذرا بھی دھیان نہیں دیتے۔اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ انہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔پھر وہ کھسک لیتے ہیں (درحقیقت) اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۴ تا ۱۲۷

اَیُّکُمْ	تم میں سے کس کا
زَادَتْهُ	اس نے اضافہ کیا
یَسْتَبْشِرُوْنَ	وہ خوشیاں مناتے ہیں
رِجْس	گندگی
یُفْتَنُوْنَ	آزمائے جاتے ہیں
کُلُّ عَامٍ	ہر سال
لَا یَتُوْبُوْنَ	وہ توبہ نہیں کرتے ہیں
لَا هُمْ یَذَّکَّرُوْنَ	اور نہ دھیان دیتے ہیں
نَظَرَ	دیکھا
هَلْ یَرٰ کُمْ	کیا کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے
اِنْصَرَفُوْا	وہ چل دیتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۱۲۴ تا ۱۲۷

جب بھی کچھ آیات نازل ہوتیں تو عام طور پر نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو بلا کر آیات سناتے۔ وہ لوگ جو نفاق کے مرض میں مبتلا تھے وہ صرف اس لئے آ جاتے تھے کہ کہیں ان کی منافقت کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔ جو اہل ایمان تھے وہ تو ان آیات کو بہت ذوق شوق سے سنتے تھے لیکن منافقین جو محض مارے باندھے شرکت کر لیا کرتے تھے اور اکتائے ہوئے سے بیٹھے رہتے اور موقع ملتے ہی کھسک لیتے۔ کبھی تو وہ طنز کے طور پر کہتے بھلا بتاؤ اس نئی سورت سے یا تازہ آیات سے کس کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو سال بھر میں اسی طرح کئی مرتبہ آزماتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی منافقانہ ذہنیت سے باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بے عقل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان کو عقل ہوتی تو وہ اپنے وقتی مفادات کی وجہ سے آخرت کی زندگی کو برباد نہ کرتے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

١٦/٧/٥

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲۸ تا ۱۲۹

البتہ یقیناً تمہارے پاس رسول آ گیا ہے جو تم میں سے ہی ہے۔ تمہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو سخت ناگوار گذرتی ہے۔ وہ اہل ایمان کے لئے بہت ہی بھلائی کے خواہش مند، نہایت شفیق اور نہایت کرم کرنے والے ہیں۔

پھر بھی اگر وہ منہ پھیرتے ہیں تو (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرا اللہ مجھے کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا پروردگار ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲۸تا ۱۲۹

مِنْ اَنْفُسِکُمْ	تمہارے اندر سے۔تم میں سے
عَزِیْزٌ	بھاری ہے
عَنِتُّمْ	جو تمہیں نقصان پہنچے
حَرِیْصٌ	زیادہ خواہش مند
رَءُوْفٌ	مہربان
رَحِیْم	بہت رحم کرنے والا
حَسْبِیَ اللّٰہُ	مجھے اللہ کافی ہے
تَوَکَّلْتُ	میں نے بھروسہ کرلیا
ھُوَ	وہ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ	عرش عظیم کا پروردگار

تشریح: آیت نمبر ۱۲۸تا ۱۲۹

سورۂ توبہ کو حق تعالیٰ شانہ نے ان دو آیات پر ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے پاس اللہ کے وہ رسول ﷺ آچکے ہیں جو تمہارے انتہائی مخلص و مہربان ہیں جو ہر وقت اہل ایمان کی بھلائی کے خواہش مند رہتے ہیں شفقت و محبت اور کرم کرنا جن کا مزاج ہے۔
ان تمام سچائیوں کے باوجود اگر وہ کفار و منافقین پھر بھی ایسے عظیم رسول سے منہ پھیرتے ہیں تو اس سے زیادہ بدقسمتی اور کیا ہوگی۔ نبی کریم ﷺ سے بھی فرمادیا گیا ہے کہ آپ ان تک پیغام حق ضرور پہنچادیجئے لیکن اگر وہ غیر اللہ کو ہی اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں تو آپ اعلان فرمادیجئے کہ میرا اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی

ساری کائنات اور عرش عظیم کا مالک ہے۔

سورۂ توبہ کی ان دو آخری آیتوں کے متعلق حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آخری دو آیتیں قرآن کریم کی بھی آخری آیتیں ہیں جن آیتوں کے بعد آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (قرطبی)

سورۂ توبہ کی ان دو آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے فرمایا ہے کہ وہ ایسی عالی صفت شخصیت ہیں، وہ سارے عرب ساری دنیا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں جن کی شفقت و رحمت اس قدر عظیم ہے کہ خود تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن امت کی ادنی سی تکلیف بھی آپ کو گوارا نہیں ہے۔ وہ ساری انسانیت کے لئے مونس و غم خوار، ہمدرد و غم گسار اور حد درجہ مہربان ہیں ایسے شفیق و مہرباں نبی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے تھا لیکن اگر کوئی پھر بھی اپنی بدقسمتی کو آواز دیتا ہے اور وہ ایسے پیارے، شفیق اور عظیم نبی ﷺ سے منہ پھر لیتا ہے تو فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کی بے رخی سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ کیجئے وہی ساری کائنات کا اور عرش عظیم کا مالک ہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۱

یعتذرون

سورۃ نمبر ۱۰

یُونُسْ

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ یونس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ نمبر	10
رکوع	11
آیات	109
الفاظ وکلمات	1861
حروف	7733
مقام نزول	مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں عام طور پر اسلام کے بنیادی عقائد، توحید و رسالت، قیامت اور آخرت کا ذکر فرما کر جزا و سزا پر زور دیا گیا ہے۔ جب نبی مکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرما کر مکہ کے کفار ومشرکین کے سامنے اللہ کا کلام پیش کیا تو ابتدا میں آپ ﷺ کی آواز پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ لیکن جب نبی کریم ﷺ کی مقناطیسی شخصیت اور دین اسلام کی عظمت وتعلیمات سے ایک خاص طبقہ متاثر ہوتا ہوا نظر آیا تو کفار ومشرکین نے استہزا و مذاق اور طرح طرح کی اذیتوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہؓ کو ستانا شروع کر دیا۔ اعتراضات اور شبہات کی بھرمار کر دی یہاں تک کہ اسلام کی سادہ اور پر تاثیر سچائیوں کو جادو کا نام دے کر اس تحریک کو بدنام کرنے کی مہم تیز کر دی۔ جس کے قدم بھی اس سچائی کی طرف بڑھتے ان پر مکہ کی سرزمین کو تنگ کرنا شروع کر دیتے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رسول ﷺ نے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ قیام مکہ کے اس آخری دور میں سورۂ یونس کو نازل کیا گیا۔ اس سورت میں نہ صرف کفار ومشرکین کے اعتراضات وشبہات کا بھرپور انداز میں جواب دیا گیا ہے بلکہ حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت یونسؑ کے واقعات کو سنا کر صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ نے ہر دور میں انسانوں ہی میں سے پاکیزہ نفس انسانوں کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لے آئیں اور اسلام کی تعلیمات سے دنیا کے اندھیروں کو دور کر دیں۔ چنانچہ انبیاء کرامؑ نے تمام تر بے سروسامانی اور غربت وافلاس کے باوجود اللہ کا دین پہنچانے میں دن رات ایک کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے دین اسلام کے دشمنوں کو تہس نہس کر دیا اور انبیاء کرامؑ اور ان کے ماننے والوں کو کامیاب و بامراد فرمایا۔ حضرت موسیٰؑ جو انتہائی بے بسی کے عالم میں پوری قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلا کر مصر سے فلسطین کی طرف ہجرت فرما رہے تھے اس وقت اللہ نے فرعون کو، اس کی سلطنت کے فخر وغرور کو اور اس کی طاقت وقوت کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اور قوم بنی اسرائیل کو سلطنت اور ارض فلسطین پر حکمرانی عطا کر دی۔ فرعونی قوتیں تباہ وبرباد ہو گئیں اور بے بس اور مظلوم بنی اسرائیل کو تمام تر عزت وعظمت سے

> نبی کریم ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے خلاف مخالفت اور دشمنی شدت اختیار کر چکی تھی اس وقت قیام مکہ کے آخری دور میں یہ سورت نازل ہوئی۔

اسلامی عقائد، اصول دین، توحید و رسالت، قیامت، آخرت، حساب وکتاب جزاوسزا کا اس سورت میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

سورہ یونس میں حضرت نوحؑ کا مختصر اور حضرت موسیٰؑ کا تفصیل سے واقعہ اور حضرت یونسؑ کا واقعہ خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

نواز دیا گیا۔ دوسری طرف حضرت نوحؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے ساڑھے نوسو سال تک ہدایت ورہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا لیکن جب قوم نے نافرمانیوں کی حد کردی تب اللہ نے حضرت نوحؑ اور ان کے ماننے والوں کو نجات عطا فرمادی اور بقیہ تمام لوگوں اور ان کی تہذیب وتمدن، مال ودولت اور ان کے فخر وغرور کے نشانات کو پانی کے طوفان میں غرق کردیا۔ ان دو واقعات کے بعد حضرت یونسؑ کا قصہ سنا کر فرمایا کہ قوم موسیٰؑ وقوم نوحؑ کے برخلاف جب قوم یونسؑ کو اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ حضرت یونسؑ چلے گئے ہیں اور اب اللہ کا عذاب آنے والا ہے۔ تو پوری قوم نے سچے دل سے توبہ کرلی اور حضرت یونسؑ کی رسالت کو تسلیم کرلیا تب اللہ نے ان پر سے عذاب کو ٹال دیا۔ کفار مکہ کو بتایا جارہا ہے کہ دونوں راستے سامنے ہیں اگر تم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت نوحؑ کی نافرمان قوم کا طریقہ اختیار کیا تو تمہیں تباہی وبربادی سے کوئی نہیں بچاسکتا اور اگر حضرت یونسؑ کی قوم کا طریقہ اختیار کرکے کفر وشرک سے توبہ کرلی اور نبی مکرم ﷺ کے دامن سے وابستگی اختیار کرلی تو نجات مل جائے گی۔

سورة يونس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②

ترجمہ: آیت نمبر ا تا ۲

الف۔لام۔را (حروف مقطعات۔جن کے معنی کا علم اللہ کو ہے۔)

یہ حکمت (علم۔عقل۔سمجھ) سے بھر پور کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت و تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے کسی انسان پر وحی نازل کی ہے تا کہ وہ لوگوں کو (برے انجام سے) ڈرائے۔اور (اے نبی ﷺ) آپ ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں خوش خبری سنا دیجیے کہ ان کے رب کے پاس ان کا بڑا مقام اور رتبہ ہے۔اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بے شک یہ تو ایک کھلا ہوا جادوگر ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ا تا ۲

اَلْحَكِيْمُ — وہ پکی چیز جس کے اندر ایسی پختگی ہو جس میں کبھی بدل جانے کا خوف نہ ہو یعنی علم، عقل اور سمجھ

عَجَبٌ — تعجب، حیرت

اَوْحَيْنَا — ہم نے وحی کی، وحی کے معنی اشارے کے بھی آتے ہیں

اَنْذِرْ — ڈرادے۔کسی برے انجام سے ڈرانا

بَشِّرْ — خوش خبری دے دیجیے

قَدَمُ صِدْقٍ	صدق یعنی ٹھوس سچائی، قَدَمَ صِدْقٍ، مرتبہ، کامیابی اور ترقی
سٰحِرٌ	جادو کرنے والا، جادوگر
مُبِیْنٌ	کھلی ہوئی واضح بات

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۲

سورۂ یونس قرآن کریم کی دسویں سورت ہے۔ مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں نازل ہوئی جب نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی مخالفت اور دشمنی میں کفار و مشرکین شرافت اور انسانیت کی حدود سے بہت دور نکل چکے تھے۔ یہ بہت نازک وقت تھا جس میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے عزم و ہمت کو سہارے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ جو بھی حالات پیش آ رہے ہیں کوئی ایسے نئے حالات نہیں ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہی سب کچھ ہوتا رہا ہے اور قیامت تک جب بھی دین کی سچائیوں کی طرف بلایا جائے گا تو یہی مشکلات پیش آئیں گی۔ ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ باطل کے خلاف ڈٹ کر عظیم جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی راستے سے دین و دنیا کی تمام بھلائیاں نصیب ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذرا تفصیل سے اور حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ دو باتیں ضرور پیش آئی ہیں۔

(۱) اللہ کا دین پہنچانے میں مشکلات، مصیبتیں اور پریشانیاں اور

(۲) دوسری بات یہ کہ کفار و مشرکین کی بربادی اور اہل ایمان کی کامیابی و کامرانی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انبیاء کرام علیہم السلام کے راستے پر چل کر دین و دنیا کی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

سورۂ یونس کی ابتدائی دو آیتوں میں چار باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱) سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی طرح سورۂ یونس کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے کی گئی ہے جس کی وضاحت سورہ بقرہ و آل عمران کی سورتوں کے آغاز میں کر دی گئی ہے تاہم اس جگہ صرف اتنی بات کو سمجھ لینا کافی ہے کہ قرآن کریم کی انتیس سورتوں کی ابتداً حروف مقطعات سے کی گئی ہے۔ ان تمام حروف کے معنی نہیں کئے جاتے۔ کیونکہ ان حروف سے متعلق نہ تو صحابہ کرامؓ نے سوال کیا ہے نہ مخالفین نے ان حروف پر کسی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا ہے اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی ان کے متعلق کچھ ارشاد نہیں فرمایا اسی لئے مفسرین عام طور پر یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے..... کوئی خاص روایت تو نہیں ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ان کے معنی بتا دیئے

ہوں۔ بعض اکابرؒ نے سورتوں کے مفہوم کو سامنے رکھ کہ ان حروف کے معنی متعین کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے لیکن آخر میں ان کے نوک قلم پر یہی بات آ گئی کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے؟ ان حروف کے کیا معنی ہیں؟ ہمیں ان پر غور کرنے کے بجائے اس بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ہی ان حروف کے معنی و مراد کی وضاحت نہیں فرمائی اور صحابہ کرامؓ نے بھی نہیں پوچھا تو یہ حروف اللہ ہی کو طرف سے ہیں اور وہی ان کے معنی اور مراد سے واقف ہے۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدا ''تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ'' سے کی گئی ہے۔ یعنی یہ آیتیں کتاب حکیم کی آیتیں ہیں...... جس طرح قرآن کے لئے بہت سے الفاظ آئے ہیں اسی طرح یہ بھی قرآن کریم کا ایک نام ہے۔ ''کتاب حکیم''، یعنی وہ کتاب جس میں تمام انسانوں کی رہنمائی کیلئے وہ پر حکمت اصول بیان فرمائے گئے ہیں جو انتہائی مضبوط، مستحکم اور حکمت و دانش سے بھر پور ہیں۔ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے دین و دنیا کی تمام عظمتیں، نعمتیں اور سر بلندیاں پوشیدہ ہیں۔ تہذیب و تمدن، معاشرت اور معیشت، عقائد، عبادات، معاملات اور سیاسیات عالم کے رہبر و رہنما اصول ارشاد فرما دیئے گئے ہیں۔

۳) تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کفار و مشرکین انبیاء کرام کی بشریت کا یہ کہہ کر انکار کرتے رہے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسا آدمی جو ان ہی کی طرح گوشت پوست کا انسان ہے، نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہ کر اس دنیا میں آیا ہے۔ جو ان ہی میں پلا بڑھا ہے جو کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، روتا بھی ہے اور ہنستا بھی ہے۔ جو بیوی بچے بھی رکھتا ہے...... اللہ کا نبی اور رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر اللہ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو بھیج دیا ہوتا یا آسمان سے اچانک کوئی شخصیت نمودار ہوتی اور ہم اس پر ایمان لاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کی بشریت کا انکار کفر کا مزاج ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اس کا بہت سادہ اور پر حکمت ایک ہی جواب دیا ہے کہ اس میں تعجب اور حیرت کی کونسی بات ہے کہ ہم نے اپنا کلام ایک انسان کے ذریعہ پہنچایا ہے جو تمہیں برے اعمال کے خراب نتائج سے ڈراتا ہے اور نیک اعمال کے نتیجے اور جنت اور اس کی راحتوں کی خوش خبری سناتا ہے۔ جس طرح پہلی امتوں نے نبیوں کی بشریت کا انکار کیا اسی طرح نبی کریم ﷺ پر بھی یہی اعتراض کیا گیا۔ اللہ نے متعدد مقامات پر خود نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کہلوا دیا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہہ دیجئے کہ میں بھی تم جیسا ایک بشر ہوں۔ میری خصوصیت یہ ہے کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے جس کی میں خود بھی اتباع و پیروی کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی اسی وحی کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی پیروی پر آمادہ کرتا ہوں۔

۴) ان آیات میں چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ کفار و مشرکین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب بھی اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کا کلام پیش کیا تو اس کو جادو کا نام دیا اور اس کو پہنچانے والوں کو جادوگر کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرما دیا ہے کہ جادو کرنا، جادو سیکھنا اور سکھانا سب کفر کی باتیں ہیں...... جادو کیا ہے؟ محض وقتی طور پر نظر بندی، نظروں کا

فریب ...... اس کے برخلاف اللہ کا کلام ایک سچائی ہے، روشنی ہے۔ جادو کا اثر محض تھوڑی دیر تک رہتا ہے۔ جب جادو ختم ہو جاتا ہے تو وہی چیزیں جو سانپ اور اژدھے نظر آتے ہیں معمولی رسیاں اور لکڑیاں رہ جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف اللہ کا کلام وہ ہے کہ جب ایک دفعہ دلوں میں آ جاتا ہے اور اس کا رنگ دلوں پر چڑھ جاتا ہے تو پھر وہ رنگ کبھی نہیں اترتا۔ فرعون کے دربار میں جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک کران کو نظر بندی کے ذریعہ سانپ اور اژدھوں کی شکل میں دکھایا ...... تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے عصا کو پھینکا اور وہ اصلی پھنکارتا ہوا اژدھا نظر آنے لگا تو سارے جادوگر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ یہ محض نظروں کا دھوکہ نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے۔ وہی جادوگر جو انعام واکرام کے لالچ میں اپنے جادو کا کمال دکھا رہے تھے اللہ کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور رب موسیٰؑ اور رب ہارونؑ پر ایمان لے آئے ...... جب ان جادوگروں کے دلوں میں ایمان موجزن ہو گیا تو فرعون کی ہر دھمکی کے سامنے وہ ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ...... یہی اللہ کا رنگ ہے۔ جب یہ دلوں پر چڑھ جاتا ہے تو پھر اس کا رنگ نکھرتا تو ہے مٹتا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے کفار و مشرکین کو صاف صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ جادو ایک بے حقیقت چیز ہے۔ وقتی دھوکہ، فریب اور نظر بندی ہے اس کا مقابلہ اللہ کے کلام سے کرنا اور اس کلام سے کرنا جو کلام سراسر سچائی ہے، حقیقت ہے، نور ہے ...... اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو لوگ اس کلام ربانی پر ایمان لائیں گے ان کو دنیا و آخرت میں عزت کا مقام نصیب ہوگا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳ تا ۴

بے شک تمہارا رب تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ

عرش (تخت سلطنت) پر قائم ہوا جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی (اس کے سامنے کسی کی) سفارش نہیں کر سکتا۔ یہ ہے تمہارا وہ پروردگار جس کی تمہیں عبادت و بندگی کرنی چاہئے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟...... اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔ اسی نے پہلی مرتبہ پیدا کیا پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دیا جائے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش کو اختیار کیا ان کو ان کے کفر کی وجہ سے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب دیا جائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳ تا ۴

خَلَقَ	اس نے پیدا کیا
سِتَّةُ اَيَّامٍ	چھ دن، اس سے چھ دن مراد ہیں، ممکن ہے چھ زمانے اور پیریڈ مراد ہوں
اِسْتَوٰى	وہ برابر ہوا۔ یعنی اس نے نظام کائنات کا آغاز کر دیا
يُدَبِّرُ	وہ تدبیر کرتا ہے، فیصلے کرتا ہے
شَفِيْعٌ	سفارش کرنے والا
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ	کیا پھر بھی وہ اس حقیقت پر غور و فکر نہیں کرتے
حَقٌّ	سچ بالکل درست اور صحیح
يَبْدَاُ	وہ شروع کرتا ہے
يُعِيْدُ	وہ لوٹاتا ہے، واپس لاتا ہے
لِيَجْزِىَ	تا کہ وہ بدلہ اور جزا دے
اَلْقِسْطُ	انصاف، عدل و انصاف
شَرَابٌ	ہر پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں
حَمِيْمٌ	گرم، کھولتا ہوا پانی

تشریح: آیت نمبر ۳ تا ۴

سورۂ یونس کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ان غلط اور باطل عقیدوں کی پر زور تردید فرمائی ہے جن میں

وہ ایک اللہ کے قائل ہونے کے باوجود بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر وہ بت اللہ کی بارگاہ میں ان کی سفارش نہیں کریں گے تو ان کی بات قبول نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ انسان کا اپنا من گھڑت خیال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے دور نہیں ہے بلکہ ان کی رگ جان سے بھی قریب ہے۔اس اللہ کو اس کائنات میں ہر طرح کی قدرتیں حاصل ہیں اسی نے اس کائنات کے ذرے ذرے کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور وہی سب کا معبود ہے۔اس نے اپنی قدرت سے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے۔عرش سے لے کر فرش تک پورے نظام کو وہ اپنی تدبیر و حکمت سے چلا رہا ہے۔اس کے اختیار اور قدرت میں کوئی شریک نہیں ہے وہ اس کائنات کے ہر معاملے کا کسی کی شرکت اور مداخلت کے بغیر تدبیر وانتظام کر رہا ہے۔اس کے انتظام میں شرکت تو بڑی بات ہے اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر لب ہلانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔لہٰذا وہی ایک ذات ہے جو عبادت و بندگی کی مستحق ہے۔سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔پھر وہ اپنے عدل وانصاف سے نیک چلن اور اعمال صالح کے پیکر ایمان والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔اور جنہوں نے کفر وانکار کی روش اختیار کر رکھی ہوگی وہ ان کو نہ صرف ایک دردناک عذاب دے گا بلکہ میدان حشر میں اور جہنم میں شدید پیاس کو بجھانے کے لئے کھولتا ہوا پانی دے گا جو ان کے لئے مزید اذیت ناک سزا ہوگی۔زمین وآسمان کو اچانک بنا کر کھڑا نہیں کر دیا گیا۔حالانکہ اس کی بارگاہ میں ”کن“ کہنے کی دیر ہوتی ہے اور ہر چیز وجود اختیار کر لیتی ہے لیکن زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نے اس کائنات کو بتدریج بنایا ہے کیونکہ اس کا قانون ہی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو بتدریج پیدا کرتا ہے۔ایک گٹھلی کو درخت بننے میں ایک وقت لگتا ہے اگر وہ چاہتا تو یہی کام ایک لمحہ میں بھی ہو سکتا تھا مگر اس کے قانون کے خلاف ہے۔یہی قانون پوری کائنات میں رائج فرما دیا ہے کہ ہر چیز اپنے وقت پر آہستہ آہستہ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔اس سے کیا مراد ہے۔بعض مفسرین نے اس سے مراد چھ دن کو لیا ہے۔لیکن بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس دنیا کے ماہ وسال اور دن اللہ کے ماہ وسال اور دنوں سے مختلف ہیں مثلاً سورۂ حج کے چھٹے رکوع میں فرمایا گیا ہے:

”وَاِنَّ یَومًا عِندَ رَبِّکَ کَاَلفِ سَنَۃٍ مِمَّا تَعُدُّونَ“

ترجمہ:۔ اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسا کہ تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال۔

اگر اس آیت کو سامنے رکھا جائے تو چھ دن سے مراد چھ ہزار سال بھی ہو سکتے ہیں۔اس لئے بعض مفسرین نے چھ دن سے مراد چھ ہزار سال یا چھ مدتیں قرار دی ہیں۔ بہر حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے چھ دن چھ ہزار سال یا چھ مدتیں۔بہر کیف اللہ نے اس کائنات کو ایک تدریج اور حسن انتظام سے پیدا فرمایا ہے۔ چھ دن سے ممکن ہے اس غلط عقیدہ کی طرف اشارہ ہو جو یہودیوں نے گھڑ رکھا تھا۔یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر وہ اللہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اس نے ساتویں دن آرام کیا۔(نعوذ باللہ) اللہ نے فرمایا کہ اس نے بے شک کائنات کو چھ دن میں پیدا کیا

لیکن ساتویں دن آرام نہیں کیا کیونکہ نیند، اونگھ اور آرام سے وہ اللہ بے نیاز ہے بلکہ چھ دن یا چھ مدتوں میں کائنات کو پیدا کر کے اس نے پوری کائنات میں اپنی قدرت کے حسن انتظام کو جاری فرما دیا۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۞ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُونَ ۞

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ۶

وہی تو ہے جس نے سورج کو چمک اور چاند کو روشن کیا اور اس نے ان کے گھٹنے اور بڑھنے کی منزلوں کو مقرر کر دیا تا کہ تم برسوں کی گنتی اور تاریخوں کا حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے ہر چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ وہ اپنی آیتوں کو ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے بیان کرتا ہے جو علم و دانش رکھتے ہیں۔

بے شک رات اور دن کے آنے جانے میں اور ہر اس چیز میں جسے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ایسے لوگوں کے لئے (ہزاروں) نشانیاں موجود ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵ تا ۶

ضِیَاءٌ — روشنی، چمک، اجالا

نُوْرٌ — چمک دار، روشن

قَدَّرَ — اس نے مقرر کر دیا

اَلسِّنِیْنَ — (سن) سال، کئی برس

یُفَصِّلُ — وہ تفصیل بیان کرتا ہے، کھول کر بیان کرتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ۶

جو شخص بھی غور و فکر کی صلاحیتوں سے کام لے کر ذرا بھی تدبیر کرے گا اس کو اس کائنات میں ایک خاص نظم و ضبط نظر آئے گا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اس پورے نظام کائنات کو کوئی ہستی ہے جو چلا رہی ہے۔ حکومتیں، افراد، موسم اور حالات بدلتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے نظام میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔ سورج دھک رہا ہے، چاند چمک رہا ہے، ستارے اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں رات اور دن آسمان و زمین اسی طرح اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے کام کر رہے تھے۔ ماہ و سال کا ایک کیلنڈر اپنے سامنے رکھ لیجئے پھر دیکھئے کہ سورج چاند کے نظم و انتظام میں ایک منٹ اور ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوگا۔ اس سے زیادہ اور کیا نظم اور انتظام ہوگا کہ اگر آپ کے پاس ایسے آلات موجود ہوں جن سے موسم کی تبدیلیوں کا مطالعہ کر سکیں تو آپ ایک مہینہ پہلے بھی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کب اور کہاں بارش ہوگی۔ اور کہاں سورج نکلے گا وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ جن لوگوں کے پاس یہ ذرائع موجود ہیں وہ لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ فلاح وقت بادل چھائے رہیں گے فلاں وقت بارش ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اس میں انسان کا صرف اتنا ہی کمال ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کو بیان کر دے ورنہ چاند سورج اور ستاروں وران کی رفتار میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جو "حی و قیوم" ہے اور وہ تنہا اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔ اہل علم و تقویٰ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اللہ کے ہر کام میں ایک مصلحت ہے۔ نظم و انتظام اور مقصدیت ہے۔ اس نے ایک ذرے کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ اس کی کائنات ہے وہ جب تک چاہے گا اس انتظام کو چلائے گا اور جب چاہے گا زمین و آسمان اور کائنات کی تمام صلاحیتوں کو لپیٹ کر رکھ دے گا۔ اور درہم برہم کر دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُونَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۱۰

بے شک وہ لوگ جو ہم سے (قیامت کے دن) ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر مطمئن اور خوش ہیں۔ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برت رہے ہیں، جو کچھ وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے راہ ہدایت عطا کرے گا اور وہ ان کو ایسی راحت بھری جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔

وہاں ان کی زبان پر ایک ہی پکار ہوگی "**سُبحانک اللّٰھُمَّ**" (اے میرے اللہ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے) اور ان کا آپس میں سلام "**سَلامٌ علَیکُم**" ہوگا اور ان کی ہر بات کا خاتمہ اس طرح ہوگا "**اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین**" (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں)۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۱۰

لَا یَرْجُوْنَ	وہ امید نہیں رکھتے
لِقَآءٌ	ملاقات
اِطْمَاَنُّوْا	وہ مطمئن ہو گئے
مَاْوٰی	ٹھکانا
یَکْسِبُوْنَ	وہ کماتے ہیں، حاصل کرتے ہیں
یَھْدِیْ	وہ ہدایت دیتا ہے، راستہ دکھاتا ہے
اَلنَّعِیْمُ	راحتوں سے بھرپور
سُبْحَانَ	بے عیب ذات، جس میں کوئی خرابی نہ ہو
تَحِیَّۃٌ	دعا
دَعْوٰی	پکار، دعا، فریاد

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۱۰

جب اللہ تعالیٰ، اس کے آخری رسول اور نبی ﷺ اور آخرت کی ابدی زندگی پر پختہ یقین وایمان اور اس کا شعور انسانی سیرت وکردار کی روح نہ بن جائے اس وقت تک ایسے بہترین اور صالح اعمال جو اس کو دنیا وآخرت میں فائدہ دے سکتے ہیں سرزد ہو ہی نہیں سکتے۔ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص جو ایمان نہیں رکھتا۔ نہ تو اس کا آخرت پر یقین ہے اور نہ وہ اللہ ورسول کو مانتا ہے مگر اس کے اخلاق، معاملات اور کردار بہت بلند ہوں وہ لوگوں کی نگاہ میں ایک اچھا انسان سمجھا جاتا ہو۔ شریعت کی نگاہ میں ایسے آدمی کے اچھے اعمال کی قدر ہے وراس کو اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ مگر اس دنیا کی حد تک اِس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ دنیا میں اس کا بدلہ یہ ہے کہ لوگ اس کی تعریفیں کریں گے اس کو ایک اچھا انسان سمجھیں گے۔ قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ لیکن موت کی گود میں سوتے ہی اس کے تمام معاملات ختم ہو جائیں گے۔ ایسا آدمی آخرت میں خالی ہاتھ ہوگا۔ دین اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اگر یہ شخص یہ تمام اعمال صالح ایمان کے ساتھ کرتا۔ اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لا کر حسن عمل کا مظاہرہ کرتا تو اس کو دنیا کی زندگی کے بعد آخرت میں بھی یہ اعمال کام آتے۔ دین اسلام کی تعلیمات سے یہ سچائی بھی سامنے رہنی چاہیے کہ دنیاوی زندگی بہت تھوڑی سی ہے جو کسی نہ کسی حد تک پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔ لیکن آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے جس کی حد اور انتہا کوئی نہیں ہے۔ وہ ایسی ابدی زندگی ہوگی جہاں موت کو بھی موت آجائے گی۔ جس کے جیسے اعمال ہیں اس کو ایسا ہی بدلہ دیدیا جائے گا۔ جو ایمان ویقین کے پیکر ہوں گے ان کے لئے جنت اور اس کی ابدی راحتیں مقدر کر دی جائیں گی اور جو کفر وشرک اور نفاق میں مبتلا رہے ہیں ان کو جہنم کی ابدی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

ان آیات میں ان ہی دو جماعتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے:

ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اس دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے آخرت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فرمایا کہ وہ اپنے اس خیال پر اس قدر مطمئن اور خوش ہیں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے مہربان رب کی ملاقات کی بھی امید نہیں رکھتے۔ انہیں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر پوری زندگی کا حساب کتاب پیش کرنے کا بھی کوئی ڈر نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام یہ ہے کہ اس ہمیشہ کی زندگی میں وہ ہمیشہ جہنم کی آگ کا ایندھن بنے رہیں گے۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کا پیکر ہوں گے جو ہر نیک اور بھلے کام کو صرف اس لئے کرتے تھے کہ کوئی دیکھے نہ دیکھے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے وہ محض اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کی رضا وخوشنودی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ جنہیں قدم قدم پر یہ فکر رہتی تھی کہ انہیں ایک نہ ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ جو اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ومحبت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو سعادت سمجھتے تھے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا انجام آخرت کی ابدی راحتیں، سکون واطمینان ہوگا۔ وہ ایسی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جہاں ہر شخص ایک دوسرے پر سلامتی بھیجتا ہوگا جہاں فضول باتوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا سب سے بڑی سعادت ہوگی۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۚ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۲

اور اگر اللہ بھی خرابی پہنچانے میں جلدی کرتا جس طرح وہ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی عمل کی مہلت ختم کردی جاتی۔ پھر وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ان کو ہم ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ اسی میں بھٹکتے رہیں۔

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہر حال میں ہمیں ہی پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس سے تکلیف اور پریشانی دور کردیتے ہیں تو پھر وہ (منہ پھیر کر) اس طرح چلتا ہے جیسے اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اور اس طرح حد سے گذر جانے والوں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوبصورت بنادیا جاتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱ تا ۱۲

یُعَجِّلُ	وہ جلدی بھیجتا ہے
اِسْتِعْجَالٌ	وہ جلدی مانگتے ہیں
نَذَرُ	ہم چھوڑ دیتے ہیں

طُغْیَانٌ	سرکشی، نافرمانی
یَعْمَهُوْنَ	وہ بھٹکتے ہیں، گھومتے ہیں
کَشَفْنَا	ہم نے کھول دیا (تہس نہس کیا)
مُسْرِفِیْنَ	حد سے بڑھ جانے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۱ تا ۱۲

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو بہت سی عظمتیں عطا فرمائی ہیں روحانی بھی اور جسمانی بھی۔ روحانی تو ایسی کہ اس کو فرشتوں کا مسجود بنا دیا تمام فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ انسان کی عظمت کے سامنے سب کے سب سجدہ کریں۔ جب شیطان نے انسان کی عظمت کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تو اس کو قیامت تک اپنی بارگاہ سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح جسمانی اعتبار سے بھی اس کو 'احسن تقویم' یعنی بہترین سانچوں میں ڈھال کر بنایا ہے خشکی کے دشوار گذار راستوں کو طے کرنے سمندر کی گہرائیوں میں اترنے، پہاڑوں کے سینے چیرنے اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا بڑا حوصلہ اور ہمت ہے لیکن دوسری طرف اس کی کچھ فطری کمزوریاں بھی ہیں مثلاً جلد بازی کرنا اور جلد از جلد کسی نتیجے کو حاصل کرنے کی خواہش کرنا اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ذرا کوئی خوشی مل گئی تو چہرہ کھل اٹھا۔ دل اسی خوشی میں مگن ہو گیا اور اگر اس پر کوئی مصیبت آن پڑی تو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور کروٹیں بدل بدل کر ہر پہلو پر اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ حالات کے بھنور سے نکل جاتا ہے تو پھر سے اپنی شرارتوں میں بدمست ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے خالق و مالک کو بھول کر کفر و شرک تک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور مکہ کے کفار کو بت پرستی اور من گھڑت مذہبی رسموں، جہالت کی تاریکیوں اور آپس کی خوں ریزیوں سے روکنے اور دین اسلام پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی تو اپنے ہی غیر بن گئے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ طرح طرح سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپ کو مدینہ منورہ گئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مکہ میں شدید قحط پڑ گیا۔ مکہ کے لوگوں کو شدید اذیت ناک حالات سے گذرنا پڑا یہاں تک کہ جب کھانے کو کچھ نہ ملا تو مردار جانور تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔

جب حالات شدید تر ہو گئے اور قحط نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو کفار مکہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم پر یہ ساری آفتیں صرف اس لئے آ رہی ہیں کہ ہم نے حضرت محمد ﷺ کو ہر طرح ستایا اور اس نعمت کی قدر نہ کی۔ چنانچہ ابوسفیان جو اس وقت

تک مسلمان نہ ہوئے تھے ان کی قیادت میں ایک وفد مدینہ بھیجا گیا۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ پہنچ کر مکہ کے لوگوں کی شدید تکالیف اور قحط کا تذکرہ کیا۔ نبی رحمت ﷺ نے اس موقع پر ان کے ظلم و ستم کو نظر انداز کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ مکہ والوں کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے باوجود ہر ممکن مدد کی اور امدادی سامان جمع کر کے مکہ والوں کے لئے بھیجا۔ نبی مکرم ﷺ کفار مکہ کی تکلیفوں پر بے چین ہو گئے۔ یقیناً آپ نے اللہ سے دعا بھی کی ہوگی۔ بہر حال جب مکہ والوں پر تکالیف اور قحط کی شدت ختم ہوگئی تو انہوں نے اپنے کفر و شرک میں اور شدت اختیار کرلی۔ دلوں کی نرمی کے بجائے ان کے دل اور بھی سخت ہو گئے۔ تو یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اللہ کو پکارتا ہے۔ روتا ہے اور چلاتا ہے اسے کسی کروٹ چین نہیں آتا۔ لیکن جیسے ہی حالات درست ہو جاتے ہیں تو وہ پھر سے اپنی سرکشی اور نافرمانی میں لگ جاتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اللہ تو اپنے بندوں پر بہت ہی رحیم و کریم ہے اور حلیم بھی ہے کہ اپنے بندوں کے ہر گناہ پر فوراً ہی گرفت نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائیں۔

حالانکہ اللہ کی قدرت سے یہ باہر نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو پکڑنے پر آئے تو کوئی اس سے چھڑا نہیں سکتا مگر وہ حکیم، رحیم اور حلیم لوگوں کو سنبھلنے اور راستہ تلاش کرنے کا پورا پورا موقع عطا فرماتا ہے۔

اس موقع پر غور کرنے کی بات ہے کہ یہ تو کفار کا انداز زندگی ہے کہ جب ان پر کوئی آفت اور مصیبت آتی ہے تو وہ روتے اور چلاتے ہیں اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ ہی کو پکارنے لگ جاتے ہیں لیکن ہمارا حال بھی تو اس سے مختلف نہیں ہے۔ جب ہم زندگی کے پر پیچ راستوں میں پھنس جاتے ہیں تو دن رات اللہ کو پکارتے ہیں روتے چلاتے اور لوگوں سے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں لیکن جب ہم ان مصائب اور مشکلات سے باہر آ جاتے ہیں تو ہم بھی اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کو بھول کر مختلف اسباب کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں۔

ایک بیمار کو جب صحت مل جاتی ہے تو وہ ڈاکٹروں کی تعریف کرنے لگتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر یا حکیم صاحب نے ایسی دوا دی کہ مجھے دوبارہ زندگی مل گئی اور میں صحت مند ہو گیا۔ اگر کسی مقدمہ میں پھنس گئے تو اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا مقدمہ لڑا کہ فریق مخالف کے چھکے چھوٹ گئے اور میں مقدمہ جیت گیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مومن جس کا اللہ پر کامل یقین ہے جو اپنے معاملات کے لئے خود بھی دعائیں کر رہا تھا اور دوسروں سے بھی کرا رہا تھا کامیابی اور صحت کے بعد جب وہ غیر اللہ کی تعریف کرتا ہے تو وہ اللہ کو بھول جاتا ہے جس نے صحت اور کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کفر کے اس مزاج سے دور ہی رکھے اور ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان آیات میں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ اپنے رحم و کرم میں جتنی جلدی کرتا ہے اگر ہر ایک کو سزا دینے میں بھی جلدی کرنے لگے تو پھر انسان کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ انسان نافرمانیوں اور زیادتیوں میں حد سے بڑھ جاتا ہے لیکن اس سب کے باوجود وہ رحیم و کریم ہر ایک پر اپنے انعام و کرم کی بارشیں برساتا رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۴

اور یقیناً تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو تہس نہس کر دیا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے جس پر وہ ایمان نہ لائے اس طرح ہم مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں۔

پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۳ تا ۱۴

اَهْلَكْنَا	ہم نے ہلاک کیا
اَلْقُرُوْنُ	قومیں، نسلیں
نَجْزِيْ	ہم بدلہ دیتے ہیں
خَلٰٓئِفُ	قائم مقام، نائب، خلیفہ
لِنَنْظُرَ	تاکہ ہم دیکھیں

تشریح: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۴

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پوری وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے کہ نافرمانیوں، گناہوں

اور ظلم و بغاوت پر جری ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں کی فوراً ہی گرفت نہیں کرتا بلکہ وہ حلیم و کریم ہے وہ اپنے بندوں کو ایک خاص مدت تک مہلت عمل اور ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے تاکہ وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے لئے بہتر اور مناسب راستہ کا انتخاب کر سکیں۔ لیکن اگر پھر بھی وہ اپنی روش زندگی کو تبدیل نہیں کرتے تب ان پر اللہ کا فیصلہ آ جاتا ہے اور ساری قوتوں اور طاقتوں کے باوجود تباہ و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ شان کریمی ہے کہ وہ غفلت اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی اصلاح کے لئے ایسے پاکیزہ نفس انسانوں یعنی اپنے رسولوں اور نبیوں کو بھیجتا رہا ہے جنہوں نے ان کو گناہوں کی دلدل سے نکالنے اور برے انجام سے بچانے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ تمام پیغمبروں کے بعد اللہ تعالیٰ نے فخر کائنات نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری رسول اور آخری نبی بنا کر بھیجا جنہوں نے بہت تھوڑی مدت میں ایسے لاکھوں جاں نثاروں کی پاکیزہ جماعت تیار فرمائی جو قیامت تک زندگی کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اب چونکہ نبوت و رسالت کا دروازہ قیامت تک کے لئے بند ہو چکا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے انتظامات فرما دیئے ہیں کہ قرآن و سنت اور اس کی تعلیمات قیامت تک محفوظ رہیں گی اب حاملین قرآن و سنت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح ساری دنیا میں ان سچائیوں کو پھیلانے کے ذمہ دار بنا دیئے گئے ہیں۔

چونکہ قرآن کریم کے مخاطب اول مکہ مکرمہ کے لوگ ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ مکہ والوں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے مکہ کے لوگو! تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ تم سے پہلے بہت سی وہ قومیں گذر چکی ہیں جن کی بستیوں پر سے تم گذرتے ہو۔ ان کے کھنڈرات اس بات کے گواہ ہیں کہ ہر طرح کی قوت و طاقت رکھنے کے باوجود جب انہوں نے نافرمانیوں اور بدکاریوں کے طریقے اختیار کئے اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی نافرمانی کی تو پھر ان پر وہ عذاب مسلط کئے گئے جن سے انہیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مکہ والو! اگر تم نے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے دامن اطاعت سے وابستگی اختیار کر لی تو تمہاری نجات کا سامان ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ان کی نافرمانی کی گئی تو قیامت تک تم اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاؤ گے۔ ان آیات میں جہاں مکہ والوں سے خطاب ہے وہیں قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو بھی بتا دیا گیا ہے کہ تاریخ کے اس آئینہ میں تم اچھی طرح دیکھ لو کہ جن قوموں نے ظلم، بغاوت اور نافرمانیوں کے راستے کا انتخاب کیا وہ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ اب تم گذشتہ قوموں کے بعد ان کی جگہ پر موجود ہو دیکھا یہ جائے گا کہ تم اللہ کے سامنے اپنے حسن عمل یا فرماں برداری کا انداز اختیار کر کے اپنا نامہ اعمال کس طرح مرتب کرتے ہو؟

اگر تم نے بھی وہی روش اختیار کی جس کی وجہ سے پچھلی قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں تو پھر اللہ کی سنت یعنی اس کا متعین اور اٹل قانون یہ ہے کہ جہاں وہ حسن عمل کرنے والوں کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بے انتہا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے وہیں جب وہ نافرمانیوں پر گرفت کرتا ہے تو اس سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۷

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہیں ہم سے ملنے کی توقع نہیں ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آ ؤیا اس کو بدل دو۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے (اپنی خواہش سے) اس میں کچھ بھی تبدیل کرسکوں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا تو مجھے ایک بہت بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو یہ قرآن میں تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر نہ کرتا۔ کیونکہ میں نے تمہارے اندر (رہ کر) اس سے پہلے ایک عمر گذاری ہے۔ کیا تم پھر بھی عقل نہیں رکھتے۔ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو مجرم ہیں کبھی فلاح نہ پاسکیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵ تا ۱۷

تُتْلٰی — تلاوت کی گئی، پڑھی گئی

اِئْتِ	لے آ
غَیْرُ ھٰذَا	اس کے سوا
بَدِّلْ	بدل دے، تبدیل کردے
تِلْقَائِ نَفْسِیْ	اپنی طرف سے، اپنی خواہش سے
یُوْحٰی	وحی کی گئی ہے
عَصَیْتُ	میں نے نافرمانی کی
تَلَوْتُ	میں نے پڑھا، (تِلَاوَۃٌ)، پڑھنا (ماضی کا صیغہ ہے)
اَدْرٰی	جتایا، ماضی کا صیغہ اِدْرَاءٌ سے، دِرَایَۃٌ کے معنی سمجھ لینا
لَبِثْتُ	میں نے گزاری ہے، میں رہا ہوں
عُمُرٌ	عمر تک
اِفْتَرٰی	جس نے گھڑا
لَا یُفْلِحُ	وہ فلاح نہیں پاتا، وہ کامیاب نہیں ہوتا

تشریح: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۷

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہدایت ہے جو اس نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی جس کی اتباع اس کو پڑھ کر سنانے اس کو سکھانے اور اس کے علم و حکمت کے ذریعہ دلوں کو نور ایمانی سے سنوارنے اور نکھارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا آپ نے قرآن کریم کے نور سے ان کے دلوں کو منور و روشن کر دیا۔

قرآن کریم میں ایک طرف تو علم و حکمت کے اصولوں کی وضاحت فرمائی گئی ہے دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے کفار کی بری رسموں اور بتوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ابتداء میں کفار مکہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ کوئی وقتی نعرہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک سے ہر شخص کا ذہن بڑی تیزی سے متاثر ہو رہا ہے تب ان کو فکر لاحق ہو گئی اور انہوں نے ان تمام لوگوں کو جن کے دل نور ایمانی سے منور ہو چکے تھے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کر دیں اور پھر ان کا ظلم و ستم بڑھتا ہی چلا گیا۔ لیکن جب کفار مکہ نے یہ دیکھا کہ ان ظلم و ستم کے طریقوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے تو انہوں نے پر فریب مصالحت کے طریقے نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اے

محمد ﷺ آپ صرف ہمارے بتوں میں سے بعض کو ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے۔ اس پر جبرئیل امین سورہ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے برأت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے (حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت صالح)

درحقیقت کفار مکہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب کہ ہماری نسل، قوم، قبیلہ، زبان اور علاقہ ایک ہے تو پھر ہم آپس میں لڑ کر کمزور کیوں ہوں لہٰذا باہمی اتحاد کا راستہ نکال لیا جائے کہ ''ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبودوں کی عبادت و بندگی کر لیا کریں گے (قرطبی)

یہ اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا وہی پرفریب نعرہ ہے جو آجکل بھی لگایا جاتا ہے۔ شدید انتشار اور اختلاف پیدا کرنے والے ہی لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ''اتحاد'' کی باتیں کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ دین اسلام سب سے زیادہ اتحاد و اتفاق، باہمی محبت، حسن سلوک اور رواداری کا قائل ہے بلکہ اس دین کا تو بنیادی مقصد ہی انسانوں کو ایک لڑی میں پرونا ہے لیکن انسانی حقوق کی حد تک یہ بات محدود ہے۔ اللہ کے قانون اور اصول دین میں کسی قوم سے مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایک مرتبہ سرداران مکہ حضور اکرم ﷺ کے چچا کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر محمد ﷺ ہمارے بتوں اور ہماری رسموں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم ان کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ دولت سے مالا مال بھی کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ عرب کی کسی بھی حسین لڑکی سے نکاح کے خواہش مند ہوں تو ہم ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ مگر آپ کا ہر موقع پر ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ اگر تم چاند اور سورج بھی میری ہتھیلی پر لا کر رکھ دو تب بھی میں اس دین کی سچائی کو پھیلانے سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹوں گا۔ ان ہی کوششوں میں سے ایک کوشش یہ بھی تھی جو زیر تشریح آیات میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

ان کا قیاس یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) قرآن کریم آپ کی تصنیف ہے جس کو خود آپ نے بنا کر پیش کر دیا ہے۔ جس کو زور آور بنانے کے لئے اللہ کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ فرمائش کی کہ اے محمد ﷺ یا تو اس قرآن کو تم بدل دو یا کم از کم اتنی ترمیم تو کر دو کہ جس میں ہمارے بتوں کو برا نہ کہا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس حقیقت کو واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہلوا دیا کہ اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری مجال نہیں کہ اللہ کے اس کلام کو میں اپنی مرضی سے بدل دوں یا اس میں ترمیم کر دوں بلکہ میں تو خود اس وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اگر میں نے بھی اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو (جو کہ ممکن ہی نہیں ہے) میں بھی ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ کلام تو اللہ نے نازل فرمایا ہے اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ میں اس قرآن کو تمہارے سامنے پڑھ سکتا اور نہ وہ میرے ذریعہ تمہیں اس سے باخبر کرتا۔ میں نے تمہارے اندر زندگی کا ایک بڑا حصہ گذارا ہے کیا تم اتنی بات سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

ان آیات میں یہ ارشاد ہے ''کہ میں نے تمہارے درمیان زندگی کا ایک حصہ گذارا ہے'' یہ خود قرآن کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ مکہ کا ہر شخص اس بات سے واقف تھا کہ آپ نے چالیس سال کی عمر میں جس سچائی کا اعلان کیا ہے وہ جن

آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔اس سے پہلے کسی نے بھی ان کی زبان مبارک سے نہ سنی تھیں نہ آپ نے کسی سے ایک حرف بھی سیکھا تھا وہ لکھے ہوئے ورق کو پڑھ بھی نہیں سکتے تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ اچانک آپ کی زبان مبارک سے ان آیات کی تلاوت شروع ہو جائے جو ایک کھلا ہوا معجزہ ہے اور جس کے لئے یہ کھلا چیلنج موجود تھا کہ تمام انسان اور جنات اور ان کے حمایتی قرآن کریم کی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتے۔ یہ علم وحکمت کا سمندر جو بہنا شروع ہوا ہے یقیناً یہ اسی اللہ کا کلام ہو سکتا ہے جو کائنات کے تمام علوم کا جاننے والا ہے۔اس سے اس بات کو بھی ثابت کرنا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ صادق وامین ہیں۔آپ نے کبھی دنیا کے کسی معاملے میں جھوٹ نہیں بولا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آخرت کے معاملہ میں جھوٹ بولیں گے جس میں آپ کا کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے تکلیفوں، فاقوں اور مشکلات کے کچھ بھی نہیں۔لہٰذا اہل مکہ کا یہ کہنا کہ یہ آپ کی تصنیف ہے یا آپ نے خود ہی اس قرآن کو گھڑ لیا ہے یہ نہ صرف کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایک ایسی تہمت اور الزام ہے۔جس کو ظلم عظیم ہی کہا جا سکتا ہے۔

قرآن کے نور ہدایت کی سچائی یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے وہی اس کا محافظ ہے اور یہی وہ کتاب ہدایت ہے جس میں سارے انسانوں کی بھلائی پوشیدہ ہے اور قرآن کریم کا انکار کرنا بدترین زیادتی ہے جس کی سزا آخرت کا عذاب ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۸

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان (بے حقیقت بتوں) کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جو ان کو نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کہتے یہ ہیں کہ اللہ کے پاس یہ ہمارے سفارشی ہیں (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو کوئی ایسی خبر دے رہے ہو جس کا اسے آسمانوں اور زمین میں علم تک نہیں ہے۔(یاد رکھو) اس کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اور ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے جنہیں تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر۱۸

یَعْبُدُوْنَ	وہ عبادت وبندگی کرتے ہیں
لَا یَضُرُّ	وہ نقصان نہیں پہنچاتا ہے
لَا یَنْفَعُ	وہ نفع نہیں دیتا ہے
شُفَعَاءُ	(شَفِیْعٌ) سفارش کرنے والے
اَتُنَبِّئُوْنَ	کیا تم خبر دیتے ہو؟
تَعَالٰی	بلند وبرتر

تشریح: آیت نمبر۱۸

کفار مکہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ یا تو اس قرآن کو بدل دو یا اس میں ایسی ترمیم کر دو جس سے ہمارے بتوں کی عبادت وبندگی کی گنجائش نکل آئے اور ہمارے درمیان کے اختلافات دور ہو جائیں۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا بھر پور انداز میں جواب ارشاد فرمایا تھا اس آیت میں اللہ نے ان نا سمجھ پتھروں کے پجاریوں سے یہ فرمایا ہے کہ بے عقلی کی انتہا یہ ہے کہ وہ بت جو اپنے وجود کے لئے بھی انسانی ہاتھوں کے محتاج ہیں کہ اگر وہ ان پتھروں کو تراشنا چھوڑ دیں تو دنیا میں ان کے معبودوں کا وجود تک ختم ہو کر رہ جائے۔ ایسے بے بس اور لاچار پتھروں کے یہ بت انسان کو نا تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی طرح کا نفع پہنچانے کی امید کی جاسکتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اس کائنات کے خالق اور مالک پر ایمان رکھتے ہیں وہی سب کچھ کرتا ہے لیکن یہ بت جب تک ہماری سفارش نہ کر دیں وہ خالق و مالک بھی ہماری دعاؤں کو نہیں سنتا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف انداز میں اس کا یہ جواب عنایت فرمایا کہ اللہ جو کائنات کی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے جو ہر شخص کی پکار کو براہ راست سنتا ہے اور ان کی فریادوں کو پہنچتا ہے اس کی بارگاہ میں بات پہنچانے کے لئے وہ دنیاوی وسیلوں کا محتاج نہیں ہے وہ تو انسانوں سے اتنا قریب ہے کہ رگ جاں بھی انسان سے اتنی قریب نہیں ہے۔ پھر وہ کون سے سفارشی تلاش کر کے لا رہے ہیں جس کی وہ اطلاع اس علیم وخبیر ذات کو دے رہے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

اس آیت میں ان بت پرستوں پر ایک گہرا طنز بھی ہے کہ اللہ کو اس کائنات کی ہر چیز کا علم ہے جن بتوں کو تم اللہ کی بارگاہ میں سفارشی سمجھتے ہو انہیں تو اللہ جانتا تک نہیں ہے یعنی اللہ کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے پھر تم ان سے امیدیں لگائے کیسے بیٹھے ہو در حقیقت امید تو اس اللہ سے باندھنی چاہئے جو ہر طرح کی قدرت وطاقت رکھتا ہے اور کسی کی سفارش کا محتاج نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ

اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

ع ۲ / ۷

ترجمہ: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۰

تمام انسان ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ اور اگر ایک بات آپ ﷺ کے رب کی طرف سے طے نہ کردی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ اختلاف کررہے ہیں ان کے درمیان اس کا فیصلہ کردیا جاتا۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر اللہ کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کیا گیا آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر تو اللہ کو ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۹ تا ۲۰

اُمَّةٌ	جماعت، گروہ
سَبَقَتْ	گزر گئی، طے کردی گئی
قُضِيَ	فیصلہ کردیا گیا ہے
آيَةٌ	نشانی، معجزہ
اَلْغَيْبُ	بن دیکھی حقیقتیں
اِنْتَظِرُوْا	تم انتظار کرو

تشریح: آیت نمبر ۱۹ تا ۲۰

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:۔

۱) ابتداء میں سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ یعنی ان میں نہ تو نافرمانی اور شرک وکفر کے جذبات تھے اور نہ وہ زبان، رنگ ونسل، قوم اور قبیلہ میں تقسیم تھے بلکہ ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ بعد میں شیطان کے بہکانے سے ان میں عقیدہ اور فکروذہن کے اختلافات پیدا ہوگئے اور وہ مختلف قومیتوں میں تقسیم ہوگئے۔ اس طرح ایک امت کا وہ تصور دھندلاتا چلا گیا جس کے لئے انبیاء کرامؑ تشریف لاتے رہے۔ ان کو ان کی نافرمانیوں سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ سعادت مند لوگوں نے ان کی لائی ہوئی سچائی کو اپنایا لیکن بہت سوں نے نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو ان کی نافرمانیوں کی پوری پوری سزا اسی وقت دے سکتا تھا مگر اس حلیم وغفور نے یہ فیصلہ فرمارکھا ہے کہ نافرمانوں کو پوری سزا اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں دی جائے گی۔

امت اس انسانی جماعت کو کہتے ہیں جو اعتقادات میں یکساں ذہن وفکر رکھتی ہو جو رنگ ونسل، زبان اور علاقہ پرستی سے آزاد ایک دین کی سچائی کو ماننے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والوں کو ایک امت فرمایا ہے بلکہ امت وسط اور خیر امت کے القاب عطا فرمائے ہیں۔ امت وسط یعنی ایسی جماعت جس کے مزاج میں اعتدال اور توازن ہے۔ ''خیر امت'' یعنی دنیا کی تمام جماعتوں میں بہترین امت جو کسی خاص علاقے ملک یا نسل والوں کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے خیر اور بھلائی کی حامل بنائی گئی ہے۔ اس امت کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ ساری انسانیت کی بھلائی کے لئے ہر گناہ کی بات کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑنے اور نیکی کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتی ہے تا کہ تمام لوگ اللہ پر ایمان لانے والے بن جائیں۔

۲) ان آیتوں میں دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ''وہ کفار اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ جس طرح اور انبیاء کرامؑ پر معجزات نازل کئے گئے ہیں نبی مکرم ﷺ پر کیوں نازل نہیں ہوئے تا کہ ہم ان کو دیکھ کر ایمان لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب متعدد موقعوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ اگر معجزات دکھانے پر ہی ایمان لانے کا دارومدار ہے تو اس سے پہلے انبیاء کرام پر جب معجزات کو نازل کیا گیا تو ان کی قوموں نے ان کے معجزات کو دیکھ کر کیا ایمان قبول کر لیا تھا؟ درحقیقت یہ ایک ایسا عذر ہے ''اگر ہم معجزہ دیکھ لیں تو ایمان لے آئیں گے'' کہ جس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ جس کو ایمان لانا ہوتا ہے اس کو معجزات کے مطالبہ کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ دل کی گہرائیوں سے ایمان قبول کرتا ہے اور وہی پائیدار ہے۔

نبی کریم ﷺ سے بھی معجزات کا مطالبہ کیا گیا اور بلاشک وشبہ آپ سے بہت سے معجزات صادر ہوئے جن سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تو یہ قرآن کریم ہے جس کے سامنے عرب کے وہ بڑے سے بڑے شاعر بھی عاجز ہو کر رہ گئے تھے جو زبان پر قدرت رکھنے کی وجہ سے اپنے علاوہ ساری دنیا کو ''عجم'' گونگا کہتے تھے لیکن یہ قرآن کریم کا کتنا بڑا معجزہ ہے کہ دنیا کو گونگا کہنے والے قرآن کریم کے چیلنج کے باوجود قرآن کریم کے سامنے گونگے ہو کر رہ گئے تھے۔

۳) تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوادیا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ غیب کا سارا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ تمہارے مطالبہ پر میں انتظار تو کر سکتا ہوں اور کروں گا تم بھی منتظر رہو کہ تمہارے مطالبہ کا جواب کیا آتا ہے لیکن پھر وہ غیب سے کیا آنے والا ہے اس کا مجھے علم نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ "عالم الغیب" صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انبیاء کرام میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی خبریں دیتا ہے۔ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ غیب کی خبریں جتنی نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی گئی ہیں اتنی کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ مگر اس سے نبی کریم ﷺ کو "عالم الغیب" کہنا قرآن کی آیات کا صریح انکار ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۱ تا ۲۳

اور جب ہم مصیبتوں اور پریشانیوں کے بعد لوگوں کو نعمت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں شرارتیں کرنے لگتے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس مکر و فریب کی سزا

بہت جلد دینے والا ہے۔ یقیناً ہمارے فرشتے ان تمام شرارتوں کو لکھ رہے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

وہ اللہ ہی تو ہے جو خشکی اور تری میں تمہیں چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں (جہازوں) میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہواؤں کے ساتھ تمہیں لے کر چلتی ہیں اور تم خوشی کی کیفیت محسوس کرتے ہو کہ اچانک ہوا کا تیز (طوفان) جھونکا آتا ہے۔ ہر طرف سے بڑی بڑی موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے طوفان میں گھر چکے ہیں تب وہ پورے خلوص اور اعتقاد سے اللہ کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں (اس طوفان سے) نجات عطا کر دی تو ہم شکر گذار بن جائیں گے۔ پھر جب ہم ان کو بچا لیتے ہیں وہ لوگ ناحق زمین پر سرکشی اور نافرمانی شروع کر دیتے ہیں۔

اے لوگو! تمہاری نافرمانی و سرکشی تمہارے لئے وبال جان ہے۔ دنیا کی زندگی کے یہ مزے ہیں پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۱ تا ۲۳

اَذَقْنَا	ہم نے چکھا دیا
ضَرَّآءٌ	ضرر، نقصان، تکلیفیں مصیبتیں
مَسَّتْ	پہنچی
مَکْرٌ	شرارت، مکر و فریب
اَسْرَعُ	بہت جلد
یَکْتُبُوْنَ	وہ لکھتے ہیں
تَمْکُرُوْنَ	تم مکر و فریب کرتے ہو، تم شرارتیں کرتے ہو
یُسَیِّرُ	وہ چلاتا ہے
اَلْبَرُّ	خشکی، زمین
اَلْبَحْرُ	تری، سمندر
جَرَیْنَ	وہ چلتی ہیں
رِیْحٌ طَیِّبٌ	پاک ہوا یعنی موافق ہوا

فَرِحُوْا	انہوں نے فرحت اور خوشی محسوس کی
عَاصِفٌ	طوفانی ہوا، طوفان
اُحِيْطَ	گھیر لیا گیا
مُخْلِصِيْنَ	خالص کرنے والے
اَلدِّيْنُ	انصاف، اعتقاد
اَنْجَيْتَنَا	تو نے ہمیں نجات دے دی
يَبْغُوْنَ	وہ بغاوت و نافرمانی کرتے ہیں
بِغَيْرِ الْحَقِّ	ناحق، جس کا ان کو حق حاصل نہ تھا
مَتَاعٌ	سامان، زندگی کا لطف و کرم
نُنَبِّئُكُمْ	ہم تمہیں مطلع کریں گے

تشریح: آیت نمبر ۲۱ تا ۲۳

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ہر کام میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ایسے لوگ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں وہ جتنا شکر ادا کرتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں میں اور اجر آخرت میں اتنا ہی اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا کہ اللہ کو کیا پڑی ہے کہ اگر اس کے بندے اس کا شکر ادا کرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں کہ وہ ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

انسان کے ناشکرے پن کی عادت سب سے بری عادت ہے اور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ جب کوئی شخص مشکلات میں گھر جاتا ہے۔ کسی طوفان یا بھنور میں پھنس جاتا ہے اور نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص کسی سخت بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کو صحت کے آثار نظر نہیں آتے تو وہ اللہ کو پکارتا ہے، فریاد کرتا ہے۔ دوسروں سے دعائیں کراتا ہے اور جیسے ہی وہ مشکلات پریشانیوں بیماریوں سے اور طوفان کی بلاخیزیوں سے نکل آتا ہے تو اللہ کو بھول کر وہ ان اسباب کا ذکر کرنے لگتا ہے جن سے اس کو مصیبتوں سے نجات ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بری عادت کو نہ صرف ناپسند فرمایا ہے بلکہ شرک تک فرما دیا اور اس کو کفران نعمت قرار دیا ہے۔

ان آیات کے پس منظر میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اور آس پاس کے علاقوں میں زبردست قحط پڑ گیا تھا اور کئی سال سے بارش بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب حالات اس درجہ تک پہنچ گئے کہ وہ مردار تک کھانے پر مجبور ہو گئے تب انہوں نے

اپنے جھوٹے معبودوں اور بتوں کو چھوڑ کر اللہ سے فریاد کرنی شروع کردی۔ ایک وفد کو مدینہ منورہ بھیجا گیا جس نے نبی کریم ﷺ سے مدد کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ بارش کے لئے دعا کیجئے۔ نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے نہ صرف ان کی ہر طرح مدد کی بلکہ آپ ﷺ نے بارش کی دعا بھی فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول کرلیا۔ بارش ہوگئی اور قحط کے اثرات جاتے رہے تو پھر انہوں نے اپنے بتوں پر چڑھاوے چڑھانے شروع کردیئے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا شروع کردیا۔

ان آیات کو اس پس منظر میں دیکھا جائے یا آیت کے مفہوم کو عام رکھا جائے بہر حال یہ بات اپنی جگہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان پر جب مشکلات آتی ہیں تو اس کے دل سے ایک ہی آواز نکلتی ہے کہ اے اللہ میری اس مشکل کو آسان فرمادے۔ اور اللہ اس کی مشکلات کو آسان بھی فرمادیتا ہے لیکن پھر وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی ان مشکلات کو حل کرنے والی کونسی ذات تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکرادا کرتے رہنے، ذکر و فکر کرنے اور عبادت و بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

إِنَّمَا مَثَلُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۴ تا ۲۵

دنیا کی زندگی کی مثال تو ایسی ہے جیسے وہ پانی جسے ہم نے آسمان (بلندی) سے اتارا تو زمین کی پیداوار جس کو انسان اور جانور دونوں کھاتے ہیں جب خوب گھنی ہوگئی اور اس کی خوبصورتی و بہار پر رونق آ گئی اور اس کے مالک یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم ان سے فائدہ اٹھانے پر قدرت رکھتے ہیں کہ اچانک رات میں یا دن میں ہمارا حکم (فیصلہ) آ گیا۔ پھر ہم نے اس کو ایسا

تہس نہس کرڈالا کہ جیسے کل یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو ان لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اور اللہ تو (اپنے بندوں کو) سلامتی کے گھر (آخرت) کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا کرتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۴ تا ۲۵

مَثَلٌ	مثال
اِخْتَلَطَ	رل مل گیا
نَبَاتُ الْاَرْضِ	زمین کا سبزہ، پیداوار
اَلْاَنْعَامُ	مویشی، چوپائے
اَخَذَتْ	پکڑ لیا
زُخْرُفٌ	رونق
اَزَّيَّنَتْ	آراستہ ہوگئی، سنور گئی
ظَنَّ	گمان کرلیا
اَهْلٌ	مالک، (کاشتکار)
اَمْرُنَا	ہمارا حکم (فیصلہ)
حَصِيْدٌ	کٹا ہوا ڈھیر، کٹی ہوئی کھیتی
لَمْ تَغْنَ	آباد نہ رہی تھی، لم تَغن جو اصل میں لم تَغْنَا تھا آخر کا الف گر گیا تَغن کا معنی ہیں آباد ہونا، رہنا سہنا۔
اَمْسِ	جو کل گذر گئی اس کو امس کہتے ہیں
نُفَصِّلُ	ہم تفصیل (صاف صاف) بیان کرتے ہیں
يَدْعُوْا	وہ بلاتا ہے، پکارتا ہے، دعوت دیتا ہے
دَارُ السَّلَامِ	سلامتی کا گھر، (جنت، آخرت)
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	وہ راستہ جو بالکل سیدھا (منزل تک پہنچانے والا) ہو

تشریح: آیت نمبر ۲۴ تا ۲۵

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا ایسی روز مرہ کی مثالیں بیان کر کے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جس کو ہر شخص بہت آسانی اور سہولت سے سمجھ سکتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ زمین کا ایک ایسا خطہ ہے جہاں بارش نہ ہونے سے بے رونقی محسوس ہوتی ہے کہ اچانک بلندی سے زوردار بارش ہوتی ہے جس سے زمین میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے ہر طرف سرسبزی و شادابی بکھر جاتی ہے، درختوں پر ایک خاص نکھار اور پھبن آ جاتی ہے کھیت لہلہا اٹھتے ہیں اور کھیتوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ اب آدمی بڑا خوش ہوتا ہے اور اس تصور کے ساتھ پروگرام بناتا ہے کہ میری کھیتی تیار ہوگی، باغ کے پھل آئیں گے، میوہ اور اناج کے ڈھیر ہوں گے، اس پر کبھی کبھی ایسا ناز اور غرور چھا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین آدمی سمجھنے لگتا ہے لیکن اچانک ایک دن یا رات میں اللہ کا فیصلہ آ جاتا ہے اور اس کی وہ کھیتی نہ صرف برباد ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ اس کے تصورات اور تمنائیں بھی بکھر کر رہ جاتی ہیں اس کے کھیت اجڑ جاتے ہیں کہ جیسے کل یہاں کچھ بھی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعہ یہ سمجھایا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دن رات خوب محنت کر کے بہت سی دولت کمائی دنیا کے ڈھیر لگا لئے اس کے پاس دنیا کی دولت کی اس طرح ریل پیل ہوگئی کہ وہ سمجھنے لگا کہ مجھے زندگی میں جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا لیکن ایک دن اچانک زمین یا آسمانی حادثہ پیش آ جاتا ہے اور وہ سب کچھ جس کو وہ اپنا سمجھ رہا تھا اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے یا موت کا ایک پنجہ اس سے سب کچھ چھین لیتا ہے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ انسان جس چیز کو جس دنیا کو اور اس کے سامان کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کا ہے وہ بہت بڑی بھول میں ہوتا ہے۔ ان اسباب اور چیزوں میں کوئی عافیت، سلامتی اور پائیداری نہیں ہے بلکہ ایک حد پر جا کر یہ چیزیں اس سے چھین لی جاتی ہیں۔ سلامتی اور عافیت کا راستہ صرف وہ ہے جس طرف اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اس میں پائیداری ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کر لیجئے آپ کو ایک ہی بات ملے گی کہ کوئی بادشاہ یا دنیا کا طاقت ور ترین انسان ہو وہ موت کے سامنے بے بس ہے۔ جس دنیا نے اس کو فرعون، ہامان، شداد اور قارون بنا دیا آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں ان کی سلطنتیں، درباری اور دولت کے ڈھیر بھی نہیں ہیں اور وہ خاک کا پیوند بن چکے ہیں۔ اگر حکومت و اقتدار، مال و دولت، بڑی بڑی بلڈنگوں میں سلامتی کا کوئی پہلو ہوتا تو وہ برقرار رہتیں لیکن آج ان کا غرور اور کروفر سب خاک میں مل چکا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے سلامتی اور اسلام کا راستہ اختیار کر لیا وہ اگرچہ اپنے زمانہ میں انتہائی غریب و مفلس تھے لیکن اسی سلامتی کے راستے کو اختیار کرنے سے، صراط مستقیم پر چلنے سے

وہ اس مقام کے لوگ ہو گئے ہیں کہ جن کی طرف نسبت کرنے کو لوگ لائق فخر سمجھتے ہیں۔ پوری دنیا میں دیکھ لیجئے تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کر لیجئے آج تک دنیا میں کوئی شخص اپنی نسبت فرعون، ہامان، شداد اور قارون کی طرف نہیں کرتا۔ کوئی اس بات پر فخر نہیں کرتا کہ میں ابوجہل یا ابولہب کی اولاد ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی اولاد ہوتی تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرتی ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرتی لیکن جن لوگوں نے دامن مصطفیٰ ﷺ کو تھام لیا آج ان کی طرف نسبت کرنے کو قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔ صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی لکھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سلامتی اور عافیت کا راستہ اور صراط مستقیم صرف وہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اور آپ کے رسول ﷺ بلا رہے ہیں۔ اس راستے کے علاوہ ہر راستہ وہ ہے جو انسان کو اس دنیا میں اور آخرت میں عزت کا حقیقی مقام نہیں دلاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر سلامتی کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۗ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

النصف ع ٨ ٣

ترجمہ: آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

وہ لوگ جنہوں نے نیکی اور بھلائی کا راستہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی بھی ہے۔ اور فضل وکرم بھی۔ نہ ان کے چہروں پر کدورت ہوگی نہ ذلت ورسوائی، یہی لوگ جنتی ہیں جس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں وہ اپنی برائی کا بدلہ ویسا ہی پائیں گے جتنی انہوں نے برائی کی ہے البتہ ذلت ورسوائی ان پر مسلط ہوگی۔ ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانہ سکے گا۔ ان کی حالت یہ ہوگی جیسے ان کے چہروں پر رات کا اندھیرا اور سیاہی لپیٹ دی گئی ہے۔ یہی وہ جہنمی لوگ ہیں جو اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ دن (بھی کیا عجیب دن ہوگا) جب ہم ان سب کو جمع کر کے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ چنانچہ ان کے شریک (جن کی عبادت وبندگی کرتے رہے تھے) ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت وبندگی نہیں کرتے تھے اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے کیونکہ ہمیں تو تمہاری عبادت وبندگی کی خبر تک نہ تھی۔ اس جگہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کرلے گا۔ یہ لوگ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور وہ (جھوٹے) معبود جن کو انہوں نے تراش رکھا تھا وہ ان سے گم ہوجائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

اَلْحُسْنٰی — بھلائی، نیکی
لَا یَرْھَقُ — نہ ڈھانپ لے گی
قَتَرٌ — سیاہی، اندھیرا
کَسَبُوْا — انہوں نے کمایا
اَلسَّیِّئَاتُ — (سَیِّئَۃٌ)، برائیاں
عَاصِمٌ — بچانے والا
اُغْشِیَتْ — ڈھانپ لی گئی

قِطَعٌ	ٹکڑے
مُظْلِمٌ	سیاہی
نَحْشُرُ	ہم جمع کریں گے
مَكَانَكُمْ	تم اپنی جگہ رہو
زَيَّلْنَا	ہم پھوٹ ڈال دیں گے
هُنَالِكَ	اسی جگہ
اَسْلَفَتْ	اس نے پہلے سے کیا تھا
ضَلَّ	گم ہو گیا، گم ہو جائیں گے

تشریح: آیت نمبر ۲۶ تا ۳۰

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل جہنم یعنی اچھے اور برے اعمال کے نتائج اور انجام کی وضاحت فرمائی ہے۔ فرمایا کہ وہ دن جب سارے انسان میدان حشر میں جمع ہوں گے اس وقت اہل جنت کے چہرے تو چمک رہے ہوں گے جب کہ کفار، فساق اور مشرکین کے چہروں پر سیاہی اور تاریکی چھائی ہوئی ہوگی۔ اس دن ان پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ زندگی بھر وہ جن بتوں اور انسانوں کو اپنا معبود سمجھ کر ان کی عبادت و بندگی کرتے رہے ہیں وہ محض ان کے اپنے خیالات، توہمات اور خودساختہ جذبات تھے۔ پھر بھی ان کے دلوں میں ایک نامعلوم سی امید ہوگی کہ آخر وہ معبود جن کی ہم زندگی بھر عبادت و بندگی کرتے رہے ہیں ہمارے کچھ تو کام آئیں گے۔ خیالات کی اسی کشمکش میں ان کے جھوٹے معبود خود ہی بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ اس بات کے گواہ ہیں کہ جو لوگ ہماری عبادت و بندگی کرتے تھے انہوں نے ہمیں اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ ان کا اپنا فعل تھا۔ ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ ہمیں معبود کیوں بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے فہم و فکر کی غلطی تھی۔ اگر یہ کہیں سے پتھر اٹھا کر لے آئے اور اس میں اپنے ہاتھوں سے شکل صورت بنا کر انہوں نے سجدے کرنے شروع کر دیئے تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ اس کی سراسر ذمہ داری ان کے سروں پر ہے یہ سنتے ہی اہل جہنم کے چہرے اور بھی سیاہ پڑ جائیں گے کہ وہ معبود تو ہمارے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دوسری طرف اہل جنت ہوں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندگی گذاری ہوگی ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہوں گے۔ اس دن ان پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہوگا اور ان کے چہروں پر کسی طرح کی سیاہی یا ذلت و رسوائی

کا شائبہ تک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان پر جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ وہ بڑی عزت وسربلندی کے ساتھ ان جنتوں میں داخل ہوں گے اور یہ تصور ان کی خوشیوں میں اور اضافہ کردے گا کہ یہ آخرت کا گھر یہ جنت کی راحتیں انہیں وقتی طور پر نہیں دی گئی ہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عطا کردی گئی ہیں۔

جہاں اہل جنت کے لئے یہ تصور بڑا حسین ہوگا کہ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے وہیں اہل جہنم کی مایوسیوں کی انتہا یہ ہوگی کہ اب وہ کبھی اس آگ سے باہر نہ نکل سکیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۳

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ بتاؤ تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو تمہاری سماعت و بصارت (سننے اور دیکھنے کی طاقت) کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو جان دار کو بے جان سے اور بے جان کو جان دار سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کو چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ آپ کہئے کہ تم پھر بھی نہیں ڈرتے۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا سچا رب ہے پھر اس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کونسا راستہ رہ گیا ہے۔ تم کدھر پلٹے جارہے ہو۔ اس طرح (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی یہ بات سچ ثابت ہوگئی کہ (حقیقت جان کر بھی) یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱ تا ۳۳

اَمَّنْ کون ہے وہ؟
یَمْلِکُ مالک ہے
یُدَبِّرُ تدبیر کرتا ہے، کام چلاتا ہے
ذٰلِکُمْ اسی میں
اَنّٰی کہاں؟
تُصْرَفُوْنَ تم پلٹ رہے ہو
حَقَّتْ ثابت ہوگی، سچ ثابت ہوئی
فَسَقُوْا جنہوں نے نافرمانی کی

تشریح: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۳

انسان کی عقل اگر دنیاوی مفادات اور باپ دادا کی اندھی تقلید کے اثرات سے دھندلا نہ گئی ہو اور وہ خلوص سے اس کائنات کے نظام پر غور وفکر کرے گا تو اس کا دل، دماغ اور فکر چلا اٹھیں گے کہ اس کائنات کی ہر چیز کا بنانے والا، اس کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ ساتھی ہے وہ کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ ہر چیز ایک حکمت اور سلیقے سے بنائی گئی ہے۔ وہ خالق و مالک ہے اور وہی ہر طرح کی اطاعت و فرماں داری کا مستحق ہے۔ انسان جتنا بھی غور کرتا جائے گا اس کا دل و دماغ، عقل، قابلیت اور تفکر و تدبر کا ہر انداز اس کائنات کے پیدا کرنے والے اللہ کی ذات تک پہنچ جائے گا۔ دل و دماغ کی اس سچی آواز کے باوجود وہ پھر بھی اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے معبودوں اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے اس غلط تصور کے ساتھ جھک جاتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں کہ پیدا کرنے والا تو اللہ ہے مگر یہ سب ہمارے سفارشی ہیں اگر یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش نہیں کریں گے تو نہ ہماری دعائیں قبول ہونگی نہ ہماری خواہشیں اور آرزوئیں پوری ہوں گی۔ قرآن کریم میں بار بار اس سچائی کو دھرایا گیا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے اس کو پکارنے کے لئے کسی کی سفارش یا واسطوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو جہاں اور جس جگہ زور سے یا آہستہ سے پکارا جائے گا وہ ان کی پکار کو سن لے گا اور اس کو اس کا جواب بھی عطا فرمائے گا لہٰذا ایسے مہربان پروردگار سے جو کچھ مانگنا ہے براہ راست مانگا جائے۔ کفار مکہ اس بات کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے مگر ان کا گمان یہ تھا کہ ہم تو گناہ گار ہیں ہم اگر اللہ کی بارگاہ میں

عرض کریں گے تو وہ ہماری نہیں سنے گا۔ ہماری مرادیں پوری نہ ہوں گی لیکن اگر یہ بت ہماری سفارش کردیں گے تو اللہ بھی ان کی بات ماننے پر مجبور ہوگا۔ یہ وہ غلط عقیدہ تھا جس نے اولاد ابراہیمؑ کو بت شکن کے بجائے بت پرست بنا دیا تھا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سوالیہ انداز سے فرما کر اس کا جواب بھی دیدیا۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا ہے کہ یہ بتاؤ کہ آسمان اور زمین سے رزق کون عطا کرتا ہے؟ اس کی سننے اور دیکھنے کی طاقت کا مالک کون ہے؟ کون ہے جو ایک بے جان سے جان دار اور جان دار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے؟ کون اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے فرمایا کہ تم اور تمہارا دل چلا اٹھے گا کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والی ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں سچائی ہے اور اس سچائی کو تم زبان سے بھی کہتے ہو تو پھر اپنی عقلوں سے کام کیوں نہیں لیتے۔ یہی ایک سچائی ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور رازق صرف اللہ ہے۔ اس سچائی کے بعد تو صرف گمراہی اور جہالت ہی ہوسکتی ہے۔ فرمایا ہے کہ تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ ان حقائق اور سچائیوں کے باوجود آخر وہ کون لوگ ہیں جو تمہیں اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں اور تمہاری حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ اللہ کے خالق و مالک ہونے پر صرف دل ہی گواہ نہیں ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے لیکن جو اللہ کے نافرمان ہیں اور جنہوں نے اپنی عقل و فکر کو دوسروں کے حوالے کردیا ہے وہ نہ تو ایمان لائیں گے اور نہ برے انجام سے بچ سکیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۗ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۳۴ تا ۳۶

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جو (پہلی

مرتبہ) پیدا کر کے پھر اس کو دوبارہ پیدا کر دے۔ آپ کہہ دیجئے اللہ وہ ہے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔

آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو سچائی کا راستہ دکھاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیا وہ شخص جو سچائی کا راستہ دکھاتا ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے ہوئے کوئی راستہ نہ سوجھتا ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے (الٹے) فیصلے کرتے ہو۔

ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو بے بنیاد خیالات پر چل رہے ہیں۔ حالانکہ بے بنیاد باتیں سچائی کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتیں۔ بے شک اللہ ان تمام باتوں سے واقف ہے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۴ تا ۳۶

یَبْدَأُ	وہ ابتدا کرتا ہے
یُعِیْدُ	وہ لوٹاتا ہے، دوبارہ کرتا ہے
اَلْخَلْقُ	مخلوق، پیدا کرنا
اَحَقُّ	زیادہ حق دار ہے
اَنْ یُّتَّبَعَ	یہ کہ اس کی پیروی کی جائے، کہا مانا جائے
اَمَّنْ	یا وہ شخص
لَا یَهِدِّیْ	راستہ نہیں دکھاتا
تَحْکُمُوْنَ	تم فیصلہ کرتے ہو
اَلظَّنُّ	گمان، خیال، بے بنیاد بات
لَا یُغْنِیْ	بے نیاز نہیں کرتا، کام نہیں کرتا

تشریح: آیت نمبر ۳۴ تا ۳۶

آج کے انسان کو ان ترقیات پر بڑا ناز ہے جو اس نے ایجاد کی ہیں۔ فضاؤں پر ہواؤں پر زمین و آسمان کی گہرائیوں پر

اس کا کنٹرول ہے علمی اور تحقیقی انداز سے ان کی یہ کامیابیاں قابل قدر ہیں جو اس نے حاصل کی ہیں دین اسلام بھی ان ترقیات کا مخالف نہیں ہے لیکن ان چیزوں کی ایجادات سے انسان، اس کی تہذیب اور اخلاق کو جو نقصان پہنچ رہا ہے یا آئندہ پہنچنے کا امکان ہے اسلام ان کی شدید مخالفت کرتا ہے کیونکہ انسان نے کائنات کی چیزوں کو ترتیب دے کر بہت سی نئی اختراعات کی ہیں۔ لیکن جن چیزوں سے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے ان میں سے ایک چیز بھی انسان نے نہیں بنائی مثلاً اس کائنات میں مادہ اور قوت وطاقت یہ دو بنیادی چیزیں ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی چیز کو بھی انسان نے پیدا نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مادہ اور قوت کو فنا کر دے تو انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ آج کے انسان نے آوازوں، صورتوں اور شکلوں کو لہروں میں تبدیل کر کے لاکھوں کروڑوں میل بیٹھے ہوئے آدمی تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن وہ خود ان لہروں کا خالق نہیں ہے۔ وہ شہروں کو ترتیب دے سکتا ہے لیکن اگر اللہ کا حکم آجائے تو وہ شہروں اور ملکوں کو تہس نہس کر کے رکھ سکتا ہے مثلاً ایک پورا علاقہ ہے نہایت سرسبز وشاداب، بلند وبالا عمارتیں ہیں، انسانوں کی حفاظت کے سارے سامان ہیں لیکن اچانک زلزلہ آجائے یا پورا علاقہ زمین میں دھنس جائے یا اس پر سمندر کا پانی چڑھ آئے تو ساری قوتوں اور طاقتوں کے باوجود انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا مجھے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا نہ ہو کہ آدھی دنیا سمندر کے نیچے آجائے اور انسانی تہذیب وترقیات فنا ہو جائیں اور پوری قوت وطاقت کے دعوؤں کے باوجود انسان بے بس ہو کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر قوت وطاقت کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وہی اس کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا اس کے لئے نہ اول مرتبہ پیدا کرنا دشوار تھا اور نہ دوسری دفعہ۔ یہ انسان کی بھول ہے کہ وہ اللہ کے خالق ومالک ہونے کا اعتراف بھی کرتا ہے لیکن اپنی مرادیں پتھر کے ان بے جان بتوں یا مجبور انسانوں سے مانگتا ہے جو اللہ کے محتاج ہیں۔ فرمایا کہ کائنات کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ انسان کی الٹی چال ہے کہ وہ اپنے حقیقی معبود کو چھوڑ کر غیر اللہ کے در سے آرزوؤں کے پورا ہونے کی امید رکھتا ہے ہدایت کی امید ان سے رکھتا ہے جن کو خود اس راستہ کا علم نہیں ہے۔ اس طرح احبار، رھباں، مہنت، برہمن، گرو، یہ سب تو راستہ اور ہدایت کے لئے اللہ کے محتاج ہیں وہ کسی کو کیا راستہ دکھائیں گے۔ ان کے پیچھے چلنے کا انجام سوائے بھٹکنے کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ دوسری ایک خاص بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج جن سے ہدایت ورہنمائی کی امیدیں لئے ہوئے بہت سے لوگ ان گمراہوں کے پیچھے چل رہے ہیں یہ خود یقین پر قائم نہیں ہیں بلکہ ان کے قائم کئے ہوئے تصوراتی خاکے ہیں جن کو انسان اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اور ان کے سامنے جھک جاتا ہے اور اس طرح وہ خود اپنے قائم کئے ہوئے خیالات کی پرستش کر رہا ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ انسان جب تک ظن وگمان کے اس دائرے سے نکل کر اس اللہ کی طرف نہیں آتا جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور وہ ان میں سے ہر چیز کی حکمت ومصلحت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس وقت تک انسان بھٹکتا ہی رہے گا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا

الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾

ع ١٠ ٩

ترجمہ: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

اور یہ قرآن (کسی انسان کا) گھڑا ہوا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کسی نے بھیج دیا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو سامنے ہیں۔ اور اس الکتاب کی تفصیل ہے جس میں شک نہیں ہے جو رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(اے نبی ﷺ) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (آپ نے) اس قرآن کو گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے سوا جس کو بلانے کی طاقت ہو اس کو بھی بلا لاؤ۔ بلکہ (سچی بات یہ ہے کہ) جو چیز ان کے علم میں ٹھیک نہیں بیٹھتی یا وہ اس کے نتیجے تک نہیں پہنچ پاتے تو وہ اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلانے کی اس روش کو جاری رکھا۔ دیکھو ان ظالموں کا انجام کیا ہوا۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جو اس پر ایمان لے آئے اور بعض لوگ وہ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

یُفْتَرٰی	گھڑا گیا، بنایا گیا
تَصْدِیْقُ	سچ بتانے والا
بَیْنَ یَدَیْهِ	اپنے ہاتھوں کے سامنے
تَفْصِیْلٌ	تفصیل، وضاحت
فَاْتُوْا	پھر تم آؤ (لے آؤ)
اُدْعُوْا	تم بلاؤ، تم پکارو
اِسْتَطَعْتُمْ	تمہاری طاقت ہو، ہمت ہو
لَمْ یُحِیْطُوْا	احاطہ نہیں کرتے، گھیر نہیں سکے
تَاْوِیْلٌ	انجام، نتیجہ
عَاقِبَةٌ	انجام
اَعْلَمُ	زیادہ جاننے والا

تشریح: آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰

کفار اور مشرکین مکہ قرآن جیسی عظیم کتاب اور بلند تر مضامین کے سامنے جب بے بس ہو گئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ مکہ مکرمہ کے لوگ قرآن کریم کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک رہے ہیں اس وقت انہوں نے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے قرآن سے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور کہنا شروع کیا کہ یہ قرآن (نعوذ باللہ) نبی مکرم ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے اور گذشتہ قوموں کی زندگی کو سن کر اپنے الفاظ میں ڈھال لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کفار و مشرکین کی ان باتوں کا نہایت سادہ الفاظ میں یہ جواب دیا ہے کہ قرآن کریم یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اصلاح و ترقی کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی ان کے سامنے ہے جس میں انہوں نے کسی سے ایک لفظ تک نہیں پڑھا۔ پھر اچانک آپ کی زبان مبارک پر ایسا کلام آ گیا جو اتنا بے مثال ہے کہ اگر تمام دنیا کے انسان اور جنات مل کر بھی اس قرآن جیسا لانے کی کوشش کریں گے تو وہ عاجز ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ اگر کسی کو شوق ہو تو وہ اور دنیا بھر سے تمام لوگ مل کر قرآن جیسا نہیں بلکہ قرآن کی ایک سورت جیسی ہی بنا کر لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو

قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی قرآن کریم کی ایک سورت بنا کر نہیں لاسکتی۔ یہ بات چیلنج کے طور پر ان عربوں کے درمیان فرمائی جارہی ہے جن کو اپنی زبان پر اس قدر ناز تھا کہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان کہتے تھے یہ ان شاعروں سے کہا جارہا ہے جو ایک مجلس میں بے ساختہ دو دو سو اور تین تین سو اشعار کہتے چلے جاتے تھے۔ وہی شاعر اور ادیب اور زبان پر ناز کرنے والے اس قرآن کے سب سے بڑے دشمن تھے لیکن تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس زمانہ میں اور بعد کے زمانے میں ہزاروں کوششوں کے باوجود قرآن کریم کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اصل بیماری کی جڑ یہ ہے کہ اس کلام الٰہی کی عظمت کا اعتراف کرنے کے باوجود وہ اس کو اس لئے جھٹلاتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ان کے ذہنوں میں ٹھیک سے بیٹھ نہ سکا اور اس کے نتائج تک نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ اس کا انکار کر بیٹھے۔ اگر وہ تعصبات کی عینک اتار کر اس قرآن کریم کی سچائی کو دیکھتے تو کبھی اس کا انکار نہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں جو آپ کے ساتھ کی گئی ہو بلکہ آپ سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں ان کو اور کلام الٰہی کو اسی طرح جھٹلایا گیا ہے اور پھر جن لوگوں نے اس سچائی کو جھٹلایا ان ظالموں کا انجام بڑا ہی بھیانک اور عبرت ناک ہوا ہے۔ ان ظالموں کے بلند و بالا شہروں اور عمارتوں کے کھنڈرات آج بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اگر وہ کلام الٰہی کا انکار نہ کرتے تو وہ جنت کی ابدی راحتوں اور دنیا کی عزت و عظمت سے ہمکنار ہوتے۔

اس جگہ قرآن کریم میں یہ پیشین گوئی فرمائی جارہی ہے کہ آج جو لوگ اس قرآن کو جھٹلا رہے ہیں بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ وہی اس قرآن کو مان کر اہل ایمان کی صفوں میں شامل ہو جائیں گے لیکن جو بد قسمت ہیں جن کا کام ہی فساد کرنا ہے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے اللہ ایسے لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۴

(اے نبی ﷺ) پھر اگر وہ آپ کو بھی جھٹلاتے ہیں تو کہہ دیجئے میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے اور جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں (جو بظاہر) آپ کی سن رہے ہیں۔ کیا پھر آپ بہروں کو سنوائیں گے خواہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں (جو بظاہر) آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا پھر آپ اندھوں کو (راہ ہدایت) دکھائیں گے اگر چہ وہ بصیرت بھی نہ رکھتے ہوں بے شک اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۱ تا ۴۴

بَرِیْئُوْنَ	وہ بری ہیں، ذمہ دار ہیں
یَسْتَمِعُوْنَ	وہ غور سے سنتے ہیں
تُسْمِعُ	تو سنوائے گا
اَلصُّمُّ	بہرے
اَلْعُمْیُ	اندھے
لَا یُبْصِرُوْنَ	وہ نہیں دیکھتے ہیں
لَا یَظْلِمُ	وہ ظلم وزیادتی نہیں کرتا

تشریح: آیت نمبر ۴۱ تا ۴۴

کفار و مشرکین ہر طرح کے حقائق اور سچائیوں کو جاننے کے باوجود جس طرح اپنے کفر و شرک پر ہٹ دھرمی، ضد اور تعصب پر جمے ہوئے تھے اور حق کی کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ بشری تقاضا تھا کہ نبی مکرم ﷺ اس سے بددل اور تنگ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے نبی ﷺ! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں جو

کچھ کر رہا ہوں اس کا میں ذمہ دار ہوں لیکن عمل کی جس روش پر تم چل رہے ہو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کون حق پر ہے اور کون نہیں ہے؟ اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا۔ ان آیات میں یہ اشارہ بھی فرما دیا گیا کہ یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ جو لوگ کان رکھنے کے باوجود بہرے بن جائیں، آنکھیں ہوتے ہوئے ہر حق و صداقت کی بات سے اندھے بنے رہیں ان کو سنانا اور دکھانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ سنتا وہ ہے جو اپنے ضمیر و قلب کو لے کر آپ کے پاس آئے گا۔ جس نے ہر نیک بات کو نہ سننے کا فیصلہ کر لیا ہو اور سننا ہی نہ چاہتا ہو اس کو ساری دنیا مل کر بھی سنانا اور دکھانا چاہے تو وہ سن نہیں سکتا دیکھ نہیں سکتا۔ ایسے اندھوں کو راستہ کیسے دکھایا جا سکتا ہے۔ اسی بات کو ایک جگہ قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود ہی اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کریں“۔ اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت اور گمراہی کے ہر راستہ کو کھول کر بیان کر دیا ہے پھر بھی اگر کوئی ان چیزوں سے منہ پھیر کر چلتا ہے تو وہ خود ظالم ہے جو اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے اس کا الزام اللہ رب العالمین کو نہیں دیا جا سکتا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سننے کو تو جانور بھی سنتا ہے دیکھتا ہے لیکن وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے باوجود سوائے اپنے چارے اور کھانے پینے کے اور کسی طرف توجہ نہیں کرتا اس کو ہر حال میں اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے اس کو اچھے اور برے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہی اس کی حیوانیت ہے۔ کفار اور مشرکین کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک سچائی کو جاننے کے باوجود اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اس سے ان کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔ کفار مکہ جو قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ایک ایک لمحہ سے واقف تھے بچپن، جوانی اور ادھیڑ عمری کی زندگی کے وہ کونسے اوقات تھے جو ان کے سامنے نہ گذرے ہوں انہیں معلوم تھا کہ نبی مکرم ﷺ نے کسی سے ایک لفظ تک نہیں پڑھا۔ آپ کی زبان سے ایسا کلام کبھی نہیں سنا گیا لیکن اچانک آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہو گیا جو اپنی شان کے اعتبار سے اس قدر بلند اور باعظمت تھا کہ اس کے سامنے ساری دنیا عاجز اور مجبور ہو کر رہ گئی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ جس شخص نے پوری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ اللہ کے معاملے میں کیسے غلط بیانی کر سکتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کی دیانت، امانت اور صداقت سے وہ اچھی طرح واقف تھے لیکن اپنے رسم و رواج سے چمٹے ہوئے یہ لوگ کسی طرح اس سچائی کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ جب تک انسان کے اندر سے طلب پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ساری دنیا مل کر بھی اس کو راہ ہدایت نہیں دکھا سکتی لیکن جب اندر سے اپنی اصلاح اور فکر آخرت کی طلب اور تڑپ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر کبھی نہ کبھی اس کو ہدایت کی روشنی نصیب ہو جاتی ہے۔ اگر انسان اپنے دل و دماغ فکر و ذہن، کانوں اور آنکھوں پر وقتی مفادات کے پردے ڈال لیتا ہے تو پھر اس کو پوری روشنی کے باوجود کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

وہ دن جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا (ایسا محسوس ہوگا) جیسے وہ ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کیلئے ٹھر گئے تھے۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا تھا سخت نقصان اٹھانے والے ہوں گے (اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ) وہ راہ ہدایت پر نہ تھے۔ اور ان سے ہم نے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے اگر چہ اس میں سے ہم تھوڑا سا عذاب (ان کو اسی دنیا میں) دکھا دیں گے یا ہم آپ کو وفات دیں گے۔ بہر حال ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس پر اللہ کی گواہی (کافی) ہے۔

اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب وہ رسول آ جاتا ہے تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ وہ وعدہ (اگر سچا ہے) تو کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو (اے نبی ﷺ)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے نفع اور نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ کو منظور ہے۔ ہر امت کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے۔ جب وہ مدت آ جاتی ہے تو پھر ان سے نہ ایک گھڑی دیر ہوتی ہے اور نہ جلدی ہوتی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

یَحْشُرُ	وہ جمع کرے گا
لَمْ یَلْبَثُوْآ	وہ نہ ٹھہریں گے
سَاعَةً	ایک گھڑی۔ کچھ مدت
خَسِرَ	نقصان اٹھایا
نُرِیَنَّ	ہم ضرور دکھائیں گے
نَعِدُ	ہم وعدہ کرتے ہیں
نَتَوَفَّیَنَّ	ہم وفات دیں گے، موت دیں گے
شَهِیْدٌ	گواہ
قُضِیَ	فیصلہ کر دیا گیا
اَلْقِسْطُ	انصاف، پورا پورا
لَا اَمْلِكُ	میں مالک نہیں ہوں
اَجَلٌ	مدت، موت
لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ	وہ دیر نہیں کرتے ہیں
لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ	وہ آگے نہیں بڑھتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۴۵ تا ۴۹

وہ دن جب کہ اللہ تعالیٰ اس نظام کائنات کو توڑ کر ایک ایسی نئی زمین تیار فرمائیں گے جس میں ابتدائے کائنات سے

قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے۔ اسی کو میدان حشر کہا جاتا ہے۔ حشر کے اس دن جہاں ایمان وعمل صالح رکھنے والوں کو ان کی اپنی منزل مل جائے گی اوران کی کامیابی کا دن ہوگا وہی کفار ومشرکین اور بے دینوں کے لئے بڑا ہیبت ناک اوردل ودماغ کو جھلسانے والا دن ہوگا۔ دنیا کی اس عارضی قیام گاہ میں عیش وعشرت، رنگ رلیوں، راحت وآرام اور سیر وتفریح میں مگن، آخرت کی زندگی سے بے پرواہ لوگ جن کو نہ تو فکر آخرت تھی اور نہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ ایک دن مرکر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جب وہ غور کریں گے تو ان کو دنیا کی زندگی اوراس میں گذارے ہوئے لمحے اور دن رات ایسے محسوس ہوں گے جیسے وہ کسی جگہ ایک گھڑی بھر کے لئے رک گئے تھے۔ رشتہ داریاں، تعلقات اور زندگی کے سامان جن پر وہ جان دیتے تھے آج ان کے کسی کام نہ آسکیں گے۔ رشتہ اور تعلق والے ایک دوسرے کو پہچانیں گے مگر وہ کسی کی کوئی مدد نہ کرسکیں گے کیونکہ ان کو خود اپنی فکر کھائے جارہی ہوگی۔ ہر شخص کے سامنے اس ہولناک دن میں ایک طرف تو وہ چند سال ہوں گے جو وہ اپنی زندگی کی صورت میں گذار کر آیا ہے اور دوسری طرف کبھی نہ ختم ہونے والی اس لامحدود زندگی کا تصور ہوگا جسے وہ جنت یا جہنم میں گذارے گا۔ وہ جھوٹے معبود جن کے سامنے وہ جھکا کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ آخرت میں کام آئیں گے وہ بھی ان کے کام نہ آسکیں گے۔ اس دن تو اس کے صرف اپنے اعمال ہی کام آئیں گے۔ جس نے اپنا مضبوط رشتہ اللہ اوراس کے رسول سے جوڑا ہوگا وہی اس کا سہارا ہوں گے لیکن جس نے اللہ ورسول کی اطاعت وفرماں برداری سے منہ پھیرا ہوگا ان کے لئے سوائے حسرت وافسوس کے کچھ بھی نہ ہوگا۔ ان آیات میں اسی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے اوراس میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

۱) دنیا میں گذارے ہوئے لمحے آخرت کے مقابلے میں اس قدر معمولی ہوں گے کہ ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ اس نے دنیا کو جب سب کچھ سمجھ رکھا تھا اس کی حیثیت پل دو پل کے وقت سے زیادہ نہ تھی کاش کہ وہ ان لمحات کی قدر کرکے اپنے دن رات کو قیمتی بنالیتا۔

۲) رشتہ وتعلق والے ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانیں گے مگر کوئی کسی کے اس لئے کام نہ آسکے گا کیونکہ ہر شخص کو اپنی اپنی فکر پڑی ہوئی ہوگی کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

۳) نقصان میں صرف وہی لوگ رہیں گے جنہوں نے آخرت کی فکر کرنے کے بجائے دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر اس بات کو فراموش کردیا تھا کہ ایک دن ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جاکر اپنے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اے ہمارے نبی ﷺ! یہ تو آخرت کا معاملہ ہے جسے وہ دیکھیں گے لیکن بداعمال لوگوں کو بہت کچھ سزا تو اس دنیا میں بھی دیدی جاتی ہے۔ یہ کفار ومشرکین جو اپنی سرداریوں، اولاد اور دنیا کی حقیر سی دولت اور چیزوں پر ناز کرتے ہوئے آپ ﷺ کو معمولی سمجھ رہے ہیں اور آپ کی اطاعت کا انکار کررہے ہیں یہ آپ کی دنیاوی زندگی میں یا آپ کے بعد خود اس عذاب کا کچھ مزا چکھ لیں گے جس کا یہ برابر انکار کررہے ہیں۔ آخرت کا معاملہ اس کے بعد کا ہے۔

۵) ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ جب وہ رسول آ جاتا ہے اور لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں تو پھر فیصلہ کر دیا جاتا ہے لیکن کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی اور پورا پورا انصاف کیا جاتا ہے۔ نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول اس کو کہتے ہیں جو صاحب کتاب و شریعت ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب و شریعت نہیں ہوتا، مگر اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور وہ کسی کتاب و شریعت رسول کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ رسول انسانوں کی اصلاح کے لئے تشریف لائے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی تشریف لائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا جو اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں جن کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ قیامت تک کے لئے بند ہو چکا ہے۔ اب آپ کے بعد جو بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے اور اس نے اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو بنا کر بھیج دیا ہے جس طرح گذشتہ رسولوں اور نبیوں کی امتوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری کر کے اپنی آخرت کو سنوارا ہے اور ان کی نافرمانی کر کے اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر ڈالا ہے اب یہ آخری موقع ہے جب کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے ہیں ان کی اطاعت کر کے اپنی آخرت کو اور دنیا کو سنوارا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہاں ناکامی ہو گئی تو قیامت تک اصلاح کرنے کے لئے کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اب آپ کے ماننے والے ہی امتی کہلائیں گے۔ اور ان ہی کی نجات ہو گی۔

۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ، اس کے انبیاء اور رسولوں کا اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا گیا ہے اور یہ کہا جاتا رہا ہے کہ یہ اللہ کے نبی جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہیں نعوذ باللہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ محض ایک دھمکی ہے۔

ان کی جرأت و ہمت یہاں تک بڑھ گئی کہ جس طرح اور انبیاء کرامؑ سے کہا گیا۔ نبی مکرم ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ اے محمد ﷺ! تم جس عذاب کے آنے کی باتیں کرتے ہو اب تم اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دو اور اس عذاب کو لے آؤ۔ آخر وہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گستاخی کا یہ جواب مرحمت فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے اصول کی ایک بات بتا دیجئے کہ کس قوم پر عذاب آئے گا یا نہیں؟ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے وہ جب چاہے گا عذاب نازل کر دے گا۔ اگر نہیں چاہے گا تو عذاب نہیں آئے گا مجھے اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ میں تو خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ جب میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو میں کسی کے نفع اور نقصان کا مالک کیسے ہو سکتا ہوں۔ میرے اختیار میں یہ بات ہے کہ میں اللہ کا پیغام ساری دنیا تک پہنچا دوں۔ جو مانتا ہے وہ سعادت مند ہے اور جو نہیں مانتا اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گی وہ پیغام میں پہنچا چکا ہوں۔ اب اس کے بعد اللہ کا اپنے بندہ کے ساتھ کیا معاملہ ہے مجھے نہیں معلوم۔ البتہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو اس کے لئے جو وقت مقرر کر دیا جاتا ہے اس میں ایک لمحہ کے لئے نہ جلدی ہوتی ہے اور نہ اس میں تاخیر کی جاتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؔؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾

ع ۵ ۱۳/۱۰

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ اگر تمہارے اوپر اس کا عذاب رات یا دن کو آجائے (تو تم کیا کر سکتے ہو) یہ مجرم اس کے مانگنے میں جلدی کیوں مچا رہے ہیں۔ کیا پھر جب (تمہارے سروں پر ہی) آپڑے گا تب مانو گے۔ پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم جو کچھ کماتے رہے ہو تمہیں اس کے سوا اور کیا بدلہ دیا جا سکتا ہے۔

وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی عذاب آنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں ہاں میرے رب کی قسم یہ بات بالکل سچ ہے۔ اور تم اللہ کو عاجز و بے بس نہیں کر سکو گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اَرَءَيْتُمْ	کیا تم دیکھتے ہو، کیا تمہیں خبر ہے، بھلا بتاؤ تو
بَيَاتٌ	رات کو۔ رات گزارنا
يَسْتَعْجِلُ	وہ جلدی مچاتا ہے
آٰلْـٰٔنَ	اب، اسی وقت
ذُوْقُوْا	چکھو

اَلْخُلْدُ	ہمیشہ
تُجْزَوْنَ	تم بدلہ دیئے جاؤ گے
یَسْتَنْبِئُوْنَکَ	وہ آپ سے خبر پوچھتے ہیں، معلوم کرنا چاہتے ہیں
اِیْ وَ رَبِّیْ	ہاں ہاں میرے رب کی قسم

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۳

اللہ تعالیٰ کا دستور اور قانون یہ ہے کہ وہ انسانوں کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک موت کے فرشتے سامنے نہ آ جائیں یعنی اس پر جاں کنی شروع نہ ہو جائے۔ لیکن جب موت کے فرشتے سامنے آ جاتے ہیں تو پھر کسی طرح اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہی رہتا ہے لیکن جب اس پر موت طاری کر دی جاتی ہے یعنی اس کی جاں کنی کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے توبہ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو سمندر کے اندر راستوں سے نکال کر دوسرے کنارے پر لے آئے۔ بعد میں فرعون اپنے لشکر کے ساتھ جب ان راستوں کے اندر پہنچ گیا جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنا دیئے تھے تو سمندر کا پانی آپس میں پھر مل گیا اور فرعون اور اس کے لشکری ڈوبنے لگے اس وقت فرعون کو عقل آئی اور اس نے کہا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ: میں اس اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس رب پر میں ایمان لاتا ہوں اور میں اللہ کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دستور کے مطابق فرعون کی توبہ کو قبول نہیں کیا کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا اس وقت تو وہ خود ہی معبود بنا ہوا تھا غرور و تکبر اور کفر میں سب سے آگے تھا لیکن جب اس کو موت نظر آئی تو اس کو بنی اسرائیل کا پروردگار یاد آنے لگا۔ اللہ نے اس کی اس توبہ کو نامنظور فرما دیا۔

اس کے برخلاف حضرت یونسؑ کی قوم کو جب اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ حضرت یونسؑ اپنے اہل خانہ کے ساتھ یہ کہہ کر چلے گئے ہیں کہ اب تم اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اور انہیں یقین ہوگیا کہ اگر ہم نے توبہ نہ کی تو واقعی اللہ کا عذاب ہمیں آ گھیرے گا۔ اس وقت پوری قوم نے اپنے کفر وشرک سے توبہ کی چونکہ عذاب آنے سے پہلے ہی انہوں نے توبہ کرلی تھی تو ان کی توبہ قبول ہوگئی۔ اگر وہ عذاب آنے کے بعد توبہ کرتے تو ان کی توبہ قبول نہ کی جاتی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی دستور اور قانون کو بیان فرمایا ہے کہ آج یہ کفار مکہ جس عذاب الٰہی کو نظر انداز کررہے ہیں اور اپنے کفر وشرک سے توبہ نہیں کرتے۔ اگر وہ عذاب آ گیا تو پھر توبہ کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ جب کفار مکہ کے سامنے یہ ارشاد فرماتے کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور ان کو جزا اور سزا دی جائے گی۔ آپ فرماتے کہ اچھے اعمال پر اجر وثواب عطا کیا جائے گا لیکن برے اعمال پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ آپ کے ارشادات کے جواب میں وہ آپ کی باتوں کا مذاق اڑاتے اور یہ کہتے کہ اے نبی ﷺ! تم جس عذاب کی باتیں کرتے ہو وہ آخر کب آئے گا؟ تم اس کو فوراً ہی ہمارے اوپر مسلط کیوں نہیں کرا دیتے؟ اس طنز واستہزاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیجئے کہ صبح وشام کسی بھی وقت جب اللہ کا عذاب آئے گا نہ تو تم اس سے بچ سکو گے اور نہ اللہ کو عاجز و بے بس کرسکو گے۔ پھر تو اللہ کی طرف سے ایک ہی اعلان ہوگا کہ تم اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو اس کا عذاب چکھو۔

فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! جب وہ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہوسکتا ہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی قسم یہ سب کچھ برحق اور سچ ہے اللہ کو اس کے کرنے پر پوری قدرت وطاقت حاصل ہے۔ اللہ کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ جب وہ کسی قوم کو ان کے برے اعمال کی سزا دیتا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اچھے اعمال پر بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے تو اس کو کوئی منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

اور اگر ہر وہ شخص جس نے شرک کیا ہے اس کے پاس زمین بھر دولت بھی ہوگی تو (عذاب سے جان چھڑانے کے لئے) فدیہ میں دینے کو تیار ہوجائیگا۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھے گا تو اپنی شرمندگی کو چھپانے کی کوشش کرے گا اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کردیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ سنو! کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ سنو! کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ اس کو جانتے نہیں وہی زندگی دیتا ہے، وہی مارتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

نَفْسٌ جان، ذات

اِفْتَدَتْ بدلہ دیا یعنی بدلہ میں دے دے گا

اَسَرُّوْا انہوں نے چھپایا، وہ چھپائیں گے

اَلنَّدَامَۃُ شرمندگی، ندامت

رَاَوْ انہوں نے دیکھا، وہ دیکھیں گے

یُحْیِ وہ زندہ کرتا ہے

یُمِیْتُ وہ موت دیتا ہے، مارتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶

یہ ساری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اللہ نے پیدا کیا ہے وہی اس کا مالک ہے وہی نگہبان ہے اس نے اس دنیا کو ایک خاص وقت تک استعمال کرنے کی انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ دنیا اور اس کے وسائل کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں استعمال کرے۔ لیکن اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ میرے پاس ہے میں اس کا مالک ہوں جس طرح چاہوں میں اس میں تصرف کرسکتا ہوں اس کو استعمال کرسکتا ہوں۔ اس تصور کے ساتھ ہی انسان کا مزاج بگڑنا شروع ہوجاتا ہے اور وہ دنیا کی ظاہری چمک دمک اور مال و دولت کی کثرت میں اس طرح مگن ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اس مالک حقیقی کو بھول جاتا ہے جس نے یہ سب کچھ

اس کو عطا کیا ہے۔ اللہ کے وسائل سے اللہ کی زمین پر وہ ظلم و زیادتی کرتا ہے، نافرمانیوں کا طریقہ شروع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی اصلاح کرنے اور ان کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے کے لئے اپنے پاکیزہ نفس باعظمت بندوں (انبیاء کرامؑ) کو بھیجتا ہے مگر انسان کی غفلت کی انتہا یہ ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کی بات جاننے اور ان کی اطاعت کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کر ڈالتا ہے۔ اگر وہ اپنے کفر و شکر سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کی دنیا بھی بہتر ہو جاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے لیکن اس کی نافرمانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے عذاب کا شکار ہو جاتا ہے اور آخرت میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر شرمندگی، حسرت اور افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور وہی دنیا کا مال و دولت جس پر وہ جان دیتا تھا وہ چاہے گا کہ یہ سب کچھ لے کر بھی اگر اللہ اس کو معاف کر دے تو یہ سودا گھاٹے کا سودا نہیں ہوگا مگر آخرت میں یہ چیزیں اس کے کام نہ آسکیں گی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ:

انسان نے روئے زمین پر جو زیادتیاں اور ظلم کئے ہیں وہ چاہے گا کہ اس کا سب کچھ لے کر اس کو چھوڑ دیا جائے۔ وہ شرمندہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانیوں کے باوجود اس کے ساتھ پورا پورا انصاف فرمائیں گے اور کوئی زیادتی نہیں فرمائیں گے۔ اس کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔ درحقیقت زندگی اور موت سب اس کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ایک دن وہ آئے گا جب تمام انسانوں کو اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنی نافرمانیوں، زیادتیوں اور ظلم و ستم کا حساب دینا ہوگا اور جن لوگوں نے اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی ہوگی ان کو بہترین انعامات سے نوازا جائے گا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۷ تا ۵۸

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آگئی ہے جو نصیحت ہے بیمار دلوں کے لئے شفاء ہے، ہدایت اور ایمان والوں کے لئے رحمت ہے۔

آپ ﷺ! کہہ دیجئے کہ اللہ کے اس رحم و کرم اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جو وہ جمع کر کے رکھتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۷ تا ۵۸

مَوْعِظَةٌ نصیحت

شِفَآءٌ شفا، بہتری

اَلصُّدُوْرُ (صَدْرٌ) سینے، دل

فَلْيَفْرَحُوْا پس انہیں خوش ہونا چاہیے

خَيْرٌ زیادہ بہتر

يَجْمَعُوْنَ وہ جمع کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۵۷ تا ۵۸

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پروردگار نے تمہیں ایک ایسی کتاب ہدایت عطا فرمادی ہے جو قیامت تک تمام انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کرتی رہے گی۔ اب اس کتاب کے بعد کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے اس کتاب ہدایت پر عمل کر کے ساری دنیا میں وہ انقلاب برپا کر دیا جس سے بیمار دلوں کو شفا مل گئی اور شکوک وشبہات، جہالت وگمراہی، غلط عقائد، بغض وحسد، نفاق وتکبر اور اخلاق رذیلہ میں پھنسے ہوئے انسانوں کو ہدایت کی وہ روشنی مل گئی جس نے ان کے تن مردہ میں دوبارہ جان ڈال دی تھی۔ قرآن کریم کی تو لاتعداد خوبیاں ہیں لیکن اس جگہ خصوصی طور پر چار خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱) مَوْعِظَة : یعنی قرآن کریم تمام انسانوں کے لئے ایک دل نشین، دل گداز انداز میں زندگی گذارنے اور بسر کرنے کے اصولوں کی وہ کتاب ہے جو رب العالمین کی طرف سے عطا فرمائی گئی ہے جو بغیر کسی جبر واکراہ کے نصیحت ہی نصیحت اور بندوں کی خیر خواہی کا ذریعہ ہے۔

۲) شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ : یعنی ظاہر وباطن، دل ودماغ اور کفر وشرک جیسی روحانی بیماریاں جو دلوں کی دنیا کو اجاڑ کر رکھ دیتی ہیں ان سے شفا کا ذریعہ یہ کتاب ہے۔

درحقیقت قرآن کریم ہر اعتبار سے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اس سے جس طرح بھی فائدہ اٹھایا جائے وہ سراسر شفا ہی شفا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کو پڑھ کر سمجھنا اور عمل کرنا یہ تو اصل مقصد ہے لیکن قرآن کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں اور درجات کا ملنا بھی ثابت ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص محض قرآن کریم کے الفاظ وحروف کو دیکھتا ہے اس پر بھی اجر وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کوئی صحابیؓ تشریف لائے اور سینے میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم پڑھو اللہ اس تکلیف سے نجات عطا فرمائے گا۔ اسی طرح ایک موقع پر حضرت واثلہ بن اسقعؓ نے حاضر خدمت ہو کر حلق میں تکلیف کی شکایت کی آپ نے ان سے بھی فرمایا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرو اس سے شفاء عطا کی جائے گی۔

قرآن کریم تمام ظاہری اور باطنی بیماریوں کے لئے نسخہ شفا ہے۔ اس قرآن نے ان لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ دی تھی جو کفر و شرک میں ڈوب کر انسانیت اور اخلاق کے ہر اصول کو بھول چکے تھے۔ کفر و شرک ہی جن کی زندگی بن چکی تھی۔

لیکن تاریخ انسانی کا یہ عظیم واقعہ ہے کہ جہالت و ظلم میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ قرآن کریم کی برکت سے انسانیت کے دوست اور خیر خواہ بن گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جو راہزن تھے وہ راہبر بن گئے، اور کفر و شرک اور نفاق کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے ساری دنیا کو ہدایت کی روشنی میں لانے کا ذریعہ بن گئے قرآن کریم ڈیڑھ ہزار سال پہلے بھی یہی تاثیر رکھتا تھا۔ آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا بات صرف عمل کرنے کی ہے۔ نبی کرم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پر عمل کیا تو وہ ساری دنیا پر چھا گئے، ہر قوت و طاقت ان کی غلام بن کر رہ گئی۔ آج بھی ہماری نجات اور کامیابی اور بیماریوں کا علاج قرآن و سنت ہی میں پوشیدہ ہے۔

٣) ھــدیً : یعنی یہ قرآن حکیم ہدایت ہی ہدایت ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے ان تمام اصولوں کی وضاحت فرمادی ہے جن سے انسان گمراہی سے نکل کر راہ ہدایت اختیار کر سکتا ہے۔ ہدایت یعنی راستہ دکھانا اور منزل تک پہنچانا یہی قرآن کریم کی تعلیمات کی برکت ہے۔ قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ منزل تک پہنچنے کا راستہ کونسا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ منزل کہاں ہے۔ قرآن کریم تیئس سال (23) میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا گیا۔ قرآن کریم کی جو آیات بھی نازل ہوتیں نبی کریم ﷺ ان آیات کی مراد بتاتے اور ان آیات پر عمل کر کے صحابہ کرامؓ کے سامنے زندگی کے اس نمونے کو پیش فرماتے جو بہترین نمونہ زندگی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس نمونہ زندگی کو اپنایا یہاں تک کہ نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ سند عطا فرمادی کہ **"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کا دامن بھی تھام لو گے راہ ہدایت حاصل کر لو گے"**۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم جو سراسر ہدایت ہے اس کا نور اسی وقت کھل سکتا ہے جب کہ ہم اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس آیت کا کیا مطلب بتایا اور کس طرح اس پر عمل کر کے دکھایا۔ صحابہ کرامؓ جن کے سامنے قرآن کریم نازل ہوا اور ان آیات پر نبی کریم ﷺ کو عمل کرتے دیکھا انہوں نے قرآن و سنت پر اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھال لیا تھا کہ وہ خود دنیا کے لئے ہدایت و روشنی کا ذریعہ بن گئے تھے۔ لہذا ہدایت کا یہ اصول سامنے آیا کہ قرآن کریم سراسر ہدایت ہے۔ لیکن اس ہدایت کا مفہوم کیا ہے اس پر کیسے عمل کیا جائے اس کے لئے ہمیں نبی کریم ﷺ کے قول و عمل اور احکامات کو

سامنے رکھنا ہوگا۔ پھر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم اور سنت رسول پر کس طرح عمل کیا۔ یہی راہ ہدایت ہے۔ بعض وہ لوگ جو اپنی جہالت و نادانی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ بس ہمیں قرآن کافی ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ اکابرین ملت کی تشریحات کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ درحقیقت قرآن پر نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے لئے قرآن کریم اور اس کی آیات کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہدایت نہیں بلکہ گمراہی ہے۔ مگران اندھیروں میں بھٹکنے والے ہر روشنی کا انکار کر کے زندگی بھر خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ ہدایت سے بھٹکانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے۔ اس کا نور کامل نور ہے۔ کوئی چیز باہر سے لا کر اس کو مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرآن کریم کا نور اور اللہ کی مراد کھل کر اس وقت تک سامنے نہیں آسکتی جب تک ہم نبی کرم ﷺ کے عمل اور حکم یعنی احادیث رسول ﷺ کو سامنے نہ رکھیں۔ آپ کا اسوہ حسنہ انسانیت کا کامل ترین نمونہ زندگی ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو سامنے رکھنا ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تیئس سال (23) میں ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا کر لاکھوں صحابہ کرامؓ کے ذہن و فکر کی جو تربیت فرمائی تھی ان صحابہ کرامؓ کی زندگی بھی آپ کے طفیل کائنات میں بہترین نمونہ زندگی ہے۔ اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ورنہ قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کو سمجھنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

۴) قرآن کریم کی چوتھی صفت یہ ارشاد فرمائی گئی کہ یہ قرآن رحمت ہی رحمت ہے۔

قرآن کریم جس دور میں نازل ہوا اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو واقعی مکہ والوں کے لئے رحمت ہی تھا ورنہ وہ ہمیشہ کفر و شرک اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔ آج کا انسان بھی بہت سی ترقیات کے باوجود قرآن کریم کی رحمت کا محتاج ہے اور قرآنی اصول ہی ان کے لئے رحمت و کرم کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور قیامت تک یہ قرآن ساری انسانیت کے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں فضل سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد اس کے پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق ہے۔ یہی مضمون حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

حضرت عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق فضل سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد نبی کریم رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

۵) قرآن کریم ایک مکمل دستور العمل ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں بعض چیزیں وہ ہیں جن سے رک جانا انسان کے حق میں بہتر ہے اور بعض وہ چیزیں ہیں جن کے کرنے سے دین و دنیا کی ساری بھلائیاں عطا کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی یہ تعلیمات ایسی ہیں جو انسانوں کو راہ راست اور راہ ہدایت پر چلانے کا ذریعہ ہیں لہٰذا ایسی عظیم کتاب کے نازل ہونے پر انسان جتنی

بھی خوشی کا اظہار کرسکتا ہے اس کو کرنا چاہئے۔ جتنی اس کی قدر کرسکتا ہو وہ کرے۔ اور اس کی سب سے بڑی قدر یہ ہے کہ قرآن کریم جن سچائیوں کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے ان کو قائم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے اور صحابہ کرامؓ کو معیار حق وصداقت ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۗ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق عطا کیا ہے۔ تم نے اس میں سے کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دے رکھی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ گھڑ رہے ہو۔

اور وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ گھڑ رہے ہیں ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے؟ اللہ تو لوگوں پر فضل وکرم کرنے والا ہے لیکن اکثر وہ ہیں جو قدر نہیں کرتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

جَعَلْتُمْ	تم نے بنالیا
آٰللّٰهُ	کیا اللہ نے؟
اَذِنَ	اجازت دی ہے

تَفْتَرُوْنَ	تم گھڑتے ہو، تم بناتے ہو
ظَنَّ	گمان، خیال
ذُوْفَضْلٍ	فضل وکرم والا
لَا یَشْکُرُوْنَ	وہ شکر نہیں کرتے ہیں۔ وہ قدر نہیں کرتے ہیں

تشریح آیت نمبر ۵۹ تا ۶۰

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس بات کو بالکل واضح طریقہ سے ارشاد فرمادیا ہے کہ "هُوَالَّذِی خَلَقَ لَکُم مَافِی الْاَرْضِ جَمِیعاً"۔ یعنی اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم سب کے لئے رزق کو نازل کیا ہے۔ یہاں رزق سے مراد صرف کھانے پینے کی چیزیں ہی نہیں بلکہ ہر وہ نعمت مراد ہے جس کو ہر شخص استعمال کرتا ہے۔ البتہ اس میں بعض چیزوں کے استعمال کو سختی سے منع کر دیا۔ کونسی چیز انسان کے لئے منع ہے یا حرام ہے اللہ نے اس کی ایک فہرست بھی عطا فرمادی ہے۔ اس کے مطابق ہر وہ چیز حلال ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہے اور جس چیز سے منع کر دیا وہ قیامت تک ہر انسان کے لئے حرام ہے۔

کفار و مشرکین عرب اور یہودی علماء نے اپنی طرف سے حلال اور حرام کی ایک فہرست بنا رکھی تھی اور ان کا سراسر جھوٹا دعویٰ یہ تھا کہ ہم جس چیز کو حرام کہہ رہے ہیں وہ وہی چیزیں ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مثلاً

☆ انہوں نے بحیرہ اور سائبہ جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔

☆ اپنی کھیتی باڑی کے ایک حصے کو بتوں کے نام مخصوص کر کے یہ کہتے کہ یہ ان بتوں کے لئے ہے اس میں سے کھانا یا استعمال کرنا قطعاً حرام ہے۔

☆ بعض مردار جانوروں کو حلال قرار دے رکھا تھا۔

غرض یہ کہ بغیر کسی دلیل کے جس چیز کو چاہتے حرام قرار دے لیتے اور جس چیز کو چاہتے حلال بتا دیتے تھے اور الزام اللہ پر لگا دیتے اور کہتے کہ اس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے اس میں تمہیں کس نے اس بات کا اختیار دے دیا ہے کہ اپنی طرف سے گھڑ کر جس چیز کو چاہا حلال قرار دیدیا اور جس چیز کو چاہا حرام قرار دے لیا۔ فرمایا کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم نے دوسروں پر دھونس جمانے کے لئے اللہ کے نام کا ناجائز استعمال کر رکھا ہے۔ یہ ایسی حرکت ہے جو

اللہ کو سخت ناپسند ہے اور اس جرم پر قیامت کے دن سخت سزا دی جائے گی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر بے انتہا فضل و کرم کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے اور قدر نہیں کرتے

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کسی حال میں ہوں۔ اور قرآن کہیں سے بھی تلاوت کرتے ہوں اور لوگ کوئی بھی عمل کرتے ہوں اللہ اس جگہ موجود ہوتا ہے (اس کو ہر ایک کی خبر رہتی ہے) اور زمین آسمان کا چھوٹا بڑا ذرہ بھی اس رب کی آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اور سب کچھ ''کتاب مبین'' میں محفوظ ہے۔

سنو! بے شک جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں بشارت و خوش خبری ہے اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

(اے نبی ﷺ) آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ نہ کر دیں۔ بے شک عزت و عظمت تو سب کی سب اللہ کے لئے ہے جو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

مَاتَكُوْنُ	تو نہیں ہوتا
شَأْنٌ	حال، کیفیت
شُهُوْدٌ	موجود، گواہ
تُفِيْضُوْنَ	تم کرتے ہو، تم مشغول ہوتے ہو
مَا يَعْزُبُ	غائب نہیں رہتا ہے، دور نہیں ہوتا ہے
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ	ذرہ برابر، تھوڑا سا بھی
اَصْغَرُ	چھوٹا، یہ لفظ اکبر کے مقابلہ میں ہے
كِتَابٌ مُّبِيْنٌ	کھلی کتاب (لوح محفوظ)
اَوْلِيَاءُ	(وَلِیٌّ) دوست، حمایت کرنے والا
لَا يَحْزَنُوْنَ	وہ رنجیدہ نہ ہوں گے
اَلْبُشْرٰى	خوش خبری
كَلِمٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی باتیں، اللہ کے احکامات
اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	بڑی کامیابی
اَلْعِزَّةُ	عزت وعظمت، غلبہ

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۵

گذشتہ آیات میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو بیدار کرنے اور ان کو راہ ہدایت پر چلانے کے لئے ایک ایسی عظیم کتاب (قرآن مجید) کو نازل فرمایا ہے جو نصیحت موعظت، روح اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء، سراسر ہدایت ورہنمائی اور اللہ کی رحمت وشفقت سے بھرپور اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہر زمان ومکان کے لئے رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ یہ اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جن پر اہل ایمان جتنا بھی شکر ادا کریں اور خوشیاں منائیں وہ کم ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں اللہ نے نعمت کے طور پر عطا

فرمائی ہیں۔ زیر مطالعہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ہونا یہ چاہئے تھا کہ کفار و مشرکین آپ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے لیکن انہوں نے آپ کا دامن تھامنے کے بجائے خود ہی من گھڑت انداز سے جس چیز کو چاہا حلال قرار دے ڈالا اور جس کو چاہا حرام کر دیا۔ اور بجائے اطاعت کرنے کے انہوں نے آپ کو ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانا اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلانا ہر جگہ اور ہر محفل میں مذاق اڑانا اور بے عزت کرنے کے طریقے اختیار کرنا انہوں نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ہماری آیات کی جب بھی تلاوت کرتے ہیں یا دین اسلام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کفار و مشرکن حق اور سچائی کو قبول کرنے کے بجائے الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں وہ سب کی سب اللہ کی نظروں میں ہیں اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ کو کسی طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کائنات میں اللہ ہی کا قانون چلتا ہے جس میں تبدیلی نہیں آتی جو اہل ایمان کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس کائنات میں اللہ کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ جو لوگ بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی اختیار کرتے ہیں اور نیکیاں کرتے اور دوسروں کی بھلائی کے لئے دن رات کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں اور خوش خبریاں عطا کرتا ہے۔ وہ اللہ کے دوست اور محبوب بندے ہیں جن پر نہ اس دنیا میں خوف اور غم کی گھٹائیں چھائیں گی اور نہ ایسے لوگوں کو آخرت کا رنج والم اور خوف وغم ہوگا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو اس سچائی کے راستے کو چھوڑ کر کفر و نافرمانی کے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ بظاہر دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ناکام ہی ہیں اور آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ابدی جہنم ہی ان کا مقدر ہے۔ فرمایا کہ قرآن کریم کے تمام اصول ابدی ہیں جو ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور ان کی اطاعت کرنے والوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کفار کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں ور وہ لوگ ذلیل کرنے کے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں ان سے دل تنگ نہ ہوں کیونکہ عزت و ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو حقیر سمجھنے والے خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے اور فتح مکہ کے دن وہ منظر بھی عجیب تھا جب کفار مکہ آپ کے رحم و کرم کے لئے گڑگڑا رہے تھے اور آپ نے یہ فرما کر کہ **"تم سب آزاد ہو آج کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا"** دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور اس آیت کی سچائی سامنے آگئی کہ ساری عزت و عظمت اس ذات کے ہاتھ میں ہے جو سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ع ۷/۱۲ الثلثة

ترجمہ: آیت نمبر ۶۶ تا ۷۰

سنو! بے شک جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، ان سب کا مالک اللہ ہے۔اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت و بندگی کرتے ہیں اور ان کو شریک کرتے ہیں وہ محض اپنے خیال وگمان کی پیروی کر رہے ہیں جو سب بے حقیقت باتیں ہیں۔

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو اور دن کو دیکھنے بھالنے کے لئے بنایا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے حالانکہ اس کی ذات تو ہر عیب سے پاک ہے وہ

بے نیاز ہے (کسی کا محتاج نہیں ہے) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی ملکیت ہے۔ تمہارے پاس (اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے) اس بات کی کوئی دلیل ہے؟ اللہ پر ایسی باتیں کیوں لگاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے! بے شک وہ لوگ جو اللہ پر (جھوٹی باتیں) گھڑتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ دنیا کی زندگی کا یہ تھوڑا سا سامان (مزا) ہے لیکن انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کا آنا ہے۔ پھر ہم ان کے کفر کی وجہ سے شدید عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۶ تا ۷۰

یَتَّبِعُ	وہ اتباع کرتا ہے، وہ پیچھے چلتا ہے
یَخْرُصُوْنَ	وہ گمان کرتے ہیں، وہ اٹکل کے تیر چلاتے ہیں
لِتَسْکُنُوْا	تا کہ تم سکون حاصل کرو
مُبْصِرٌ	دیکھنے بھالنے کے لئے
اَلْغَنِیُّ	بے نیاز جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو
سُلْطٰنٌ	دلیل
لَا یُفْلِحُوْنَ	وہ کامیاب نہیں ہوں گے
مَتَاعٌ	زندگی گذارنے کا سامان، مزے
نُذِیْقُ	ہم چکھائیں گے

تشریح: آیت نمبر ۶۶ تا ۷۰

آسمانوں سے لے کر زمین تک اس پوری کائنات کی ایک ایک چیز زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ایک اللہ کی ذات ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے وہی ہم سب کا مالک ہے اور جس نظام زندگی میں ہم لگے بندھے ہیں وہ اسی کے حکم سے ہے۔ لیکن پتھروں کے یہ بے جان بت اور وہ لوگ جو دھوکے اور فریب کے طریقوں سے لوگوں کے معبود بنے ہوئے ہیں نہ خود اپنی ذات پر اختیار رکھتے ہیں اور نہ وہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ اگر کچھ لوگ ان کو قابل پرستش سمجھتے یا مانتے ہیں تو وہ محض اپنے

نفس اور خیال کے پجاری ہیں جن کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ بنیاد۔انہوں نے اپنے نفس اور وقتی فائدوں کی خاطر مصنوعی معبود بنا رکھے ہیں جن کی حیثیت وہم وگمان سے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین اور کفار اس بات پر اگر ذرا بھی غور کرلیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ ہی ہے جس نے دن اور رات کو پیدا کیا چاند سورج اور ستارے ایک لگے بندھے نظام میں چل رہے ہیں۔رات کو آرام کرنے کے لئے اور دن کو روزی پیدا کرنے کے لئے بنایا ہے۔لوگوں کی بنائی ہوئی گھڑیاں خود سے ترتیب دیئے ہوئے نقشئے آگے اور پیچھے ہو سکتے ہیں لیکن اللہ نے جس نظام کو بنایا ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی اور نہ کوئی فرق پیدا ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ وہ کونسی ذات ہے جو اس پورے نظام کو چلا رہی ہے۔ذرا غور کیا جائے تو ساری حقیقت سامنے آسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک طرف تو کفار و مشرکین سے یہ فرمایا ہے کہ وہ کائنات کی جن چیزوں کو معبود بنائے ہوئے ہیں وہ ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوقات ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دوسری طرف نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ انہوں نے ایک اللہ کو چھوڑ کر تین تین معبود بنا رکھے ہیں اور اللہ کے ایک بندے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنا رکھا ہے وہ بھی بہت بڑی غلطی پر ہیں اگر وہ بھی ذرا غور کریں تو ان کو یہ حقیقت معلوم ہوجائے گی کہ اس پوری کائنات کو چلانے والی صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی اولاد، بیٹے، بیوی اور وارث کی محتاج نہیں ہے۔

لفظ "سبحان" میں اس نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں: (1) وہ اپنی ذات میں تنہا ہے اس کا کوئی ہم جنس نہیں۔(2) اللہ ہر تہمت سے پاک ذات ہے۔(3) وہ لافانی ذات ہے اس کو کسی کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰھُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

وقف لازم

رکوع ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

(اے نبی ﷺ) آپ ان کو نوحؑ کا قصہ پڑھ کر سنائیے۔ جب انہوں اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر تمہیں میرا رہنا اور اللہ کی آیات کی طرف متوجہ کرنا بھاری محسوس ہوتا ہے تو پھر میں اللہ پر بھروسہ (کرکے کہتا ہوں کہ) تم اور تمہارے شرکاء سب جمع ہو کر جو تدبیر کرنا چاہتے ہوں کر گذریں اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دیں۔

پھر اگر تم نے میری اتباع نہ کی (تو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے) میں نے تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگی۔ میری اجرت (اجر وثواب) تو صرف اللہ کے ذمے ہے مجھے تو اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں پھر انہوں نے نوحؑ کو جھٹلایا، تب ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو نجات عطا کی اور ان ہی کو ہم نے جانشین بنایا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو تو سہی ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

اُتْلُ	تلاوت کر، پڑھ کر سنا
نَبَاَ	خبر، واقعہ، قصہ
کَبُرَ	بڑا ہے، بھاری ہے
مَقَامِیْ	میرا ٹھہرنا
تَذْکِیْرِیْ	میرا یاد دلانا
تَوَکَّلْتُ	میں نے بھروسہ کر لیا، توکل کر لیا
اَجْمِعُوْآ	تم سب جمع ہو جاؤ، تم پکا کر لو
غُمَّةٌ	کچھ شبہ، کچھ شک
اِقْضُوْا	کر گذرو، فیصلہ کر لو
لَا تُنْظِرُوْنُ	تم مجھے مہلت نہ دو
مَاسَاَلْتُ	میں نے نہیں مانگا

اَجْرٌ — اجرت، محنتانہ

اُمِرْتُ — مجھے حکم دیا گیا ہے

تشریح: آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳

اس سورۃ کے آغاز ہی سے توحید و رسالت، قیامت و آخرت اور جزا و سزا کو تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ معقول اور بہتر دلائل اور نصیحتوں کے انداز میں یہ بتایا گیا کہ اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری سے انسان کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطا کی جاتی ہیں۔ زیر مطالعہ آیات سے کچھ انبیاء کرامؑ کے واقعات کا ذکر کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ واقعات گواہ ہیں کہ جو لوگ ان قوانین کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے ان کا انجام بھیانک ہوا اور ان کی زندگیاں عبرت کا نشان بن گئیں۔ ان تین آیات میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کے واقعہ کو نہایت مختصر اور جامع انداز میں ارشاد فرمایا گیا۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک حیات رہے اور انہوں نے ہر شخص تک اللہ کا دین پہنچایا۔ بالآخر جب چند لوگوں کے سوا سب نے نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا تب حضرت نوحؑ نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ کا نبی اور رسول کسی قوم کے لئے بددعا کرتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی بددعا کو قبول کیا اور پانی کے عذاب سے اس وقت کی معلوم دنیا کے تمام نافرمانوں کو غرق کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچ سکے جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ذرا ان کو حضرت نوحؑ کا واقعہ تو سنا دیجئے تاکہ کفار مکہ کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام کی نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا بھروسہ تو اللہ کی ذات پر ہے میں کسی کی مخالفت یا اذیت سے نہیں ڈرتا، نہ تم سے میرا کوئی لالچ یا غرض وابستہ ہے۔ نہ میں تم سے کسی اجرت یا معاوضہ کی بات کرتا ہوں میرا کام اللہ کا دین پہنچانا ہے۔ اگر تمہیں میرا وجود ناگوار گذرتا ہے اور مجھے برداشت نہیں کر سکتے تو تمہارے دل میں جو آئے وہ تم کر گذرو۔ مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو۔ جب میرا بھروسہ اللہ پر ہے تو تم میرا کچھ بگاڑ نہ سکو گے یہ اور بات ہے کہ تم اپنے آپ کو تباہ و برباد کر ڈالو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرمائی اور بقیہ سب لوگوں کو غرق کر دیا۔

فرمایا کہ آج وہ قوم اور ان کے غرور و تکبر کا وجود نہیں ہے۔ اب تم ان کی جگہ پر ہو اگر تم نے بھی وہی طریقے اختیار کئے جو قوم نوح نے اختیار کئے تھے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔

ان آیات میں ایک لطیف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ جو شخص بھی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کرنا چاہتا ہو اس کا کردار ذاتی اغراض اور منفعتوں سے بہت بلند ہونا چاہئے۔ دنیا میں وہ لوگ قوموں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگاتے ہیں جو اللہ کے سوا نہ تو کسی

سے ڈرتے ہیں اور نہ دبتے ہیں، اللہ پر ہی ان کا بھروسہ ہوتا ہے۔ کفار کی اذیتوں پر صبر کرتے ہیں اور غیر اللہ سے خوف نہیں رکھتے۔ اپنی کوئی ذاتی غرض اور لالچ نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ جب انبیاء کرام کی سیرت کو اپنا کر آگے بڑھتے ہیں تو بالآخر حق وصداقت کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل پر جمنے والے تباہ و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۷۴

پھر ہم نے اس کے (نوحؑ) کے بعد ان کی قوم کی طرف بہت سے رسول بھیجے جو ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلایا تھا اسے پھر مان کر نہ دیا۔ اسی طرح ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۴

بَعَثْنَا	ہم نے بھیجا
رُسُلٌ	(رَسُوْلٌ) رسول، پیغمبر
جَآءُوْا	وہ آئے
نَطْبَعُ	ہم مہر لگا دیتے ہیں
اَلْمُعْتَدِيْنَ	حد سے بڑھنے والے

تشریح: آیت نمبر ۷۴

ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ کے بعد مختلف قوموں کی طرف مختلف نبی اور رسول بھیجے گئے جنہوں نے کفر و شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نصیحت و موعظت فرمائی لیکن انہوں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو ان سے پہلی قوموں کا مزاج

بن چکا تھا۔ اللہ کے دین اور انبیاء کا مذاق اڑانا۔ طرح طرح کی اذیتیں پہنچانا۔ حق کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنا اور ضد اور ہٹ دھرمی کے طریقے اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ جیسے عظیم اور برگزیدہ انبیاء اور رسول تشریف لائے انہوں نے اللہ کی واضح اور کھلی ہوئی آیات اور نشانیوں کو پیش کیا لیکن جو لوگ کفر اور جہالت کی تاریکیوں کے عادی ہو چکے تھے انہیں یہ روشنی پسند نہیں آئی اور انہوں نے بھی وہی طریقے اختیار کئے جس پر ان سے پہلی قومیں چل کر تباہ و برباد ہو چکی تھیں انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کے مقابلے میں انہوں نے ایمان کے بجائے کفر کا راستہ اختیار کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں۔

مہر لگانا یہی ہے کہ جب وہ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوب گئے تھے اور انہوں نے ہر اس بات کو ٹھکرا دیا تھا جو ان کے لئے دین و دنیا میں فلاح و کامیابی کا ذریعہ تھی۔ ضد، ہٹ دھرمی اور دنیا داری ان پر اس طرح غالب آ گئی تھی وہ حق بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے تو اللہ نے ان کو کامیابی کی راہ سے محروم کر دیا۔ یہی ان کے دلوں پر مہر لگانا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

ع ۸ ۱۲ ۲

ترجمہ: آیت نمبر ۷۵ تا ۸۲

پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف موسیٰؑ و ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔ پھر فرعونیوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم بن گئے۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے سچائی آ گئی تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ جب تمہارے پاس سچائی آ گئی تو اب تم کیا کہتے ہو۔ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادو کرنے والے تو کبھی فلاح و کامیابی نہیں پایا کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ تم (دونوں) ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس طریقہ پر پایا تھا اس کو چھوڑ دیں اور تم دونوں کو ملک میں برتری حاصل ہو جائے اور ہم تم دونوں کو کبھی نہیں مانیں گے۔ فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لاؤ۔ پھر جب جادوگر آ گئے تو ان سے موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے (جادو کرنا ہے) وہ ڈال دو پھر جب انہوں نے جادو ڈال دیا تو موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تم نے جادو ڈالا ہے وہ یہ ہے۔ بہت جلد اللہ اس جادو کو تہس نہس کر ڈالے گا۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو پسند نہیں کرتا اور اللہ سچائی کو اپنے وعدے کے مطابق ثابت کر کے چھوڑے گا۔ اگرچہ یہ بات مجرموں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۵ تا ۸۲

اِسْتَكْبَرُوْا	انہوں نے تکبر کیا، بڑائی کی
اَجِئْتَنَا	کیا تو آیا ہے ہمارے پاس
لِتَلْفِتَنَا	تا کہ تو ہمیں ہٹا دے
اَلْكِبْرِيَاءُ	بڑائی۔ حکمرانی
اِئْتُوْنِىْ	آ جاؤ، لے آؤ، میرے پاس
اَلْقُوْا	تم ڈالو، تم پھینکو
سَيُبْطِلُهٗ	بہت جلد وہ اس کو برباد کر دے گا
يُحِقُّ	وہ ثابت کر دے گا
كَرِهَ	برا سمجھا

تشریح: آیت نمبر ۷۵ تا ۸۲

مشرکین عرب نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے ساتھ اور حضرت موسیٰؑ وحضرت ہارونؑ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم نے کیا تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین عرب کے سامنے ان انبیاء کرامؑ کے واقعات اور جو سلوک ان کی قوم نے کیا تھا سامنے رکھ کر صاف صاف فرما دیا کہ اگر اس وقت کفار اور مشرکین نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دامن نہیں تھاما یعنی وہ ایمان نہیں لائے۔ ان کی اطاعت وفرماں برداری نہ کی تو ان کا انجام بھی گذشتہ قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

ان آیات میں حضرت موسیٰؑ کا وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جب آپ نے فرعون کے سامنے دین حق کی سچائیوں کو رکھا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی بات ماننے کے بجائے ان پر طرح طرح کے الزامات لگا دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کے معجزات کو اس نے جادو قرار دے کر ساری مملکت کے جادوگروں سے مقابلہ کرا دیا۔ سورۂ اعراف، سورۂ شعراء اور سورۂ قصص میں اس واقعہ کی کافی تفصیل ارشاد فرمائی گئی ہے یہاں ایک مرتبہ پھر اس واقعہ کو مختصر کر کے بیان فرمایا گیا ہے تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے جب بھی حق وصداقت نکھر کر سامنے آتا ہے تو باطل اور جھوٹ مٹ جاتا ہے یا بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے۔

فرعون کا اقتدار جو کئی نسلوں سے چلا آ رہا تھا حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں فرعون اقتدار کے نشے اور غرور وتکبر میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا کہ فرعون نے اپنے آپ کو ''رب اعلیٰ'' قرار دے لیا تھا۔ مفاد پرست درباریوں، امیروں اور وزیروں نے اس کے اس تکبر اور غرور کو اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کے بھرے دربار میں یہ اعلان کر دیا کہ ایک بے بس انسان ''رب اعلیٰ'' نہیں ہو سکتا اور اس کو معبود کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت موسیٰؑ کے اس اعلان نے فرعون اور اس کے درباریوں کو ہلا کر رکھ دیا اور اس نے وہی الزامات لگانے شروع کر دیئے جو انسانوں کی گردن پر مسلط ظالم، جابر اور متکبر حکمراں کیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ موسیٰؑ کا مقصد صرف اس سرزمین پر اپنا اقتدار قائم کرنا ہے۔ معجزات دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ جادو ہے اور میں اس جادو کا توڑ جادوگروں سے کرا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے لاتعداد جادوگروں کو بلا لیا اور انعام واکرام کا لالچ دے کر ان سے یہ کہا کہ آج تم ایسا جادو دکھاؤ کہ موسیٰؑ بھرے دربار میں اپنی قیمت کھو بیٹھے۔ جادوگروں نے جمع ہو کر اپنے کمالات دکھانے شروع کر دیے لاٹھیاں، رسیاں اور چھڑیاں پھینکنی شروع کیں پورے دربار میں ہر جگہ محسوس ہوا جیسے سانپ ہی سانپ ہوں۔ اس کو عرف عام میں نظر بندی بھی کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بعض لوگ ایک خاص طریقہ پر محنت کر کے اپنی خیالی قوت کو اتنا مضبوط بنا لیتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ان کے خیال اور تصور کے تابع ہو جاتا ہے۔ جب ایسا شخص کسی چیز کے خیال کو جما لیتا ہے تو ہر شخص کو وہی نظر آنے لگتا ہے جو وہ شخص چاہتا ہے۔ فرعون کے دربار میں ان جادوگروں نے اس کا مظاہرہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اور سب درباریوں نے اس منظر کو دیکھا تو درباری ان جادوگروں کے کمالات کے قائل ہو گئے لیکن حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے اپنے

عصا کو زمین پر پھینکا تو وہ سچ مچ کا اژدھا بن گیا اور اس نے ان کے بناوٹی سانپوں کو نگلنا شروع کیا۔ اس وقت جادوگر سمجھ گئے کہ عصا کا اژدھا بن جانا جادو نہیں ہے بلکہ واقعی ایک کھلا ہوا معجزہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب جادوگر اللہ کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ یہ واقعہ فرعون کی بہت بڑی ذلت اور توہین تھی اس نے جادوگروں کو جو صاحب ایمان ہو چکے تھے ہر طرح کی سزاؤں اور پھانسی پر لٹکانے کی دھمکیاں دیں مگر ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ جب ایمان کسی کے دل میں آ جاتا ہے تو اس کو سوائے اللہ کے خوف کے اور کوئی خوف نہیں رہتا۔ انسانوں کا خوف اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک انسان ایمان کی دولت سے محروم رہتا ہے جب وہ اس نعمت کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کی زبان سے وہی کلمات نکلتے ہیں جو اس وقت فرعون کے بھرے دربار میں مسلمان ہونے والے جادوگروں کی زبان پر تھے "اے فرعون اب تیرا جو جی چاہے کر لے ہم نے ایمان قبول کر لیا ہے"۔

نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد کفار عرب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور نبی مکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پر یہ الزامات لگانے شروع کر دیئے لیکن سچائی پھر سچائی ہے اور ایک وقت وہ آیا کہ ان کفار نے نبی مکرم ﷺ کے صحابہؓ کو ہر طرح ستایا پریشان کیا لیکن ان کے ایمان کی قوت نے ان کو اتنا سر بلند کیا کہ فرعون کی طرح غرور و تکبر کے نشے میں مست لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کی عظمت کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۳ تا ۸۶

پھر موسیٰؑ کی قوم میں سے کچھ لوگوں کے سوا فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف سے کوئی

ایمان نہ لایا کہ کہیں وہ کسی شدید تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ فرعون زمین پر غلبہ رکھتا تھا اور بے شک (ظلم وستم میں) حد سے گذر جانے والوں میں سے تھا۔

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو اور اسی کے فرماں بردار ہو تو اسی پر بھروسہ کرو۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کی ہر آزمائش سے بچائے رکھنا۔ اور ہمیں اپنی رحمت کے ذریعہ کافروں کی قوم سے نجات عطا فرمایئے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۳ تا ۸۶

ذُرِّيَّةٌ	اولاد، لوگ
اَنْ يَّفْتِنَهُمْ	یہ کہ وہ کسی آزمائش یا تکلیف میں نہ پڑ جائیں
عَالٍ	غلبہ وقوت رکھنے والا
اَلْمُسْرِفِيْنَ	حد سے بڑھنے والے
تَوَكَّلُوْا	تم بھروسہ کرو، توکل کرو
لَا تَجْعَلْنَا	تو ہمیں نہ بنانا
نَجِّنَا	ہم کو نجات دے

تشریح: آیت نمبر ۸۳ تا ۸۶

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص تن تنہا اتنی جرأت نہیں رکھتا کہ وہ معاشرہ کے ہر جھوٹ اور باطل سے ٹکرا جائے لیکن جب بھی حق اور سچائی کی بات کہی جاتی ہے تو کچھ سعادت مند لوگ اس سچائی کو دل سے قبول کر لیتے ہیں وہ اس کا اظہار تو نہیں کر سکتے لیکن جب ماحول سازگار ہوتا ہے تو وہ اس قلبی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر فوج درفوج اس تحریک کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

فرعون ایک انتہائی ظالم و جابر حکمراں تھا جس نے ظلم وستم، بربریت اور بداخلاقی کے ہر ہتھیار کو بنی اسرائیل کے خلاف بے دریغ استعمال کیا۔ بنی اسرائیل کی نسل کو ختم کرنے کے لئے اس نے ماؤں کی گود سے ان کے بیٹوں کو چھین چھین کر ذبح کرنا شروع کر دیا، وہ لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ اس کے ظلم وستم سے بنی اسرائیل اس قدر خوف زدہ تھے کہ اتنے

بڑے ظلم و جبر کے سامنے وہ اف تک کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے اور تڑپ کر رہ جاتے تھے مگر اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب ظلم اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر اس کو مٹانے کے لئے اہل ایمان اور حق و صداقت کے پیکر صاحب کردار لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے وہ اگرچہ بظاہر کمزور ہوتے ہیں لیکن ان کے دل میں ایمان کی روشنی سے وہ طاقت آ جاتی ہے جس سے وہ بڑی سے بڑی طاقت کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ ان کے ایمان و اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ وہ اسباب پیدا فرما دیتا ہے جس سے ان کے راستے کی ہر رکاوٹ دور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس ظلم و بربریت کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھیج دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک ہی بات فرمائی کہ ایمان ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعہ فرعون کے ظلم کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے مگر بنی اسرائیل سچائی کو ماننے کے باوجود اس قدر خوف و دہشت میں مبتلا تھے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا کھل کر ساتھ نہیں دے سکتے تھے جب فرعون کے دربار میں جادوگروں نے برملا اپنے ایمان کا اظہار کیا اور انہوں نے سزا کا ہر خوف دل سے نکال کر اپنے مومن ہونے کا اعلان کیا تو فرعون اس جرأت و ہمت پر حیران رہ گیا اور پھر اس نے اور اس کے سرداروں نے بھی کھل کر ظلم کی انتہا کر دی اور وہ مظالم ڈھائے جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ ان صاحبان ایمان بنی اسرائیل کو ایک ہی بات سمجھاتے تھے کہ اگر تم مومن ہو تو گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ اللہ بہت طاقت والا ہے۔ اس کی طاقت کے سامنے کسی کی کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔ اس پر بھروسہ کرو، وہی سننے والا اور تمہاری مدد کرنے والا ہے۔ ان اہل ایمان کا بھی یہی جواب ہوتا تھا کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور یہ دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے وجود کو خیر اور سلامتی کا ذریعہ بنا دے اور ہمیں ان ظالموں کا چارہ بننے سے محفوظ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس فریاد کو سن کر ان کو وہ طاقت عطا فرمائی کہ فرعون اور اس کے خوشامدی درباری خاک میں مل گئے۔

ان آیات میں فرعون کے جس ظلم و ستم، بربریت اور انسانیت سوز حرکتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے وہیں ان آیات میں کفار عرب کو یہ اشارہ بھی دے دیا ہے کہ ایمان و اخلاص کے سامنے فرعون جیسی طاقت تباہ و برباد ہو گئی۔ اگر تم بھی فرعون کے راستے پر چلتے ہوئے نبی مکرم ﷺ اور ان کے جاں نثار صحابہ کرامؓ پر ظلم و ستم کرو گے تو یاد رکھو یہ ظلم کی کالی رات بہت جلد ختم ہونے والی ہے اللہ پر ایمان اور توکل رکھنے والے اگرچہ خالی ہاتھ ہوتے ہیں ان کے پاس دنیاوی کوئی طاقت نہیں ہوتی لیکن وہ بڑی سے بڑی طاقت کو ملیامیٹ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ مظلوموں کے ذریعہ ظالموں اور ان کے ظلم کو مٹا کر چھوڑتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت کے بعد نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر کفار و مشرکین نے جو مظالم ڈھائے اور ظلم کی انتہا کر دی صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طاقت ایک سیلاب بن کر ان کفار کو بہا کر لے گئی۔ اور فتح مکہ کے دن وہ ظالم اپنی سزا کے اعلان کے منتظر تھے مگر نبی مکرم ﷺ نے جو پیغمبر انسانیت ہیں یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ "جاؤ تم سب آزاد ہو، آج تم سے کوئی انتقام اور بدلہ نہیں لیا جائے گا" اللہ نے یہ دکھا دیا کہ بالآخر وہی لوگ کامیاب و بامراد ہوتے ہیں جو ایمان، عمل صالح اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر ہوتے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹

اور ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی تم دونوں اپنی قوم کے لئے شہر میں کوئی گھر بنالو اور تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور نماز کو قائم کرو اور اہل ایمان کو خوش خبری سنادو۔ موسیٰؑ نے عرض کیا اے ہمارے رب آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی کی خوبصورتیاں اور مال و دولت سے نواز رکھا ہے۔ اے رب کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکاتے رہیں اے ہمارے رب ان کے مالوں کو برباد کردے اور ان کے دلوں پر مہر لگادے کہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک یہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی۔ تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کو نہ اپنانا جو علم نہیں رکھتے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹

اَوْحَيْنَا — ہم نے وحی کی

تَبَوَّا	تم دونوں ٹھکانا بنالو، مقرر کرلو
اَقِيمُوا	تم قائم کرو
زِينَةٌ	دنیاوی زیب وزینت
سَبِيلٌ	راستہ
اِطْمِسْ	تباہ کردے
اُشْدُدْ	سختی کر
حَتّٰى يَرَوُا	جب تک وہ دیکھ نہ لیں
اُجِيبَتْ	قبول کرلی گئی
دَعْوَتُكُمَا	تم دونوں کی دعا
اِسْتَقِيمَا	تم دونوں ثابت قدم رہنا
لَا تَتَّبِعٰنِّ	تم دونوں پیروی نہ کرنا

تشریح: آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹

جب سے حضرت موسیٰؑ نے اعلان نبوت فرما کر اللہ کے حکم سے کچھ معجزات دکھائے اس وقت سے فرعون کو ہر روز ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا خاص طور پر فرعون کے بھرے دربار میں تمام جادوگروں کا اسلام قبول کرکے فرعون کے ظلم وستم سے بے نیاز ہوجانا فرعون کی اتنی بڑی شکست تھی جس سے وہ ایک زخمی سانپ بن کر بنی اسرائیل کے ہر شخص کو تباہ و برباد کرنے پر تل گیا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ بنی اسرائیل اور فرعون کی سلطنت کے کمزور ترین لوگ اس طرح اس کے مقابلے میں کھڑے ہوجائیں گے۔ اس کے بعد فرعون نے ظلم وستم کی وہ انتہا کردی جس پر انسانیت بھی شرما کر رہ گئی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ہر لڑکے کو پیدا ہوتے ہی ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا گیا تاکہ بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم ہوکر رہ جائے۔ اس نے بنی اسرائیل کی تمام عبادت گاہوں اور گھروں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا تھا۔ فرعونیوں کے ان بے پناہ مظالم کے سامنے بنی اسرائیل اتنے بے بس ہوکر رہ گئے تھے کہ ہر شخص مصر سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اس مایوسی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی طرف وحی بھیجی کہ وہ ظلم وجبر کے مقابلے میں صبر واستقامت سے جمے رہیں اور قوم کو ادھر ادھر منتشر نہ ہونے دیں۔ اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کرکے کچھ گھروں کو عبادت کے لئے مخصوص کرلیں اور ان میں نمازوں کے نظام کو قائم

کریں۔ اکٹھے ہوکر نمازیں ادا کریں تا کہ سب میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو جائے اور اللہ پر بھروسے اور اعتماد میں اور اضافہ و ترقی ہو جائے۔ عمل کا یہی انداز ان تباہ حال بنی اسرائیل کے لئے خوش خبری سے کم نہ تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ جب قوم اللہ پر بھروسے، عبادت، توکل اور ایمان کی پختگی پر آ جائے تو اے موسیٰ ان اہل ایمان کو ہر طرح کی کامیابیوں کی خوش خبری دید یجئے۔

فرعون اور آل فرعون کے ظلم و ستم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ رنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا الٰہی! یہ فرعون اور اس کا ساتھ دینے والے جو دنیا کی تمام راحتوں، آرام اور دولت سے نوازے گئے ہیں۔ ان پر ناز کرتے ہوئے انسانیت سوز مظالم کر رہے ہیں اے اللہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے اور لوگوں کو اسی طرح گمراہ کرتے رہیں گے تو اے اللہ! ان ظالموں کے ہاتھوں سے وہ مال و دولت چھین لے جو انسانیت پر ظلم و ستم کا ذریعہ بن رہا ہے۔ جب تک یہ ایمان نہ لائیں اس وقت تک ان پر اپنے عذاب کو مسلط کئے رکھئے گا۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبروں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتا اس نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔ اب اس ظالم قوم سے اللہ انتقام لے گا۔ فرمایا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کے ماننے والے ثابت قدمی سے جمے رہیں اور وہ راستہ اختیار نہ کریں جو دوسرے لاعلم لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے چند اصولی باتیں ارشاد فرما دی گئی ہیں:

۱) اپنے بڑوں اور رہبروں کا کہا ماننا۔
۲) صبر و تحمل سے ہر ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا
۳) تنظیم قائم کرنا۔
۴) بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرنے کے لئے مسجدوں کا قائم کرنا۔
۵) نماز با جماعت کا اہتمام کرنا۔
۶) ہر حال میں اللہ پر ہی بھروسہ کرنا اسی سے مدد مانگنا۔
۷) عبادت و بندگی میں کوتاہی نہ کرنا۔

یہ وہ مضبوط ہتھیار ہیں جن سے اللہ و رسول کے دشمنوں کو شکست دینا بہت آسان ہے۔ جس قوم میں اپنے بڑوں کا احترام نہ کیا جائے۔ اور اپنے معاملات کے لئے تنظیم سے کام نہ لیا جائے اس وقت تک کسی کامیابی کا تصور ممکن نہیں ہے۔

ہر تحریک کی جان تنظیم ہی ہوا کرتی ہے لیکن جب مضبوط اور مربوط تنظیم کے لئے کوئی مرکز نہ ہو وہ تنظیم اپنا اثر نہیں دکھا سکتی۔ اہل ایمان کی تنظیم کے لئے مسجدیں بنانا اور ان میں عبادت و بندگی کے نظام کو قائم کرنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ کے واقعہ ہی میں غور کر لیجئے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کا مقابلہ فرعون اس کے سرداروں اور حکومتی مظالم سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبر و ضبط اور تنظیم سے اس کا مقابلہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مسجدیں بنا کر ان میں نمازوں کے نظام کو قائم کیا جائے۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر فی الحال مسجدیں قائم کرنا ممکن نہ ہو تو چند گھروں کو عبادت کرنے کے لئے مخصوص کر لیا جائے تا کہ ملت کو ایک رکھنے اور ان کو ایک

مرکز سے وابستہ رکھنے کی کوشش کی جاسکے۔ دراصل مساجد ہی مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے کافروں اور مشرکوں کے ظلم وستم کے باوجود ''دارارقم'' کو جو حضرت ارقم کا گھر تھا مسجد قرار دیا اور اس عبادت وبندگی کے نظام کو قائم فرمایا۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں آپ نے مسجد قبا کو اپنا مرکز بنایا اور بہت تھوڑے عرصے میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ پھر اسلام کے تمام نظام کی بنیاد مسجد کو بنا دیا گیا۔ یہی مساجد ہماری عدالتیں فوجی چھاؤنیاں اور تمام معاملات کا مرکز تھیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ جب تک ہمارے دین کے تمام کاموں کے مراکز مساجد تھیں تو اسلام کا سیدھا سچا اور سادہ نظام اسلام کی روح کے مطابق چلتا رہا لیکن جب دین اور اس کے تمام معاملات مسجدوں سے نکل کر بلند وبالا عمارتوں اور حکومتی ایوانوں میں پہنچ گئے اس وقت سے رسم اذاں تو رہ گئی لیکن روح بلالی نہ رہی'' آج بھی اگر ہمیں کامیابی نصیب ہوگی تو ہمیں اسی مسجد کے نظام کی طرف لوٹنا ہوگا جس میں ہماری قوم کی زندگی اور اس کی کامیابی پوشیدہ ہے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

ع ۹ / ۱۴

ترجمہ: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا۔ پھر ان کے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر ظلم اور زیادتی کے ارادے سے چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا۔ اس نے کہا کہ میں اس بات پر ایمان لے آیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (میں بھی ایمان لاتا ہوں) اور میں فرماں برداروں میں داخل ہوتا ہوں۔

(اللہ نے فرمایا کہ) اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو سرکشی کرنے اور فساد

کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج کے دن ہم تیری لاش کو بچائیں گے تا کہ تیرا وجود بعد کی نسل والوں کے لئے نشان عبرت بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

جَاوَزْنَا	ہم نے پار اتار دیا
اَلْبَحْرُ	سمندر، دریا
اَتْبَعَ	پیچھے چلا
جُنُوْدٌ	لشکر
بَغْیٌ	زیادتی
عَدْوٌ	دشمنی
اَدْرَکَهٗ	اس نے اس کو پالیا
عَصَیْتَ	تو نے نافرمانی کی
نُنَجِّیْ	ہم نجات دیں گے
خَلْفٌ	پیچھے
غٰفِلُوْنَ	غفلت کرنے والے، پروانہ کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول اپنی امت کے خیر خواہ بن کر تشریف لاتے ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو دنیا کی چمک دمک کو دیکھ کر تکبر اور غرور کا پیکر بن جاتے ہیں ان کو راہ راست پر لائیں۔ ان کو وہ راستہ دکھائیں جس پر چل کر وہ نجات کی منزل تک پہنچ جائیں۔ لیکن جب کفر، شرک، فسق و فجور، ضد اور ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ان کی اصلاح ممکن ہی نہ رہے تب انبیاء کرام اللہ کی بارگاہ میں آنے والی نسلوں کو بچانے کے لئے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ اب ایسا لگتا ہے کہ ان کے

غرور و تکبر اور کفر و شرک میں ڈوب جانے کی وجہ سے ان کی اصلاح ممکن نہیں ہے لہٰذا آپ ان پر اپنا فیصلہ نافذ فرما دیجئے۔ اللہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی دعا کو قبول کر کے اپنی مشیت کے مطابق اپنا عذاب اس قوم پر مسلط کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے زمانہ میں بھی یہی ہوا کہ وہ قوم کی اصلاح کے لئے جدوجہد اور کوشش فرماتے رہے اور یہ بتاتے رہے کہ فرعون اور قوم فرعون جس طرح بنی اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں اگر وہ باز نہ آئے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا مگر فرعون اور اس کی قوم اپنی حرکتوں اور سازشوں سے باز نہ آئی۔ جب فرعون اور اس کے متکبر سرداروں کا ظلم و ستم اپنی حدوں کو پار کر گیا تب حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! آج فرعون اور اس کے لشکری دولت و اقتدار کے نشے میں اندھے بن چکے ہیں وہ غرور و تکبر کے اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں وہ خود بھی گمراہ ہو چکے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ حق سے بھٹکا کر گمراہ کر رہے ہیں اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایمان کی دولت سے محروم رہیں گے اے اللہ! ان کے وہ مال و دولت جن کی وجہ سے یہ لوگ ہر طرح کے ظلم و ستم کر رہے ہیں یہاں تک کہ ماؤں کی گود سے ان کے معصوم بچوں کو چھین کر ذبح کر رہے ہیں اے اللہ! ان کے مال و دولت کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہریں لگا دے جن سے ان کو ایمان لانا نصیب ہی نہ ہو حضرت موسیٰؑ اس نافرمان قوم کے لئے بد دعا فرما رہے تھے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ اے موسیٰؑ و ہارونؑ تمہاری دعا قبول کر لی گئی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا کہ تم دونوں اپنے اس سچے اور نیک مشن اور مقصد میں لگے رہو اور ان نادانوں کی طرح نہ ہو جانا جو ہر کام میں جلدی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کے لئے یہ حکم آ گیا کہ تم دونوں بنی اسرائیل کو مصر سے فلسطین کی طرف لے کر کوچ کر جاؤ۔ چنانچہ اشارہ الٰہی ملتے ہی حضرت موسیٰؑ تمام قوم بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی تھی۔ جب فرعون کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ پوری قوم بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے ہیں تو اس کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ اب مملکت اور اس کے نظام کا کیا ہوگا کیونکہ ان ہی کی بنیادوں پر تو حکومت کا کاروبار چل رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا اور اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گیا جس راستے سے بنی اسرائیل فلسطین کی طرف رواں دواں تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو بحر قلزم کی طرف سے لے کر جا رہے تھے۔ جب سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو فرعون بھی بڑی تیزی سے قوم بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گیا۔ اب قوم بنی اسرائیل گھبرا گئی کہ آگے بڑھتے ہیں تو سمندر، رکتے ہیں تو فرعون کا لشکر ان کو کچلنے کے لئے سر پر پہنچ گیا ہے اس وقت ان کو چاروں طرف سے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ صبر سے کام لو جس اللہ کے حکم سے ہم سب نکلے ہیں وہی کوئی راستہ نکالے گا چنانچہ اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ اے موسیٰؑ اپنا عصا پانی پر ماریئے چنانچہ جیسے ہی حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا کو پانی پر مارا سمندر کا پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا اور درمیان سے راستہ بن گیا جس سے گذر کر سہولت کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچا جا سکتا تھا۔ چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے تو اللہ نے سمندر میں بارہ ہی راستے بنا دیئے جن سے بنی اسرائیل کا ہر خاندان بغیر کسی دشواری کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ ادھر فرعون اور اس کا زبردست لشکر جب سمندر کے

کنارے پہنچا اور اس نے سمندر میں راستوں کو دیکھا تو وہ خود اور اس کا لشکر بھی سمندر کے ان راستوں میں اتر گیا۔ لیکن اللہ کا حکم آتے ہی سمندر پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون کا پورا لشکر اس پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ جب فرعون نے موت کو سامنے پایا تب اس کی زبان پر یہ جملہ آ گیا "سچا معبود تو وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اب میں بھی اس معبود پر ایمان لاتا ہوں اور میں اللہ کے فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں" اس وقت اللہ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ یہ جواب دیا گیا کہ اے فرعون! تو اب ایمان لاتا ہے؟ جب کہ موت کے فرشتے تیرے سامنے کھڑے ہیں۔ تیری پوری زندگی تو غفلت، نادانی اور کفر و شرک میں گذری ہے اب موت کو سامنے دیکھ کر تجھے اللہ یاد آ گیا۔ فرمایا کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب موت کا فرشتہ سامنے آ جائے تو پھر کسی کی دعا اور توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب تک موت کے فرشتے یا اللہ کا عذاب سامنے نہ آ جائے اس وقت تک توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اگر کوئی اس سے پہلے توبہ کر لے تو ممکن ہے اس کی مغفرت کا سامان ہو جائے۔ لیکن وقت گذرنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کی توبہ قبول کی جائے۔ چونکہ فرعون نے ڈوبنے سے پہلے معافی مانگ لی تھی تو اس کی توبہ تو قبول نہیں ہوئی البتہ دنیا میں عبرت و نصیحت کے لئے اس کے بدن کو باقی رکھنے کا وعدہ فرمایا گیا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ موت اور حیات سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے زندگی دے جس کو چاہے موت دے جس کے بدن کو چاہے مچھلیوں کی غذا بنا دے اور جس کے بدن کو باقی رکھنا چاہے باقی رکھے۔

چنانچہ فرعون کو بھی اس پانی میں ڈبو دیا گیا لیکن اس کی لاش کو سمندر کے کنارے پھینک دیا۔ جب قوم فرعون نے فرعون کی لاش کو دیکھا تو وہ بہت شرمندہ ہوئے اور انہوں نے شرمندگی سے بچنے کے لئے فرعون کی لاش کو کچھ مصالحے لگا کر چھپا دیا کیونکہ مصریوں کو ایسے مصالحوں کا علم تھا جس سے وہ لاشوں کو باقی رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ۔ انیسویں صدی میں جب مصر میں آثار قدیمہ کی کھدائی کی گئی تو ان دونوں فرعونوں کی لاشیں نکلیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون تھے گویا اللہ تعالیٰ کی پیشین گوئی جو قرآن کریم میں موجود ہے برسوں کے بعد ساری دنیا کے سامنے ظاہر ہو کر رہی۔ انگلینڈ اور مصر کے عجائب گھروں میں ان فرعونوں کی لاشیں موجود ہیں جن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ کئی سال پہلے جب میں مصر گیا تو مصر کے عجائب گھر میں میں نے اپنی آنکھوں سے "فرعونوں کی اس ممی" کو دیکھا جو دنیا کے سامنے عبرت کا نشان ہے۔ ان لاشوں کو دیکھ کر یہ احساس پوری طرح زندہ ہو جاتا ہے کہ واقعی انسان انتہائی بے بس ہے۔ اس کا اپنے وجود پر بھی اختیار نہیں ہے مگر وہ دنیا کی وقتی چمک دمک اور دولت کی ریل پیل میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ اس میں تکبر اور غرور کی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ فرعون اور اس کے ماننے والے جو اپنے غرور تکبر میں حد سے گذر چکے تھے اللہ کے فیصلے کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے اور بالآخر ذلت کی موت سے دوچار ہوئے۔ اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ ان سروں کو کچل دیتا ہے جن میں غرور تکبر اپنی انتہا کے ساتھ بھر جاتا ہے۔

ان آیات کے مطالعہ کے بعد چند سوالات جو ذہنوں میں ابھرتے ہیں انکے جوابات پر بھی غور کرلیا جائے۔

۱) حضرت موسیٰؑ جو اللہ کے جلیل القدر اور محبوب پیغمبروں میں سے ہیں اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے بے شک وہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں سے مایوس تھے مگر کیا اللہ کے ایک پیغمبر کی یہ شان ہوسکتی ہے کہ وہ جن کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں ان ہی کے لئے بددعا فرمائیں؟

۲) فرعون کے بدن کو کیوں محفوظ رکھا گیا اس میں بظاہر اللہ کی کیا مصلحت ہے؟

۳) فرعون تو مصر کے ایک حکمراں خاندان کا لقب تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جو فرعون تھا اس کا کیا نام تھا؟

ان تینوں سوالوں کا جواب ترتیب وار عرض ہے:

۱) انبیاء کرامؑ بلا شک وشبہ اس قوم کے خیرخواہ اور مخلص ہوتے ہیں جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں اور وہ زندگی کے آخری لمحے تک اپنے اس مشن اور مقصد میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قوم کی اصلاح وتبلیغ کرنے کے باوجود غرور، تکبر، ضد اور ہٹ دھرمی پر وہ قوم جم جاتی ہے اور ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہتی تب انبیاء کرامؑ کے ہاتھ اس بددعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں کہ اے اللہ! اب بظاہر اس قوم کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اب آپ فیصلہ فرما دیجئے۔ اور اللہ اپنے نبیوں کی دعا کو رد نہیں فرماتا اور اس طرح اس قوم پر عذاب نازل ہو جاتا ہے سوائے اس کے کہ وہ پوری قوم عذاب آنے سے پہلے توبہ کرلے تو پھر عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے جیسے حضرت یونسؑ کی قوم کو جب اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ حضرت یونسؑ شہر چھوڑ کر جا چکے ہیں اور عذاب آنے ہی والا ہے تب پوری قوم نے سچے دل سے توبہ کی اور اس طرح اللہ کا وہ عذاب جو قوم یونسؑ کو تباہ وبرباد کردیتا وہ ان سے ان کی توبہ کی وجہ سے ٹل گیا۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی امت کی اصلاح کرنے کی کوشش کی مگر وہ قوم اپنے کافرانہ کردار سے باز نہیں آئی تب حضرت نوحؑ نے بددعا فرمائی اور پھر وہ طوفان آیا جس میں سوائے ان لوگوں اور جانداروں کے جو سفینہ نوح میں تھے روئے زمین کا ہر فرد غرق کردیا گیا۔ دراصل ان آیات میں کفار عرب کو یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنے کفر وشرک اور غرور وتکبر سے توبہ کرلیں ورنہ ایسا نہ ہو کہ رحمتہ للعالمین ﷺ تمہارے لئے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیں اور تم تباہ وبرباد ہو کر رہ جاؤ۔ نبی مکرم ﷺ پر امت کے لئے رحم وکرم کا وہ جذبہ غالب تھا کہ آپ نے نادانوں کی ہر بات کو برداشت فرمایا اور کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں فرمائی۔ لیکن اگر آپ چاہتے تو بددعا فرما سکتے تھے مگر اللہ نے آپ کو سراپا رحمت بنا کر بھیجا تھا اور آپ قیامت تک پوری امت اور دنیا بھر کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔

۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا یہ نظام ہے کہ وہ اس کائنات میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو فنا کے گھاٹ

اتار دیتا ہے اور کسی کو عبرت کے لئے باقی رکھتا ہے۔ فرعون کے بدن کو باقی رکھا گیا تا کہ آنے والے لوگ یہ دیکھ لیں کہ وہ لوگ جو مال و دولت، اقتدار، فوج اور اولاد کی کثرت کے گھمنڈ اور غرور و تکبر میں مست رہ کر اپنے سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتے ان کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا تکبر کا سر ہمیشہ نیچے کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا گیا کہ اللہ کو عاجزی اور انکساری بہت پسند ہے لیکن غرور و تکبر سخت ناپسند ہے۔ آج بھی جو شخص فرعون کے راستے پر چلے گا اس کا انجام فرعون سے مختلف نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص نبی مکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی جیسی زندگی اختیار کرے گا اس کو دین و دنیا کی تمام بھلائیاں عطا فرمائی جائیں گی۔

۳) تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں فرعون کا ذکر تو فرمایا گیا لیکن حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں کونسا فرعون تھا اس کا نام نہیں لیا کیونکہ اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اصل میں تو اس کردار کو سامنے لایا گیا ہے جس کا انجام برا ہوا۔ عبرت و نصیحت کے لئے یہی کافی ہے۔ البتہ معلوماتی اعتبار سے اس سلسلہ میں چند باتیں سامنے رہیں تو اچھا ہے۔ فراعنہ مصر کا خاندان تقریباً تین ہزار سال سے مصر پر حکمران تھا اور ہر وہ شخص جو اس تخت پر بیٹھتا تھا اس کو فرعون کہا جاتا تھا حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں دو فرعون گذرے ہیں جن کے نام تاریخ میں آتے ہیں ایک رعمسیس تھا جس کے محل میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد رعمسیس کا بیٹا اس تخت پر بیٹھا اس کا نام منفتاح تھا جو اس کا جانشین تھا جس کے دربار میں حضرت موسیٰؑ نے عصا کا معجزہ دکھایا اور تمام جادوگروں نے اس سچائی کو دیکھ کر جادو سے توبہ کی اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کو قبول کر کے اللہ پر ایمان لے آئے۔ فرعون کے ڈرانے اور دھمکانے کے باوجود یہ راہ ایمان سے نہ ہٹے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی ایمانی راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور گمراہوں کے ہر راستے سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۳

اور البتہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا عطا کیا اور ہم نے ان کو کھانے پینے کی بہترین چیزیں دیں۔ اور انہوں نے باہم اختلاف کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا۔ یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ قیامت کے دن کر دے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۳

بَوَّاْنَا	ہم نے ٹھکانا دیا
مُبَوَّأَ صِدْقٍ	بہترین ٹھکانا
اَلطَّيِّبٰتُ	پاکیزہ چیزیں
اِخْتَلَفُوْا	انہوں نے اختلاف کیا
اَلْعِلْمُ	علم (توریت)
يَقْضِىْ	وہ فیصلہ کرے گا
يَخْتَلِفُوْنَ	وہ اختلاف کرتے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۹۳

آپ نے گذشتہ آیات میں ملاحظہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے فرعون اور اس کے عظیم الشان لشکر کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو نہ صرف فرعون کے ظلم و ستم اور اس کی غلامی سے نجات عطا فرمادی تھی بلکہ مکمل عافیت اور سلامتی کے ساتھ تمام بنی اسرائیل کو سمندر کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا تھا اور پھر اس صحرا میں اللہ نے نہ صرف اعلیٰ ترین غذاؤں اور کھانے پینے کا انتظام فرمادیا تھا بلکہ ان کی روحانی تسکین و تعلیم کے لئے توریت جیسی کتاب عطا فرمادی تھی۔ اس طرح دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے ان کو نواز دیا گیا تھا مگر انہوں نے نافرمانی کے طریقے اختیار کر کے دین و دنیا کی ذلتوں کے طوق اپنے گلے میں ڈال لئے تھے۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے ظلم و ستم سے نجات عطا فرمادی تھی۔

۲) ان کو بہترین ٹھکانا عطا فرمایا اور ملک شام اور مصر جیسے صاف ستھرے سرسبز و شاداب علاقوں کا وارث بنادیا۔

۳) من و سلویٰ جیسا رزق حلال عطا فرمایا۔

۴) صحرا میں سب سے بڑی نعمت پانی ہوتا ہے۔ اللہ نے ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کر کے ہر قبیلے کو پانی کی سہولتیں عطا فرمادیں۔

۵) سب سے بڑھ کر روحانی اور اخلاقی تسکین و تکمیل کے لئے توریت جیسی کتاب عطا کی گئی جس میں ان کے لئے پوری طرح اس بات کی وضاحت کردی گئی تھی کہ زندگی گذارنے کا طریقہ کیا ہے؟ آخرت اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ کس طرح اپنی اور دوسروں کی اصلاح ممکن ہے؟ ثواب کیا ہے گناہ کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

(۶) اور کونسی نعمت تھی جو ان کو عطا نہیں کی گئی تھی مگر انہوں نے اللہ و رسول کی فرماں برداری کے بجائے نافرمانیاں شروع کر دیں۔ اتحاد و اتفاق کے بجائے انتشار پیدا کر کے کئی فرقے بنا ڈالے اور حق و صداقت کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے باطل اور باطل پرستوں کے طریقے اختیار کرنے شروع کر دیئے۔ جب ان کو عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ یہاں تک گستاخی کر ڈالی کہ اے موسیٰؑ! تم اور تمہارا رب کفار سے جنگ کر لیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم فتح کے منتظر بیٹھے ہیں جیسے ہی فتح ہو جائے ہمیں اطلاع کر دینا ہم قبضہ کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخی کی یہ سزا دی کہ اس صحرا میں ان کو چالیس سال تک اس طرح بھٹکا دیا کہ وہ ہر روز راستہ تلاش کرتے تھے مگر صبح سے شام تک راستہ تلاش کرنے کی جدوجہد کے باوجود اگلے دن صبح کو وہ دیکھتے کہ وہ وہیں پر ہیں جہاں سے چلے تھے۔ اس طرح ان سے راستہ گم کر دیا گیا تھا۔ وہ چالیس سال تک صحراؤں میں بھٹکتے رہے۔ اتنے طویل عرصہ میں بالآخر یہ قوم حضرت ہارونؑ اور پھر حضرت موسیٰؑ سے بھی محروم کر دی گئی۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارونؑ کے انتقال کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ کے سمجھانے سے یہ قوم کچھ آگے بڑھی اور اس نے ارض فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ مگر قوم بنی اسرائیل میں سے ہر خاندان نے اپنی اپنی حکومت قائم کر لی اور نہ صرف چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بٹ گئے بلکہ توریت کا علم آ جانے کے باوجود انہوں نے اتنے فرقے بنا لئے اور بحث و مباحثے کے ایسے دروازے کھول دیئے جس نے ان کو کسی قابل نہ رکھا۔ کفار اور مشرکین نے ان کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر آہستہ آہستہ اہل ایمان کو کفر کے راستے پر ڈال دیا اور ملک کے ہر حصے پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ بخت نصر کے زمانہ میں تو انتہا یہ تھی کہ ایک دفعہ پھر قوم بنی اسرائیل اس کافر حکومت کی یرغمال اور غلام بنالی گئی تھی۔ کائنات کی یہ سب سے بڑی سچائی ہے کہ جو قوم اللہ کا دین چھوڑ کر عمل کرنے کے بجائے بحث و مباحثہ میں لگ جاتی ہے اور اتحاد کے بجائے انتشار کا راستہ اختیار کرتی ہے وہ قوم نہ صرف برباد ہو جاتی ہے بلکہ ان کے ہاتھوں سے ان کے گھر برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں اتنے فرقے بن جاتے ہیں کہ سوائے بحث و مباحثہ کے عمل کی کوئی روشنی نظر نہیں آتی۔

بنی اسرائیل کے زوال کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو گی کہ جب ان ہی بنی اسرائیل میں سے بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے اور انہوں نے اعلان نبوت فرمایا تو نہ صرف ان بنی اسرائیل یعنی یہودیوں نے ان کا انکار کیا بلکہ بغاوت کا الزام لگا کر ان کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت عیسیٰؑ کو ان سے نجات عطا فرمائی اور ان کو آسمانوں پر اٹھا لیا جہاں وہ آج بھی زندہ ہیں۔ احادیث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت کے قریب نبی کریم ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑیں گے اور ایک وقت تک کے لئے اسلامی حکومت کو قائم فرما کر ان تمام اختلافات کو دور فرما دیں گے جو محض اس گمان پر قائم کر دیئے گئے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو

پھانسی دیدی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد یہ سارے اختلافات دور ہو جائیں گے اور دین میں جو انہوں نے فرقے بنا ڈالے تھے اور سچائی اور گمراہی کے جو جھوٹے معیار انہوں نے قائم کر لئے تھے ان کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا۔

ان آیات میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بنی اسرائیل جو نبی آخر الزماں ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آتے ہیں وہ کوئی ایسی نئی بات نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ہر نبی کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اگر آج ایمان کے مقابلے میں کفر کی حمایت کر رہے ہیں تو یہ ان کے قومی مزاج کی بات ہے۔ اللہ نے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح انبیاء کرام کی مخالفت کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب آئے اگر انہوں نے اللہ کے ان آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نافرمانی کی اور اطاعت قبول نہ کی تو قیامت تک ان کو راہ نجات حاصل نہ ہو سکے گی۔

فَإِن كُنتَ فِى شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ ءَايَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۴ تا ۹۷

پھر اگر آپ اس کتاب کی طرف سے شک میں ہیں جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے تھے۔ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے۔ آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔ اور آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوں جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔ ورنہ پھر آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ بے شک جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خواہ ان کے پاس ہر نشانی بھی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر۹۴تا۹۷

اِنْ كُنْتَ	اگر تو ہے
اِسْئَلْ	تو سوال کر
يَقْرَءُوْنَ	وہ پڑھتے ہیں
لَا تَكُوْنَنَّ	تو ہرگز نہ ہونا
اَلْمُمْتَرِيْنَ	شک کرنے والے
حَقَّتْ	ثابت ہوگئی
حَتّٰى يَرَوُا	جب تک وہ دیکھ نہ لیں گے

تشریح: آیت نمبر۹۴تا۹۷

جب نبی کریم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے اولین مخاطب کفار عرب کے سامنے قرآن کریم، اس کی آیات، حقائق اور گذشتہ انبیاء کرامؑ کے واقعات بیان فرماتے تو وہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے۔ ایک بات کے سمجھ میں آنے کے باوجود یا تو محض ضد، حسد، ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر ان آیات کا انکار کر دیتے یا شک وشبہ کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے تا کہ ان لوگوں کے قدم راہ حق سے ڈگمگا جائیں جو اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک بہت ہی لطیف انداز میں بظاہر نبی کریم ﷺ کو خطاب فرمایا ہے لیکن درحقیقت یہ بات ان لوگوں سے کی جارہی ہے جن کے دلوں میں قرآن کریم اور اس کی تعلیمات سے متعلق کچھ شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے۔ نبی جو ایمان ویقین کا پیکر ہوتا ہے اور جس پیغام الٰہی کو وہ لوگوں تک پہنچاتا ہے اس پر سب سے پہلے وہ خود ایمان لاتا ہے اس پر شک نہیں کرتا لہٰذا نبی مکرم ﷺ کی طرف تو شک کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی۔

بعض احادیث میں آتا ہے کہ جب قرآن کریم کی کوئی آیات یا سورت نازل ہوتی تو آپ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ ”لا اشک ولا اسال“ یعنی نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ کسی سے پوچھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی پہلی آیت ہی میں یہ فرمادیا کہ ”ذلک الکتب لاریب فیہ“ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل

صاف اور واضح طریقہ پر یہ بتا دیا ہے کہ اس قرآن کریم میں جس کو بھی کسی قسم کا شک وشبہ ہو اس کے لئے تین راستے کھلے ہوئے ہیں:

۱) جن لوگوں کو شک وشبہ ہے کہ (نعوذ باللہ) یہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے تو وہ خود اور ساری دنیا کے سارے حمایتیوں کی مدد سے قرآن کریم کی ایک سورت جیسی سورت ہی بنا کر لے آئیں۔ ساری دنیا کو گونگا کہنے والے اور خود اپنے آپ کو زبان کا ماہر بتانے والے قرآن کریم کے سامنے کیوں گونگے بن کر رہ گئے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے بھی تھا، ہمیشہ رہا ہے اور آج بھی ہے لیکن اس چیلنج کا جواب نہ کبھی دیا جا سکا، نہ دیا گیا اور نہ دیا جا سکے گا۔ لہٰذا شک وشبہ کرنے والے اپنی آخرت تباہ و برباد نہ کریں۔

۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کفار عرب جن کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے علم پر بہت اعتماد ہے ان سے پوچھ کر تحقیق کر لیں کہ یہ سچائی اور واقعات کس حد تک درست ہیں۔ یقیناً اگر ان لوگوں نے کسی تعصب کا مظاہرہ نہ کیا تو وہ صحیح بات بتا دیں گے اور اس طرح ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سچ اور جھوٹ اچھے اور برے میں تمیز کرنا مشکل ہو تو وہ اللہ کی آیات، واقعات اور نشانیوں میں غور و فکر اور تدبر کر کے اس حقیقت کی گہرائی تک پہنچ جائے اس کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ قرآن کریم جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے اس میں شک وشبہ کرنے والے اپنے ہاتھوں سے دنیا اور آخرت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ سراسر نقصان میں رہیں گے کیونکہ اگر ان لوگوں نے اس روش کو تبدیل نہ کیا تو ان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ ایمان کی دولت سے اس طرح محروم کر دیئے جائیں گے کہ پھر ان کو ایمان کی توفیق ہی نصیب نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جو شخص شک وشبہ کرتا ہے اس کا انجام دنیا اور آخرت میں بہت بھیانک اور دردناک ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی بنیاد یقین پر اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ کسی دل میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے کیونکہ جب کسی شخص کی دنیا و آخرت کی تباہی مقدر کر دی جاتی ہے تو سب سے پہلے اس کے دل میں شک وشبہ پیدا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ انکار حق کا جذبہ پروان چڑھنے لگتا ہے۔ جب کوئی انسان انکار حق میں آگے بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ گم راہ ہو کر نجات کی راہ کھو بیٹھتا ہے اور سچائی کی منزل اس سے دور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر اس کے سامنے کائنات کی ساری نشانیاں بھی لا کر رکھ دی جائیں تب بھی اس کو راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے دین میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کریں اور نہ اس جذبے کو آگے بڑھنے دیں ورنہ ایسے لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنی دنیا و آخرت کا شدید اور ناقابل تلافی نقصان کر بیٹھیں گے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

۱۰ ع ۱۱ ۱۵

ترجمہ: آیت نمبر ۹۸ تا ۱۰۳

کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا ان کو نفع دیتا سوائے یونسؑ کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان پر سے دنیا کی زندگی کا عذاب ٹال دیا۔ اور ان کو ایک مدت تک سامان زندگی عطا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو روئے زمین پر ہر شخص ایمان لے آتا۔ کیا پھر آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی شخص کا ایمان ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اللہ کا طریقہ تو یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان کو گندگی میں دھکیل دیتا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم آسمانوں اور زمین میں غور کرو کہ وہ کیا ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لانا نہیں چاہتے ان کو دلیلیں اور دھمکیاں کچھ کام نہیں دیتیں وہ لوگ شاید اس انتظار میں ہیں کہ ان سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں ان پر ان ہی جیسے حالات آجائیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم انتظار کرو

اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو اور ان کو جو ایمان لے آئے تھے نجات عطا کی۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات عطا کریں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۸ تا ۱۰۳

قَرْيَةٌ	بستی، آبادی
كَشَفْنَا	ہم نے کھول دیا، ہٹا دیا
اَلْخِزْىُ	رسوائی
مَتَّعْنَا	ہم نے سامان دیا
حِيْنٌ	زمانہ، مدت
تُكْرِهُ	تو زبردستی کرے گا
يَجْعَلُ	وہ بناتا ہے، ڈالتا ہے
اَلرِّجْسُ	گندگی
لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھ نہیں رکھتے ہیں
اُنْظُرُوْا	تم دیکھو
مَا تُغْنِىُ	کام نہیں آئی
اَلنُّذُرُ	ڈرانا، دھمکانا۔
يَنْتَظِرُوْنَ	وہ انتظار کر رہے ہیں

تشریح: آیت نمبر ۹۸ تا ۱۰۳

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خشکی اور تری میں برتری اور اس کائنات کی ہر مخلوق سے زیادہ عظمت عطا فرمائی ہے لیکن اس کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں الجھ کر اس قدر غافل ہو جاتا ہے کہ اس کو آخرت کی یاد ہی نہیں آتی اور بھول کر وہ

اپنے خالق و مالک سے دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی ذات وصفات کا یا انکار کر دیتا ہے یا شرک کی اس انتہا تک پہنچ جاتا ہے جہاں رب العالمین کے ساتھ سیکڑوں جھوٹے معبودوں کو شریک کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی اپنے پاکیزہ نفس انسانوں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے تا کہ ان کی آنکھوں سے غفلت اور بے حسی کے پردے ہٹ جائیں اور وہ عقل و فکر اور سمجھ سے کام لے کر ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیں۔ لیکن جب وہ قوم اور اس کے افراد مسلسل انکار اور ہٹ دھرمی کا مظاہر کرتے ہیں اور کسی طرح بھی ایمان اور عمل صالح پر نہیں آتے تب اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی بددعاؤں کو قبول کر کے اس قوم پر عذاب مسلط کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص یا قوم عذاب، اور موت کے فرشتے کے سامنے آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لیتی ہے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے عذاب ہٹا لیتا ہے ورنہ ان کو ایسی کڑی سزا دیتا ہے، جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے جو لوگ اس فرصت عمل سے فائدہ اٹھا کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتے ہیں ان کو نہ صرف اس دنیا کی کامیابیاں عطا کر دی جاتی ہیں بلکہ آخرت کی تمام نعمتوں سے نواز دیا جاتا ہے ابھی آپ نے گذشتہ آیات میں ملاحظہ کر لیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے فرعون کو ہر طرح سمجھایا، معجزات دکھائے مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر جما رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو جس سمندر میں راستے بنا کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا تھا اسی سمندر اور اس کے راستوں میں فرعون کے سارے لشکر اور فرعون کو ڈبو دیا تھا۔ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس نے یہ دیکھ لیا کہ اب موت کے فرشتے سامنے ہیں اس وقت اس نے توبہ کرنے کی کوشش کی اور بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لانے اور مسلم بن جانے کی درخواست کی مگر اللہ کے قانون کے مطابق اب توبہ کا وقت نکل چکا تھا۔ اس کی توبہ قبول نہیں کی گئی اس کو تو نجات نہیں ملی مگر اللہ نے آنے والی نسلوں کے لئے یہ سامان عبرت ضرور مہیا کر دیا کہ اس کے بدن کو نجات دیدی تا کہ ہر شخص اس فرعون کی بے بسی کا تماشا کر سکے جس نے خود اپنے آپ کے لئے ''رب اعلیٰ'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔

اس کے برخلاف قوم یونس جس نے عذاب کے آثار دیکھ کر پہلے ہی توبہ کر لی تھی ایمان اور عمل صالح پر قائم رہنے کا وعدہ کر لیا تھا تو اس قوم کو اللہ کے عذاب سے نجات مل گئی تھی۔

حضرت یونسؑ نے نینوا کے لوگوں کو ہر طرح سمجھایا کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں مگر ان پر غفلتوں کے پردے پڑے ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت یونسؑ کی کوئی بات نہ سنی آخر کار اس قوم سے مایوس ہو کر انہوں نے پروردگار کی بارگاہ میں یہ عرض کر دیا کہ الٰہی یہ لوگ کسی طرح کفر و شرک سے باز نہیں آتے اب آپ ان کا فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ جو بندوں پر زبردستی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت عمل اور ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے جب اللہ کے نبیؑ ان سے مایوس ہو کر فیصلے کی درخواست کرتے ہیں تو وہ ان کی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور اس قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ دعا کر کے حضرت یونسؑ نے فرما دیا کہ تین دن اور رات کی مہلت دی گئی ہے۔ اگر تم نے توبہ نہ کی تو اللہ کا عذاب تمہارے اوپر مسلط کر دیا جائے گا۔ حضرت یونسؑ اس دن جب کہ عذاب مقدر کر دیا گیا تھا اپنے اہل خانہ کے ساتھ یہ سوچ کر نکل کھڑے ہوئے کہ اب تو اس قوم پر عذاب آنے والا ہے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت یونسؑ اپنے اہل خانہ کے ساتھ کسی دوسری بستی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ادھر اللہ کے فیصلے کا دن آ گیا آسمان پر قیامت خیز سیاہ

اور ہیبت ناک بادل چھا گئے جو آہستہ آہستہ ان کی آبادیوں کے قریب آتے جا رہے تھے۔ اب اس قوم کو فکر ہوئی پہلے تو انہوں نے حضرت یونسؑ کو تلاش کیا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت یونسؑ جاچکے ہیں تو ان پر اور بھی گھبراہٹ طاری ہوگئی پوری قوم نے عذاب کے آثار کو محسوس کرلیا تھا لہٰذا اس قوم کے سارے مرد عورتیں بچے اپنے مویشی لے کر ایک بہت بڑے میدان میں جمع ہوگئے۔ وہاں انہوں نے رونا چلانا اور چیخنا شروع کردیا اور اللہ سے معافی مانگنی شروع کردی۔ وہ روتے چلاتے چیخیں مارتے اخلاص سے اللہ کو پکار رہے تھے اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور وہ عذاب جو چند لمحوں میں آنے والا تھا اس کو روک دیا گیا۔ کیونکہ پوری قوم نے اجتماعی طور پر اپنے گناہوں، کفر و شرک پر شرمندگی کا اظہار کر کے ایمان و عمل صالح کا وعدہ کرلیا تھا۔ پھر بعد میں حضرت یونسؑ بھی بہت سی تکلیفیں اٹھا کر اپنی قوم میں واپس آ گئے اور قوم کی اصلاح کی جدوجہد میں لگ گئے۔

ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! بے شک آپ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ سارے عرب والے ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جائیں اور یہ آپ کی کوئی بات نہیں سنتے لیکن آپ ان کی بدعملیوں پر رنجیدہ یا مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ کا یہ قانون موجود ہے کہ وہ کسی پر زبردستی نہیں کرتا اگر وہ چاہتا تو ساری دنیا کے انسان فرشتوں کی طرح صرف اہل ایمان ہوتے لیکن اللہ نے انسان کو غور و فکر اور تدبر کرنے کے لئے عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے اگر وہ گذشتہ انبیاء کرامؑ کے واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتا تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی سنت اور طریقہ آج بھی تبدیل نہیں ہوا اگر وہ اپنے کفر و شرک سے توبہ نہیں کریں گے تو اللہ ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکے گا۔ وہ اللہ کا کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ وہ اپنے نبی ﷺ! اور انکے ماننے والے اطاعت گذاروں کو نجات عطا فرمادے گا۔

اس میں کفار عرب سے بھی کہا جارہا ہے کہ اب اللہ کے آخری نبی اور رسول بھیج دیئے گئے ہیں۔ ان کو سنبھلنے کا آخری موقع دیا گیا ہے۔ اگر انہوں نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اپنی غفلتوں اور کفر و شرک میں اسی طرح لگے رہے جس طرح پہلی قوموں کو نجات نصیب نہیں ہوئی تمہیں بھی نصیب نہ ہوگی۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور نہ اس کے رسول کی طرف سے ہر طرح کے نتائج پر غور کر کے ہر شخص ایمان لائے یا نہ لائے بہر حال اس کے اعمال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۲) ایمان جیسی نعمت و دولت کا حاصل کرنا اللہ کے اذن پر منحصر ہے۔ لیکن یہ اذن ان کے لئے ہے جو اپنی فہم و فراست اور عقل و فکر کو استعمال کرتے ہیں۔

۳) لیکن وہ لوگ جو اپنی آنکھوں، کانوں اور دل و دماغ پر غفلت کے پردے ڈالے ہوئے ہیں ان کو نجاست اور گندگی میں مبتلا رہنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو آخر کار ان کے انجام تک پہنچا دیتا ہے اور وہ لوگ جو اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرتے ہیں ان کو نجات عطا فرمادیتا ہے۔

۵) جولوگ گذشتہ قوموں کے واقعات پر غور نہیں کرتے اور اپنی روش زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ ہم بھی انتظار کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو ان کے برے انجام تک پہنچا دے گا اور اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو دنیا اور آخرت میں نجات عطا فرما کر ہر نعمت سے نواز دے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۷

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! جس دین کو میں لے کر آیا ہوں۔ اگر تمہیں اس میں شک ہے تو میں تمہارے ان معبودوں کی عبادت و بندگی نہ کروں گا جنہیں تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا معبود بنا رکھا ہے بلکہ میں تو اسی رب کی عبادت و بندگی کروں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ایمان لانے والوں میں سے رہوں۔ اور اس کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ (اے نبی ﷺ) آپ یکسو ہو کر اپنے آپ کو اس دین پر قائم رکھیں اور آپ مشرکوں میں سے نہ ہوں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکاریں جو نہ تو نفع دے سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔ پھر بھی اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ بے انصافوں

میں سے ہو جائیں گے۔ اور اگر اللہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کو اس سے دور کرنے والا اور کون ہے۔ اور اگر وہ کسی کو راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل و کرم کو ہٹانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نواز دے۔ وہ بہت مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۷

لَا اَعْبُدُ	میں عبادت نہ کروں گا
یَتَوَفّٰی	وہ موت دیتا ہے
اُمِرْتُ	مجھے حکم دیا گیا ہے
اَنْ اَکُوْنَ	یہ کہ میں ہو جاؤں
اَقِمْ	قائم کیجئے
وَجْھَکَ	اپنا چہرہ
حَنِیْفٌ	یکسو۔ سب سے کٹ کر محض اللہ کی عبادت کرنے والا
لَا تَدْعُ	تو نہ پکار
اِنْ یَّمْسَسْکَ	اگر تجھے پہنچائے
بِضُرٍّ	کوئی نقصان
کَاشِفٌ	کھولنے والا
یُرِدْکَ	تجھے چاہے
بِخَیْرٍ	بھلائی
رَآدٌّ	لوٹانے والا، ٹالنے والا
یُصِیْبُ	وہ پہنچاتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۷

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ اگر وہ ان کو گننا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم اور روح کی تسکین کے لئے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا ذکر سورۂ رحمٰن میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے جنات اور انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اکتیس مرتبہ اس جملے کو دھرایا گیا ہے کہ تم اے جن وانس اس کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بڑی نعمت قرآن کریم اور پھر حسن بیان عطا فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ زمین وآسمان، چاند، سورج، ستارے، اونچے اونچے پہاڑ، خوبصورت دریا اور ان کے سنگم درخت ان کے پھل، سمندروں کے موتی یہ سب کچھ جنات اور انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ زمین وآسمان، چاند، سورج اور ستارے اللہ کے حکم سے چل رہے ہیں۔ دنیا کی گھڑیاں غلط ہوسکتی ہیں لیکن اللہ نے چاند، سورج اور ستاروں کی جو رفتار مقرر کردی ہے اس میں ایک لمحہ کا بھی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تمام چیزیں اپنے وجود میں اس قدر بے بس اور مجبور ہیں کہ یہ کسی کا نہ کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نفع پہنچاسکتی ہیں۔ انسان کی کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ ان بے بس اور عاجز مخلوقات کو اپنا معبود بنا کر ان سے توقع رکھتا ہے پتھروں کے بے جان بت جو اپنے وجود میں بھی انسانی ہاتھوں کے محتاج ہیں وہ کسی کو کیا دے سکتے ہیں اور کیا چھین سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم کی طرح بت خانہ میں گھس کر سارے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے تو وہ اپنے وجود کو بچا نہیں سکتے۔ ان کو معبود بنانا درحقیقت شرف انسانیت کی سب سے بڑی توہین ہے۔ اور ایک جاہلانہ فعل ہے لیکن جو اپنے خیالات کے پوجنے والے ہوتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ساری دنیا ان کی طرح بے جان بتوں کو اپنا حاجت روا بنالے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے صاف اعلان کرادیا ہے کہ ”اے لوگو اگر تمہیں اس دین میں شک وشبہ ہے جو میں لے کر آیا ہوں تو یہ تمہارا اپنا فعل اور خیال ہے مجھ سے یا میرے ماننے والوں سے تم کبھی اس بات کو توقع مت کرنا کہ ہم ان کی عبادت وبندگی کریں گے جن کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے تو میرے اس اللہ نے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہے یہ حکم دیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں رہوں جو ایک اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ مجھے اللہ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ میں اپنی ذات کو ہمیشہ اس دین حنیف کی طرف جھکائے رکھوں جو اللہ نے عطا فرمایا ہے اور کبھی شرک کے قریب بھی نہ جاؤں۔ کیونکہ وہ جن کے ہاتھ میں نہ کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار ہے اور نہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت آجائے تو وہ اس کو دور کرنے سے عاجز ہیں ان کے سامنے جھکنے اور ان کی عبادت وبندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تو وہ صاحب اختیار ہستی ہے کہ اگر کسی کو بھلائی عطا فرمانا چاہے تو کوئی بھی اتنی طاقت وقوت نہیں رکھتا کہ اس کو اس بھلائی کے دینے سے روک دے۔ وہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا اور

رحم کرنے والا ہے اور اپنی قدرت سے جو کچھ کرنا چاہے وہ کرتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے بے بس اور مجبور نہیں ہے۔"

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

ع ۱۱ / ۱۶

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۸ تا ۱۰۹

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا۔ جو شخص راہ ہدایت پر آئے گا تو سیدھے راستے پر ایمان لانا اس کو نفع دے گا اور جو گمراہی کو اختیار کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔ اور میں تمہارے اوپر مسلط نہیں کیا گیا ہوں۔

(اے نبی ﷺ) آپ اس کی اتباع کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۸ تا ۱۰۹

اِهْتَدٰی	جس نے ہدایت حاصل کی
ضَلَّ	بھٹک گیا
وَكِيْلٌ	کام بنانے والا
اِتَّبِعْ	اتباع کیجیے۔ پیچھے چلئے
يُوْحٰى	وحی کی گئی ہے

يَحْكُمُ	وہ فیصلہ کرے گا
خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ	بہترین فیصلہ کرنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۰۸ تا ۱۰۹

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر، حق اور باطل کی تمام حقیقتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایک طرف فرعون، اس کے تکبر اور برے انجام کو بیان فرمایا ہے دوسری طرف حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت یونسؑ کے واقعات کو مختصر انداز میں بیان کر کے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ انسان کے لئے نجات کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر پوری طرح عمل کرے، اس راستے کے علاوہ نجات کی کوئی اور شکل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیج کر ایک مرتبہ پھر حق کی راہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لئے مقرر فرما دیا ہے۔ اب اگر کوئی بھی شخص گمراہی یا گمراہوں کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کا انجام فرعون، ہامان اور شداد سے مختلف نہ ہوگا لیکن جس نے نبی مکرم ﷺ کی اطاعت و محبت کا حق ادا کر کے ان کے راستے کو منتخب کر لیا تو دنیا اور آخرت میں اس کی کامیابی یقینی ہے۔ جس کے لئے نبی کریم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں جنہوں نے نبی مکرم ﷺ کے ہر طریقے اور سنت سے اتنا پیار کیا کہ وہ کائنات کی عظمت کے نشان بن گئے لیکن وہ لوگ جنہوں نے آپ کے طریقہ زندگی سے منہ پھیرا وہ اس بری طرح ناکام ہوئے کہ آج ان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے وہ تاریخ انسانی کے بدنما داغ بن گئے۔

صحابہ کرامؓ کو تو یہ عظمت حاصل ہے کہ اگر کوئی ان کی اولاد ہے تو وہ ان کی نسبت پر بھی فخر کرتی ہے لیکن وہ کتنے بدقسمت لوگ ہیں جن کی اولادیں بھی ایسے لوگوں کی طرف اپنی نسبت کو توہین سمجھتی ہیں۔

سورۂ یونس کی ان دو آیتوں میں نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ اس بات کا اعلان فرما دیجئے کہ حق و صداقت کا ہر راستہ واضح ہو کر تمہارے سامنے آچکا ہے۔ جو شخص راہ ہدایت پر چلے گا اس کا فائدہ وہ حاصل کر سکے گا لیکن جو گمراہی کے راستے پر چل پڑا ہے وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ میں اس کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں نے ہر سچی بات ہر انسان تک پہنچا دی ہے۔

آخر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے واسطے سے قیامت تک آنے والے ہر شخص سے فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے بھلے

برے کا خود ذمہ دار ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ یہ دیکھے بغیر کہ کون وحی کی پیروی کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا ہے آپ وحی الٰہی کی پیروی کیجئے۔ لوگوں کی باتوں پر صبر و تحمل کا مظاہر کیجئے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ اور حکم آ جائے۔ یقیناً وہ اللہ ایک دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا کیونکہ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اللہ ہم سب کو نبی کریم ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر پوری طرح سے عمل کرنے، اطاعت و فرماں برداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کامیاب و بامراد ہوئے اللہ ہمیں بھی دین و دنیا میں کامیاب فرما کر ہماری نجات فرمادے۔ آمین ثم آمین

الحمدللہ سورہ یونس کا ترجمہ و تشریح مکمل ہوئی اللہ ہم سب کو حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارہ نمبر ۱۱ تا ۱۲

• یعتذرون • ومامن دآبۃ

سورۃ نمبر ۱۱

ھُوْد

• تعارف • ترجمہ • لغت • تشریح

تعارف سورۂ ھود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ نمبر	11
رکوع	10
آیات	123
الفاظ وکلمات	1936
حروف	7926
مقام نزول	مکہ مکرمہ

☆ سورۂ ھود میں سات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات، واقعات اور ان کی امتوں کی سرکشی ونافرمانی اور ان پر سخت ترین عذاب اور سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

☆ جب نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک میں چند سفید بال آ گئے تو ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا سورۂ ھود اور اس جیسی چند سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ بعض روایات میں سورۂ ھود کے ساتھ سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ نبا اور سورۂ تکویر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ ھود میں سات انبیاء کرامؑ کے حالات واقعات اور ان کی امت کی نافرمانی وسرکشی کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ھودؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت موسیٰؑ۔

☆ اس سورت میں چند باتوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۱) قرآن کریم ایک معجزہ ہے۔ (۲) توحید ورسالت پر ایمان لا کر دونوں جہانوں کی بھلائی حاصل کی جائے۔ (۳) اللہ کی شان رزاقیت کیا ہے۔ (۴) زمین وآسمان اور عرش الٰہی کی پیدائش کا حال۔ (۵) انسان کی جلد بازی اور ناشکری۔ (۶) کفار کی طرف سے آپ کی دل شکنی اور اللہ کی طرف سے تسلی۔ (۷) قرآن کریم کا دنیا بھر کے لیے چیلنج۔ (۸) دنیا کے طلب گار، آخرت سے بے زار اور دوسری طرف اہل ایمان کی فکر آخرت اور ان کی فضیلت اور دونوں کا انجام۔ (۹) مسلمانوں کو اپنے کام میں لگنے اور کفار سے کنارہ کشی کا حکم۔ (۱۰) اللہ ہی عالم الغیب ہے وہ ہر انسان کی ہر کیفیت اور ضرورت کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔ (۱۱) فرمایا گیا کہ وہ کفار اگر دین اسلام کی سچائیوں کو مانتے ہیں تو ان کے حق میں بہتر ہے لیکن اگر وہ نہیں مانتے تو ان کو دنیا میں ذلت اور آخرت کی ناکامی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

قوم عاد:

☆ قوم عاد سرزمین عرب کی طاقت ور ترقی یافتہ اور مال ودولت اور خوش حالی کے لحاظ سے زبردست اور مضبوط قوم تھی لیکن اللہ کی نافرمانیوں، سرکشیوں اور بت پرستیوں نے اس قوم کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اس قوم کی اصلاح کے لیے حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ انہوں نے نہایت خیر خواہی سے اس قوم کو سمجھایا لیکن جسمانی طاقت وقوت، مملکت کی ہیبت

سورۂ ھود قرآن کریم کی گیارہویں سورت ہے اس میں کفار ومشرکین اور ان کے مددگاروں کے لیے یہ چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو حضرت محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے تو فرمایا کہ وہ خود اور ساری دنیا کی مدد لے کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آئیں۔ جب اس چیلنج کا جواب نہیں دیا گیا تو فرمایا کہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج بھی ہے مگر نہ پہلے جواب دیا گیا نہ آج اس کا جواب دینے کی ہمت ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے۔

وجلال، مال ودولت کی کثرت نے ان کو اتنا مغرور ومتکبر بنادیا تھا کہ وہ کہتے کہ ہم سے طاقت ور کوئی ہے تو بتاؤ لیکن جب اللہ کا فیصلہ آیا تو وہ پوری قوم مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔ ان کی طاقت و قوت، مال ودولت اور اونچی عمارتیں ان کے کام نہ آسکیں۔

قوم عاد کی بت پرستی:

☆ قوم عاد قوم نوح کی طرح وِدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنا معبود مانتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بت کا نام صمود تھا اور ایک کا نام ہتیار تھا (البدایہ والنھایہ جلد ا)

اور فیصلہ آ گیا:

آخر کار اس بدنصیب قوم پر عذاب مسلط کردیا گیا۔ ایک ہولناک عذاب نے ان کو آگھیرا۔ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل تیز وتند ہواؤں کے ایسے زبردست طوفان آئے جس نے ان کو، ان کی آبادیوں کو، ان کی طاقت وقوت کے گھمنڈ کو، غرور وتکبر کو اور مضبوط جسم وجان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس قوم کو اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا کہ ان کا مٹنا بھی ایک ضرب المثل بن گیا۔

☆ قرآن میں حضرت ھودؑ کا سات جگہ ذکر آیا ہے۔
☆ قرآن میں قوم عاد کا نو مرتبہ ذکر آیا ہے۔
☆ قوم عاد کا زمانہ دو ہزار سال قبل مسیح ہے۔
☆ قوم عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا۔
☆ قوم عاد یمن کا دارالحکومت تھا۔
☆ قوم عاد بت پرست اور بت ساز تھی۔

سورۃ هود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ا تا ۴

الف-لام-را (حروف مقطعات)

(یہ قرآن وہ) کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم (مفصل) کرکے ایک حکمت اور خبر رکھنے والے کی طرف سے صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ (اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجیے) تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ بے شک میں اس کی طرف سے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کی طرف متوجہ رہو۔ وہ تمہیں ایک مقرر اور متعین مدت تک بہترین سامان زندگی عطا کرے گا اور وہ زیادہ بہتر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب عطا کرے گا۔ اگر تم پلٹ گئے تو مجھے تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱ تا ۴

اُحْكِمَتْ	مضبوط کی گئی ہے
فُصِّلَتْ	کھول کھول کر بیان کی گئی
اَلَّا تَعْبُدُوْا	یہ کہ تم عبادت نہ کروگے
نَذِيْرٌ	برے انجام سے ڈرانے والا
بَشِيْرٌ	اچھے اعمال پر خوش خبری دینے والا
اِسْتَغْفِرُوْا	تم گناہوں کی معافی مانگو
تُوْبُوْا	تم توبہ کرو، توجہ کرو
يُمَتِّعْ	وہ سامان (زندگی) دے گا
مُسَمًّى	مقرر، متعین
يُؤْتِ	وہ دے گا
ذِىْ فَضْلٍ	فضل والا، زیادہ کام کرنے والا
اَخَافُ	میں ڈرتا ہوں

تشریح: آیت نمبر ۱ تا ۴

سورۂ ھود کی ان چار آیات میں سمندر کو کوزے میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ ان آیات کی مختصر تشریح ملاحظہ کر لیجئے۔

۱) الٓر

اس سورت کا آغاز حروف مقطعات سے کیا گیا ہے۔ یعنی جن حروف کے معنی اور مراد کا علم اللہ رب العزت ہی کو ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے معانی اپنے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بتا دیئے ہوں۔ لیکن آپ ﷺ نے

ان کے معانی نہیں بتائے۔صحابہ کرامؓ نے بھی ان حروف کے معانی نہیں پوچھے لہٰذا اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کے معنی اور مراد کیا ہیں۔

اس سے پہلے سورہ بقرہ وغیرہ میں تفصیل سے بتا دیا گیا ہے۔ان معلومات کو ذہن میں تازہ کرنے کے لئے اتنا سمجھ لیجئے کہ حروف مقطعات قرآن کریم کی انتیس سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔کہیں یہ حروف ایک حرف ہیں کہیں دو تین، چار اور پانچ کا مجموعہ ہیں۔بہرحال پانچ حروف سے زیادہ کا مجموعہ نہیں ہے۔

۲) کتاب احکمت ایته

یعنی ان قرآنی آیات کو اللہ تعالیٰ نے نہایت مستحکم، مضبوط جچی تلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے۔دنیا کے حالات کسی بھی رخ پر جائیں۔کوئی بھی کروٹ لیں کائنات میں کتنی ہی بڑی سے بڑی تبدیلی آ جائے۔علم و تحقیق میں جتنی بھی ترقی ہو جائے لیکن قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں اور حقائق میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ہمارا دور کمپیوٹر اور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کمپیوٹر اور سائنس جتنی بھی ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں وہ ہر دن اسلام کے اصولوں کی سچائی کو کھولتے چلے جا رہے ہیں۔ہمیں ان سائنسی ترقیات سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی فکر تو ان مذہبوں کو ہونی چاہئے جن کی بنیاد مستحکم اور مضبوط سچائیوں پر نہیں ہے لیکن جس قرآن کریم کی بنیاد ان مستحکم بنیادوں پر ہے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں تو انسان کے علم و تحقیق کو جوان ہونے دیجئے پھر دنیا کی ہر قوم قرآن کی سچائیوں کو ماننے پر مجبور ہو جائے گی۔

۳) ثم فصلت من لدن حکیم خبیر

ترجمہ: پھر ان آیات کو ایک حکمت اور خبر رکھنے والی ذات نے صاف صاف اور کھول کر بیان کر دیا ہے۔

قرآن کریم کی ہزاروں خصوصیات میں سے ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی آیات اس قدر واضح اور کھلی ہوئی ہیں کہ جن میں گہرائی کے باوجود کوئی منطقی اور فلسفیانہ انداز نہیں ہے بلکہ اس قدر سادہ اور صاف صاف باتیں بتائی گئی ہیں جن کو ہر شخص نہایت آسانی اور سہولت سے سمجھ سکتا ہے۔اور اس کو ان آیات پر عمل کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ایک تو واضح اور کھلی ہوئی آیات ہیں اور پھر اس ذات کی طرف سے ان آیات کو نازل کیا گیا ہے جس کی نگاہ سے کائنات کا کوئی ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔وہی ذات ہر طرح کی حکمت و مصلحت سے بخوبی واقف ہے۔

٤) الا تعبدوا الا اللہ

ترجمہ: تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرو۔

اس حکیم وخبیر ذات کا پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ ہی سب کا پروردگار ہے وہی خالق و مالک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت وبندگی نہ کی جائے، کیونکہ انسان جب اس در سے اپنی پیشانی کو ہٹا کر کسی بھی غیر اللہ کے در پر اپنی ''جبین نیاز'' کو جھکا تا ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے۔ وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے لہٰذا انسان کی عزت وعظمت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کے سامنے سر نیاز کو نہ جھکائے ورنہ اس کو ہر در پر اپنی پیشانی جھکانی پڑے گی۔ کسی شاعر نے اچھی بات کہی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تمام انبیاء کرامؑ صرف اسی پیغام کو لے کر آئے ہیں کہ انسان کی تباہی اس دن سے شروع ہو جاتی ہے جب وہ اللہ کی ذات صفات میں شرک کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو دوسروں کے سامنے جھکاتا ہے۔ قرآن کریم میں تمام انبیاء کرامؑ کی زبان سے یہی کہلوایا گیا ہے کہ اے لوگو! تم ایک اللہ کو چھوڑ کر کسی کی عبادت وبندگی نہ کرو۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بات بھی اپنی اپنی قوم کو بتادی تھی کہ اگر تم اللہ کے ساتھ شرک وکفر سے باز نہ آئے تو اللہ تمہاری بستیوں کو اور تمہاری ترقیات کو تہس نہس کر دے گا کیونکہ وہ ہر گناہ کو معاف کر دیتا ہے لیکن شرک بہت بڑا گناہ ہے یہ وہ ظلم عظیم ہے جس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرتا۔ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی یہی پیغام دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر وشرک کے ہر انداز سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کی وہی کامیاب وبامراد ہوئے۔ دنیا بھی ان کو ملی اور آخرت بھی ان کا مقدر بن گئی لیکن جنہوں نے کفر وشرک کو اپنا دین وایمان بنالیا اللہ تعالیٰ نے ان سے سب کچھ چھین کر دنیا اور آخرت کی بربادی ان کے لئے مقرر فرمادی۔

جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت سارے عرب میں غیر اللہ کی عبادت و بندگی کا یہ حال تھا کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ پتھروں کے بے جان بت رکھے ہوئے تھے جو ان کی مختلف تمناؤں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ اے مکہ کے لوگو! اللہ کے گھر میں غیر اللہ کے بت۔ یہ کیا تماشا ہے۔ اس کو بیت اللہ بھی کہتے ہو اور غیروں سے مانگتے ہو۔ ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہی سب کچھ ہے لیکن جب تک یہ بت اس کی بارگاہ میں ہماری سفارش نہ کر دیں اس وقت تک اللہ ہماری بات نہیں سن سکتا۔ ان کا یہ بھی جواب ہوتا تھا کہ ہم ہی کیا ہمارے باپ دادے یہی کرتے آئے ہیں جن بارگاہوں اور آستانوں سے ہمارے باپ دادا سب کچھ حاصل کرتے رہے ہیں وہی ہمارے حاجت روا ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے بتایا کہ یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہے۔ اگر تم ان سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ تمہارا انجام

بھی وہی کرے گا جو تم سے پہلی قوموں کا کر چکا ہے۔ بہر حال سعادت مند روحیں آپ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ان لوگوں نے اللہ سے معافی مانگی اور وہ صحابیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو گئے وہ ایسی عظمتوں کے پیکر بن گئے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی عظمت پر ناز کرتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنی روش زندگی کو تبدیل نہیں کیا انہوں نے اپنی دنیا بھی خراب کر لی اور آخرت بھی۔

۵) اننی لکم منه نذیر وبشیر

ترجمہ: بے شک میں تو اس کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آیت کے اس ٹکڑے میں نبی کریم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سب سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تو اس اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں جو اس ساری کائنات کا مالک ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں تمہیں یہ بات بتا دوں کہ اگر تم نے اللہ کو ایک نہ مانا اور اس کی عبادت و بندگی سے منہ موڑا تو تمہارے ان اعمال کا اثر یہ ہوگا کہ تمہاری دنیا اور آخرت سب کچھ برباد ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر تم نے اللہ کی عبادت و بندگی اختیار کر لی اور ہر طرح کے کفر و شرک سے توبہ کر لی تو دنیا بھی تمہاری ہے اور آخرت کا عیش و آرام بھی تمہیں دیا جائے گا۔

٦) وان استغفرو اربکم

ترجمہ: تم اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگ لو۔

درحقیقت انسان کی کامیابی اس دن شروع ہو جاتی ہے جس دن اس کے اندر یہ احساس زندہ ہو جاتا ہے کہ وہ گناہوں کی جس دلدل میں پھنسا ہوا ہے وہ اس کو تباہ و برباد کر دے گی۔ اس احساس کے ساتھ جب وہ اپنے پروردگار سے استغفار کرتا ہے۔ اپنے گناہوں سے معافی مانگتا ہے اور یہ طے کر لیتا ہے کہ میں اب ان گناہوں میں ملوث نہ ہوں گا تو اس سچی توبہ اور استغفار کے نتیجے میں اس کی دونوں جہانوں کی کامیابی شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کا احساس ندامت بہت پسند ہے۔ جب وہ اس طرف قدم بڑھاتا ہے تو اللہ اس کو اپنی رحمت کے دامن میں پناہ عطا فرما دیتا ہے۔

۷) ثم توبوا الیه

ترجمہ: پھر تم اسی کی طرف متوجہ رہو۔ جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

توبہ کے معنی ہیں پلٹ جانا یعنی جب انسان اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر پوری طرح اللہ کا ہو رہتا ہے تو پھر وہ اللہ کی تمام رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی انسان اللہ سے توبہ کرتا ہے اسی کے سامنے جھکا رہتا ہے تو اللہ اس کے گناہوں کو

اس طرح معاف فرمادیتا ہے جیسے یہ آج ہی "ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ واستغفار کی توفیق عطا فرمائے"۔آمین

٨) یمتعکم متاعاً حسنا الی اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضله

ترجمہ: پھر وہ تمہیں ایک مقرر اور معین مدت تک بہترین سامان زندگی اور اس پر اپنا مزید فضل وکرم عطا فرمائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مانگتا ہے تو پھر دنیا کی طلب اس کا مقصد نہیں ہوتی بلکہ آخرت کی کامیابی پیش نظر ہوتی ہے۔لیکن اللہ کا نظام یہ ہے کہ وہ آخرت کے ساتھ ساتھ اس کی دنیا کو بھی اچھا کر دیتا ہے۔اور یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ وہ سکون قلب کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔اگر وہ ایک طرف قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کو ان کے پاؤں کی دھول بنا دیتا ہے تو دوسری طرف ان کو ایسے اطمینان قلب کی دولت عطا کر دیتا ہے جو ان کو دنیا کے ہزاروں غموں سے اور لالچوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اگر کسی شخص کے پاس دولت کی کثرت ہو لیکن نہ تو اس کو سکون قلب ہو نہ بیوی بچوں کی خوشیاں نصیب ہوں تو وہ دولت کے ڈھیر اس کے کس کام کے۔انسان ساری زندگی سکون حاصل کرنے کے لئے جدو جہد کرتا رہتا ہے اور وہی اس کو حاصل نہیں ہوتا تو پھر اس دولت سے تو وہ غربت اچھی جس میں کم از کم ذہنی فکری اور قلبی سکون تو نصیب ہوتا ہے۔قرآن کریم میں بالکل وضاحت سے فرمادیا گیا ہے کہ سکون قلب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں ہے اور کسی چیز میں سکون نہیں ہے۔

٩) وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر

ترجمہ: اور اگر تم پلٹ گئے تو مجھے تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ وخوف ہے۔

یعنی اگر تم پھر اسی روش زندگی پر پلٹ گئے تو پھر قیامت کے دن اس عذاب سے بچنا ناممکن ہوگا جو ایک بہت بڑا عذاب ثابت ہوگا۔

١٠) الی اللہ مر جعکم. دھو علی کل شئی قدیر

ترجمہ: اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے وہی ہر چیز ہر قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی انسان کی دارین کی کامیابی صرف اللہ کی طرف لوٹنے میں ہے۔وہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت کاملہ رکھتا ہے۔انسان کی کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ اپنے اس رحیم وکریم اللہ کی طرف پلٹ جائے جو اس کا خالق و مالک ہے اور ہر نعمت دینے پر مکمل قدرت وطاقت رکھتا ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥

ترجمہ: آیت نمبر ۵ تا ٦

سنو! کہ بے شک یہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے چھپ سکیں۔ سنو! جس وقت یہ لوگ اپنے کپڑے سمیٹتے ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ یہ چپکے چپکے اور اعلانیہ باتیں کرتے ہیں۔ بے شک وہ تو دلوں کے اندر کی بات کو جانتا ہے۔ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ کے اوپر نہ ہو۔ وہ ہر شخص کے رہنے اور سپرد کئے جانے کی جگہ سے واقف ہے۔ سب کچھ ایک کھلی ہوئی کتاب میں موجود ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵ تا ٦

يَثْنُوْنَ	وہ دہرا کرتے ہیں
صُدُوْرٌ	(صَدرٌ) سینے
لِيَسْتَخْفُوْ	تا کہ وہ چھپا سکیں
يَسْتَغْشُوْنَ	وہ پہنتے ہیں
ثِيَابٌ	(ثَوبٌ) کپڑے
يُسِرُّوْنَ	وہ چھپاتے ہیں
يُعْلِنُوْنَ	وہ ظاہر کرتے ہیں

دَآبَّۃٌ	زمین پر رینگنے چلنے والا جان دار
مُسْتَقَرٌّ	ٹھکانا
مُسْتَوْدَعٌ	سپرد کئے جانے کی جگہ

تشریح: آیت نمبر ۵ تا ۶

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ اس کے ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کو مخلوقات کی حیثیت کا بھی علم ہے اور ان کی ضروریات سے بھی وہ بے خبر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انسانوں کے دلوں میں جن جذبات خیالات اور آرزوں کی پرورش ہوتی ہے وہ ان سے بھی واقف ہے اور زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں، ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں جنگلوں میں بسنے والے درندوں اور خوردبین سے نظر آنے والی مخلوق سے نہ صرف باخبر ہے بلکہ ان کو رزق پہنچانا، ان کی پرورش کرنا اور ان کو ٹھکانا دینا اللہ کے ذمہ ہے۔ جو اللہ ہر مخلوق تک رزق پہنچاتا ہے اس کو ان کی ضروریات کا پوری طرح اندازہ ہے۔ اگر رزق پہنچانے والے کو یہی نہ معلوم ہو کہ کس مخلوق کی کیا ضرورت ہے تو وہ انہیں ان کا رزق کیسے پہنچا سکتا ہے یقیناً اللہ کو اچھی طرح معلوم ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

بعض مفسرین نے ان آیات کے پس منظر میں یہ لکھا ہے کہ کچھ مشرکین اور منافقین جن کا کام ہی نبی کریم ﷺ سے دشمنی اور حسد رکھنا تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے ان پر کپڑے لٹکا لیتے ہیں یا اپنے آپ کو فریب کے خول میں بند کر لیتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے خلاف مشورے اور سازشیں کرتے ہیں تو ان باتوں کا کسی کو کیا علم ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا ہے کہ یہ منافقین، کفار اور مشرکین اپنے ان دلی جذبات پر کتنے بھی پردے کیوں نہ لٹکا لیں۔ اپنی شخصیت پر کتنے بھی خول کیوں نہ چڑھا لیں اس اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے جس کو انسان کے دلی خیالات اور پرورش پانے والے جذبات تک کا علم ہے۔ وہ اچھی طرح واقف ہے کہ دین اسلام کے خلاف کون کہاں اور کیا سازشیں کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا ہے کہ کس مخلوق کو کتنی مہلت عمل دی جائے گی۔ اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان کی منافقتوں کا بہت جلد فیصلہ ہو جاتا اللہ کو پوری قدرت ہے کہ وہ آج بھی جس طرح چاہے فیصلہ کر دے وہ مجبور نہیں ہے لیکن یہ اللہ کا حلم اور برداشت ہے کہ وہ ان کو فوراً ہی نہیں پکڑتا بلکہ ان کو ایک مدت تک ڈھیل دیئے چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والی ہر مخلوق کا رزق اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس نے کائنات میں ایسے اسباب پیدا کئے ہیں جن سے ہر مخلوق کو اس کا رزق اور عارضی یا مستقل ٹھکانا مل جاتا ہے وہ اللہ مخلوق کی ہر ضرورت سے اچھی طرح واقف ہے اور اس کا علم کائنات پر محیط ہے۔

ومـا مـن دابة فـی الارض الا علی الله رزقهـا ۔ میں اللہ نے اسی کی وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ کونسی مخلوق کہاں ہے اس کو رزق پہنچانا اللہ کا کام ہے وہ رات کو کسی کو بھوکا نہیں سلاتا۔ اس آیت کی تشریح تو واضح ہے لیکن امام قرطبی نے اپنے قبیلہ اشعر کے کچھ حضرات کا واقعہ لکھا ہے کہ اگر اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ رزق کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے۔ وہ جنگل میں بھی کسی کو بھوکا نہیں رکھتا اور غیب سے ان کو رزق عطا کرتا ہے تو سارے کام درست ہو جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ اشعری کے چند حضرات جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو جو کچھ کھانے پینے کا سامان تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کوئی انتظام فرما دیں۔ یہ صاحب جب نبی کریم ﷺ کے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس آیت ومامن دابۃ کو سنا۔ ان صاحب نے اس آیت کو سن کر سوچا کہ جب سب جان داروں کے رزق کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے تو ہم اشعری لوگ اللہ کے نزدیک ان جانوروں سے گئے گذرے تو نہیں ہیں۔ وہ ہمیں رزق ضرور دے گا۔ یہ خیال کر کے وہ واپس ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کو اپنے حال کی خبر نہ کی۔ واپس جا کر انہوں اپنے ساتھیوں حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابو مالک اشعریؓ سے کہا کہ خوش ہو جاؤ تمہارے لئے اللہ کی مدد آ رہی ہے۔ اشعری لوگوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انتظام ہو رہا ہے۔ وہ اس تصور کے ساتھ مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر نہیں گذری تھی دیکھا کہ دو آدمی ایک بڑے سے برتن میں گوشت اور روٹی لئے چلے آ رہے ہیں۔ لانے والوں نے یہ کھانا ان لوگوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ ان سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر بھی کچھ کھانا بچ گیا۔ انہوں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ کھانا بچ گیا ہے وہ نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں واپس بھیج دیں تا کہ آپ اپنی ضرورت میں صرف فرما لیں۔ اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس کے بعد یہ حضرات نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت عمدہ اور لذیذ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں کھانا نہیں بھیجا۔ تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے فلاں آدمی کو آپ کی خدمت بھیجا تھا۔ اس نے واپس آ کر یہ جواب دیا جس سے ہم یہ سمجھے کہ کھانا آپ نے بھیجا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھانا میں نے نہیں بلکہ اس ذات اقدس نے بھیجا ہے جس نے ہر جان دار کا رزق اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ یہ اور اس طرح کے واقعات اللہ کی طرف سے ہیں تا کہ ہر شخص کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ رزق پہنچانے میں دنیا کے ذرائع اور اسباب کا محتاج نہیں ہے وہ چاہے تو ہر طرح رزق پہنچا دیتا ہے کسی کو بھوکا نہیں رکھتا۔ مگر اللہ کا قانون اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ بغیر محنت کئے وہ گھر بیٹھے کسی کو رزق نہیں پہنچاتا، پرندے اور درندے بھی سارا دن محنت کر کے اپنا رزق حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں تب ان کا پیٹ بھرتا ہے۔ ایک پرندہ بھی جانتا ہے کہ جب میں دن بھر محنت کروں گا تب ہی میرا پیٹ بھرے گا۔ یہ میں نے اس لئے عرض کر دیا کہ کہیں یہ تاثر نہ پیدا ہو جائے کہ محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے گھر بیٹھے سب کچھ مل جائے گا بے شک یہ اللہ کی قدرت ہے کہ وہ رزق بغیر اسباب کے بھی عطا فرما دے لیکن اس کا قانون کائنات یہی ہے کہ "انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ جدوجہد کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۷ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۸ ع ۱

ترجمہ: آیت نمبر ۷ تا ۸

وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں زیادہ بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔ اور اگر آپ ان سے کہتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے تو وہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور اگر ہم کچھ دنوں تک ان سے عذاب کو ٹال دیتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو آخر کس نے روک رکھا ہے؟

یاد رکھو! جس دن وہ عذاب ان پر آئے گا تو پھر کسی کے منہ پھیرنے سے ٹل نہ سکے گا۔ اور جس عذاب کا یہ مذاق اڑا رہے تھے وہ ان پر مسلط کر دیا جائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷ تا ۸

عَرْشٌ	تخت
لِيَبْلُوَ	تا کہ وہ آزمائے
اَيُّكُمْ	تم میں سے کون؟
مَبْعُوْثُوْنَ	اٹھائے جانے والے
اُمَّةٌ مَّعْدُوْدَةٌ	کچھ مدت

مَا يَحْبِسُه‘ — اس کو کس چیز نے روک لیا

حَاقَ — گھیرلے گا (گھیرلیا)

تشریح: آیت نمبر ۷ تا ۸

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ اور وقت بھی گذرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم مردے تھے یعنی تمہارے اندر زندگی کا کوئی وجود نہ تھا پھر اس نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا اس کے بعد پھر تمہیں زندہ کر کے پھر اپنی طرف لوٹالے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا وجود ہی نہ تھا بعد میں اللہ نے اسے زندگی عطا فرمائی۔ اسی طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، چرند پرند اور درند کچھ بھی نہ تھا صرف اللہ کی ذات تھی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جابرؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے جابرؓ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی ﷺ کے نور کو اپنے فیض سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور، قدرت الٰہی سے جہاں اللہ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، جہنم، فرشتے، زمین اور آسمان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب اپنی مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا تو اس کے چار حصے کئے۔

۱) ایک حصے سے قلم پیدا کیا۔

۲) دوسرے سے لوح کو پیدا کیا۔

۳) تیسرے سے عرش کو۔

٤) چوتھے حصے سے اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اس کے بعد اس نے نظام کائنات کو درست کیا۔ اس میں ایک تو یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس میں انہوں نے اس عقیدے کو گھڑ رکھا تھا کہ اللہ نے چھ دن تک اس دنیا کی تعمیر فرمائی اور پھر نعوذ باللہ ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ پھر اس نے آرام نہیں کیا کیونکہ چھ دن کام کرنے کے بعد تو اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے جو تھک جاتا ہے۔ جب کہ اللہ نے فرمایا کہ ''وہ اللہ جس نے عرش و کرسی اور زمین و آسمان کو پیدا کیا وہ اس کی حفاظت سے نہیں تھکتا''۔

چھ دن سے مراد دنیا کے چھ دن ہیں یا آخرت کے چھ دن اس کے بارے میں بعض مفسرین کا تو وہی خیال ہے جو اوپر

عرض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن کا ذکر یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدے کی تردید میں ارشاد فرمایا ہے بعض مفسرین نے چھ دن سے مراد آخرت کے چھ دن لئے ہیں جہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ ویسے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس حساب سے گویا اس دنیا کو چھ ہزار سال میں تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔

قرآن کریم اور بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا فرمایا اور جس طرح اب عرش الٰہی ساتویں آسمان پر ہے پہلے پانی پر تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی دی ہے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے چیزوں میں پانی کو پہلے پیدا کیا جو آئندہ تمام اشیاء کا مادہ حیات'' بننے والا تھا۔

یہ تو کائنات اور اس کی مخلوقات کا ذکر تھا کہ اللہ نے کس طرح ان تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ لیکن قرآن کریم ان تمام باتوں کے ساتھ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان ساری زندگی اسی میں نہ لگا رہے کہ فلاں چیز کب اور کیسے پیدا ہوئی بلکہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان سب چیزوں کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیوں اس نظام کائنات کو سجایا گیا ہے، زیر مطالعہ آیات میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وطاقت سے ان چیزوں کو انسان کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا امتحان لے کر اس کو جنت یا جہنم کا مستحق قرار دیا جاسکے۔ اس کا امتحان لیا جائے گا کہ وہ انسان اس کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کر کے اللہ کی ذات تک پہنچتا ہے یا ان ہی چیزوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اپنی آخرت کی حقیقی زندگی کو برباد کر لیتا ہے۔ یقیناً وہی لوگ اس امتحان میں پورے اتریں گے جو ''حسن عمل'' کو اختیار کرنے والے ہیں اور اس بات پر یقین رکھنے والے ہیں کہ ایک دن اس دنیا کو ختم کر کے ایک اور جہان تعمیر کیا جائے گا جس میں ہر چیز کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ فرمایا گیا جب نبی کریم ﷺ ان کفار کو یہ بات سمجھاتے کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ جب تم سب انسانوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا تو وہ کہتے کہ جس طرح جادو ایک غلط چیز ہے نعوذ باللہ آپ کا یہ ارشاد بھی جادو کی طرح بے حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ان باتوں پر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے سکتا تھا لیکن اس کو ایک مقرر مدت تک روکا ہوا ہے۔ ان کی یہ بکواس کہ آخر وہ عذاب کیوں نہیں آتا جس کے لئے کہا گیا ہے تو فرمایا کہ جب وہ عذاب آئے گا تب کوئی اس سے بچ نہ سکے گا اور اس دن ان کو پتہ چل جائے گا کہ وہ جس حقیقت کو مذاق میں اڑا رہے تھے ایک سچائی بن کر سامنے آئے گی اور اس عذاب سے کفار اپنا دامن نہ بچا سکیں گے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱

ترجمہ: آیت نمبر ۹ تا ۱۱

اور البتہ اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزا چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ مایوس ہو کر نا شکری کرنے لگتا ہے۔ اور اگر اس کو تکلیفوں کے بعد نعمت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سارا دکھ درد دور ہو گیا۔ وہ اترانے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ (ایسا وہ لوگ نہیں کرتے) جنہوں نے صبر کیا، اور عمل صالح کئے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے معافی اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹ تا ۱۱

اَذَقْنَا	ہم نے چکھا دیا
مِنَّا	ہم سے
نَزَعْنَا	ہم نے کھینچ لیا۔ واپس لے لیا
يَئُوْسٌ	مایوس ہو جاتا ہے
كَفُوْرٌ	ناشکرا
نَعْمَآءُ	نعمتیں
مَسَّتْهُ	اس کو پہنچتی ہے
اَلسَّيِّئَاتُ	خرابیاں، برائیاں
فَرِحٌ	وہ اترانے والے
فَخُوْرٌ	شیخی بگھارنا، بڑائی کرنا
اَجْرٌ كَبِيْرٌ	بہت بڑا بدلہ

تشریح: آیت نمبر ۹ تا ۱۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

ہم نے ان کو بر و بحر یعنی خشکی اور تری میں عزت و سر بلندی سے نوازا ہے اور ان کو ہر طرح کا پاکیزہ رزق عطا فرمایا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر تمام فرشتوں کو اس کی عظمت کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ شیطان کو اس کے تکبر کی بنیاد پر ہمیشہ کے لئے بارگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا کہ اس نے اپنے آپ کو انسان سے افضل و برتر ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور اسی طرح قرآن کریم میں انسان کی عزت و سر بلندی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری کائنات میں سب سے افضل و اشرف مقام عطا فرمایا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا گیا کہ انسان میں چند بہت بڑی بڑی کمزوریاں بھی ہیں ''وہ بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے''، وہ بہت جلد باز ہے'' یعنی ہر نتیجہ کو فوراً حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو رحمت کا مزا چکھا دیا جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے، فخر و غرور کرنے لگتا ہے اور اگر حالات اس کے لئے ناموافق ہو جائیں تو وہ ناشکرا پن کرتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو بر و بحر میں فضیلت و عظمت نصیب فرمائی ہے وہیں وہ بہت سی بنیادی کمزوریوں کا مجموعہ بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان پر اگر نعمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو وہ ان میں مگن اور بدمست ہو کر غرور و تکبر کا پیکر بن جاتا ہے۔ اس مال و دولت کو اپنا حق سمجھ کر دوسروں کو ذلیل و خوار سمجھنے لگتا ہے اور اگر مفلسی اور تنگ دستی، پریشانی اور آزمائش کی گھڑی آجاتی ہے تو وہ شکوے شکایتیں، رونا چلانا اور مایوسی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ مایوس ہو کر ناشکرے پن اور کفر کی باتیں شروع کر دیتا ہے حالانکہ اچھے اور برے حالات، خوش حالی و بدحالی یہ انسان کی محض ایک آزمائش ہے۔ کبھی وہ دنیا بھر کی نعمتیں دے کر آزماتا ہے اور کبھی سب کچھ چھین کر اور مشکلات میں ڈال کر اس کا امتحان لیتا ہے۔ لیکن کون لوگ ناشکرے اور غرور و تکبر کے پتلے ہیں اور کون سب کچھ پا کر بھی اپنی، اپنے خاندان اور مال و دولت کی بڑائی کے بجائے شکر کا راستہ اپناتے ہیں فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والے ہیں جن کی خطاؤں کی معافی اور اجر عظیم ان کا منتظر ہے وہ لوگ غلط راستہ اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو کر نیکی اور ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح ہر طرح کی خیر اور فلاح کا ذریعہ ہے جو انسان ایمان اور اعمال صالح سے دور ہیں وہی درحقیقت تکبر اور غرور کا پیکر ہیں لیکن اللہ نے جن کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی ہے وہی لوگ ناموافق اور برے حالات میں بھی مایوس ہونے کے بجائے صبر و تحمل سے ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی بدحالی سے شکستہ خاطر نہیں ہوتے۔ اسی طرح آزمائش مفلسی اور تنگ حالی کی گھڑی گذرنے کے بعد جب ان کو راحتوں کا مزا چکھا دیا جاتا ہے تو اپنے آپے سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ شکر کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اس مقام پر اور قرآن کریم میں متعدد جگہ فرمایا گیا کہ ''اگر ہم ان کو رحمت کا مزا چکھا دیں'' اس سے اس بات کا اظہار کرنا مقصود ہے کہ اس دنیا میں جتنی بھی راحتیں اور آرام ملتے ہیں وہ حقیقی نہیں ہیں بلکہ حقیقی راحت و آرام صرف آخرت میں نصیب ہوگا۔ البتہ وہ نعمتیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا گمان بھی گذرا (الحدیث) وہ تمام نعمتیں آخرت میں عطا کی جائیں گی ان نعمتوں کا تو اس دنیا میں تصور بھی ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان و عمل صالح اور انبیاء و رسل کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری دنیا اور آخرت بہتر فرما کر ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

پھر شاید کہ آپ ﷺ بعض وہ احکامات جو آپ کی طرف نازل کئے گئے ہیں چھوڑنے کی طرف مائل ہو جائیں یا آپ ﷺ کا دل اس بات سے تنگ ہونے لگے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ (اے نبی ﷺ) آپ نذیر ہیں یعنی برے انجام سے ڈرانے والے اور اللہ ہر چیز پر اختیار رکھنے والا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ نے (قرآن) کو گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ۔ اور اگر تم سچے ہو

تو اللہ کو چھوڑ کر جس کو بھی بلانے کی طاقت ہو اس کو بلا لاؤ۔ پھر اگر وہ جواب نہیں دیتے تو جان لو کہ اللہ نے اس قرآن کو اپنے علم سے نازل کیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے کیا تم پھر بھی اس کے سامنے سر نہیں جھکاؤ گے؟

لغات القرآن آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

لَعَلَّکَ	شاید کہ آپ
تَارِکٌ	چھوڑنے والا
ضَائِقٌ	تنگ ہونے والا
کَنْزٌ	خزانہ
مَلَکٌ	فرشتہ
عَشْرُ سُوَرٍ	دس سورتیں
مُفْتَرَیٰتٌ	گھڑی گئیں
اِسْتَطَعْتُمْ	تم میں طاقت ہو، استطاعت ہو
لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا	انہوں نے جواب نہ دیا
اِعْلَمُوْا	تم جان لو
مُسْلِمُوْنَ	فرماں بردار۔ گردن جھکانے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴

نبی کریم ﷺ کو اللہ نے اس لئے مبعوث فرمایا تھا تا کہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دیں جن میں ان کی حقیقی کامیابی اور بھلائی ہے۔ جب آپ اللہ کے پیغام کو پہنچانے کی کوشش فرماتے تو کفار و مشرکین چاروں سے آپ کو عاجز و بے بس کرنے کے لئے طرح طرح کے اعتراضات کرتے تا کہ نبی کریم ﷺ یا تو اس پیغام کو پہنچانا چھوڑ دیں یا کم از کم اس

میں نرمی کا رویہ اختیار فرمائیں جس میں ان کی بت پرست اور جاہلانہ رسموں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اللہ کی طرف سے بداعمالیوں اور کفر وشرک میں مبتلا لوگوں کو ان کے برے انجام اور نیک راہوں پر چلنے والوں کے لئے آخرت کی تمام بھلائیوں کی خوش خبری دینے والے بنا کر (بشیر ونذیر) بھیجے گئے ہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کو پورا کیجئے اور اللہ کے دین اور اصولوں میں کسی طرح کی نرمی اختیار نہ کیجئے۔

کفار و مشرکین آپ کو جھٹلانے، طعنے دینے، مذاق اڑانے اور ہر طرح پریشان کرنے اور بہت سے فضول مطالبات سے رنجیدہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ کبھی وہ کہتے۔

۱) ہم اسلامی تعلیمات کو اس لئے نہیں مانتے کہ اس میں ہمارے بتوں اور رسموں کو برا کہا گیا ہے۔

۲) فرمائش کرتے کہ یا تو کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا اس میں ایسی ترمیم کردیں جس میں ہمارے بتوں اور رسموں کو برا نہ کہا گیا ہو۔

۳) کبھی کہتے کہ ہم اس بات کا کیسے یقین کرلیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو ہر وقت آپ کے ساتھ ہوتا تو ہم یقین کرلیتے۔

٤) کبھی کہتے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کے پاس مال و دولت کے خزانے کیوں نہیں ہیں اگر آپ احد کے پہاڑ کو سونے کا پہاڑ بنا کردیں تو ہم یقین کرلیں گے۔

غرضیکہ یہ اور اسی طرح کے بہت سے طعنے دیتے تا کہ نبی کریم ﷺ عاجز و بے بس ہوکر رہ جائیں اور آپ کو اتنا ستایا جائے اور پریشان کیا جائے کہ آخر کار آپ دین کے اصولوں میں نرمی اختیار فرمالیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار عرب کو ایک دفعہ پھر یہ بتادیا ہے کہ یہ قرآن اور اس کی تعلیمات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود سے نہیں گھڑلیں کہ لوگوں کے دباؤ میں آکر پہلے کہی گئی باتوں کو چھوڑ کر دین کے اصولوں میں ترمیم کردیں بلکہ یہ اس کا کلام ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ ہر ایک کو ہدایت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کی ذمہ داری ہے۔ انبیاء کرام کا کام حق و صداقت کی راہوں کو کھول کر پیش کرنا ہے تا کہ ہر شخص کے سامنے ہر اچھے اور برے کام کا انجام آجائے۔ آگے اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ کس راستے کو اختیا کرتا ہے۔ اگر کوئی جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم اور بدنصیبی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اسی فیصلے پر اس کا انجام ہوگا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان کو کہنے دیجئے اللہ خود ان سے نبٹ لے گا۔ رہی یہ بات کو قرآن کریم کو نعوذ باللہ آپ نے گھڑ لیا ہے تو فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم بھی اہل زبان ہو بلکہ تمہیں تو اپنی زبان دانی پر اتنا گھمنڈ ہے کہ اپنے مقابلے میں دوسروں کو گونگا کہتے ہو۔ فرمایا کہ اس قرآن کے سامنے سب عاجز و بے بس ہو کر کیوں رہ گئے ہو؟ فرمایا کہ قرآن تو ایک عظیم اور بہت بڑی کتاب ہے تم اور تمہارے

سارے مددگار مل کر قران جیسی دس سورتیں بنا کر کیوں نہیں لے آتے۔ اگر تم ایک سورت بھی بنا کر نہیں لاسکتے تو ان احمقانہ اور جاہلانہ باتوں میں پھنس کر اپنی آخرت کو کیوں تباہ کررہے ہو۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اگر یہ لوگ اللہ کے اس کھلے چیلنج کو قبول نہیں کرتے اور اس کا جواب نہیں دیتے تو پھر یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے پورے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی عبادت وبندگی کے قابل نہیں ہے۔ ان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اللہ ورسول کے سامنے اپنی گردن جھکادیں اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کا طریقہ اختیار کریں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ
زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا
صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۶

جولوگ اس دنیا کی زیب وزینت اور رونق چاہتے ہیں، ہم ان کو ان کے اعمال کے بدلہ میں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور ان کے لئے کمی نہیں کی جاتی۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب کا سب بےکار اور جو وہ کرتے ہیں وہ بھی ناکارہ ہوجائے گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۵ تا ۱۶

يُرِيْدُ	وہ چاہتا ہے
زِيْنَتَهَا	اس کی زیب وزینت
نُوَفِّ	ہم پورا دیں گے
لَا يُبْخَسُوْنَ	وہ کمی نہ کئے جائیں گے

حَبِطَ	ضائع ہو گیا
صَنَعُوْا	جو انہوں نے بنایا تھا
بٰطِلٌ	بیکار، فضول

تشریح: آیت نمبر ۱۵ تا ۱۶

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تمام اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے'' اس کی نیت جس طرح کی ہوگی اللہ کا معاملہ بھی اس کے مطابق ہوگا۔ اگر ایک شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے وہ اعمال سر انجام دیتا ہے جن کی زبردست فضیلتیں بیان کی گئی ہیں لیکن ان اعمال سے اس کا مقصد محض دکھاوا، شہرت اور دنیا کی بے حقیقت دولت اور مال و زر کا حصول ہو تو وہ اس شخص کے دنیاوی زندگی میں عزت و شہرت صحت و تندرستی اور خوش حالی کا ذریعہ بن جائیں گے لیکن آخرت میں اس کا دامن خالی ہوگا کیونکہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی نہ ہو بلکہ ریا کاری ہو اس کا صلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح طریقے پر سامنے آجاتی ہے کہ جب ایمان عمل صالح اور اعلیٰ ترین اعمال کے باوجود محض ریا کاری کی وجہ سے ایسے شخص کا انجام اتنا بھیانک ہے تو وہ لوگ جو نیکی اور بھلائی کے کام صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کاموں کا مقصد محض دنیاداری ہے تو اس کا صلہ آخرت میں ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو اس کی نیکیوں کا بدلہ بغیر کسی کمی کے اسی دنیا میں دیدیا جائے گا۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث جس کو حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین ایسے اصحاب کا ذکر کیا ہے (جو ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کو بہت پسند ہیں، جہاد، علم قرآن اور سخاوت) جب ایک مجاہد کو پھر ایک عالم کو پھر ایک سخی آدمی کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ سب کی زبان پر ہوگا کہ ہم نے جہاد کیا ہم نے علم دین کو پھیلایا اور ہم نے سخاوت سے غریبوں کا بھلا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا تاکہ لوگ تمہیں مجاہد، عالم اور سخی داتا کہیں۔ تمہیں لوگوں کی تعریف اور جو انہوں نے عزت کی ہے وہ دنیا میں صلہ کے طور پر مل چکی ہے۔ اب آخرت میں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ پھر ایک ایک کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ اس سے ان کی نیت دنیاداری تھی تو جن کی نیکیوں کی بنیاد یہی دنیاداری ہو ان کی نجات اور آخرت میں صلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی بات کو زیر مطالعہ آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بھی دنیا کی زندگی اس کی زیب و زینت مانگے گا اس کو اس کے نیک اعمال کے بدلے میں نہ صرف بہت کچھ دیا جائے گا بلکہ کسی طرح کی کمی نہ کی جائے گی لیکن ان کا صلہ اور بدلہ اسی دنیا میں دیدیا جائے گا اور آخرت میں سوائے جہنم کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور وہ تمام کام جو

انہوں نے دنیاداری کے لئے کئے تھے آخرت کی زندگی میں بیکار اور فضول بن کر رہ جائیں گے۔

ان آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو کام ایمان لانے کے بعد کئے جاتے ہیں اگر نیت صحیح ہو تو اس کا بدلہ دنیا میں اور آخرت دونوں میں عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن جن اعمال کی بنیاد میں ایمان نہ ہو اس کا بدلہ اسی دنیا میں بھگتا دیا جاتا ہے۔

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ

مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعۡرَضُوۡنَ عَلٰى رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلٰى رَبِّهِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ مَا كَانُوۡا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَمَا كَانُوۡا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

وقف لازم

ترجمہ: آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

کیا پھر وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے صاف ستھرے راستے پر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی طرف سے گواہ بھی رکھتا ہے (منکرین حق کے برابر کیسے ہو سکتا ہے) اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب جو رہنما اور رحمت ہے (وہ بھی موجود ہے جو اس کی تصدیق کر رہی ہے) یہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس جماعت کا کوئی بھی فرد انکار کرے گا تو اس کے لئے جس جگہ کا وعدہ ہے وہ جہنم ہے۔ تو (اے نبی ﷺ) آپ اس (قرآن کی طرف سے) کسی شک میں نہ پڑیں بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے ایک سچائی ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں۔

اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور وہ گواہ شہادت دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کی تھیں۔ سنو! کہ ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

وہ (ظالم) جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور ٹیڑھ (کجی) تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زمین پر بھی اللہ کو بے بس نہ کر سکیں گے اور ان کے لئے آخرت میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ان کے لئے دوگنا عذاب ہے۔

یہ لوگ نہ تو سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ دیکھنے کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کر ڈالا۔ اور وہ معبود جو انہوں نے تراش رکھے تھے ان سے غائب ہو جائیں گے۔ لازمی بات یہ ہے کہ آخرت میں وہ بہت زیادہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

بَيِّنَةٌ — کھلی نشانی

شَاهِدٌ — گواہی دینے والا

اِمَامٌ — رہنما، پیشوا

اَلْاَحْزَابُ — (حِزْبٌ)۔ جماعتیں

مَوْعِدٌ	وعدہ کیا گیا
يُعْرَضُوْنَ	پیش کئے جائیں گے
اَلْاَشْهَادُ	(شَهِيْدٌ)۔ گواہ
يَصُدُّوْنَ	وہ روکتے ہیں
يَبْغُوْنَ	وہ تلاش کرتے ہیں
مُعْجِزِيْنَ	عاجز و بے بس کرنے والے
يُضٰعَفُ	دوگنا دیا جائے گا
لَا جَرَمَ	یقیناً لازمی
اَخْسَرُوْنَ	زیادہ نقصان اٹھانے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت پر چلنے والے اور باطل پرستوں کا موازنہ کرتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار فرمایا ہے کہ غور کرنے کی بات ہے کیا یہ دونوں کسی طرح بھی برابر ہو سکتے ہیں:

۱) ایک وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہو۔ روحانی زندگی کی جسے وہ روشنی حاصل ہو جس پر وہ اللہ کی طرف سے گواہ ہو۔ اس کو پھیلانے کی جدو جہد کرتا ہو حضرت موسیٰؑ اور گذشتہ انبیاء کرامؑ پر نازل ہونے والی کتابوں کی عظمت کا امین ہو۔

۲) اس کے برخلاف دوسرا شخص وہ ہے جو اللہ و رسول پر جھوٹ گھڑتا ہو۔ جس کا کام نہ صرف خود حق و صداقت کی راہ سے رکنا ہو بلکہ دوسروں کے لئے بھی رکاوٹیں ڈالتا ہو۔ دین کے ہر کام میں کمزوری اور ٹیڑھ پن کی تلاش میں لگا رہتا ہو۔ جس کے خلاف انبیاء کرام اور فرشتے قیامت میں گواہی دیں گے۔ جس پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت ہوگی۔ کیا یہ دوسرا شخص پہلے شخص کے برابر ہو سکتا ہے؟

یقیناً ہر وہ شخص جس میں ذرا بھی عقل و فہم ہوگی وہ بے ساختہ کہہ اٹھے گا کہ یہ دونوں کسی طرح برابر نہیں ہو سکتے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ایسی کتاب ہدایت (قرآن مجید) دے کر بھیجا ہے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رہبر و رہنما ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ پر کتاب (توریت) نازل

کی گئی تھی جو اس زمانہ کے تمام لوگوں کے لئے رہبر و رہنما تھی آج نبی کریم ﷺ پر وہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ جو حضرت موسیٰ اور تمام انبیاء کرامؑ کی طرف بھیجی گئی کتابوں کی عظمت کی امین ہے۔ فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو اللہ کی طرف سے گواہ ہوں گے وہ نہ صرف اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں بلکہ اللہ کے اس ابدی پیغام کو پہنچانے کی جدوجہد فرما رہے ہیں۔ جو لوگ آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں وہیں کچھ بدقسمت لوگ وہ بھی ہیں جن کا کام اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ گھڑنا، سازشیں کرنا، جھوٹی باتیں مشہور کرنا، حق و صداقت کے ہر راستے سے بچ کر چلنا اور جو لوگ اس سچائی کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں ان کے لئے رکاوٹ بننا جن کا مزاج بن چکا ہے۔ جب یہ لوگ قیامت میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور تمام انبیاء کرامؑ اور فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے رب العالمین یہی وہ لوگ ہیں جو دین کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ تب ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار مسلط کر دی جائے گی اور اس ہمیشہ کی زندگی میں وہ اللہ کی رحمت کے بجائے اس کی لعنت کے مستحق بن جائیں گے۔ اور جن جھوٹے معبودوں کے سامنے یہ جھکتے تھے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے تھے۔ نہ صرف ان کے کام نہ آسکیں گے بلکہ اللہ کے سامنے بالکل صاف صاف کہہ دیں گے کہ الٰہی ہمیں تو معلوم نہیں یہ لوگ ہماری کیوں عبادت و بندگی کرتے تھے۔ ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔ ان جھوٹے معبودوں کے اس بیان سے ان پر حسرت و افسوس اور بھی بڑھ جائے گا اور وہ اس وقت پچھتائیں گے جو پچھتانا ان کے کام نہ آسکے گا اور یقیناً یہ لوگ دنیا اور آخرت کے لحاظ سے سخت نقصان میں رہیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ
وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

ع ۲ ۶

ترجمہ: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ان دونوں جماعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو اور ایک شخص دیکھتا اور سنتا ہو۔ کیا ان دونوں کی مثال یکساں اور برابر ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟۔

لغات القرآن آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

اَخْبَتُوْا	وہ جھکے رہے
اَلْفَرِیْقَیْنِ	دو جماعتیں
اَعْمٰی	اندھا
اَصَمُّ	بہرا
بَصِیْرٌ	دیکھنے والا
سَمِیْعٌ	سننے والا
یَسْتَوِیٰنِ	دونوں برابر ہیں
اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ	کیا پھر بھی تم دھیان نہیں دیتے ہو

تشریح: آیت نمبر ۲۳ تا ۲۴

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی اس کیفیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ان کا کام ظلم و زیادتی کرنا، اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ گھڑنا، سازشیں کرنا دین کی ہر بات میں ٹیڑھ پن تلاش کرنا۔ نہ تو وہ خود حق و صداقت کی راہ پر چلتے ہوں اور نہ دوسروں کو اس راہ پر چلنے کی کوششوں کو پسند کرتے ہوں بلکہ ان کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہوں۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں ان کو سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور ان کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے جھونک دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مان کر ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے والے ہیں جو ہمیشہ اللہ کے سامنے جھکے رہنے والے ہیں ان کے لئے وہ راحت بھری جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فریقین قرار دیا ہے، یعنی ایک وہ فریق اور جماعت ہے جو اللہ و رسول کی اطاعت سے منہ پھیر کر چلنے والی ہے اور دوسرا فریق اور جماعت وہ ہے جو ایمان، عمل صالح اور اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنے کو سعادت سمجھنے والی ہے فرمایا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جس طرح ایک اندھا اور بہرا شخص اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو آنکھوں والا اور کانوں سے سننے والا ہو اسی طرح یہ دونوں فریق کبھی برابر کا درجہ، رتبہ اور مقام اور نجات میں برابری حاصل نہیں کر سکتے۔

فرمایا کہ اہل ایمان وہ ہیں جو ایمان کی روشنی رکھنے والے اور ہمیشہ کی نجات حاصل کرنے والے ہیں ان کو جنتیں اور تمام راحتیں عطا کی جائیں گی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًاؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۲۵ تا ۳۰

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس بھیجا۔ (انہوں نے کہا کہ) میں تمہیں صاف صاف (برے انجام سے) ڈراتا ہوں یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت وبندگی نہ کرو۔ میں تمہارے حق میں ایک دردناک عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ ان قوموں کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے جیسا انسان ہی سمجھتے ہیں۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے پیچھے وہ لوگ چل رہے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں اور بے سوچے سمجھے (تمہارے ساتھ ہیں) ہم تو تمہارے اندر ایسی کوئی بات

محسوس نہیں کرتے جس میں تم ہم سے بڑھے ہوئے ہو۔ بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (نوح علیہ السلام نے) کہا کہ اے میری قوم یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی ہوئی شہادت پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت سے نواز دیا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی تو آخر میرے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے کہ جس بات کو تم ناگوار محسوس کرتے ہو پھر بھی تمہارے اوپر اس کو زبردستی تھوپ دوں۔

اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت (مال و دولت) نہیں مانگ رہا ہوں میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے پاس سے دھکے تو نہیں دے سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم واقعی جہالت میں مبتلا ہو۔ اور اے میری قوم! اگر میں ان کو اپنے پاس سے دھکے دیدوں گا تو اللہ کی گرفت سے مجھے کون بچائے گا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟

لغات القرآن آیت نمبر ۲۵ تا ۳۰

اَخَافُ	میں ڈرتا ہوں۔ اندیشہ رکھتا ہوں
اَلْمَلَاءُ	سردار
مَانَرٰی	ہم نہیں دیکھتے
فَضْلٌ	برتری، بڑائی
اِتَّبَعَکَ	جو تیرے پیچھے چلا
اَرَاذِلُ	(رَذِیْلٌ) معمولی حیثیت رکھنے والے
بَادِیُ الرَّاْیِ	سوچنے سمجھنے والے نہ ہوں
عُمِّیَتْ	اندھا کر دیا گیا۔ جو نظر نہ آئے
نُلْزِمُ	ہم مسلط کریں گے
کٰرِھُوْنَ	برا سمجھنے والے
لَا اَسْئَلُ	میں نہیں مانگتا

طَارِدٌ	دھکے دینے والا۔ نکالنے والا
طَرَدْتُّ	میں نے نکال دیا
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ	کیا پھر تم اتنا غور نہیں کرتے

تشریح: آیت نمبر ۲۵ تا ۳۰

اگر تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو ابتدا سے ہی لوگوں نے انسانی شرافت اور عظمت کو مال و دولت کی ترازو پر تولنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے پاس جتنی دولت ہے اس کا رتبہ اتنا ہی بڑا اور وہی عزت و شرافت کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص مفلس، غریب اور خالی ہاتھ ہے وہ اپنی تمام تر شرافتوں کے باوجود معاشرہ کی نگاہ میں بہت ہی معمولی ذلیل اور نچلے طبقہ والا سمجھا جاتا ہے۔ یہ خرابی آج سے ہزاروں سال پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے۔ لیکن تمام انبیاء کرامؑ کو جو بھی تعلیمات عطا فرمائی گئی ہیں ان میں اس بات کا صاف صاف اعلان موجود ہے کہ اللہ کی نظر میں صرف وہی سب سے زیادہ عزت و شرافت والا ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری کا پیکر ہے۔ اگر ایک شخص مفلس اور غریب ہے لیکن تقویٰ میں سب سے اونچا ہے تو وہ ایسے ہزاروں لاکھوں مال داروں سے زیادہ افضل و بہتر ہے جن میں تقویٰ کی صفات موجود نہیں ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تقریباً ہر نبی سے کفار و مشرکین نے دو باتیں ضرور کہی ہیں:

۱) ہم تمہیں اللہ کا نبی کیسے مان لیں جب کہ بشریت کے لحاظ سے تمہارے اور ہمارے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا تم ہمارے جیسے انسان ہو۔

۲) دوسرے یہ کہ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں وہ معاشرہ کے گھٹیا اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے ہیں (نعوذ باللہ)۔ جب تک تمہاری مجلسوں میں اس طرح کے لوگ موجود ہیں ہم تمہاری مجلس میں بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

حضرت نوحؑ پر بھی یہی دو اعتراض کئے گئے۔ قرآن کریم میں ان دو باتوں کے تفصیلی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً جب کفار و مشرکین نے یہ کہا کہ "تم ہم جیسے بشر ہو" تو اس کے جواب میں ہر نبی نے یہی فرمایا کہ بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن ایک بہت واضح فرق ہے اور وہ یہ کہ ہماری طرف اللہ وحی بھیجتا ہے اور ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اسی وحی کی پیروی کر کے دائمی نجات حاصل کر لے یعنی کسی نبی نے کفار کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ ہم بشر نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً تمام انبیاء کی زبان سے یہی کہلوایا ہے کہ اے نبی! اس بات کا اعلان کر دو کہ ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن ہماری طرف وحی کی جاتی

ہے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو انبیاء کرام کی بشریت کا انکار کر کے جاہلوں سے ''سبحان اللہ'' کے نعرے بلند کرا کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر انبیاء کرامؑ بشر نہیں ہوتے تو آخر اللہ کی وہ کونسی مخلوق ہوتے ہیں جس میں وہ ان کو شامل کرتے ہیں۔ ہمیں تو قرآن کریم سے سبق ملتا ہے کہ اللہ نے اپنی ساری مخلوق میں انسان کو سب سے افضل و بہتر بنایا ہے۔ جس شیطان نے بشریت کو صرف مٹی اور گارے سے بنا ہوا پتلا سمجھا اللہ نے اس کو قیامت تک کے لئے اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور جنہوں نے بشریت کی عظمت کو پہچان لیا اور اس کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکا دیا وہ اللہ کے مقرب بن گئے۔

بلا شبہ انبیاء کرام بشر ہوتے ہیں مگر ایسے بشر جن پر بشریت ناز کرتی ہے۔ اور وہ انسانی عظمتوں کے پیکر ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کے ماننے والے وہ لوگ ہیں جن کا تعلق معاشرہ کے بہت چھوٹے طبقے سے ہے۔ یہ اعتراض بھی تمام انبیاء کرامؑ پر کیا گیا جس کا جواب ان انبیاء کرامؑ کی زبان سے دلوایا گیا۔ مثلاً حضرت نوحؑ سے ان لوگوں نے جن کے سامنے آپ نے ایمان کی دعوت کو پیش کیا یہی کہا کہ ہم اس بات کا کیسے اقرار کرلیں جب کہ تمہارے ماننے والے وہ سطحی رائے رکھنے والے غریب لوگ ہیں جن کی رائے اور حیثیت کا معاشرہ میں اعتبار نہیں کیا جاتا۔ حضرت نوحؑ نے ان کے اعتراض کا نہایت متانت اور سنجیدگی سے یہی جواب دیا کہ میں تم سے کسی مال و دولت کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لا کر اللہ کے مخلص بندے بن چکے ہیں اپنی مجلس سے نہیں نکال سکتا کیونکہ اللہ کے ہاں کسی کی شرافت کا معیار دنیا کی گھٹیا دولت نہیں ہوتی بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری اور ایمان کا وہ جذبہ ہوتا ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ قیامت میں وہ اللہ کی بارگاہ میں اپنا اعلیٰ مقام حاصل کرلیں گے۔ اگر میں نے اللہ کے ایسے مقرب بندوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا تو کل قیامت میں میری مدد کون کرے گا؟

نبی کریم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی اسی طرح کے جاہلانہ سوالات کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بھی یہی اعلان کرایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا بشر ہوں لیکن میری طرف اللہ کی وحی کی جاتی ہے دوسرے یہ کہ جو غریب، مفلس لیکن مخلص مسلمان میرے ارد گرد جمع ہیں میں ان کو اگر چند سرداروں کی خوشی کے لئے نکال دوں گا تو یہ اتنا بڑا ظلم اور زیادتی ہوگی جس کو اللہ معاف نہیں کرے گا۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ

ترجمہ: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری آنکھوں میں جو حقیر اور کم تر ہیں ان کو اللہ کوئی بھلائی عطا نہ کرے گا۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں (ایسی بات کہہ دوں تو) ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ اے نوحؑ تم ہم سے خوب جھگڑے اور بحثیں کر چکے۔ اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے ہی آؤ جس کی تم ہمیں دھمکیاں دے رہے ہو۔ نوحؑ نے کہا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ اس کو سامنے لائے گا اور تم اللہ کو بے بس نہ کر سکو گے۔ اگر میں تمہاری بھلائی کرنا چاہتا ہوں تو میری خیر خواہی تمہارے کسی کام نہ آسکے گی جب کہ اللہ ہی نے تم سے توفیق کو چھین لیا ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

خَزَائِنُ — خزانے

تَزْدَرِيْ — تم حقیر، ذلیل سمجھتے ہو

اَعْيُنٌ — (عَيْن) آنکھیں

لَنْ یُؤْتِیَ	وہ ہرگز نہ دے گا
اَنْفُسٌ	(نَفْسٌ)۔ جانیں
جَادَلْتَ	تو جھگڑ چکا
جِدَالٌ	(جَدَلٌ)۔ جھگڑے۔ بحثیں
مُعْجِزِیْنَ	عاجز کرنے والا۔ بے بس کرنے والا
نُصْحِیْ	میری نصیحت
یُغْوِیْ	وہ بھٹکاتا ہے

تشریح: آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴

گذشتہ آیات میں حضرت نوحؑ کا واقعہ ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک طویل عرصہ تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو چالیس سال کی عمر میں خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت سے لے کر ساڑھے نوسو سال تک آپ مسلسل دین اسلام کی وضاحت و تبلیغ فرماتے رہے لیکن دنیا پرست ان کا کہا ماننے کے بجائے ان کو اور ان کے ماننے والوں کو ہر طرح بے حقیقت سمجھتے رہے اور ہر طرح اعتراضات کا سہارا لے کر نافرمانیوں پر نافرمانی کرتے چلے گئے۔ حضرت نوحؑ نے ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم جن صاحبان ایمان کو معمولی اور گھٹیا سمجھتے ہو وہ درحقیقت اللہ پر ایمان لانے والے ہیں اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والے ہیں ایسے مومن و مخلص بندوں کو اگر میں اپنے پاس سے دور کروں گا یا تمہاری طرح ان کو ذلیل و خوار سمجھوں گا تو یہ نہ صرف انتہائی ظلم اور زیادتی ہوگی بلکہ کل قیامت میں مجھے اس کا جواب دینا ہوگا اور وہاں مجھے اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ فرمایا کہ میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے اور بس۔ میں نہ تو غیب کے خزانوں کا مالک ہوں نہ عالم الغیب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس نبی کو جتنا غیب کا علم عطا فرمانا چاہے فرما دیتا ہے لیکن "عالم الغیب و الشھادہ" صرف اللہ کی ذات ہے۔ فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جن صاحبان ایمان کو تم ذلیل و خوار سمجھتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ کوئی خیر اور بھلائی عطا نہیں فرمائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے وہ بندوں کی ہر کیفیت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر میں نے زیادتی کی تو میں ان ظالموں کی صف میں کھڑا ہو جاؤں گا جن کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ ان تمام سچائیوں کو سن کر

کہنے لگے کہ اے نوحؑ ہم تمہاری باتیں سن سن کر تنگ آ چکے ہیں اگر واقعی ہم بد عمل لوگ ہیں اور تم کہتے ہو کہ اگر ہم نے تمہاری اطاعت نہ کی تو اللہ کا عذاب ہم پر آ کر رہے گا تو اے نوحؑ اب تم اس عذاب کو لے کر آ جاؤ تا کہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت نوحؑ کا وہی پیغمبرانہ جواب تھا جو ہر نبی نے اپنی قوم کی ضد اور ہٹ دھرمی کے جواب میں فرمایا تھا کہ ہم نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا اب اگر اللہ رب العزت تم پر عذاب نازل فرمانے کا فیصلہ فرمائیں گے تو تم سب مل کر بھی اس عذاب کو اپنے اوپر سے ٹال نہ سکو گے۔ میں نے تمہیں ہر طرح باخبر کر دیا۔ میں نے ہر طرح تمہاری بھلائی چاہی اب اگر تم اس مقام تک پہنچ چکے ہو جہاں اللہ بھی دلوں پر مہر لگا دیتا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ایک من گھڑت اور میری طرف سے بنائی ہوئی کوئی بات ہے تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر عائد ہوتی ہے۔ لیکن میں ان باتوں کا ذمہ دار نہیں ہوں اور میں اللہ کا مجرم نہیں ہوں۔

یہ تو حضرت نوحؑ کی تبلیغ اور ان کی قوم کا انداز فکر تھا بالکل اسی طرح ضد اور ہٹ دھرمی پر وہ لوگ بھی قائم تھے جن کفار مکہ کو نبی کریم ﷺ اللہ کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ ان کفار عرب کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ یہ تو اللہ کی رحمت اور اس کا کرم ہے کہ ان کو سمجھانے والے نبی ﷺ نرم مزاج اور رحمۃ اللعالمین ہیں جو ان کی گستاخیوں کو برداشت فرما رہے ہیں لیکن اگر کہیں ہمارے محبوب نبی کی زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نکل گیا تو پھر ان کفار کی نجات اور عذاب الٰہی سے بچنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾

ع ۳ ۱۲

ترجمہ: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

(اے نبی ﷺ) کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن کو) آپ نے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو خود سے بنالیا ہے تو اس الزام کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔ اور جو تم جرم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔ اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جن لوگوں کو ایمان لانا تھا وہ لا چکے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر غم نہ کھایئے اور ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی (جہاز) بنایئے اور کافروں کے بارے میں کوئی بات (سفارش) نہ کیجئے کیونکہ وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ اور وہ (اللہ کے حکم سے) کشتی تیار کرنے لگے۔ ان کی قوم میں سے جب بھی کوئی سردار گذرتا تو وہ ان کا مذاق اڑاتا۔ (نوحؑ نے) کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو ہم تم پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح تم (آج) ہنس رہے ہو۔

پھر بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون شخص ہے جس پر وہ عذاب آئے گا جو اس کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دے گا۔ اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

اِجْرَامٌ	جرم۔ خطا۔ گناہ
لَا تَبْتَئِسْ	تو غم نہ کر
اِصْنَعْ	تو بنالے
اَلْفُلْکُ	کشتی۔ جہاز
بِاَعْيُنِنَا	ہماری آنکھوں میں۔ نگرانی میں
لَا تُخَاطِبْ	تو متوجہ نہ کرنا
مَرَّ	گذرا
سَخِرُوْا	مذاق اڑایا
يُخْزِىْ	رسوا کرے گا
يَحِلُّ	حلال کرے گا۔ نازل کرے گا
مُقِيْمٌ	قائم رہنے والا۔ دائمی

تشریح: آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

سورۂ ہود کی ان آیات میں حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ درمیان میں ان آیات کا رخ نبی کریم ﷺ کی طرف موڑ کر کفار مکہ کو یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ آج اگر تم نبی کریم ﷺ پر بہت سے اعتراضات کررہے ہو۔ ان کا مذاق اڑا رہے ہو اور کہتے ہو کہ اس قرآن کریم کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو یہ اسی طرح کا مذاق ہے جس طرح حضرت نوحؑ کو کشتی بناتے ہوئے دیکھ کر قوم نوحؑ نے مذاق اڑایا تھا۔ ان آیات میں اس طرف اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ جس طرح حضرت نوحؑ کی قوم کو پانی میں غرق کردیا گیا تھا اور جو لوگ ایمان لائے ان کو کشتی نوح میں بٹھا کر نجات دیدی گئی تھی اسی طرح آج جو لوگ نبی مکرم ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں ان کا انجام بھی مختلف نہ ہوگا اور جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری اور محبت کے ساتھ ان کے دامن کو تھام لیا ہے ان کو کشتی نوح میں بیٹھنے والوں کی طرح نجات نصیب ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میں نے قرآن کریم کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو ایسا اس لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ اگر کسی کو ذرا بھی شک وشبہ ہے تو وہ اس قرآن جیسا نہیں بلکہ قرآن کریم کی ایک سورت جیسی ہی بنا کر لے آئے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچادیا ہے اب اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے تو میرے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ اللہ تمہارا کیا انجام کرتا ہے وہی بہتر جانتا ہے۔

اس آیت کے بعد پھر حضرت نوحؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ اے نوحؑ اب جس کو ایمان لانا تھا وہ لے آیا۔ اب آپ اس مجرم قوم پر کوئی افسوس نہ کیجئے ان کی آنکھوں کے سامنے ہماری نگرانی میں ایک کشتی بنائیے اور قوم کے لوگ کچھ بھی کہیں آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ کیجئے کیونکہ ان سب کو غرق کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے چنانچہ حضرت نوحؑ اور آپ کے صحابہ نے کشتی بنانا شروع کی اور جس طرح اللہ کی طرف سے طریقہ بتایا جارہا تھا آپ نے اس کشتی کو تیار کرنا شروع کردیا۔ لیکن جب بھی کفار ومشرکین اور ان کے سردار وہاں سے گذرتے تو طرح طرح سے ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا خشکی پر کشتی چلاؤ گے؟ یہ اور اسی طرح کی ہزاروں باتیں کرکے مذاق اڑاتے مگر حضرت نوحؑ ان سے فرماتے کہ اگر تم آج ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو کوئی بات نہیں کل ہم بھی تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے۔ اور تمہیں بہت جلد اس عذاب الٰہی سے واسطہ پڑے گا جس سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال تک مسلسل نسل درنسل لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف لانے کی کوشش کی مگر ان کی قوم کے چند لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا۔ آپ کا مذاق اڑایا۔ پھبتیاں کسیں، دیوانہ ومجنوں کہا اور اس طرح پتھر برسائے کہ آپ خون سے لت پت ہوجاتے۔ غرضیکہ کوئی اذیت اور تکلیف ایسی نہ تھی جو انہوں نے اللہ کے نبی کو نہ پہنچائی ہو۔ مگر حضرت نوحؑ قوم کی ان اذیتوں کے مقابلے میں صبر وتحمل سے کام لیتے رہے۔ آخر کار ایک دن حضرت نوحؑ نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے کہ ''اے میرے پروردگار میں بہت کمزور اور بے بس کردیا گیا ہوں میری مدد کیجئے'' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت جبرئیل کے ذریعہ پیغام پہنچادیا کہ اے نوحؑ ہماری نگرانی اور تعلیم کے مطابق آپ

ایک ایسی کشتی تیار کیجئے جس میں اپنے سب ماننے والوں کو اور دوسرے جانداروں کو بٹھا لیجئے۔ حضرت نوحؑ نے اللہ کی طرف سے وحی کے مطابق کشتی کو تیار کرنا شروع کیا۔ وہ ایک چھوٹی سی کشتی نہ تھی بلکہ موجودہ دور کا ایک لمبا چوڑا جہاز تھا جس کی تین منزلیں تھیں۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق اس جہاز کی لمبائی نوسوفٹ۔ چوڑائی ایک سو پچاس (150) فٹ اور اس کی اونچائی نوے (90) فٹ تھی ایک لق ودق صحرا میں جب حضرت نوحؑ نے کشتی بنانا شروع کی تو ان کی قوم کے سرداروں نے اور عام لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا اور دیوانوں اور مجنونوں کا کام قرار دیا کہ ''خشکی میں کشتی چلائی جائے گی؟'' حضرت نوحؑ نہایت متانت وسنجیدگی سے یہی جواب دیتے کہ آج تم جتنا مذاق اڑا سکتے ہو اڑا لو لیکن کل جب تمہارے اوپر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اس وقت ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ چنانچہ پانی کا ایک زبردست طوفان آیا اور اس میں پوری قوم نوحؑ کو غرق کر دیا گیا اور صرف وہی لوگ بچ سکے جو کشتی نوح میں سوار تھے۔

ان آیات میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ قوم نوح کی طرح آج کفار مکہ بھی مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن جس دن اللہ کا فیصلہ آ جائے گا اس دن اپنی عقلوں پر ناز کرنے والے سب سے زیادہ بے وقوف اور احمق نظر آئیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر ساری دنیا کو بتا دیا کہ صحابہ کرامؓ کو بے وقوف سمجھنے والے خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے اور ان کفار کو اپنی حماقت وجہالت کی آگ جھلسائے دے رہی تھی۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖ۬ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰي جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَنَادَىٰ نُوحٞ رَّبَّهُۥ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ٱبۡنِي مِنۡ أَهۡلِي وَإِنَّ وَعۡدَكَ ٱلۡحَقُّ وَأَنتَ أَحۡكَمُ ٱلۡحَٰكِمِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَٰنُوحُ إِنَّهُۥ لَيۡسَ مِنۡ أَهۡلِكَۖ إِنَّهُۥ عَمَلٌ غَيۡرُ صَٰلِحٖۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌۖ إِنِّيٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِكَ أَنۡ أَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِي بِهِۦ عِلۡمٞۖ وَإِلَّا تَغۡفِرۡ لِي وَتَرۡحَمۡنِيٓ أَكُن مِّنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۷

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور (زمین) میں سے پانی ابلنا شروع ہو گیا تو ہم نے (نوحؑ سے) کہا کہ تم (جانوروں میں) ہر قسم میں سے ایک نر اور ایک مادہ رکھ لو اور گھر والوں کو بھی سوار کرا دو۔ سوائے اس کے جس پر اللہ کا حکم نافذ ہو چکا۔ اور ایمان والوں کو بھی سوار کرا دو اور نوحؑ پر ایمان لانے والے بہت کم تھے۔

نوحؑ نے کہا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے بے شک میرا رب بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ کشتی ان کو پہاڑ جیسی موجوں (لہروں) میں لے کر چلنے لگی۔ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو جو ایک علیحدہ مقام پر تھا اس کو آواز دی کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو۔ اس نے کہا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوحؑ نے کہا کہ آج اللہ کے قہر (عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں ہے سوائے اس کے جس پر وہ رحم کر دے۔ اور پھر ان دونوں کے درمیان موج (بڑی لہر) حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا اور اللہ کی طرف سے زمین کو کہا گیا کہ اپنا

سارا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا، پانی گھٹ گیا، فیصلہ کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر آ ٹھری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں کی قوم دور کردی گئی۔ نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب یہ میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں سے ہے۔ بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ حاکموں کے حاکم ہیں۔ اللہ نے کہا کہ اے نوحؑ یہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی عمل صالح نہیں ہے۔ مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں سے نہ بنو۔ عرض کیا اے میرے رب میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ سے وہ سوال کروں جس کی مجھے خبر نہیں ہے۔ اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۰ تا ۴۷

فَارَ	جوش مارا
تَنُّوْرُ	روٹیاں بنانے کے لئے وہ گڑھا جس میں آگ جلتی ہے
اِحْمِلْ	سوار ہو جا
زَوْجَیْنِ	(زَوْجٌ)۔ جوڑے
اِثْنَیْنِ	دو دو
اَھْلٌ	گھر والے
سَبَقَ	گذر گیا۔ فیصلہ ہو گیا
اِرْکَبُوْا	سوار ہو جاؤ
مَجْرٰی	چلنا
مُرْسٰی	ٹھہرنا۔ (اِرسَاءٌ سے بنا ہے)
جِبَالٌ	(جَبَلٌ)۔ پہاڑ
نَادٰی	آواز دی
مَعْزِلٌ	کنارہ

يٰبُنَيَّ	اے میرے بچے
سَاٰوِيْ	میں پناہ لے لوں گا
يَعْصِمُنِيْ	وہ مجھے بچالے گا
عَاصِمٌ	بچانے والا
حَالَ	آڑے آگیا
اِبْلَعِيْ	تو نگل لے۔پی جا
اِقْلَعِيْ	تو رک جا۔تھم جا
غِيْضَ الْمَاءُ	پانی اترتا چلا گیا
قُضِيَ	فیصلہ کردیا گیا
اِسْتَوَتْ	برابر ہوگئی۔ٹھہر گئی
جُوْدِيُّ	جودی پہاڑ
بُعْدًا	دور ہونا
لَا تَسْئَلْنِ	تو مجھ سے سوال نہ کر
اَعِظُ	میں نصیحت کرتا ہوں
اَسْئَلُ	میں سوال کرتا ہوں
اِلَّا تَغْفِرْلِيْ	اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا
تَرْحَمْنِيْ	تو نے رحم (نہ) کیا

تشریح: آیت نمبر ۴۰ تا ۴۷

حضرت نوحؑ کی تبلیغ وہدایت کی طویل جدوجہد اور عظیم ایثار وقربانی اور دوسری طرف پوری قوم کی ضد، ہٹ دھرمی، کفر وشرک اور اللہ ورسول کی اطاعت سے مسلسل انکار تاریخ انسانی کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے جس میں عبرت ونصیحت کے لاتعداد پہلو پوشیدہ ہیں۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال تک جس صبر وتحمل اور برداشت سے پوری قوم کو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کی طرف لانے کی کوشش کی اتنی ہی ان کی قوم نے نافرمانیوں کی انتہا کردی اور عذاب الٰہی تک کا مطالبہ کربیٹھی۔ جب حضرت نوحؑ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جن لوگوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال ہونا تھا وہ سعادت حاصل کر چکے ہیں اور بقیہ لوگ جسم کے اس گلے سڑے حصے کی طرح بن چکے ہیں جس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی سارے جسم کی صحت وعافیت اور سلامتی کا ذریعہ ہے تو حضرت نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ الٰہی اب آپ اس نافرمان قوم کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیجئے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے شر اور کفر سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول کر کے ارشاد فرمایا کہ اب ہمارا فیصلہ آنے والا ہے۔ اے نوحؑ! آپ ان تمام اہل ایمان کے لئے جنہوں نے ایمان قبول کرلیا ہے ہماری ہدایت کی روشنی میں ایک ایسی کشتی تیار کیجیے جس میں ان کو اور خشکی کے نر و مادہ جانوروں میں سے ایک ایک جوڑے کو لے کر آپ بیٹھ سکیں۔ فیصلے کے مطابق بقیہ پوری ظالم قوم کو پانی کے طوفان میں غرق کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے دن رات لگ کر ایک ایسی ہی کشتی تیار کرنا شروع کردی۔ کفار و مشرکین اس بات کا ہر طرح مذاق اڑاتے کہ کیا اب خشکی پر بھی جہاز اور کشتیاں چلیں گی؟ حضرت نوحؑ ان کے استہزاء اور مذاق کے جواب میں صبر وتحمل سے کام لیتے آخر کار اللہ کا فیصلہ آ گیا اور تنور سے جس میں روٹیاں پکانے کے لئے آگ جلائی جاتی ہے اس سے فوارے کی طرح پانی ابلنا شروع ہو گیا زمین کو پھاڑ دیا گیا اور اس میں سے ہر طرح کے چشمے ہی چشمے پھوٹ پڑے۔ آسمان کے دروازے اس طرح کھول دیئے گئے کہ مسلسل اور تیز بارش نے طوفانی انداز اختیار کرلیا۔ لوگوں نے پہاڑوں کی طرف دوڑنا شروع کردیا تاکہ اپنے آپ کو بچاسکیں۔ ادھر کشتی نوح جس میں ایک روایت کے مطابق کل اسی (80) مسلمان مرد و عورت اور بچے تھے اور خشکی کے جانور جن کے نر و مادہ کو ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا بقیہ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ جیسے جیسے پانی نے طوفانی صورت اختیار کی کشتی نوح نے پانی پر تیرنا شروع کردیا۔ پہاڑ جیسی کشتی (جہاز) جب پانی پر محفوظ طریقہ پر رواں دواں تھی، اس وقت حضرت نوحؑ کی نظر اپنے بیٹے کنعان پر پڑ گئی جو اپنے آپ کو بچانے کے لئے پہاڑ کی طرف دوڑ رہا تھا حضرت نوحؑ نے اس کو آواز دے کر کہا کہ بیٹے تم ایمان لاکر اور کفر کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ کنعان نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی کشتی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو بچالوں گا۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ بیٹا آج کے دن اللہ کے فیصلے سے کوئی محفوظ نہیں رہے گا۔ البتہ اگر وہ اپنا رحم و کرم نازل فرمادے تو اور بات ہے۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک پہاڑ جیسی موج نے بیٹے کو باپ سے جدا کردیا اور بیٹا پانی میں غوطے کھانے لگا۔ حضرت نوحؑ نے اللہ کی بارگاہ میں درخواست پیش کی۔ الٰہی آپ نے تو یہ وعدہ فرمایا تھا کہ میرے گھر والوں کو بچالیں گے۔ یہ میرا بیٹا ہے اس کو بھی بچا لیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوحؑ یہ تیرے خاندان سے اس لئے نہیں ہے کہ اس کے اعمال صحیح نہیں ہیں۔ اور اے نوحؑ اس کے بعد ہماری بارگاہ میں ایسی درخواست پیش نہ کرنا جس کی حقیقت سے تم واقف نہ ہو۔ حضرت نوحؑ جو ایک باپ کی حیثیت سے اپنی محبت کا اظہار فرمارہے تھے اس ارشاد کے بعد فوراً ہی اللہ کی بارگاہ میں جھک گئے اور توبہ واستغفار شروع کردی اور عرض کیا الٰہی! اگر آپ نے میری اس بھول کو معاف نہ کیا تو میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

جب پوری قوم نوحؑ پانی کے اس شدید طوفان کی نذر ہوگئی اور پوری قوم کو غرق کر دیا گیا تو اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین پانی کو نگل لے۔ بادلوں کو تھم جانے کا حکم دیا۔ کشتی نوح آہستہ آہستہ عراق کے شہر موصل میں واقع ''جودی پہاڑی'' پر رک گئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم اور ان کی ترقیات کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور اہل ایمان کو نجات عطا فرما دی۔

آپ نے حضرت نوحؑ کے اس واقعہ کو ملاحظہ کیا۔ اب چند باتوں کی وضاحت پیش کی جاری ہے تا کہ اس مضمون کے باقی پہلو بھی سامنے آ سکیں۔

۱) کشتی نوح: پہاڑ جیسی کشتی جو موجودہ دور میں ایک چھوٹے جہاز کی طرح تھی اس میں کافی گنجائش تھی۔ حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم سے تمام اہل ایمان کو پانی کے شدید طوفان آنے سے پہلے حکم دیا کہ وہ اس کشتی پر سوار ہو جائیں اور خشکی پر بسنے والے جان داروں میں سے ایک ایک نر اور مادہ کو ساتھ رکھ لیں تا کہ نسل انسانی کے ساتھ جانوروں کی نسلیں بھی باقی رہیں۔ پانی کے جانوروں کے لئے یہ حکم اس لئے نہیں تھا کہ وہ پانی میں زندہ رہ کر اپنے وجود کو بچا سکتے ہیں۔ اس کشتی میں ایک روایت کے مطابق اسی (80) اہل ایمان تھے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ زندہ بچ جانے والوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ بہر حال اس دور کی معلوم دنیا کے تمام ہی لوگوں کو پانی کے اس طوفان میں غرق کر دیا گیا تھا۔ اس موقع پر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تاریخی طور پر اس کا ثبوت ہے یا نہیں کیونکہ جب اللہ نے فرما دیا تو ہمارا اس بات پر ایمان ہونا چاہئے کہ قوم نوحؑ پر پانی کا اتنا شدید عذاب آیا تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ تلاش کرنے والوں کو بھی پناہ نہ مل سکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابھی انسان کو ساری ترقیات کے باوجود اپنے پاؤں کے نیچے بچھے ہوئے ذرات کی پوری حقیقت کا علم نہیں ہے۔ اگر ان کو پورا علم ہوتا تو وہ تحقیقات کے نام پر کھنڈرات کی اینٹوں سے اور پتھروں سے مدد کیوں لیتے۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے وہ سچ ہے آج انسان کو اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے لیکن جب پوری تحقیق کے بعد معلومات حاصل کر لی جائیں گی تو وہ قرآن کریم کی تردید نہیں بلکہ تائید ہی کریں گی۔

۲) روایات کے مطابق کشتی نوح رجب المرجب کی کسی تاریخ کو رواں دواں ہوئی اور اس پر اہل ایمان سوار ہوئے اور چھ مہینے تک یہ کشتی پانی پر تیرتی رہی۔ جب یہ کشتی اس مقام پر پہنچی جہاں بیت اللہ شریف ہے تو اس کشتی نے اس کے گرد سات چکر لگائے۔ پھر دس (10) محرم کو یہ طوفان مکمل طور پر ختم ہوا اور ''جودی'' پہاڑ پر یہ کشتی ٹھہر گئی۔ بعض روایات کے مطابق عراق کے ایک شہر موصل میں ''جودی'' پہاڑی ہے جس پر یہ کشتی جا کر رک گئی۔ حضرت نوحؑ نے اس دن روزہ رکھا اور تمام اہل ایمان کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

۳) حضرت نوحؑ بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں اور آپ نے ساڑھے نو سو سال تک نہایت صبر و تحمل سے اللہ کا دین ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش فرمائی۔ مگر بہت کم لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کی بیوی اور آپ کے بیٹے نے بھی کفر سے توبہ نہیں کی اور اسی پر وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ:

۱) انبیاء کرامؑ کا اور ان لوگوں کا جو ان کے طریقوں پر چلنے والے ہیں ان کا کام اللہ کا دین پہنچانا ہے زبردستی کرنا نہیں

ہے کیونکہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے اگر اکراہ اور زبردستی ہوتی تو حضرت ابراہیم کے والد آذر، حضرت نوحؑ کا بیٹا اور بیوی، نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب یہ سب مسلمان ہوتے لیکن ان سب کا خاتمہ کفر پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نبی نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں کمی نہیں فرمائی کسی طرح کی زبردستی بھی نہیں کی۔ یہی دین اسلام کی روح ہے۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین اور گناہ پرستوں کی صحبت اتنی بری چیز ہے کہ وہ انسان کو بہت سی عظمتوں سے محروم کردیتی ہے۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا کنعان برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا اور اس کے اپنے گھر میں جو اللہ کی رحمت کا دریا بہہ رہا تھا وہ اس سے محروم رہا۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کو سب سے پہلے اپنے بچوں کے اخلاق و کردار کی نگرانی کرنی چاہئے اور بری صحبتوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ بری صحبتوں میں بیٹھ کر خاندان کا نام بدنام نہ کردیں۔ باقی تقدیر الٰہی کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کو ہر ممکن نصیحت فرمائی مگر بری صحبتوں نے ان کو ایمان کے بجائے کفر کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام دینی معاملات کا دار و مدار ایمان، عمل صالح اور تقویٰ پر ہے۔ خاندان، نسب اور کسی بڑے باپ کی اولاد ہونے پر نہیں ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے خاتون جنت حضرت فاطمہؓ (اور ملت اسلامیہ کی ہر بیٹی) سے فرمایا کہ اے فاطمہؓ تم یہ مت سمجھنا کہ تم بنت محمد ﷺ ہو اس لئے تمہاری نجات ہوگی۔ بلکہ تمہاری نجات بھی تمہارے اعمال صالح کی وجہ سے ہوگی۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

کہا گیا اے نوحؑ ہماری طرف سے آپ پر جو سلامتی اور برکتیں ہیں ان کے ساتھ (اس کشتی سے) اتر جائیے۔ اور ان جماعتوں پر بھی رحمتیں ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن وہ گروہ جن کو ہم چند دنوں کے عیش و آرام دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب دیا جائیگا۔

(اے نبی ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ نہ تو اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ صبر کیجئے بے شک بہترین انجام اہل تقویٰ کے لئے ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

قِیلَ کہا گیا

اِھبِطْ اتر جا

سَلٰمٌ سلامتی۔ عافیت

بَرَکٰتٌ برکتیں

اُمَمٌ امتیں۔ جماعتیں۔ گروہ

سَنُمَتِّعُ بہت جلد ہم فائدہ دیں گے

اَنْبَاءُ (نبیٌ)۔ خبریں

نُوحِیْ ہم وحی کرتے ہیں

مَا کُنْتَ تو نہ تھا

تَعْلَمُ تو جانتا ہے

اِصْبِرْ صبر کر

اَلْعَاقِبَةُ انجام

تشریح: آیت نمبر ۴۸ تا ۴۹

گذشتہ آیات میں ''طوفان نوحؑ'' کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی تھیں اب ان آیات میں حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ جب پانی کے زبردست طوفان کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس سارے پانی کو اپنے اندر جذب کرلے۔ آسمان سے برسنے والے بادلوں اور زمین پر بہنے والے چشموں کو رک جانے کا حکم دیدیا تب اللہ نے ایک ایسی ہوا چلائی جس سے سطح زمین خشک ہونا شروع ہوگئی اور کشتی نوح پر سوار حضرت نوحؑ ان کے تینوں بیٹے، گھر والے اور اہل ایمان کو اس کشتی سے اتر جانے کا حکم دیا تا کہ زمین پر پھر سے زندگی کا آغاز ہو جائے۔ مسلسل چھ مہینے تک اس کشتی میں رہنے کے بعد جب اہل ایمان

نے زمین پر قدم رکھا تو اللہ نے حضرت نوحؑ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے نوحؑ اب تم اور تمہاری اتباع کرنے والے اس سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر اتر جائیں اور کفار کو بتا دیا گیا کہ اگر تم نے اتنے بڑے طوفان اور عذاب کے بعد ان لوگوں کی روش زندگی کو اپنایا جو نافرمانی کے سبب ہلاک ہو چکے ہیں تو زیادہ عرصہ نہیں گذرے گا کہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا اور عذاب نازل کر کے تہس نہس کر دیا جائے گا لیکن اگر اللہ و رسول کے احکامات پر عمل کیا گیا تو اللہ اس کی جزا اور بدلہ عطا فرمائے گا۔ اور پھر سے زندگی کی تمام نعمتیں عطا فرمائے گا۔

آخر میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچائی جا رہی ہیں ورنہ ہزاروں سال پرانے اس واقعہ سے نہ آپ کی قوم واقف تھی اور نہ آپ کو اس کا علم تھا۔ فرمایا کہ صبر اور برداشت سے کام لیجئے کیونکہ ہر کام کا بہتر انجام ان ہی لوگوں کے لئے ہوا کرتا ہے جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ

اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۷

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اس اللہ کی عبادت و بندگی کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم نے (اپنی طرف سے) محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں۔ اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی بدلہ (اجرت) نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔ اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے رب سے بخشش (معافی) مانگو اور پھر اسی کی طرف رجوع کرو (توبہ کرو) وہ تمہارے اوپر خوب بارشیں برسائے گا اور تمہاری قوت بڑھا دے گا۔ اور تم مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔ انہوں نے کہا اے ہودؑ! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل (معجزہ) لے کر نہیں آئے۔ ہم تمہارے کہنے سے نہ تو اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ ہم تمہارے اوپر ایمان لائیں گے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود نے تمہیں کسی خرابی (بیماری) میں مبتلا کر دیا ہے (حضرت ہودؑ نے) کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان تمام معبودوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہوں جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔

تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو وہ کر گذرو اور پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میں نے اس اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی چوٹی اس کے ہاتھ (قبضہ) میں نہ ہو۔ یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے۔ اگر تم اب بھی منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو۔ میں تمہارے پاس جس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا ہوں وہ میں نے پہنچا دیا ہے۔ میرے رب (کی یہ طاقت ہے کہ) وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان و محافظ ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۰ تا ۵۷

اَخا	(اَخٌ) بھائی
مَالَکُمْ	تمہارے لئے نہیں ہے
مُفْتَرُوْنَ	گھڑنے والے
لَا اَسْئَلُ	میں نہیں مانگتا۔ میں سوال نہیں کرتا
اَجْرٌ	اجرت۔ بدلہ۔ معاوضہ
فَطَرَنِیْ	جس نے مجھے پیدا کیا
اِسْتَغْفِرُوْا	تم معافی مانگو
یُرْسِلُ	وہ بھیجے گا
مِدْرَارٌ	مسلسل برسنا، برسانا۔ بارشیں
مَاجِئْتَنَا	تو نہیں آیا۔ (تو نہیں لایا)
تَارِکِیْ	(تَارِکِیْنَ)۔ چھوڑنے والے
اِعْتَرٰکَ	تجھے مبتلا کر دیا۔ پھنسا دیا
سُوْءٌ	برائی۔ تکلیف۔ بیماری
اُشْهِدُ	میں گواہ کرتا ہوں
بَرِیْءٌ	بیزاری۔ نفرت
مِنْ دُوْنِهٖ	اس کو چھوڑ کر
کِیْدُوْنِیْ	تم تدبیر کرو میرے خلاف
لَا تُنْظِرُوْنِ	تم مجھے مہلت نہ دو۔ موقع نہ دو
تَوَکَّلْتُ	میں نے بھروسہ کر لیا۔ بھروسہ کر رکھا ہے

دَآبَّةٌ	زمین پر چلنے والا جان دار
اٰخِذٌ	پکڑنے والا
نَاصِيَةٌ	پیشانی۔چوٹی
اَبْلَغْتُ	میں نے پہنچادیا
اُرْسِلْتُ	میں بھیجا گیا ہوں
يَسْتَخْلِفُ	وہ قائم مقام بنادے گا
غَيْرُكُمْ	تمہارے علاوہ
لَا تَضُرُّوْنَ	تم بگاڑ نہ سکو گے
حَفِيْظٌ	حفاظت کرنے والا۔نگہبان

تشریح: آیت نمبر ۵۰ تا ۵۷

قرآن کریم سچائی کا وہ پیغام ہے جس کے اپنانے میں کامیابی اور اس کا کفر وانکار دین ودنیا کی تباہی ہے۔قرآن کریم میں گذشتہ انبیاء کرامؑ کے واقعات کو نہایت اختصار سے پیش کیا گیا ہے تاکہ عبرت ونصیحت کے تمام پہلو سامنے آسکیں۔حضرت نوحؑ کے عبرت انگیز واقعہ کو نہایت مختصر انداز سے سامنے رکھ کر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال تک اللہ کے دین کی سچائی اور توحید کے پیغام کو ملت کے ہر فرد کے سامنے خلوص اور بے غرضی سے پیش کیا۔جن لوگوں نے اطاعت وفرماں برداری کا طریقہ اختیار کیا وہ کشتی نوح میں محفوظ رہے لیکن جن لوگوں کو اپنی دولت، بلند عمارتوں اور تہذیب وترقی پر ناز تھا جب اللہ کا فیصلہ آ گیا اور زمین وآسمان سے پانی کا طوفان آیا تو پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جانے والے بھی اپنے آپ کو نہ بچاسکے۔قرآن کریم اسی بات کو ذہنوں میں تازہ کرنے کے لئے اپنے پیغمبروں کے واقعات کو پیش کر کے عبرت ونصیحت کے ہر پہلو کو نمایاں کرتا ہے کیوں کہ سنبھل جانے کا ایک وقت ہوتا ہے۔اگر کوئی قوم سنبھل نہ سکی تو پھر وہ تاریخ انسانی میں ایک عبرت کا نشان بن جایا کرتی ہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد عاد ابن ارم کی نسل سے قوم عاد ایک زبردست قوم بن کر ابھری، وہ اپنی دنیاوی ترقیات، مال و دولت اور تجارت کی کثرت، بلند وبالا عمارتوں اور سرسبز وشاداب علاقوں کی وجہ سے ساری دنیا کے ذہن وفکر پر چھا گئی ور کم وبیش ایک

ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی کرتی رہی۔ لیکن ایک مورخ اس بات پر حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ جس طرح یہ قوم ابھر کر ساری دنیا کے ذہنوں پر چھا گئی تھی اسی طرح جب وہ مٹنے پر آئی تو دنیا سے اس کا وجود اس طرح ختم ہو گیا کہ آج اس قوم کے آثار، نشانات اور کھنڈرات بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا کی اتنی ترقی یافتہ قوم اس طرح تاریخ میں عبرت کا نشان کیوں بن گئی؟ وہ کونسی دیمک تھی جو اس قوم کی ترقیات کو چاٹ گئی۔ قرآن کریم کی یہ آیات اس سوال کا بہترین جواب ہیں۔ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ نے سات انبیاء کرامؑ کی زندگی کو مختصر انداز سے بیان کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

۱) جن لوگوں نے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو اپنایا اور اللہ کے رسولوں کی اطاعت و فرماں برداری کی وہ قومیں کامیاب ہو گئیں لیکن جن کو دنیا کی دولت، ترقی اور بلند و بالا عمارتوں پر ناز تھا اور انہوں نے انبیاء کرامؑ کی بات کو تسلیم نہیں کیا وہ اس طرح دنیا سے مٹ گئیں کہ آج ان کا کوئی نام لیوا تک موجود نہیں ہے۔

۲) قوموں کی تہذیب و ترقی کو چاٹ جانے والی دوسری چیز کسی قوم کا بے جا گھمنڈ، غرور و تکبر اور کمزوروں پر ظلم و ستم ہے۔ اگر کسی کے دماغ میں دولت اور اقتدار کا نشہ اس طرح چھا جائے کہ وہ کمزور افراد اور مجبور قوموں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور کسی ظلم و ستم کو کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرے تو یہ غرور و تکبر افراد اور قوموں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

۳) قوموں کے گرنے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت و بندگی کے بجائے اپنے خیال اور گمان سے پتھروں کے بت بنا کر ان کو معبود کا درجہ دیدیتے ہیں اور انسانی مجسموں کو ابتداء میں عقیدت و محبت کا درجہ دیتے ہیں اور پھر ان کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔

٤) چوتھا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کا وسیلہ اختیار کرنے لگ جاتے ہیں اور پتھروں کے بے جان بتوں اور مٹی کے ڈھیروں سے اپنی مرادیں مانگنے لگتے ہیں۔

یوں تو اور بھی اسباب ہیں جن سے قومیں برباد ہوتی ہیں لیکن اس موقع پر ان چند اسباب کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ قوم عاد کی بربادی میں سب سے بڑے اسباب یہی تھے کہ انبیاء کرام کی تعلیمات سے انکار، غرور و تکبر، کمزوروں پر ظلم و ستم، انسانی مجسموں کو معبود کا مقام دینا اور ان کے وسیلے سے اپنی حاجتوں کو مانگنا۔

حضرت ھودؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے توحید کا یہ پیغام پوری قوم تک پہنچایا اور ان کو بتایا کہ اے لوگو! تم نے جن بے جان پتھروں کے بتوں کو اپنا معبود سمجھ رکھا ہے وہ ایک بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ حقیقی معبود صرف ایک اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے یہ بت قصے، کہانیوں اور افسانوں سے زیادہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ تم صرف اسی

ایک اللہ کی بندگی کرو جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے۔ حضرت ھودؑ نے فرمایا کہ لوگو! تم یہ مت سمجھنا کہ یہ سب کچھ کہنے سے میں تم سے کسی دولت یا دنیاوی عزت کا طالب ہوں بلکہ میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ میرا اجر و ثواب اللہ کے ذمے ہے میرا بھروسہ صرف اسی ذات پر ہے جو ہم سب کا معبود ہے۔ تم جن گناہوں میں مبتلا ہو ان سے معافی مانگو تاکہ خشک سالی جو تمہاری طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے وہ تمہیں اور تمہاری طاقت و قوت کو تباہ و برباد کر کے نہ رکھ دے۔ اگر تم نے توبہ و استغفار کیا تو اللہ نہ صرف تمہارے گناہوں خطاؤں کو معاف کر دے گا بلکہ تمہاری قوت و طاقت میں اور بھی اضافہ فرما دے گا۔ اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کو اپنائے رکھا تو تم مجرم قوموں میں شامل ہو کر برے انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔ حضرت ہودؑ نہایت خلوص، محبت، متانت و سنجیدگی سے اس پیغام کو ایک ایک گھر تک پہنچا رہے تھے مگر وہ بدقسمت قوم حضرت ہودؑ کے اس پیغام توحید کو نہ سمجھ سکی اور کہنے لگی کہ اے ہود ہم تمہارے کہہ دینے سے ان معبودوں کو تو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمارا سہارا ہیں جب کہ تمہارے ساتھ کوئی ایسا معجزہ بھی نہیں ہے جس کو دیکھ کر ہم اس بات کا یقین کر لیں کہ واقعی تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔ کہنے لگے کہ ہم تو یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اے ہودؑ! تم جو رات دن اٹھتے بیٹھتے ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو کوئی معبود تم سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے تمہارے دل و دماغ پر ایسا برا اثر ڈالا ہے کہ تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ حضرت ہودؑ کا نہایت سادگی، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ یہی پیغمبرانہ جواب تھا کہ اے میری قوم! میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر میں اللہ کی گواہی پیش کرتا ہوں وہی میرا گواہ ہے البتہ میں تمہارے کفر و شرک کے ہر انداز سے بیزار ہوں اور میں وہی سچی بات کہوں گا جس کا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ اگر تم میری بات نہیں مانتے اور تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں ہے تو تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر ڈالو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو اس ذات بے نیاز پر ہے جو تمہارا اور میرا رب ہے اور ہر چیز اس کے اس طرح قبضے میں ہے کہ اس نے ہر چیز کو اس کی چوٹی سے پکڑ کر اور تھام کر رکھا ہے۔ اس پروردگار کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے فرمایا کہ اے میری قوم! میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس راستے کو اپناتے ہو یا نہیں۔ بہرحال اتنی بات تمہیں بتا دیتا ہوں کہ اگر تم نے اس صراط مستقیم کو نہیں اپنایا اور اسی طرح غیر اللہ کی عبادت و بندگی کرتے رہے تو دوسری قوموں کی طرح تمہیں بھی حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔ وہ اللہ جو کسی کا محتاج نہیں ہے تمہیں مٹا کر کسی دوسری قوم کو تمہاری جگہ پر لا کر آباد کر دے گا۔ تم اللہ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکو گے کیونکہ وہ ہر چیز کا محافظ و نگراں ہے۔ البتہ تم اپنے لئے وہ خرابی ضرور پیدا کر لو گے جس کا کوئی علاج نہیں ہے اور تم اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکو گے۔ آپ اس کے بعد کی آیات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ اللہ نے قوم عاد کو کس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور دوسری قوم کو ان کا قائم مقام بنا دیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ قوم عاد جو دنیا کی عظیم قوموں میں سے ایک قوم تھی کس طرح اس کو اس کے برے اعمال کے سبب تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ یہی تمام اخلاقی کمزوریاں تم مکہ والوں کے اندر بھی موجود ہیں اگر تم نے اپنے گناہوں سے توبہ نہ کی تو تمہارا حشر بھی قوم عاد سے مختلف نہ ہوگا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۵۸ تا ۶۰

اور جب ہمارا حکم پہنچ گیا تو ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لے آئے تھے اپنی رحمت سے ان کو ایک سخت عذاب سے بچالیا۔ اور یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان تمام لوگوں کے سکھائے پر چلتے رہے جو ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ اس دنیا میں اور قیامت کے دن تک لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی ہے۔ سنو! قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو کہ قوم عاد کو رحمت سے دوری ہوئی جو کہ ہودؑ کی قوم تھی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۵۸ تا ۶۰

اَمْرُنَا	ہمارا حکم۔ ہمارا فیصلہ
غَلِيْظٌ	سخت
جَحَدُوْا	انہوں نے انکار کیا
عَصَوْا	انہوں نے نافرمانی کی۔ کہنا نہ مانا
اِتَّبَعُوْا	وہ پیچھے لگ گئے۔ انہوں نے اتباع کی
جَبَّارٌ	زبردست۔ ضدی

عَنِيۡدٌ	ہٹ دھرم لوگ
اُتۡبِعُوۡا	پیچھے لگادی گئی
لَعۡنَةٌ	لعنت۔ اللہ کی رحمت سے دوری

تشریح: آیت نمبر ۵۸ تا ۶۰

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''قوم عاد'' کے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''قوم عاد'' جو کئی ہزار کی تعداد میں تھے اور دنیاوی اعتبار سے خوش حال اور جسمانی لحاظ سے نہایت مضبوط واقع ہوئے تھے جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی اور اپنے نبی کی اطاعت کا انکار کیا اور کفر وشرک میں انتہا تک پہنچ گئے تب اللہ نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا اور اتنی مضبوط قوم کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ حضرت ہودؑ اس قوم کو توحید و رسالت کی طرف متوجہ کرتے رہے مگر وہ قوم اپنی باغیانہ روش سے باز نہ آئی بالآخر اللہ کا وہ فیصلہ آ گیا جو قوموں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے نافذ کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک آندھی کا ایسا زبردست طوفان آیا جس نے ان کی آبادیوں کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا، ان کے عالی شان مکانات گر گئے، تیز ہواؤں کی وجہ سے چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑوں سے اکھڑ گئے ایک ایسی زہریلی ہوا چلائی گئی جو کہ ان کی ناک میں داخل ہو کر ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ اس طرح یہ قوم اپنے کفر وشرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے تاریخ انسانی میں ''عبرت'' کا نشان بن کر رہ گئی۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ اور ان لوگوں کو نجات عطا فرمادی جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اگرچہ قوم عاد میں صرف حضرت ہودؑ ہی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے مگر چونکہ انبیاء کرام کا سلسلہ تو ابتدائے کائنات ہی سے جاری ہے اسی لئے ''رسل'' فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ایک رسول کی اطاعت کا انکار درحقیقت تمام انبیاء کرام کا انکار ہوتا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے قوم عاد کے اہل ایمان کو نجات عطا فرمادی اور نافرمانوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔

ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطب اول کفار و مشرکین مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ قوموں کی زندگی میں ان کا اچھا اور نیک کردار آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہوا کرتا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اللہ نے صرف ان ہی لوگوں کو نجات عطا فرمائی ہے جو انبیاء کرام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو نافرمانی اور بغاوت کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کو کبھی نجات نہیں ملتی اور ان کی دنیاوی طاقت و قوت ان کے کسی کام نہیں آ سکتی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جس پیغام الٰہی کو پہنچا رہے ہیں اگر ان کی اطاعت نہ کی گئی اور کفار مکہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہ آئے تو وہ بھی کسی عبرت ناک انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صدقے میں اب وہ

عذاب تو اس امت پر نہیں آئیں گے جو گذشتہ امتوں پر آئے تھے لیکن عذاب کی وہ شکلیں ضرور سامنے آئیں گی جو کفار و مشرکین کے وجود کو نشان عبرت بنانے کیلئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو نہ صرف نجات عطا فرمائی بلکہ دین و دنیا کی تمام بھلائیاں عطا فرما کر ان کو ساری دنیا کا مقتدا اور پیشوا بنا دیا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اس اللہ کی عبادت و بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ تمہیں اس میں آباد کیا، تم اس سے معافی مانگو اور اسی کی طرف پلٹ آؤ۔ بے شک میرا رب قریب ہے، اور قبول کرنے والا ہے۔ کہنے لگے کہ اے صالحؑ تم تو ہمارے اندر پہلے سے ان لوگوں میں سے تھے جن سے بڑی امیدیں تھیں۔ کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکنا چاہتے ہو جس کی عبادت و بندگی ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس میں تو ہمیں سخت شبہ ہے۔ (حضرت صالحؑ نے) کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں۔ اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے (اس کے باوجود)۔ اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو اس سے مجھے کون بچائے گا۔ تم تو میرا بڑا نقصان کر رہے ہو۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

اَنْشَاَ
اس نے اٹھایا۔اس نے پیدا کیا

اِسْتَعْمَرَ
اس نے آباد کیا

اِسْتَغْفِرُوْا
معافی مانگو۔توبہ کرو

تُوْبُوْا
تم پلٹو۔تم لوٹو

مُجِیْبٌ
جواب دینے والا۔قبول کرنے والا

مَرْجُوٌّ
مرکز امید، بہت سی وابستہ امیدیں ہیں

اَتَنْھٰنَا
کیا تو ہمیں روکتا ہے۔منع کرتا ہے

اٰبَاؤُنَا
ہمارے باپ دادا۔

تَدْعُوْنَا
تو ہمیں بلاتا ہے

مُرِیْبٌ
(رَیْبٌ) شک میں ڈالنے والا

بَیِّنَۃٌ
کھلی نشانی

اٰتٰنِی
اس نے مجھے دیا

مَنْ یَّنْصُرُنِیْ
میری کون مدد کرے گا

مَا تَزِیْدُوْنَ
تم اضافہ نہیں کررہے ہو

غَیْرُتَخْسِیْرٍ
سوائے نقصان کے

تشریح: آیت نمبر ۶۱ تا ۶۳

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور بلاوجہ کسی قوم کو یا اس کے افراد کو برباد بھی نہیں کرتا بلکہ انہوں نے جس طرز زندگی کو اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اگر وہ غلط ہے تو اللہ ان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کا پورا پورا موقع عطا کرتا ہے۔ان کے احوال کی اصلاح کے لئے ان پاکیزہ نفوس (انبیاء کرامؑ) کو بھیجتا ہے جو ان کو قدم قدم پر غلط روی کے برے نتائج سے آگاہ کرتے رہتے ہیں اور بالکل واضح طریقہ پر بتا دیتے ہیں کہ ان کی اصلاح اور سنبھلنے کے راستے کونسے ہیں۔اگر وہ انبیاء کرامؑ کی

بات مان کر صراط مستقیم اختیار کر لیتے ہیں تو ان کو دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کی سعادت نصیب ہوتی ہے ورنہ ان کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ دنیا کی دولت، قوت و طاقت اور ظاہری اسباب ان کے کسی کام نہیں آتے۔ گذشتہ آیات میں آپ نے قوم عاد کے اس برے انجام کو ملاحظہ کر لیا ہے جس میں ان کا مال دولت اور دنیاوی ترقی ان کے کسی کام نہ آسکے۔ قوم عاد کی طرح عرب کی قدیم ترین قوموں میں سے قوم ثمود بھی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان ''الحجر'' کے مقام پر آباد تھی۔ یہ قوم جسمانی اعتبار سے نہایت قوی اور مضبوط تھی، ان کی لمبی لمبی عمریں عظیم الشان فن تعمیر اس قوم ثمود کا نمایاں وصف تھا۔ اس قوم نے پہاڑوں کو تراش کر ایسی عالی شان اور بلند و بالا عمارتیں بنائی تھیں جن کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ اور تیس ہزار صحابہ کرام قوم ثمود کی بستیوں کے پاس سے گذرے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی مگر اپنی بداعمالیوں کے سبب وہ دنیا سے مٹا دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقام سے جلد از جلد گذرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ سیر و تفریح کی جگہ نہیں بلکہ عبرت و نصیحت کی جگہ ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو وہ کنواں جہاں سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور وہ درہ بھی دکھایا جہاں سے یہ اونٹنی معجزہ کے طور پر پیدا کی گئی تھی اور وہ وہاں سے پانی کے کنویں تک آتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جگہ صرف اس کنویں سے پانی پینا جہاں سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی نے پانی پیا تھا۔ اس کے علاوہ کسی کنویں سے پانی مت پینا۔

جب قوم ثمود مال و دولت کی کثرت، عیش و عشرت کی زندگی اور بلند و بالا عمارتوں پر ناز کرتے ہوئے پتھر کے بے جان بتوں کی عبادت و بندگی میں ڈوب گئی تب اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی اصلاح کے لئے حضرت صالحؑ کو بھیجا تاکہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کیا جاسکے۔ حضرت صالحؑ نے بھی تمام انبیاء کرامؑ کی طرح وہی بنیادی بات ارشاد فرمائی کہ اے میری قوم! تم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہ کرو کیونکہ وہی ایک اللہ ہے جس نے انسان کو زمین کے بے جان ذرات سے پیدا کیا۔ پھر اس کو وہ صلاحیتیں عطا فرمائیں جن سے کام لے کر وہ اس دنیا میں اپنے رہنے بسنے اور زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھتا ہے۔ فرمایا کہ تم دنیا کے اسباب اور عیش و عشرت میں پھنس کر اپنے خالق و مالک اللہ کو مت بھول جانا اور اسی کی طرف پلٹ کر آؤ۔ وہ اللہ ایسا مہربان ہے کہ اپنے بندوں کی ہر فریاد سنتا ہے اور وہ ان سے بہت قریب ہے۔

سب کچھ سننے کے بعد کہنے لگے کہ اے صالحؑ ہمیں تو آپ سے بہت کچھ امیدیں تھیں اب آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ ہمیں ان معبودوں کی عبادت و بندگی سے روکتے ہیں جن کی عبات و بندگی ہمارے باپ دادے کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ بت تو ہمارے سامنے ہیں لیکن آپ جس معبود کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں وہ ہے بھی یا نہیں؟ ہمیں تو اس میں شک ہے حضرت صالحؑ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب یہ دیا کہ اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ جب اللہ نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کھلی نشانیاں اور اس کی رحمتیں میرے سامنے ہیں۔ اگر میں ان سب کے باوجود اللہ کی نافرمانی کروں گا تو مجھے اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے نقصان سے کون بچائے گا۔ یقیناً تمہاری بات مان کر تو میں سوائے نقصان کے اور کچھ بھی حاصل نہ کرسکوں گا۔

حضرت صالحؑ کے اس واقعہ کی مزید تفصیلات اس کے بعد کی آیات میں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

ع ۶ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۶۴ تا ۶۸

(صالحؑ نے کہا کہ) اے میری قوم یہ ایک اونٹنی ہے۔ جو تمہارے لئے اللہ کی نشانی ہے تم اس کو زمین پر آزاد چھوڑے رکھنا تا کہ وہ اللہ کی زمین سے (آزادی کے ساتھ) کھاتی پھرے اور اس کو برائی (کی نیت) سے ہاتھ مت لگانا ورنہ بہت جلد عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔ اور پھر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ تب صالحؑ نے کہا کہ تم تین دنوں تک اپنے اپنے گھروں کو اور برت لو۔ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے (پورا ہو کر رہے گا)۔

پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات عطا فرمادی اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا۔ بے شک آپ کا رب زبردست اور بڑی قوت والا ہے۔ اور ان ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا پھر وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے جیسے وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو! کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور جا پڑی۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۴ تا ۶۸

نَاقَةٌ	اونٹنی
ذَرُوْ	چھوڑ دو۔ چھوڑے رکھو
تَاكُلْ	وہ کھائے
اَرْضُ اللّٰهِ	اللہ کی زمین
لَا تَمَسُّوْا	تم ہاتھ نہ لگانا
بِسُوْءٍ	برائی سے۔ بری نیت سے
عَقَرُوْا	انہوں نے قتل کرڈالا
تَمَتَّعُوْا	تم فائدہ اٹھالو
ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ	تین دن
غَيْرُ مَكْذُوْبٍ	جھوٹا ہونے والا نہیں ہے
خِزْيٌ	رسوائی۔ ذلت
اَلصَّيْحَةُ	چنگھاڑ۔ بہت تیز آواز۔
اَصْبَحُوْا	وہ ہو گئے
دِيَارٌ	(دَيْرٌ)۔ گھر
جٰثِمِيْنَ	اوندھے پڑے رہنے والے

تشریح: آیت نمبر ۶۴ تا ۶۸

جب حضرت صالحؑ قوم ثمود کے سرداروں سے فرما چکے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے اسی ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرو۔ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میری بات مانو۔ کہنے لگے کہ ہم اس بات کا کیسے یقین کرلیں کہ واقعی

تمہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اگر تم سچے ہو تو سامنے پہاڑ ہے اس سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کراؤ جو کہ گابھن ہو اور وہ پیدا ہوتے ہی بچہ پیدا کرے۔ حضرت صالحؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوم کی اس فرمائش کو پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کی اس درخواست کو قبول کیا اور پہاڑ سے گابھن اونٹنی کو پیدا کیا جس نے کچھ دیر کے بعد ایک بچہ جنم دیا۔ اس اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر کسی نے بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ ان سب لوگوں میں سے صرف ایک شخص نے ایمان قبول کیا۔ بقیہ سب کے سب اپنے کفر پر قائم رہے۔ حضرت صالحؑ نے پوری قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نے اللہ سے ایک اونٹنی کا مطالبہ کیا اور اللہ نے معجزے کے طور پر اس اونٹنی کو پیدا فرما دیا تو یہ اونٹنی تمہارے کنویں سے پانی پیئے گی لیکن اس دن تمہارے جانور پانی نہیں پیئیں گے۔ اس طرح ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور دوسرے دن تمہارے جانور پانی پی سکیں گے۔ ابتدا میں تو وہ سب اس کے لئے تیار ہو گئے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے جانوروں کو پانی نہیں مل رہا ہے اور ایک دن پانی نہ ملنے سے ان کے جانور مر رہے ہیں تو انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس اونٹنی کو مار دیا جائے تا کہ اس مشکل سے نجات مل جائے۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی معجزہ کے طور پر تمہیں دی گئی ہے اس کو ستانا یا قتل کرنا تمہیں تباہ کر دے گا۔ مگر یہ نافرمان قوم باز نہ آئی اور ایک دن انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ جب حضرت صالحؑ کو معلوم ہوا کہ اونٹنی کو مار دیا گیا ہے تب حضرت صالحؑ کو یقین ہو گیا کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم کے لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں بسر کر لیں۔ اس کے بعد اس قوم کو اس کی نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی۔ چنانچہ تیسرے دن ایک ہیبت ناک آواز پوری گھن گھرج کے ساتھ سنائی دی۔ اس آواز سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں بند ہو گئیں، جب کہ وہ میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے، اسی حالت میں ہلاک کر دیئے گئے ان کا مال و دولت، بلند و بالا عمارتیں ان کے کسی کام نہ آ سکیں اور اس طرح قوم ثمود اپنے برے انجام کو پہنچ گئی۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا اور ان کو نجات عطا فرما دی گئی۔

جب حضرت صالحؑ نے دیکھا کہ پوری قوم مردہ حالت میں پڑی ہوئی ہے تو کہہ اٹھے۔

''اے میری قوم میں نے اللہ کا پیغام اور نصیحت پہنچا دی تھی لیکن تمہیں تو وہی لوگ برے لگتے تھے جو تمہیں نصیحت کرتے تھے (سورۃ الاعراف)''

قرآن کریم کا یہی ایک اسلوب بیان ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اور اس کے ماننے والوں کو عذاب سے محفوظ رکھا اور ان قوموں کو اور ان کے افراد کو تہس نہس کر دیا جنہوں نے نافرمانی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام پر ایمان کامل کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کے برے انجام سے محفوظ فرمائے آمین۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿ؕ۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿ؕ۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوش خبری لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کیا ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا۔ پھر کچھ دیر نہ گذری تھی کہ وہ (ابرہیمؑ) ایک بھنا ہوا بچھڑا لئے آئے۔ پھر جب (ابراہیمؑ) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو وہ ان سے خوف محسوس کرنے لگے۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کھایئے۔ بے شک ہم قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں جب اسحاقؑ اوران کے بعد یعقوبؑ کی خوش خبری ان کو دی گئی تو وہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں بڑھیا ہوں اور میں بچہ جنوں گی؟ جب کہ

میرے شوہر (ابراہیمؑ) تو بالکل بوڑھے ہو چکے ہیں واقعی یہ تو عجیب بات ہوگی۔
(فرشتوں نے) کہا اے اہل بیت کیا تم اللہ کے کاموں میں تعجب کرتی ہو۔تمہارے اوپر تو اللہ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تمام تعریفوں کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔ پھر جب ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور ان کو خوش خبری مل گئی تو وہ ہم سے قوم لوطؑ کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ بے شک ابراہیم بہت برداشت کرنے والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔
اے ابراہیمؑ! اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا حکم آ پہنچا ہے اور ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

رُسُلُنَا	ہمارے بھیجے گئے۔ بھیجے ہوئے
اَلْبُشْریٰ	خوش خبری
سَلَامٌ	سلام۔ سلامتی
مَا لَبِثَ	نہیں ٹھہرا
عِجْلٌ	بچھڑا
حَنِیْذٌ	بھنا ہوا
رَاٰ	اس نے دیکھا
اَیْدِیَھُمْ	ان کے ہاتھ
لَا تَصِلُ	نہیں پہنچ رہے ہیں
نَکِرَ	اوپرا، عجیب سا لگا
اَوْجَسَ	اس نے محسوس کیا
خِیْفَةٌ	خوف
لَا تَخَفْ	ڈرو مت
قَآئِمَةٌ	کھڑی ہونے والی

ضَحِكَتْ	ہنس پڑی
وَرَاءٌ	پیچھے
يٰوَيْلَتٰىٓ	ہائے افسوس
ءَ اَلِدُ	کیا میں جنوں گی۔ (میرے یہاں ولادت ہوگی)
عَجُوْزٌ	بڑھیا۔ زیادہ عمر کی ہوجانا
بَعْلِىْ	میرا شوہر
شَيْخٌ	زیادہ بوڑھا ہونا
اَتَعْجَبِيْنَ	کیا تم تعجب کر رہی ہو؟
اَهْلُ الْبَيْتِ	گھر والے
حَمِيْدٌ	تمام تعریفوں والا
مَجِيْدٌ	تمام عظمتوں والا
اَلرَّوْعُ	گھبراہٹ
يُجَادِلُنَا	وہ ہم سے جھگڑنے لگا
حَلِيْمٌ	بہت برداشت کرنے والا
اَوَّاهٌ	نرم دل
مُنِيْبٌ	بہت رجوع کرنے والا
اَعْرِضْ	درگذر کرو۔ جانے دو
غَيْرُ مَرْدُوْدٍ	ہٹنے والا نہیں ہے

تشریح: آیت نمبر ۶۹ تا ۷۶

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ اوران کی قوموں کے واقعات کو بیان فرمانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے دو واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرمایا ہے۔ بڑھاپے کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ جیسے فرزند کی خوشخبری اور حضرت لوطؑ کی قوم کی نافرمانی کے سبب قوم لوطؑ پر عذاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے جو آپ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو نبی بنا کر بھیجا جو شام و فلسطین کے علاقے میں بسنے والی قوم کی اصلاح فرماتے رہے۔ موجودہ دور میں اسرائیل اور اردن کے درمیان بحرمیت (DEAD SEA) کے نام سے ایک سمندر ہے جس کے لئے یہ مشہور ہے کہ اس سمندر میں گہرائی کے باوجود کوئی چیز ڈوبتی نہیں۔ اور نہ اس میں کسی طرح کے جاندار زندہ رہ سکتے ہیں۔ کسی وقت یہ سمندر نہیں بلکہ انسانوں کی جیتی جاگتی بستیاں تھیں جن کو سدوم اور عامورہ کی بستیاں کہا جاتا تھا۔ جب قوم لوط کی مسلسل نافرمانیوں اور غیر فطری اعمال کی وجہ سے اس قوم پر عذاب نازل کیا گیا تب یہ بستیاں زلزلوں کے جھٹکوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دی گئیں۔ نہ صرف یہ بستیاں الٹ دی گئیں بلکہ سطح سمندر سے چار سو میٹر نیچے چلی گئیں۔ یہ سمندر جو کہ وادی غوار میں واقع ہے جس کو بحرمیت کہا جاتا ہے آج بھی ساری دنیا کے لئے نشان عبرت ہے۔

قوم لوط میں بدترین بے حیائیوں اور بے شرمیوں کا اس طرح رواج ہو گیا تھا کہ پوری قوم کے نزدیک "عمل لواطت" ایک فیشن بن گیا تھا وہ عورتوں کے بجائے لڑکوں اور مردوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو اس برے اور بدترین عمل سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی اور آخر کار اس قوم پر وہ عذاب نازل ہوا جو اس سے پہلے کسی قوم پر نازل نہ ہوا تھا۔ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے اور ان کی بستیوں کو اس طرح الٹ دیا گیا کہ آج ان کے شہر اور ان کی بستیاں سمندر کے نیچے چلی گئیں اور غرق کر دی گئیں۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو تباہ و برباد کرنا چاہا تو چند فرشتوں کو لڑکوں کی شکل میں بھیجا۔ یہ وہ فرشتے تھے جو سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی پیدائش کی خوش خبری لے کر آئے تھے۔ جب یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچے تو آپ ان کو اجنبی مہمان سمجھ کر فوراً گھر کی طرف تشریف لے گئے ایک بچھڑا تھا اس کو ذبح کر کے اور اس کو بھون کر مہمانوں کے پاس لے آئے اور فرمایا کہ یہ کھانا کھا لیجئے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ اجنبی مہمان کھانے کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں تب ان کو اندیشہ ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کیونکہ اس زمانہ میں رواج یہ تھا کہ جب کوئی کسی کا دشمن ہوتا تھا تو وہ اس کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی سوچ میں تھے کہ اس دوران اجنبی مہمانوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بتایا کہ وہ کھانا اس لئے نہیں کھا رہے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے ہیں جو آپ کو حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام کی خوش خبری دینے اور قوم لوط کو برباد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

بیٹے کی خوش خبری سن کر حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی بیوی حضرت سارہ حیران رہ گئے۔ حضرت سارہ اس تصور سے ہنس پڑیں کہ حضرت ابراہیم تو بوڑھے ہو چکے ہیں اور میں بانجھ ہوں جس کے ہاں اولاد ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ اے اہل بیت رسول کیا تمہیں اللہ کی رحمت واقع ہونے میں تعجب ہو رہا ہے حالانکہ اس کی قدرت سے تو کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے ادھر حضرت ابراہیمؑ اس تصور سے افسردہ ہو گئے کہ قوم لوط نے توبہ نہیں کی اور بالآخر ان کا بھیانک انجام سامنے آ گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جو نہایت حلیم الطبع اور نرم مزاج تھے اللہ کے سامنے فریاد کرنے لگے تاکہ قوم لوط پر عذاب کا جو فیصلہ کر لیا گیا ہے وہ ٹل جائے

مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا کہ اب اس قوم پر عذاب کا فیصلہ کر لیا گیا ہے جس کو ٹلایا نہیں جا سکتا اور یہ عذاب آ کر رہے گا۔

اس موقع پر قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ جب اللہ کے فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے کیا ان کو اس بات کا علم تھا کہ یہ فرشتے ہیں؟ اگر علم تھا تو بھنا ہوا بچھڑا کیوں لے کر آئے اسی طرح جب یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے ہیں کیا ان کو اس بات کا علم تھا کہ یہ فرشتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؑ کو جتنا علم عطا فرماتے ہیں ان کو اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ ہی کی ذات ہے جو عالم الغیب والشھادہ ہے جو موجود اور غیب کا جاننے والا ہے اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

وَلَمَّا

جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝٨٢ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝٨٣

ع ۷
۷
النصف

ترجمہ: آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو وہ رنجیدہ اور دل تنگ ہوا اور اس نے کہا کہ یہ دن بہت بھاری ہے۔ اور (اس کی قوم کے) لوگ اس کی طرف دوڑ کر آئے۔ پہلے سے وہ اسی طرح کی بدکاریوں کے عادی تھے اور (لوطؑ نے) کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں جو (تمہارے نکاح کے لئے) حلال ہیں۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے ذلیل ورسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے (ہمیں ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے) اور تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔
لوطؑ نے کہا کاش کہ میرا تمہارے او پر زور چلتا یا کوئی مضبوط پناہ گاہ ہوتی جس میں میں پناہ لے لیتا فرشتوں نے کہا کہ اے لوطؑ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آپ تک ان کی پہنچ ہرگز نہ ہوگی۔ آپ رات کے کسی حصہ میں گھر والوں کو لے کر چلے جایئے۔ اور تم میں سے کوئی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے سوائے آپ کی بیوی کے (جو ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر وہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی۔ ان کی تباہی کا وقت صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے؟
پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس زمین کو الٹ دیا اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر کنکریلے پتھر لگاتار برسائے جن پتھروں پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے یہ بستیاں (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں۔

لغات القرآن آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

سِیْٓءَ — رنجیدہ ہوا

ضَاقَ — تنگ ہو گیا

یَوْمٌ عَصِیْبٌ — بھاری دن۔ مشکل وقت

یُهْرَعُوْنَ	وہ دوڑتے ہیں
اَلسَّیِّئَاتُ	(سَیِّئَۃٌ) ۔ برائیاں
بَنَاتِیْ	میری بیٹیاں
اَطْهَرُ	زیادہ پاک باز ۔ صاف ستھری
لَا تُخْزُوْنِ	تم مجھے رسوانہ کرو
ضَیْفِیْ	میرے مہمان
رَجُلٌ	مرد
رَشِیْدٌ	زیادہ بہتر ۔ زیادہ سمجھدار
اٰوِیْ	لینے والا
رُکْنٌ شَدِیْدٌ	مضبوط سہارا
لَنْ یَّصِلُوْا	وہ ہرگز نہ پہنچیں گے
اَسْرِ	رات کو نکل جا
قِطْعٌ	حصہ
اَللَّیْلُ	رات
لَا یَلْتَفِتْ	توجہ نہ کرنا
اِمْرَاَتُکَ	تیری بیوی
عَالِیَهَا	اس کے اوپر کو
سَافِلَهَا	اس کے نیچے
اَمْطَرْنَا	ہم نے برسایا
سِجِّیْلٌ	پکی اینٹ
مَنْضُوْدٌ	پتھر
مُسَوَّمَۃٌ	نام لکھا ہوا ۔ متعین ومقرر

تشریح: آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی پیدائش کی خوش خبری دے کر حضرت لوطؑ کے پاس چند نوجوان اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں پہنچے۔ اب اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے۔

حضرت لوطؑ ان فرشتوں کو پہچان نہ سکے اور عام نوجوان سمجھ کر اس تصور سے پریشان ہوگئے کہ ان کی قوم ان لڑکوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی جس نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اپنے کفر پر قائم تھی اس نے قوم لوط کو اس بات کی اطلاع دیدی تھی کہ حضرت لوطؑ کے پاس چند خوبصورت نوجوان لڑکے بطور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پوری قوم کے سارے بدکار لوگ حضرت لوطؑ کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کردیا جائے۔ حضرت لوطؑ اس تصور سے سخت پریشان ہوگئے کہ یہ لوگ میری بے عزتی کرنے سے باز نہیں رہیں گے اور زبردستی کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ حضرت لوطؑ نے ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائیں کہ دیکھو اپنی بدکرداریوں کو چھوڑ کر نیک اور بہتر راستہ اختیار کرو، تم جس بدعملی میں راحت تلاش کرنے کی کوشش کررہے ہو وہ تمہیں برباد کر کے رکھ دے گی۔ کیا قوم کی بیٹیاں موجود نہیں ہیں جن سے نکاح کر کے تم پاکیزہ زندگی گذار سکتے ہو۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں ہے۔ حضرت لوطؑ کے وعظ و نصیحت کو سن کر کہنے لگے کہ لوطؑ تم جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں اور عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اب تم ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کردو اور بس۔ حضرت لوطؑ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور وہ قوم کی بے حسی پر تڑپ کر رہ گئے اور کہہ اٹھے کہ اگر میرے اندر طاقت و قوت ہوتی یا کوئی مضبوط پناہ گاہ ہوتی جہاں میں پناہ لے لیتا اور یہ رسوائی کا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ قوم کی بدکرداری اور بے حسی اور حضرت لوطؑ کی پریشانی دیکھ کر ان فرشتوں نے کہا کہ اے لوطؑ آپ پریشان نہ ہوں ہم اللہ کے فرشتے ہیں جو اس بدکردار قوم کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ تک یہ لوگ نہ پہنچ سکیں گے۔ آپ رات کے کسی حصے میں سوائے اپنی بیوی کے اپنے اہل خانہ اور مومنین کو لے کر نکل جایئے اور پیچھے پلٹ کر نہ دیکھئے کیونکہ اس قوم پر عذاب کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اور اب یہ قوم اس عذاب سے بچ نہ سکے گی۔ حضرت لوطؑ جو اپنی قوم کے انتہائی مخلص تھے یقیناً یہ سن کر اور بھی پریشان ہوگئے ہوں گے۔ پھر بھی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن وہ بدقسمت قوم اپنے برے انجام سے بے خبر اپنی ناجائز خواہشات اور تمناؤں میں الجھی رہی۔ رات کے آخری حصے میں حضرت لوطؑ اور ان کے اہل ایمان گھر والے اور مومنین روانہ ہوگئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آگیا۔ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے اور ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا اور وہ پوری قوم اپنی بدعملی کے نتائج کا شکار ہوگئی۔

دراصل غیر فطری اعمال اللہ کو اس قدر ناپسند ہیں کہ جو قوم اور اس کے افراد اس خرابی اور گندگی میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اور ایسی قوم اللہ کے فیصلے سے بچ نہیں سکتی۔ ہم اپنے اس دور میں دیکھ رہے ہیں کہ بعض ترقی یافتہ قومیں بڑی تیزی سے اس ''عمل بد'' کو قانونی تحفظ دے رہی ہیں۔ قانونی تحفظات کی وجہ سے عجب نہیں کہ ان کے لئے اللہ کا فیصلہ آ جائے۔ امریکہ، کینیڈا، اور یورپ میں جس طرح اس فعل بد کو قانونی تحفظ دیا جا رہا ہے اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پوری قوم اس مرض میں مبتلا ہو چکی ہے اسی لئے قانونی تحفظ کی ضرورت پڑ رہی ہے دوسرے یہ کہ اس مرض کے عام ہونے سے ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جو نا قابل علاج ہیں۔ چنانچہ ایڈز جیسی بیماری بھی اس فعل بد کا نتیجہ ہے ممکن ہے قانون کا تحفظ دینے والے اسی عذاب کا شکار ہو جائیں یا ان کی بستیوں پر سمندر اس طرح چڑھ دوڑے گا کہ وہ اپنی عمارتوں اور شہروں کو اس عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ بہر حال میری نگاہیں تو یہ دیکھ رہی ہیں کہ اب ان قوموں کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس دن اللہ کا یہ عذاب آ جائے گا اس دن ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی اس سے نجات حاصل نہ کر سکیں گی۔ اب بھی توبہ کا وقت ہے۔ وقت نکل گیا تو پھر ہر چیز الٹ کر رہ جائے گی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ

قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ وَلَا تَنقُصُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ ۚ إِنِّىٓ أَرَىٰكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ ٱللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوا۟ يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا۟ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ ٱلْحَلِيمُ ٱلرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّى وَرَزَقَنِى

مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۗ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ۗ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۗ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت و بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور تم ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ آج میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں لیکن میں تمہیں ایک ایسے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم سب کو گھیر لے گا۔

اور میری قوم! تم ماپ تول پورا پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ اور میں کوئی تم پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔

وہ کہنے لگے کہ اے شعیبؑ کیا تمہیں تمہاری نماز یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت و بندگی ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا ہم اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے جو چاہیں تصرف کریں؟ بے شک آپ تو بڑے عقل منداور نیک چلن ہیں۔ شعیبؑ نے کہا کہ اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں۔ اور اس نے مجھے اپنی طرف سے بہترین دولت (نبوت) عطا کی ہے (تو کیا میں اس کے مخالف چلوں) میں نہیں چاہتا کہ میں خود اس کے مخالف چلوں جس سے تمہیں روکتا ہوں میں تو ہر ممکن حد تک صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ اور مجھے جو توفیق ملی ہوئی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

لغات القرآن — آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

لَا تَنْقُصُوْا — تم کمی نہ کرو

اَلْمِكْيَالُ — ماپ

اَلْمِیزَانُ	تول
اِنِّیْ اَرٰی	بے شک میں دیکھ رہا ہوں
بِخَیْرٍ	خیر سے۔ بھلائی سے۔ اچھا حال
یَوْمٌ مُّحِیْطٌ	گھیر لینے والا دن
اَلْقِسْطُ	انصاف۔ برابری
لَا تَبْخَسُوْا	نہ گھٹاؤ۔ کمی نہ کرو
اَشْیَآءٌ	چیزیں
لَا تَعْثَوْا	تم نہ پھرو۔ نہ گھومو
بَقِیَّتُ اللّٰہِ	اللہ کا بچایا ہوا
حَفِیْظٌ	نگہبان۔ نگران
تَاْمُرُکَ	تجھے حکم دیتی ہے
اَنْ نَتْرُکَ	یہ کہ ہم چھوڑ دیں
اَنْ نَّفْعَلَ	یہ کہ ہم کریں
نَشٰٓؤُ	ہم چاہیں
رَزَقَنِیْ	اس نے مجھے دیا
اَنْھٰی	میں منع کرتا ہوں۔ روکتا ہوں
اُرِیْدُ	میں چاہتا ہوں
اِسْتَطَعْتُ	میں طاقت رکھتا ہوں
تَوْفِیْقٌ	عطا۔ توفیق
تَوَکَّلْتُ	میں نے بھروسہ کرلیا
اُنِیْبُ	میں لوٹتا ہوں

تشریح: آیت نمبر ۸۴ تا ۸۸

گذشتہ آیات میں چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر فرمایا گیا ہے اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت شعیبؑ اور ان کی نافرمان قوم کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت شعیبؑ جن کو نبی کریم ﷺ نے ”خطیب الانبیاء“ کے مبارک لقب سے یاد فرمایا ہے نہایت متین، سنجیدہ اور خوش بیان تھے۔ انہوں نے ہر طرح اپنی قوم کو سمجھایا مگر وہ قوم آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔

حضرت شعیبؑ کی قوم بنیادی طور سے ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ نہایت خوش حال اور بلند و بالا قد و قامت کی مالک۔ حسین و جمیل علاقوں میں عیش و آرام کی زندگی گذار رہی تھی۔ مگر ماپ تول میں کمی، بے ایمانی، بد دیانتی، خرید و فروخت میں دھوکے بازی سود خوری اور سٹہ بازی ان کا مزاج بن چکا تھا۔ تجارتی کامیابیوں اور دولت کی ریل پیل نے ان میں چند ایسی بنیادی خرابیاں پیدا کر دی تھیں جنہوں نے اس قوم کو اخلاقی تباہی کے کنارے پہنچا دیا تھا۔

(۱) ماپ تول میں کمی۔ یعنی لینے کے پیمانے اور تھے دینے کے اور۔ جو آدمی جتنی بے ایمانی کر سکتا تھا وہ اس کے لئے عیب نہیں بلکہ تجارتی کامیابی سمجھی جاتی تھی۔ رزق حرام کمانا ان کا اس طرح مزاج بن چکا تھا کہ ”رزق حلال“ ان کو راس ہی نہ آتا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں رزق حلال میں سات گنا برکت رکھی ہے وہیں ”رزق حرام“ میں ایسی بے برکتی رکھی ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ایسا انسان خالی ہاتھ ہی رہتا ہے۔ اس کے کام میں برکت نہیں ہوتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو گھر میں اور گھر سے باہر ”سکون قلب“ حاصل نہیں ہوتا اور آخر کار یہ دولت اس سے چھین لی جاتی ہے۔

(۲) حرام کمائی بہت دکھائی دیتی ہے اسی لئے اس میں ان برائیوں کا مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ بہترین سواریاں، بلند و بالا عمارات سرسبز و شادات باغیچے اور روشیں، خوبصورت لباس اور جھک جھک کر سلام کرنے والوں کی کثرت انسان کو اس وہم میں مبتلا کر دیتی ہے کہ وہ نہایت کامیاب انسان ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک فرد غرور و تکبر کا پیکر بن جاتا ہے اور اپنے سامنے کسی کو اپنے سے بلند نہیں سمجھتا بلکہ سب کو اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھنے لگتا ہے، ضد ہٹ دھرمی اور تکبر اس کا مزاج بن جاتا ہے۔

(۳) ایسے لوگوں کی اخلاقی گراوٹ اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ایک اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اور توحید کی تعلیمات کو بھلا کر کفر و شرک کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ جن کو اہل مدین کی اصلاح اور درستی کے لئے بھیجا گیا تھا انہوں نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے ایک اللہ کی بندگی اور اطاعت کا درس دیا یہ وہی تعلیم تھی جو تمام انبیاء کرامؑ نے کفر و شرک میں مبتلا قوموں کی دی تھی۔ کیونکہ ہر نبی اور رسول بنیادی طور پر توحید خالص کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام تر تمدنی ترقی کے باوجود اگر ایک قوم کفر و شرک اور بری عادات میں مبتلا ہو جاتی ہے تو ان کا تمدن اور ان کی تہذیب ان کے کسی کام نہیں آتی۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ میری قوم کے لوگو! تم اس ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی تمہارا خالق و مالک اور کارساز ہے۔ ان کی اخلاقی اصلاح کے

لئے فرمایا کہ تم ماپ تول میں کمی نہ کرو ورنہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تمہاری ان بے ایمانیوں کے نتیجے میں اللہ کا وہ عذاب آجائے گا جس سے بچ کر نکلنا ممکن ہی نہ ہوگا۔ ان کے معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ تم فساد فی الارض نہ کرو کیونکہ اللہ کو فساد کرنے والے پسند نہیں ہیں۔ ان کے ایمان کی تقویت کے لئے فرمایا کہ حلال ذریعوں سے جو بھی رزق تمہارا مقدر ہے اس پر گذارہ کرو اور ہوس اور لالچ کے ہر انداز کو چھوڑ دو۔ حضرت شعیبؑ نے ان کے تمدن، تہذیب، اخلاق اور ایمان کی اصلاح کے بہترین اور مخلصانہ طریقے ارشاد فرمائے۔ پوری قوم کا یہی جواب تھا کہ اے شعیبؑ کیا تمہاری نماز اور عبادت تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ تم ہم سے ایسی باتیں کرو اور ہمارا وہ مال جس میں ہمیں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے اسے اپنی مرضی سے خرچ نہ کریں اور کیا ہم اپنی کاروباری زندگی کو رزق حلال کے چکر میں تباہ و برباد کر ڈالیں؟ ہمیں آپ جیسے باوقار اور حلیم الطبع انسان سے ایسی توقع نہیں تھی۔ حضرت شعیبؑ کا یہی جواب تھا کہ میں نے تمہاری اصلاح و ترقی کے لئے جو کچھ کیا وہ اس بنیاد پر ہے کہ اللہ نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ میں اس کے بھروسے پر تم سے ہر وہ بات کروں گا جس سے تمہاری اصلاح ہو جائے۔ اگر تم مانتے ہو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے تو میں تمہارا محتاج نہیں ہوں۔ میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے میرا مکمل بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے۔ جب یہ قوم ماپ تول میں کمی، حرام کمائی کی خوگر اور غیر اللہ کی عبادت میں حد سے گذر گئی تب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل کیا۔ ان کو اور ان کی تہذیب و ترقیات کو تہس نہس کر دیا۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ

مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾

ع ۸ ۸

ترجمہ: آیت نمبر ۸۹ تا ۹۵

اے میری قوم! تمہاری ہٹ دھری اور ضد کہیں تمہیں ان مصیبتوں میں نہ ڈال دے جس طرح قوم نوحؑ، قوم عادؑ یا قوم صالحؑ عذاب میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ اور قوم لوطؑ کا زمانہ تو تم سے زیادہ دور کا بھی نہیں ہے۔ اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو اور پھر اسی کی طرف متوجہ رہو۔ بے شک میرا رب بڑا مہربان اور محبت والا ہے۔ کہنے لگے کہ اے شعیبؑ تمہاری بہت سی باتیں جو تم کرتے ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور بے شک ہم تمہیں اپنے اندر ایک کمزور آدمی سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہمیں تمہارے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیتے۔ اور تم ہمارے اوپر کوئی طاقت نہیں رکھتے ہو۔

(شعیبؑ نے) کہا اے میری قوم! کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ اور اس کو تم نے اپنے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ اور بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میرا رب گھیرے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ تم بہت جلد جان لوگے کہ وہ عذاب کس پر آتا ہے جو رسوا کر دے گا۔ اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان کے ساتھ جو ایمان لے آئے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات عطا فرما دی۔ اور جو ظالم تھے ان کو ایک چنگھاڑ نے آ لیا۔ پھر وہ صبح کو اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے جیسے وہ کبھی آباد ہی نہ تھے۔ سنو! کہ اہل مدین رحمت سے دور ہو گئے جیسا کہ ثمود رحمت سے دور ہو گئے تھے۔

لغات القرآن آیت نمبر۸۹تا۹۵

لَا یَجْرِمَنَّ	مجرم نہ بنادے
شِقَاقٌ	ضد۔ہٹ دھرمی
اَنْ یُّصِیْبَ	یہ کہ پہنچے گی
وَدُوْدٌ	محبت کرنے والا
مَا نَفْقَهُ	ہم نہیں سمجھتے
ضَعِیْفٌ	کمزور
رَهْطٌ	خاندان۔قبیلہ
رَجَمْنَا	ہم رجم کرتے۔(پتھر مار مار کر ہلاک کرنا)
عَزِیْزٌ	زبردست۔قوت وطاقت والا
اَعَزُّ	زیادہ طاقت ور۔زیادہ قوت والا
ظِهْرِیٌّ	پشت۔پیٹھ
مُحِیْطٌ	گھیرنے والا
عَامِلٌ	کام کرنے والا
مَكَانٌ	جگہ
یُخْزِیْ	رسوا کردے گا
كَاذِبٌ	جھوٹ بولنے والا
اِرْتَقِبُوْا	نگرانی کرو۔انتظار کرو
رَقِیْبٌ	نگران

اَلصَّيْحَةُ	چنگھاڑ تیز آواز
اَصْبَحُوْا	وہ رہ گئے
جٰثِمِيْنَ	اوندھے پڑے رہنے والے
لَمْ يَغْنَوْا	آباد نہ تھے
بَعِدَتْ	دور ہوگئی

تشریح: آیت نمبر ۸۹ تا ۹۵

جیسا کہ آپ نے حضرت شعیبؑ کے متعلق گذشتہ آیات میں پڑھا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی کرنے پر ٹوکتے ہوئے فرمایا تھا اے لوگو! اپنے گناہوں سے معافی مانگو، کفر و شرک اور ہر طرح کی نافرمانیوں سے باز آ جاؤ، ماپ تول میں کمی نہ کرو اللہ کی طرف رجوع کرو، اس کے حکم پر چلو وہ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا کیونکہ وہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اسے بندوں کی معافی اور استغفار بہت پسند ہے کوئی کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے اللہ سے معافی مانگتا ہے تو وہ اپنے بندوں کے بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

لیکن اگر تم نے کفر و شرک کے راستے کو نہیں چھوڑا تو وہ اللہ تمہیں جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے گا اور اس کی گرفت اور پکڑ سے تمہیں کوئی بھی بچا نہ سکے گا۔ ان ہی آیات میں حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا ہے کہ اے میری قوم! اگر تم اسی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی قوم نوحؑ، قوم ھودؑ، قوم صالحؑ اور قوم لوطؑ کی طرح سخت عذاب میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ تباہ کر بیٹھو۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ حضرت لوطؑ کا وہ علاقہ جہاں ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا تھا وہ تم سے بہت دور نہیں ہیں زمانہ اور علاقہ بہت قریب کا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح قوم نوحؑ کو پانی میں غرق کر دیا گیا قوم ھود کو آندھی اور ہوا کے طوفان سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، قوم صالح کو ہیبت ناک آوازوں اور زلزلہ سے برباد کیا گیا اور قوم لوطؑ پر ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا اور آج ان کا نام و نشان تک مٹ گیا ہے۔ کہیں تمہارا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔

حضرت شعیبؑ جو تمام انبیاء کرام میں بہترین خطیب بھی تھے جب اپنی بات سے فارغ ہو گئے تو قوم کے سردار کہنے لگے کہ اے شعیب! تمہاری باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ آخر ہم اتنے مضبوط ہیں ہمارا انجام گذشتہ قوموں کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہنے لگے اے شعیب تمہارے خاندان کا لحاظ آڑے آ جاتا ہے ورنہ تمہاری ان باتوں پر جی یہ

چاہتا ہے کہ تمہیں پتھروں سے کچل دیا جائے اور پتھر برسائے جائیں۔ اور ہمارے لئے ایسا کرنے میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے لیکن ہمیں تمہارے خاندان کا خیال آجاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک کیا میرا خاندان میرے اللہ سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ یاد رکھو تم اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہو وہ تمہیں جب بھی گھیرنا چاہے گا تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔ حضرت شعیبؑ نے آخری بات یہ فرمادی کہ ٹھیک ہے میں نے تمہیں تمہارے برے انجام سے مطلع کردیا ہے اگر تم اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے تو اس وقت کا انتظار کرو جب تک اللہ کا فیصلہ نہ آجائے، میں اپنے عمل میں لگا ہوا ہوں تم اپنی غفلتوں میں لگے رہو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ اللہ کا عذاب کس کو رسوا اور ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ جب پوری قوم کفر و شرک پر جمی رہی اور ماپ تول میں کمی پر شرمندہ نہیں ہوئی تو ایک سخت چنگھاڑ اور آواز سے اس قوم کے ہر فرد کے کانوں کے پردے پھٹ گئے، دلوں کی دھڑکنیں بند ہوگئیں اور جن بلند و بالا مکانات پر انہیں ناز تھا اس طرح برباد ہو کر رہ گئے کہ جیسے کل تک یہاں کوئی آباد ہی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ اور ان کی بات ماننے والوں کو نجات عطا فرمادی۔ اس طرح قوم کے نافرمانوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچادیا گیا۔ ان آیات کی روشنی میں چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

(١) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔ جب کوئی قوم نافرمانیوں کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ اپنے نیک بندوں کو بھیجتا ہے جو اللہ کے حکم سے کفر و شرک پر جمے ہوئے لوگوں کو ان کے برے انجام سے مطلع کرتے ہیں جو لوگ انبیاء کرامؑ کی بات کو تسلیم کرتے ہیں ان کو نجات مل جاتی ہے اور نافرمانوں کو برے انجام سے دوچار کردیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر جگہ اپنے رسولوں اور نبیوں کو اصلاح احوال کے لئے بھیجا اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیج کر قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنادیا۔ اب آپ کے بعد کسی نئے رسول یا نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ تو یہ بھی اللہ کا کرم اور مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے اپنے نیک بندوں کو بھیجتا رہا ہے۔ دوسری بڑی مہربانی یہ ہے کہ وہ بہت سی خطاؤں کے باوجود اپنے بندوں کی فوری طور پر گرفت نہیں کرتا بلکہ ان کو توبہ کرنے کا موقع اور مہلت عطا فرماتا ہے پھر بھی اگر کوئی باز نہیں آتا تو اس کو سخت سزا دیتا ہے۔ اللہ کو اس کا شوق نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کو سزا دے بلکہ اللہ نے تو مہربانی کرنے کو اپنے اوپر فرض کرلیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر جب کہ کچھ جنگی قیدی لائے گئے ان میں ایک عورت ایسی بھی تھی کہ جس کا دودھ پیتا بچہ اس سے چھوٹ گیا تھا بچے کی جدائی میں اس ماں کا یہ حال ہوچکا تھا کہ ہر دودھ پیتے بچے کو وہ اپنی چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانا شروع کردیتی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا تم اس ماں سے اس کی توقع کرسکتے ہو کہ وہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں سے آگ میں پھینک دے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر یہ بچہ آگ میں گرنے لگے گا تو وہ ماں اس بچے کو آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ یعنی ایک

ماں جس طرح اپنے بچے کے لئے بے قرار ہے۔ اللہ بھی اپنے بندوں کی نجات کا اس سے زیادہ خواہش مند ہے مگر انسان ہی نافرمانیاں کر کے اپنے مہربان اللہ کو ناراض کر دیتا ہے۔

۲) دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت شعیبؑ کی قوم نے یہ کہا تھا کہ اے شعیبؑ! اگر ہمیں تمہارے معزز خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیتے بالکل یہی بات کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے بھی کہی تھی کہ اے محمد ﷺ اگر ہمیں تمہارے خاندان کی عزت کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ برا معاملہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفر کا مزاج ایک ہی ہے۔ کفر کا وہ مزاج جہاں بھی ہو جس زمانہ میں بھی ہو۔

۳) تیسری بات یہ ہے کہ کفر و شرک تو ایک بہت بڑا گناہ ہے جس سے قومیں اور ان کی تہذیب اور تمدن دنیا سے مٹ کر رہ گیا لیکن ماپ تول میں کمی بھی اللہ کے نزدیک ایک بہت بڑا جرم ہے۔

سورۂ مطففین میں اللہ نے فرمایا ہے:

بڑی خرابی اور بربادی ان لوگوں کے لئے ہے جو ماپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ جب لوگوں سے اپنا حق لیتے ہیں تو زیادہ لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو ماپ تول میں گھٹا کر دیتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ بھی اپنی قوم کو اسی بے ایمانی سے توبہ کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ خرید و فروخت میں دوسرے کے حق کو پورا نہ دینا، اس میں گھٹاؤ کرنا انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا روگ اور بیماری ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ یہ بد اخلاقی بڑھتے بڑھتے تمام حقوق العباد کو تلف کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی طرح اس بے ایمانی کے عمل سے انسانی شرافت، اخوت و محبت اور ہمدردی کے تمام رشتے کٹ کر لوگوں میں لالچ، حرص و طمع، خود غرضی، رذالت اور کمینگی کے جذبات کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ چونکہ اس سے معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو ان کی اصلاح کے بھیج کر یہ بتا دیا کہ کفر و شرک ناقابل معافی جرم ہے لیکن ماپ تول میں کمی بھی کفر و شرک سے کم نہیں ہے۔

۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ایک وقت تک مہلت دیتا ہے جب وہ مدت گذر جاتی ہے تب اس قوم کے برے انجام کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ کا صدقہ ہے کہ آج ہم ہزاروں ان گناہوں کے باوجود جن کی وجہ سے گذشتہ قومیں برباد کر دی گئی تھیں پھر بھی اللہ کے عذابوں اور غصے سے بچے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سچی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہر طرح اللہ کے غصے اور ناراضگی سے محفوظ فرمائے آمین۔

حضور اکرم ﷺ کے صدقے اب گذشتہ قوموں کے جیسے عذاب تو نہیں آئیں گے لیکن گناہوں کی سزا مختلف شکلوں میں آج بھی مل سکتی ہے۔ زلزلے، طوفان، آپس کی خانہ جنگی، بے برکتی، بے سکونی، اولاد کی نافرمانی۔ اگر دیکھا جائے تو یہ باتیں بھی اللہ کی نافرمانیوں کی ایک سزا ہیں۔ اللہ ہمیں دین پر چلنے اور برے انجام سے محفوظ فرمائے آمین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾
يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ
الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا
قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ
اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۹۶ تا ۱۰۱

اور ہم نے موسیٰؑ کو معجزات اور روشن دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا جو فرعون کی فرماں برداری کرنے والے تھے حالاں کہ فرعون صحیح طریقہ پر نہ تھا۔ وہ (فرعون) قیامت کے دن آگے آگے ہوگا اور وہ ان کو جہنم کی طرف پہنچا دے گا جو اترنے کی جگہوں میں بدترین جگہ ہے۔ اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لگی رہے گی۔ اور جو انعام ان کو دیا گیا ہے وہ بدترین انعام ہے۔ یہ کچھ بستیوں کے حالات تھے جنہیں ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض باقی ہیں اور بعض بالکل مٹ چکی ہیں۔
ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کیا تھا۔ اور ان کے وہ (من گھڑت) معبود جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت و بندگی کرتے تھے جب (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کا حکم آ گیا تو وہ ان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے اور ان کو ان سے سوائے نقصان کے اور کچھ بھی نہ پہنچا۔

لغات القرآن آیت نمبر ۹۶ تا ۱۰۱

سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ	کھلی ہوئی دلیل۔ روشن دلیل
مَلَاءٌ	سردار
اَمْرُفِرْعَوْنَ	فرعون کی بات
يَقْدُمُ	وہ آگے ہوگا
اَوْرَدَ	وہ پہنچائے گا۔ لاکھڑا کرے گا
اَلْوِرْدُ	پہنچنے کی جگہ۔ گھاٹ
اَلْمَوْرُوْدُ	پہنچائے گئے۔
اَنْبَآءٌ	خبریں
اَلرِّفْدُ	انعام
اَلْمَرْفُوْدُ	انعام جو دیا گیا
حَصِيْدٌ	کٹ جانے اور مٹ جانے والی
اَلْقُرٰى	بستیاں
مَا اَغْنَتْ	کام نہ آئی۔ فائدہ نہ دیا
يَدْعُوْنَ	وہ پکارتے ہیں
غَيْرُ تَتْبِيْبٍ	سوائے تباہی و بربادی کے

تشریح: آیت نمبر ۹۶ تا ۱۰۱

قرآن کریم گذشتہ انبیاء کرامؑ کے واقعات کو نہایت مختصر انداز سے پیش کر کے عبرت و نصیحت کے ہزاروں پہلو کھول کر رکھ دیتا ہے۔

سورۂ ھود میں سات انبیاء کرامؑ کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ھودؑ، حضرت صالحؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ اب آخر میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا جارہا ہے۔

سورہ ھود میں سات انبیاء کرامؑ کے مختصر واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) ہر نبی نے اپنی امت سے بنیادی بات یہی فرمائی ہے کہ جب تک قوم توحید خالص پر نہیں آئے گی، کفر و شرک اور دنیاوی بدمعاملگیوں کی اصلاح نہیں کرے گی اس کو راہ نجات نصیب نہیں ہوگی۔ اگر کفر و شرک اور ماپ تول میں کمی سے توبہ کرلی جائے گی تو اللہ جو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ نہ صرف ان کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا بلکہ دین و دنیا کی تمام بھلائیوں سے ان کے دامن کو بھردے گا۔

۲) لیکن اگر قوم نے کفر و شرک اور ماپ تول میں کمی سے توبہ نہ کی اور اپنی ہٹ دھرمی اور ضد پر قائم رہی تو پھر وہ اس عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی جو گذشتہ تمام قوموں پر آچکا ہے۔

چونکہ قرآن کریم کے اول مخاطب مکہ کے وہ کفار تھے جو پچھلی قوموں کے طرز عمل پر چل رہے تھے۔ ان واقعات کے ذریعہ ان کو یہ بتایا جارہا ہے کہ آج ان کے درمیان اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موجود ہیں جن کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ان کے دامن سے وابستگی اختیار کرلی تب تو ان کی نجات ہے ورنہ قیامت تک ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ جو اللہ کے محبوب پیغمبروں میں سے ایک ہیں ان کو توریت جیسی کتاب دی گئی جو امت کے لئے مینارہ نور اور راہ ہدایت تھی ان کو بہت سے معجزات دیئے گئے جو ظاہری آنکھوں سے دیکھے جاسکتے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کی قوم نے فرعون اور اس کے اقتدار اور دولت کی چمک دمک کے سامنے حضرت موسیٰؑ کے بجائے فرعون کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کی پیروی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ پوری قوم ذلت و رسوائی کا پیکر بن کر رہ گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے حضرت موسیٰؑ پر ایمان قبول کیا تو اللہ نے فرعون اور اس کی سلطنت کے تمام نافرمانوں کو سمندر کے پانی میں غرق کردیا۔

فرمایا یہ جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے جو کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا لوگ خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارلیتے ہیں ورنہ وہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندوں کی دنیا اور آخرت سنور جائے اور ان کو نجات مل جائے۔

مکہ کے کفار اور قیامت تک آنے والوں کو یہی بتایا جارہا ہے کہ اللہ کی سنت اور اس کا طریقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ آج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جس نور ہدایت (قرآن کریم) کو لے کر آئے ہیں یہ ان کی نجات اور کامیابی کے لئے آخری کتاب ہدایت ہے۔ جس نے بھی اس کو مان لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستگی اختیار کرلی اس کی نجات ہے لیکن جس نے حضرت محمد ﷺ کے طریقوں کو چھوڑ کر خود اپنے لئے راستے بنالئے وہ کبھی منزل مراد پر نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائیں۔ لیکن جب وہ ان کو گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر ان کو اس سے چھڑانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿١٠٤﴾ ۭ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿١٠٨﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿١٠٩﴾ ۧ

ع ٩ ۱۴ ٩

ترجمہ: آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۹

اور آپ کے رب کی گرفت ایسی ہی ہے کہ جب کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ اس کو پکڑ لیتا ہے اور بے شک اس کی پکڑ سخت اور دردناک ہوتی ہے۔

ان واقعات میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ اس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہوگا اور اس کو ہم نے

بہت تھوڑی سی مدت کے لئے ملتوی کر رکھا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا تو اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہ کر سکے گا۔ پھر ان ہی میں سے کچھ لوگ تو ظالم ہوں گے اور کچھ نیک بخت ہوں گے۔ جو لوگ ظالم و شقی ہوں گے وہ جہنم میں چیختے دھاڑتے ہوئے داخل ہوں گے۔ وہ اس میں اس وقت تک رہیں گے جب تک زمین و آسمان رہیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے سوائے اس کے جو آپ کا رب چاہے۔ بے شک آپ کا رب جو چاہے کر گذرنے والا ہے۔

بہر حال وہ لوگ جو نیک بخت ہوں گے (خوش نصیب) وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان باقی ہیں۔ سوائے اس کے جو آپ کا رب چاہے۔ اس کی عطا و بخشش کبھی منقطع ہونے والی نہیں ہے۔

وہ لوگ جن چیزوں کی عبادت و بندگی کرتے ہیں اس کے بارے میں آپ ذرا بھی شک و شبہ نہ رکھیں۔ یہ لوگ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بے شک ہم ان کا حصہ (قیامت کے دن) بغیر کسی کمی بیشی کے ان کو پہنچا دیں گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۹

اَخَذَ — لیا

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ — شدید اور دردناک

خَافَ — ڈرا

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ — جمع ہونے کا دن

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ — حاضری کا دن

نُؤَخِّرُ — ہم دیر کرتے ہیں۔ موخر کرتے ہیں

مَعْدُوْدٌ — گنتی۔ مقرر

لَاتَكَلَّمُ — بات نہ کرے گا

شَقِيٌّ — بدنصیب

سَعِيْدٌ	خوش نصیب
زَفِيْرٌ	چیخنا۔ زور سے آواز لگانا
شَهِيْقٌ	دھاڑنا
فَعَّالٌ	بہت کرنے والا
عَطَاءٌ	بخشش۔ عطا کرنا
غَيْرُ مَجْذُوْذٍ	نہ منقطع ہونے والا
لَاتَکُ	(لَا تَكُنْ)۔ تو نہ ہونا
مِرْيَةٌ	شک
مُوَفُّوْا	پورا دینے والا
نَصِيْبٌ	حصہ
غَيْرُ مَنْقُوْصٍ	نہ گھٹنے والا

تشریح: آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۹

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اسی لئے وہ لوگوں کے برے اعمال پر فوراً ہی سزا نہیں دیا کرتا بلکہ ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص یا گروہ اپنے برے اعمال میں لگا رہتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کہ پھر ان سے چھڑانے کی کسی میں ہمت و طاقت نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو اپنے برے اعمال اور بدعملی کی زندگی سے توبہ کر لیتے ہیں وہ ابدی راحتوں کے مستحق بن جاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو "سعید اور اس کے مقابلے میں شقی" فرمایا گیا ہے۔

سعید وہ اہل ایمان ہیں جو قدم قدم پر نیک اعمال کو اپنا کر صراط مستقیم پر چلتے ہیں اور اپنے ہر کام میں اللہ کی رضا و خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کے لئے جنت کی وہ ابدی راحتیں ہیں جو ان سے کبھی منقطع نہ ہونگی۔ اس کے برخلاف وہ لوگ

جنہوں نے کفر وشرک کا راستہ اختیار کر رکھا تھا اور کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ سمجھتے تھے وہ شدید کرب واذیت میں مبتلا ہوں گے۔ان کو ایسی آگ میں جھونک دیا جائے گا جس میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہنا ہوگا اگر کسی شخص نے ایمان قبول کرلیا لیکن اس نے اعمال صالح کو اپنی زندگی نہیں بنایا۔قیامت کے دن اگر اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ اپنی بدعملی کی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایمان لانے کے بعد ہم عمل کریں یا نہ کریں آخر کار ہماری بخشش ہوجائے گی۔ یہ تصور یہودیوں والا تصور بن جائے گا۔ کیونکہ ان کو اسی بات پر ناز تھا کہ ہم کچھ بھی کرتے رہیں جنت ہماری ملکیت ہے دوتین دن سزا بھگت کر پھر جنت میں چلے جائیں گے اور اگر اللہ نے چاہا تو یہ سزا بھی بھگتنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دنیا کی زندگی میں تو ہزار ہزار سال جینے کی تمنا رکھتے ہیں جب کہ ان کا یہ گمان ہے کہ جنت ان کی ملکیت ہے۔اللہ نے ایسے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر جنت تم لوگوں کے لئے ہے تو پھر دنیا کی مصیبتیں کیوں برداشت کررہے ہو موت کی تمنا کرو اور جنت میں پہنچ جاؤ۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کا خیال ہی خیال ہے۔اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اہل ایمان کے لئے ہم جو بات کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صاحب ایمان ہے لیکن وہ ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرسکا تو اس کو بدعملی پر سزا تو ضرور ملے گی اور اگر رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس کی نجات ہوگی۔لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ نیک عمل کرے یا نہ کرے وہ جنت میں ضرور جائے گا یہ اس کی بھول ہوگی۔وجہ یہ ہے کہ یہ نجات کا وعدہ رائی برابر ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔کیا خبر ہے کہ وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اس کی بخشش تو ہو ہی جائے گی خواہ وہ کچھ بھی کرتا پھرے اس کا ایمان بھی سلامت ہے یا نہیں۔اگر اس کا ایمان سلامت ہے تو اس کی بخشش ضرور ہوگی لیکن اگر اس نے بدعادات وخرافات اور شرکیہ اعمال میں پڑ کر اپنا ایمان ہی کھودیا ہے تب اس کی نجات نہیں ہوسکتی۔انسان کو ہر وقت اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ اس کا ایمان اور اس کے اعمال اللہ کے ہاں قبول بھی ہیں یا نہیں؟

اگر ایمان کے ساتھ اس کے معمولی اعمال بھی برقرار ہیں تو انشاء اللہ وہ جنت میں ضرور جائے گا اور وہ ابدی راحتوں سے ہم کنار ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۗ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ

مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۳

اور یقیناً ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی جس میں (لوگوں نے) اختلاف پیدا کیا۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور یقیناً یہ سب کے سب ایسے ہی ہیں مگر پھر بھی آپ کا رب ان کے اعمال پر پورا پورا حصہ دے گا۔ بے شک وہ ان کے کاموں کی ہر طرح خبر رکھتا ہے۔ (اے نبی ﷺ) آپ اور آپ کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہے یا جس طرح ان کو حکم دیا گیا ہے اس پر وہ سیدھی طرح قائم رہیں سرکشی نہ کریں۔ (بے شک ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ذمے ہے) بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے۔ اور ان ظالموں کی طرف نہ جھکو (کہیں ایسا نہ ہو کہ) آگ ہی تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ تم مدد کئے جاؤ گے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۳

اُخْتُلِفَ	اختلاف کیا گیا
كَلِمَةٌ	حکم
سَبَقَتْ	گذر گیا۔ گذر گئی
قُضِيَ	فیصلہ کر دیا گیا
مُرِيْبٌ	شبہ میں ڈالنے والا
كُلٌّ	ہر ایک۔ سب کے سب

لَيُوَفِّيَنَّ	پورا کئے جائیں گے
اِسْتَقِمْ	سیدھا رہ
اُمِرْتَ	تجھے حکم دیا گیا۔
تَابَ	متوجہ ہوا۔ توبہ کی
لَا تَطْغَوْا	نافرمانی نہ کرو
لَا تَرْكَنُوْا	تم مائل نہ ہو
تَمَسَّ	پہنچے گی
اَوْلِيَاءُ	(ولی)۔ دوست۔ حمایتی
لَا تُنْصَرُوْنَ	تم مدد نہ کئے جاؤ گے

تشریح: آیت نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۳

کفار و مشرکین اور منافقین کو جب بھی موقع ملتا وہ دین اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات پاک پر کیچڑ اچھالنے اور اسلام کی تعلیمات کو لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعت اور بے قیمت بنانے میں کسر نہ چھوڑتے۔ کبھی مذاق اڑاتے۔ کبھی بے بنیاد پروپیگنڈا کرتے اور کبھی قرآن کریم کی بعض آیات کی تصدیق کرتے اور کبھی انکار۔ ان باتوں سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو شدید ذہنی تکلیف پہنچتی تھی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان ظالموں کی باتوں کی پرواہ نہ کریں اور اللہ کے دین کو پہنچانے میں اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائیں۔ یہ اسلام کے دشمن خود ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس جگہ پر بھی اللہ تعالیٰ نبی مکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں جو قرآن کریم میں اختلاف کر رہے ہیں یہ تو ان لوگوں کا وہ مزاج ہے جس پر یہ ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو توریت جیسی عظیم کتاب دی گئی تھی لیکن انہوں نے اس میں بھی کجی اور ٹیڑھ پن تلاش کرنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔ فرمایا آج اگر یہ اسی روش پر چلتے ہوئے قرآن کریم میں اختلاف کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ جب چاہے گا ان کے لئے فیصلہ کردے گا لیکن اس اللہ نے ایک مدت مقرر کی ہوئی ہے جس میں ان کی جہالتوں کا ان کو بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ نے اگر یہ فیصلہ نہ کیا ہوا ہوتا تو ان کو وہ کسی بھی وقت تہس نہس کر سکتا تھا۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ خود اور وہ

حضرات جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کرکے ایمان وعمل صالح کی زندگی اختیار کرلی ہے اپنی جگہ پوری استقامت سے عمل کرتے رہیں۔اوران کی طرف نہ دیکھئے جن کے لئے جہنم مقدر کردی گئی ہے اوران کا بھیانک انجام ہے۔

اصل میں مخالفت کے طوفانوں میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت اورکسب معاش میں اس طرح سے ڈٹ جانا کسی حال میں اس ڈگر سے نہ ہٹنا اور جم کر کفر، شرک، منافقت اور بدعات وخرافات کا مقابلہ کرنا نہایت مشکل کام ہے لیکن وہ لوگ جو ہر طرف سے منہ پھیر کر اللہ ورسول کی فرماں برداری میں حالات کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اور بڑے سے بڑا لالچ اور تمنا ان کے پائے استقلال میں لرزش بھی پیدا نہیں کرتی تو وہی کامیاب وبامراد ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں کو کفار ومشرکین نے ایسی ایسی تکلیفیں پہنچائیں اور ظلم وستم کی انتہا کردی جن کے تصور سے روح بھی کانپ اٹھتی ہے لیکن ان کے قدموں میں ذرا بھی لرزش پیدا نہیں ہوئی۔آج نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی اسی استقامت نے دین اسلام کو دنیا کے ایک ایک کونے میں پہنچادیا اوران ہی کے صدقے میں آج ہم مسلمان ہیں۔اگر وہ استقامت نہ دکھاتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔اللہ تعالیٰ یہی فرمارہے ہیں کہ اے نبی ﷺ آپ اور آپ کے جاں نثار صبر واستقامت کے ساتھ حق وصداقت کے لئے ڈٹ جائیں، ان کفار کو اپنا کام کرنے دیں۔انہوں نے نہ تو کل اللہ کے دین کو تسلیم کیا تھا اور نہ آج کریں گے۔لیکن جو خوش نصیب ہیں وہ اسلام کی دولت سے ضرور مالا مال ہوں گے اور کفار ومشرکین اس دنیا میں اور آخرت میں سوائے برے انجام کے اور کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں گے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ
زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى
لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ
الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا
كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

اور آپ دن کے دونوں سروں پر نماز قائم کیجئے اور رات کے کچھ حصے میں۔ بے شک نیکیاں برے کاموں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ بات نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ اور صبر کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جو امتیں تم سے پہلے ہو گذری ہیں ان میں ایسے صاحب خیر لوگ کیوں نہیں ہیں کہ وہ لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے کچھ تھوڑے سے لوگ تھے جنہیں ہم نے نجات عطا فرما دی۔ اور ظالموں کو جو کچھ دیا گیا تھا وہ ظالم اسی کی لذت میں پڑے رہے اور وہ گناہ گار بن گئے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ کسی بستی کے لوگ تو اصلاح میں لگے ہوں اور وہ ان کو تباہ و برباد کر دے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

اَقِمْ	قائم کیجئے
طَرَفَیْ	(طَرَفَیْنِ) دونوں طرف۔ دو کنارے
اَلنَّهَارُ	دن
زُلَفٌ	(زُلْفَةٌ کی جمع)۔ رات کا حصہ جو دن سے ملا ہوا ہو
اَلَّیْلُ	رات
اَلْحَسَنٰتُ	(اَلْحَسَنَةُ)۔ نیکیاں
یُذْهِبْنَ	جائیں گی۔ (لے جائیں گی)
اَلسَّیِّاٰتُ	(اَلسَّیِّئَةُ)۔ برائیاں
ذِکْرٰی	دھیان
اِصْبِرْ	صبر کیجئے

لَا یُضِیۡعُ	ضائع نہیں کرتا
اَجۡرٌ	بدلہ
اَلۡمُحۡسِنِیۡنَ	نیکیاں کرنے والے
اَلۡقُرُوۡنَ	قومیں
اُو لُوۡ بَقِیَّةٍ	صاحبان خیر۔نیکیاں کرنے والے
اُتۡرِفُوۡا	مزہ پایا۔فائدہ حاصل کیا
مُصۡلِحُوۡنَ	اصلاح کرنے والے

تشریح: آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۷

سورۂ ھود میں اللہ تعالیٰ نے سات انبیاء کرامؑ کی دین کی سربلندی کے لئے ان کی جدوجہد اوران سعادت مندوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اطاعت انبیاء اور ایمان کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کرام کی اطاعت وفرماں برداری کا انکار کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی تھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی وساطت سے ساری امت کے لئے چند اصولی باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ان ظالموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور صبح وشام اور رات کی تاریکیوں میں نہایت خشوع اور خضوع سے اللہ کی بندگی واطاعت کے لئے نمازیں قائم کیجئے نماز ہی نجات کا ذریعہ ہے۔کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو برائیوں کو دور کر کے برائی کی ہر صورت کو اچھائیوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔یہ ایک ایسا نور ہے جس سے ہر ظلمت اور تاریکی چھٹتی چلی جاتی ہے۔قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ صبر اور صلوۃ کامیابی اور کامرانی کی کنجی ہے۔قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر صبر وصلوۃ کے ذریعہ استقامت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ فساد فی الارض کی کوئی بھی شکل ہو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔فرمایا گیا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر قوم میں سے وہ لوگ آگے بڑھ کر فساد کو جڑ و بنیاد سے کھود کر رکھ دیتے جن کو اللہ نے دین کی عقل اور سمجھ عطا فرمائی تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کے ہر اس فرد کی یہ ذمہ داری ہے (جس کو اللہ نے راہ ہدایت عطا فرمائی) کہ وہ امر بالمعروف اور

نھی عن المنکر کے فرض کو سرانجام دینے کی ممکنہ کوشش کرے۔ امت محمدیہ ﷺ میں خیرامت کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو ہر برائی سے روکنے اور ہر اچھائی پر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اور فساد کی کوئی بھی شکل ہو اس کو دور کرنے کی جدوجہد میں سب سے آگے بڑھ کر کام کرے۔

٣) تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ گذشتہ قوموں کی تباہی میں سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اللہ نے ان کو ہر نعمت سے نوازا۔ خوش حالی اور عیش و عشرت کا ہر سامان عطا فرمایا مگر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے بدمستی اور جرائم کا ایسا ارتکاب کیا کہ وہ قومیں کفر و شکر اور معصیت و گناہ میں غرق ہوتی چلی گئیں۔ ہر وہ شخص جو ان کو نصیحت کرتا ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کی بات کرتا وہ ان کے لئے بارگراں بن کر رہ گیا تھا اور انہوں نے اپنی عیاشیوں کے سامنے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات تک کو نظر انداز کر دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی ان کو تو نجات مل گئی لیکن جنہوں نے نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا اور وہ اللہ کے شدید عذاب کی نظر ہو گئے۔

٤) چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ اگر کوئی جماعت اپنی اصلاح میں لگ جاتی ہے تو اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس کو یہ شوق نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو عذاب میں مبتلا کر دے بلکہ جو بھی اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے اللہ اس کو پورا پورا موقع عطا فرماتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّا عٰمِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوا ۚ إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

ع ١٠ ١٠

ترجمہ: آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۳

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر اب وہ مختلف راستوں پر چلتے ہی رہیں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کا رب رحم کر دے۔ اور اسی اختیار کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنات اور لوگوں سے بھر دوں گا۔ نبیوں اور لوگوں کے جو قصے ہم بیان کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو سکے اور ان قصوں میں آپ تک جو مضمون پہنچ رہا ہے وہ حق اور سچ ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ پر عمل کر رہے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پوشیدہ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اور ہر بات کو بالآخر اس کی طرف لوٹنا ہے۔ پس آپ اسی کی عبادت و بندگی کیجیے اور اس پر بھروسہ کیجیے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

لغات القرآن آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۳

شَآءَ	اس نے چاہا
لَجَعَلَ	البتہ وہ بنا دیتا
اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک جماعت
لَا يَزَالُوْنَ	ہمیشہ
رَحِمَ	رحم کیا
خَلَقَ	اس نے پیدا کیا

اَمْلَئَنَّ	میں بھردوں گا
نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں
نُثَبِّتُ	ہم جمادیتے ہیں
فُؤَادٌ	دل
مَوْعِظَةٌ	نصیحت
ذِكْرٰى	دھیان۔توجہ دینے کی چیز
اِنْتَظِرُوْا	تم انتظار کرو
تَوَكَّلْ عَلَيْهِ	اس پر بھروسہ کیجئے

تشریح: آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۳

سورہ ہود کی ان آخری آیات میں چند بہت ہی بنیادی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جو درحقیقت اس سورت کا خلاصہ بھی ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت اور ایک ہی ملت بنادیتا کبھی ان کے درمیان اختلاف پیدا نہ ہوتا وہ سب کے سب ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے رہتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں زمین، آسمان، چاند سورج ستاروں، پہاڑوں اور دریاؤں کی طرح ان کو بے اختیار نہیں رکھا بلکہ انسانوں کو اختیار اور انتخاب کی آزادی دے کر اس کی قدرت بخش دی کہ وہ اچھے یا برے اعمال میں سے جس راستے کا چاہیں انتخاب کرلیں اچھائی اور برائی، جنت اور جہنم دونوں کے راستے کھول دیئے۔اب یہ انسان کی اپنی پسند ہے کہ وہ ان میں سے کس راستے کا انتخاب کرتا ہے اسی پر فیصلہ ہوگا۔اسی آزادی انتخاب کی وجہ سے اختلافات ہونا،عمل اور طبیعتوں میں فرق پیدا ہونا فطری بات ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ سچے دین سے بھی اختلاف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

اس جگہ خلاف اور اختلاف کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔خلاف کے معنی ہیں ضد ہٹ دھرمی اور اپنی ہر بات پر بے جا اصرار

جب کہ اختلاف کے معنی اس کے برعکس ہیں یعنی کسی علمی، فکری معاملہ میں اجتہادی اختلاف کرنا۔ درحقیقت قرآن وسنت کے خلاف کرنا۔ ضد اور ہٹ دھرمی پر جم جانا یہ خلاف شریعت ہے جبکہ اختلاف کرنا یہ رحمت ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اختلاف امتی رحمتہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ صحابہ کرامؓ، علماء کرام، اور ائمہ مجتہدین کے اختلافات سے علم کے ہزاروں پہلو نمایاں ہو کر سامنے آئے ہیں کیونکہ اس اختلاف میں ضد نفسانیت، غرور اور تکبر نہیں تھا بلکہ عاجزی، انکساری اور علمی فکر بنیاد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے نزدیک ایک بات بہت اہم ہوتی ہے جس پر ان کی رائے ہوتی ہے لیکن جب دلائل سے ان کو یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن وسنت کے مطابق فلاں اصول بنتا ہے تو انہوں نے کبھی خلاف نہیں کیا بلکہ اپنی رائے سے فوراً رجوع کر لیا۔ اس کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ خلاف اور اختلاف میں یہی بنیادی فرق ہے

۲) سورۂ ھود میں سات انبیاء کرام اور ان کی امتوں کا ذکر خیر نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کو یہ تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی بات کو مان کر دین اسلام کی سچائیوں کو قبول کیا نجات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوئی لیکن جن لوگوں نے اس کے برخلاف ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو کر رہیں۔ ان واقعات پر سرسری نظر ڈالی جائے تو چند باتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔

(الف) نبی کریم ﷺ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اس بات سے یقیناً آپ کو سکون قلب اور اطمینان حاصل ہو جائے گا کہ اللہ کا دین پہنچانے میں انبیاء کرامؑ کو کس قدر مشکلات اور پریشانیاں اٹھانا پڑی ہیں۔ جاہلوں اور لاعلم لوگوں کی اذیت پر انہوں نے کس قدر تحمل اور برداشت سے کام لیا تھا مگر انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ان پر ایمان لانے والوں کو دنیا اور آخرت میں سرخ رو اور کامیاب فرمایا اور جنہوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری سے انکار کیا اور غرور و تکبر کا طریقہ اختیار کیا اللہ نے ان کو اور ان کی تہذیب کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔

(ب) حق وصداقت کی بات اور آواز کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو آخر کار کامیابی اور سرفرازی حق وصداقت کی راہ اختیار کرنے والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ اور وہی کمزور آواز قوت وطاقت بن جاتی ہے۔

(ج) امت محمدیہ ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ ان تمام باتوں سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کریں جن سے گذشتہ انبیاء کرام کی امتیں تباہ وبرباد کر دی گئیں۔

(د) نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی! آپ واضح الفاظ میں ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے مخاطب ہیں کہ اگر تم نے صراط مستقیم کو اختیار نہیں کیا اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر جمے رہے تو برے انجام کے لئے تم تیار رہو

اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور آخری بات یہ فرمائی گئی کہ زمین و آسمان کے تمام غیب کا علم اللہ کو ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی کائنات کو کس طرح چلایا جاتا ہے وہ اس میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور کوئی بھی شخص اللہ کو اپنا محتاج نہ سمجھے بلکہ ہر بات اور ہر معاملہ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جائے گا وہ اس کے مطابق فیصلہ فرمائے گا لہٰذا اے نبی ﷺ آپ اسی ایک اللہ کی عبادت و بندگی کیجئے اور زندگی کے ہر معاملہ میں اسی ایک ذات پر بھروسہ کیجئے وہ ایک ایک انسان کے ہر عمل سے ہر آن واقف ہے اور اس کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔

الحمدللہ سورۂ ھود کا ترجمہ و تشریح مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم پر عمل کرنے اور سنت انبیاء کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆